سلسلۂ نصابات تعلیم جامعۂ عثمانیہ

تاریخ اہل انگلستان

جلد اول

یعنی

جان رچرڈ گرین کی "اے شارٹ ہسٹری آف دی انگلش پیپل" کا اردو ترجمہ
انٹرمیڈیٹ کے لئے

مترجمہ
قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے۔
رکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ
جامعہ عثمانیہ

۱۳۳۷ھ مطابق ۱۳۲۸ف مطابق ۱۹۱۹ء
مطبوعۂ دار الطبع سرکار عالی حیدر آباد دکن
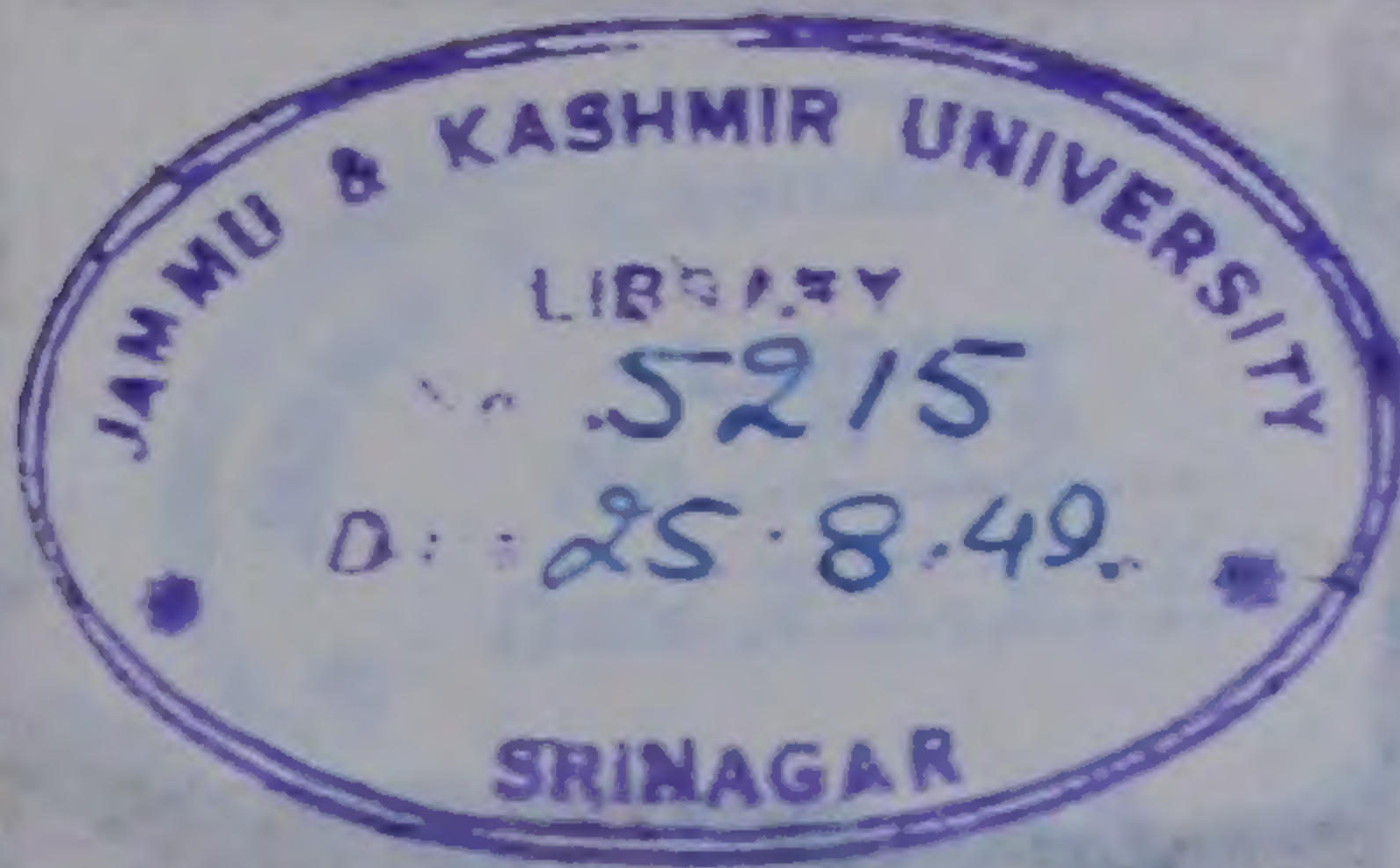
مُقَدّمہ

دنیا میں ہر قوم کی زندگی میں ایک ایسا زمانہ آتا ہے جب کہ اُس کے قوائے ذہنی میں انحطاط کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں، ایجاد و اختراع اور غور و فکر کا مادّہ تقریباً مفقود ہو جاتا ہے، تخیل کی پرواز اور نظر کی جولانی تنگ اور محدود ہو جاتی ہے، علم کا دار و مدار چند رسمی باتوں اور تقلید پر رہ جاتا ہے۔ اُس وقت قوم یا تو بیکار اور مردہ ہو جاتی ہے یا سنبھلنے کے لئے یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ دوسری ترقی یافتہ اقوام کا اثر قبول کرے۔ تاریخ عالم کے ہر دَور میں اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ خود ہمارے دیکھتے دیکھتے جاپان پر یہی گذری اور یہی حالت اب ہندوستان کی ہے۔

جس طرح کوئی شخص دوسرے بنی نوع انسان سے قطع تعلق کرکے تنہا اور الگ تھلگ نہیں رہ سکتا اور اگر رہے تو پنپ

نہیں سکتا اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی قوم دیگر اقوام عالم سے بے نیاز ہو کر پھولے پھلے اور ترقی پائے۔ جس طرح ہوا کے جھونکے اور ادنیٰ پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کے اثر سے وہ مقامات تک ہرے بھرے رہتے ہیں جہاں انسان کی دسترس نہیں اسی طرح انسانوں اور قوموں کے اثر بھی ایک دوسرے تک اڑ کر پہنچتے ہیں۔ جس طرح **یونان** کا اثر روما اور دیگر اقوام **یورپ** پر پڑا جس طرح **عرب** نے **عجم** کو اور **عجم** نے **عرب** کو اپنا فیض پہنچایا' جس طرح **اسلام** نے **یورپ** میں تاریکی اور جہالت کو مٹا کر علم کی روشنی پہنچائی اسی طرح آج ہم بھی بہت سی باتوں میں مغرب کے محتاج ہیں۔ یہ قانون عالم ہے جو یوں ہی جاری رہا اور جاری رہیگا۔

"دئے سے دیا یوں ہی جلتا رہا ہے"

جب کسی قوم کی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے اور وہ آگے قدم بڑھانے کی سعی کرتی ہے تو ادبیات کے میدان میں پہلی منزل **ترجمہ** ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب قوم میں جدت اور اپج نہیں رہی تو ظاہر ہے کہ اس کی تصانیف معمولی' ادھوری' کم مایہ اور ادنیٰ ہونگی۔ اُس وقت قوم کی بڑی خدمت یہی ہے کہ ترجمہ کے ذریعہ سے دنیا کی اعلیٰ درجہ کی تصانیف اپنی زبان میں لائی جائیں۔ یہی ترجمے خیالات میں تغیر اور معلومات میں اضافہ کریں گے' جمود کو توڑیں گے اور قوم میں ایک نئی حرکت پیدا کریں گے اور پھر آخر یہی ترجمے تصنیف و تالیف

کے جدید اسلوب اور ڈھنگ سُجھائیں گے۔ ایسے وقت میں ترجمہ تصنیف سے زیاد قابل قدر، زیادہ مفید اور زیادہ فیض رساں ہوتا ہے۔

اسی اصول کی بنا پر جب عثمانیہ یونیورسٹی کی تجویز پیش ہوئی تو ہز اکزالٹڈ ہائینس رستم دوراں ارسطوئے زماں سپہ سالار آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب میر عثمان علیخان بہادر فتح جنگ جی۔سی۔اس۔آئی۔جی۔سی۔بی۔ای۔والی حیدرآباد دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ نے جن کی علمی قدر دانی اور علمی سرپرستی اس زمانہ میں احیائے علوم کے حق میں آب حیات کا کام کر رہی ہے، بہ تقاضائے مصلحت و دور بینی سب سے اول سررشتۂ تالیف و ترجمہ کے قیام کی منظوری عطا فرمائی، جو نہ صرف یونیورسٹی کے لئے نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کریگا بلکہ ملک میں نشر و اشاعتِ علوم و فنون کا کام بھی انجام دیگا۔ اگرچہ اس سے قبل بھی یہ کام ہندوستان کے مختلف مقامات میں تھوڑا تھوڑا انجام پایا مثلاً فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں زیر نگرانی ڈاکٹر گلکرسٹ، دہلی سوسائٹی میں، انجمن پنجاب میں زیر نگرانی ڈاکٹر لائٹنر و کرنل ہالرائڈ، علی گڑھ سائنٹفک انسٹیوٹ میں جس کی بنا سر سیّد احمد خاں مرحوم نے ڈالی۔ مگر یہ کوششیں سب وقتی اور عارضی تھیں۔ نہ اُنکے پاس کافی سرمایہ اور سامان تھا نہ اُنہیں یہ موقع حاصل تھا

اور نہ انہیں اعلیٰحضرت و اقدس جیسے علم پرور فرمانروا کی سرپرستی کا شرف حاصل تھا۔ یہ پہلا وقت ہے کہ اردو زبان کو علوم و فنون سے مالا مال کرنے کے لئے باقاعدہ اور مستقل کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ پہلا وقت ہے کہ اردو زبان کو یہ رتبہ ملا ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار پائی ہے۔ احیائے علوم کے لئے جو کام آگسٹس نے رومہ میں، خلافت عباسیہ میں ہارون الرّشید و مامون الرّشید نے ہسپانیہ میں عبدالرحمٰن ثالث نے، بکرماجیت و اکبر نے ہندوستان میں، الفرڈ نے انگلستان میں، پیٹر اعظم و کیتھرائن نے روس میں اور مُت شی ہٹو نے جاپان میں کیا، وہی فرمانروائے دولت آصفیہ نے اس ملک کے لئے کیا۔ اعلیٰحضرت واقدس کا یہ کارنامہ ہندوستان کی علمی تاریخ میں ہمیشہ فخر و مباہات کے ساتھ ذکر کیا جائیگا۔

منجملہ اُن اسباب کے جو قومی ترقی کا موجب ہوتے ہیں ایک بڑا سبب زبان کی تکمیل ہے۔ جس قدر جو قوم زیادہ ترقی یافتہ ہے اُسی قدر اُس کی زبان وسیع اور اس میں نازک خیالات اور علمی مطالب کے ادا کرنے کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے، اور جس قدر جس قوم کی زبان محدود ہوتی ہے اُسی قدر تہذیب و شایستگی بلکہ انسانیت میں اس کا درجہ کم ہوتا ہے۔ چنانچہ وحشی اقوام میں الفاظ کا ذخیرہ بہت ہی کم پایا گیا ہے۔ علمائے فلسفہ و علم اللسان نے یہ ثابت کیا ہے کہ زبان، خیال اور

خیال، زبان ہے اور ایک مدت کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں
کہ انسانی دماغ کے صحیح تاریخی ارتقا کا علم، زبان کی تاریخ
کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ الفاظ ہمیں سوچنے میں
ویسی ہی مدد دیتے ہیں جیسی آنکھیں دیکھنے میں۔ اس لئے
زبان کی ترقی درحقیقت عقل کی ترقی ہے۔

علمِ ادب اسی قدر وسیع ہے جس قدر حیاتِ انسانی۔اور
اس کا اثر زندگی کے ہر شعبہ پر پڑتا ہے۔وہ نہ صرف انسان
کی ذہنی، معاشرتی، سیاسی ترقی میں مدد دیتا، اور نظر میں وسعت،
دماغ میں روشنی، دلوں میں حرکت اور خیالات میں تغیر پیدا کرتا
ہے بلکہ قوموں کے بنانے میں ایک قوی آلہ ہے۔قومیت کے
لئے ہم خیالی شرط ہے اور ہم خیالی کے لئے ہم زبانی لازم۔
گویا یک زبانی قومیت کا شیرازہ ہے جو اسے منتشر ہونے سے
بچائے رکھتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب کہ مسلمان اقطاع عالم میں
پھیلے ہوئے تھے لیکن اُن کے علم ادب اور زبان نے انہیں
ہر جگہ ایک کر رکھا تھا۔ اس زمانے میں انگریز ایک دنیا پر
چھائے ہوئے ہیں لیکن باوجود بُعدِ مسافت و اختلافِ حالات
یک زبانی کی بدولت قومیت کے ایک سلسلے میں منسلک
ہیں، زبان میں جادو کا سا اثر ہے اور صرف افراد ہی پر
نہیں بلکہ اقوام پر بھی اُس کا وہی تسلّط ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تعلیم کا صحیح اور فطرتی ذریعہ اپنی ہی زبان
ہو سکتی ہے۔ اس امر کو اعلیٰحضرت واقدس نے

پہچانا اور جامعۂ عثمانیہ کی بنیاد ڈالی۔ جامعۂ عثمانیہ ہندوستان میں پہلی یونیورسٹی ہے جس میں ابتدا سے انتہا تک ذریعۂ تعلیم ایک دیسی زبان ہوگا۔ اور یہ زبان اردو ہوگی۔ ایک ایسے ملک میں جہاں "بھانت بھانت کی بولیاں" بولی جاتی ہیں، جہاں ہر صوبہ ایک نیا عالم ہے، صرف اردو ہی ایک عام اور مشترک زبان ہو سکتی ہے۔ یہ اہل ہند کے میل جول سے پیدا ہوئی اور اب بھی یہی اس فرض کو انجام دیگی۔ یہ اس کے خمیر اور وضع و ترکیب میں ہے۔ اس لئے یہی تعلیم اور تبادلہ خیالات کا واسطہ بن سکتی اور **قومی زبان** کا دعوٰے کر سکتی ہے۔

جب تعلیم کا ذریعہ اردو قرار دیا گیا تو یہ کھلا اعتراض تھا کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کتابوں کا ذخیرہ کہاں ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اردو میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ اس میں علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم ہو سکے۔ یہ صحیح ہے کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کافی ذخیرہ نہیں۔ اور اردو ہی پر کیا منحصر ہے، ہندوستان کی کسی زبان میں بھی نہیں۔ یہ طلب و رسد کا عام مسئلہ ہے۔ جب مانگ ہی نہ تھی تو رسد کہاں سے آتی۔ جب ضرورت ہی نہ تھی تو کتابیں کیونکر مہیا ہوتیں۔ ہماری اعلیٰ تعلیم غیر زبان میں ہوتی تھی، تو علوم و فنون کا ذخیرہ ہماری زبان میں کہاں سے آتا۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ اب ضرورت محسوس ہوئی ہے تو کتابیں بھی

مہیا ہو جائیں گی۔ اسی کمی کو پورا کرنے اور اسی ضرورت کو رفع کرنے کے لئے سررشتۂ تالیف و ترجمہ قائم کیا گیا۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ اردو زبان میں اس کی صلاحیت نہیں۔ اس کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں۔ سررشتۂ تالیف و ترجمہ کا وجود اس کا شافی جواب ہے۔ یہ سررشتہ یہی کام کر رہا ہے۔ کتابیں تالیف و ترجمہ ہو رہی ہیں اور چند روز میں عثمانیہ یونیورسٹی کالج کے طالب علموں کے ہاتھوں میں ہونگی اور رفتہ رفتہ عام شایقینِ علم تک پہنچ جائیں گی۔

لیکن اس میں سب سے کٹھن اور سنگلاخ مرحلہ وضع اصطلاحات کا تھا۔ اس میں بہت کچھ اختلاف اور بحث کی گنجائش ہے۔ اس بارے میں ایک مدت کے تجربہ اور کامل غور و فکر اور مشورہ کے بعد میری یہ رائے قرار پائی ہے کہ تنہا نہ تو ماہرِ علم صحیح طور سے اصطلاحات وضع کر سکتا ہے اور نہ ماہرِ لسان۔ ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے۔ اور ایک کی کمی دوسرا پورا کرتا ہے۔ اس لئے اس اہم کام کو صحیح طور سے انجام دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں یک جا جمع کئے جائیں تاکہ وہ ایک دوسرے کے مشورہ اور مدد سے ایسی اصطلاحیں بنائیں جو نہ اہل علم کو ناگوار ہوں نہ اہل زبان کو۔ چنانچہ اسی اصول پر ہم نے وضع اصطلاحات کے لئے ایک ایسی مجلس بنائی جس میں دونوں، جماعتوں کے اصحاب شریک ہیں۔ علاوہ اِن کے

ہم نے اُن اہلِ علم سے بھی مشورہ کیا جو اس کی خاص اہلیت رکھتے ہیں اور بُعدِ مسافت کی وجہ سے ہماری مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے ۔ اس میں شک نہیں کہ بعض الفاظ غیر مانوس معلوم ہوں گے اور اہل زبان انہیں دیکھ کر ناک بھوں چڑھائیں گے ۔ لیکن اس سے گزیر نہیں ۔ ہمیں بعض ایسے علوم سے واسطہ ہے جن کی ہوا تک ہماری زبان کو نہیں لگی۔ ایسی صورت میں سوائے اس کے چارہ نہیں کہ جب ہماری زبان کے موجودہ الفاظ خاص خاص مفہوم کے ادا کرنے سے قاصر ہوں تو ہم جدید الفاظ وضع کریں ۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم نے محض ٹالنے کے لئے زبردستی الفاظ گھڑ کر رکھ دئے ہیں؛ بلکہ جس نہج پر اب تک الفاظ بنتے چلے آئے ہیں اور جن اصولِ ترکیب و اشتقاق پر اب تک ہماری زبان کاربند رہی ہے ، اس کی پوری پابندی ہم نے کی ہے ۔ ہم نے اُس وقت تک کسی لفظ کے بنانے کی جرأت نہیں کی جب تک اُسی قسم کی متعدّد مثالیں ہمارے پیش نظر نہ رہی ہوں ۔ ہماری رائے میں جدید الفاظ کے وضع کرنے کی اس سے بہتر اور صحیح کوئی صورت نہیں۔ اب اگر کوئی لفظ غیر مانوس یا اجنبی معلوم ہو تو اس میں ہمارا قصور نہیں ۔ جو زبان زیادہ تر شعر و شاعری اور قصص تک محدود ہو، وہاں ایسا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں ۔ جس ملک سے ایجاد و اختراع کا مادّہ سلب ہو گیا ہو جہاں لوگ نئی چیزوں کے بنانے اور دیکھنے کے عادی نہ ہوں، وہاں جدید الفاظ کا

غیر مانوس اور اجنبی معلوم ہونا موجب حیرت نہیں۔ الفاظ کی حالت بھی انسانوں کی سی ہے۔ اجنبی شخص بھی رفتہ رفتہ مانوس ہو جاتے ہیں۔ اول اول الفاظ کا بھی یہی حال ہے۔ استعمال آہستہ آہستہ غیر مانوس کو مانوس کر دیتا ہے اور صحت و غیر صحت کا فیصلہ زمانہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ لفظ تجویز کرتے وقت ہر پہلو پر کامل غور کرلیں، آئندہ چل کر اگر وہ استعمال اور زمانہ کی کسوٹی پر پورا اترا تو خود ٹکسالی ہو جائیگا اور اپنی جگہ آپ پیدا کرلیگا۔ علاوہ اس کے جو الفاظ پیش کئے گئے ہیں وہ الہامی نہیں کہ جن میں ردّ و بدل نہ ہو سکے، بلکہ **فرہنگِ اصطلاحاتِ عثمانیہ** جو زیر ترتیب ہے پہلے اس کا مسودہ اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جائے گا اور جہاں تک ممکن ہوگا اس کی اصلاح میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جائے گا۔

لیکن ہماری مشکلات صرف **اصطلاحات علمیہ** تک ہی محدود نہیں ہیں۔ ہمیں ایک ایسی زبان سے ترجمہ کرنا پڑتا ہے جو ہمارے لئے بالکل اجنبی ہے، اس میں اور ہماری زبان میں کسی قسم کا کوئی رشتہ یا تعلق نہیں۔ اس کا طرز بیان، ادائے مطلب کے اسلوب، محاورات وغیرہ بالکل جدا ہیں۔ جو الفاظ اور جملے انگریزی زبان میں بالکل معمولی اور روز مرہ کے استعمال میں آتے ہیں، اُن کا ترجمہ جب ہم اپنی زبان میں کرنے بیٹھتے ہیں تو سخت دشواری پیش آتی ہے۔ ان تمام دشواریوں پر

غالب آنے کے لئے مترجم کو کیسا کچھ خونِ جگر کھانا نہیں پڑتا۔ ترجمہ کا کام، جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے، کچھ آسان کام نہیں ہے ۔ بہت خاک چھاننی پڑتی ہے تب کہیں گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے۔

اس سررشتہ کا کام صرف یہی نہ ہوگا (اگرچہ یہ اس کا فرضِ اولین ہے) کہ وہ نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کرے، بلکہ اس کے علاوہ وہ ہر علم پر متعدد اور کثرت سے کتابیں تالیف و ترجمہ کرائے گا، تاکہ لوگوں میں علم کا شوق بڑھے، ملک میں روشنی پھیلے، خیالات و قلوب پر اثر پیدا ہو، جہالت کا استیصال ہو۔ جہالت کے معنی اب لاعلمی ہی کے نہیں بلکہ اس میں افلاس، کم ہمتی، تنگ دلی، کوتہ نظری، بے غیرتی، بد اخلاقی سب کچھ آجاتا ہے ۔ جہالت کا مقابلہ کرکے اسے پس پا کرنا سب سے بڑا کام ہے ۔ انسانی دماغ کی ترقی علم کی ترقی ہے۔ انسانی ترقی کی تاریخ علم کی اشاعت و ترقی کی تاریخ ہے ۔ ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک انسان نے جو کچھ کیا ہے، اگر اس پر ایک وسیع نظر ڈالی جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جوں جوں علم میں اضافہ ہوتا گیا، پچھلی غلطیوں کی صحت ہوتی گئی، تاریکی گھٹتی گئی، روشنی بڑھتی گئی، انسان میدانِ ترقی میں قدم آگے بڑھاتا گیا ۔ اسی مقدس فرض کے ادا کرنے کے لئے یہ سررشتہ قائم کیا گیا ہے اور وہ اپنی بساط کے موافق اس کے انجام دینے میں کوتاہی نہ کرے گا ۔

لیکن غلطی، تحقیق و جستجو کی گھات میں لگی رہتی ہے ۔ ادب کا

کامل ذوق سلیم ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے نقاد اور مبصر فاش غلطیاں کر جاتے ہیں۔ لیکن اس سے ان کے کام پر حرف نہیں آتا۔ غلطی ترقی کے مانع نہیں ہے، بلکہ وہ صحت کی طرف رہنمائی کرتی ہے پچھلوں کی بھول چوک آنے والے مسافر کو رستہ بھٹکنے سے بچا دیتی ہے۔ ایک جاپانی ماہر تعلیم (بیرن کی کوچی) نے اپنے ملک کا تعلیمی حال لکھتے ہوئے اس صحیح کیفیت کا ذکر کیا ہے جو ہونہار اور ترقی کرنے والے افراد اور اقوام پر گزرتی ہے۔

"ہم نے بہت سے تجربے کئے اور بہت سی ناکامیاں اور غلطیاں ہوئیں، لیکن ہم نے ان سے نئے سبق سیکھے اور فائدہ اٹھایا۔ رفتہ رفتہ ہمیں اپنے ملک کی تعلیمی ضروریات اور امکانات کا صحیح اور بہتر علم ہوتا گیا اور ایسے تعلیمی طریقے معلوم ہوتے گئے جو ہمارے اہل وطن کے لئے زیادہ موزوں تھے۔ ابھی بہت سے ایسے مسائل ہیں جو ہمیں حل کرنے ہیں، بہت سی ایسی اصلاحیں ہیں جو ہمیں عمل میں لانی ہیں، ہم نے اب تک کوشش کی اور ابھی کوشش کر رہے ہیں اور مختلف طریقوں کی برائیاں اور بھلائیاں دریافت کرنے کے درپے ہیں، تاکہ اپنے ملک کے فائدے کے لئے اچھی باتوں کو اختیار کریں اور رواج دیں اور برائیوں سے بچیں۔"

اس لئے جو حضرات ہمارے کام پر تنقیدی نظر ڈالیں انہیں وقت کی تنگی، کام کا ہجوم اور اس کی اہمیت اور ہماری مشکلات پیش نظر رکھنی چاہئیں۔ یہ پہلی سعی ہے اور پہلی سعی میں کچھ نہ کچھ خامیاں

ضرور رہ جاتی ہیں، لیکن آگے چل کر یہی خامیاں ہماری رہنما بنیں گی اور پختگی اور اصلاح تک پہنچائیں گی۔ یہ نقش اول ہے نقش ثانی اس سے بہتر ہوگا۔ ضرورت کا احساس علم کا شوق، حقیقت کی لگن، صحت کی ٹوہ، جد و جہد کی رسائی خود بخود ترقی کے مدارج طے کرلے گی۔

جاپانی بڑے فخر سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیس چالیس سال کے عرصے میں وہ کچھ کر دکھایا جس کے انجام دینے میں یورپ کو اتنی ہی صدیاں صرف کرنی پڑیں۔ کیا کوئی دن ایسا آئے گا کہ ہم بھی یہ کہنے کے قابل ہوں گے؟ ہم نے پہلی شرط پوری کر دی ہے یعنی بیجا قیود سے آزاد ہوکر اپنی زبان کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ لوگ ابھی ہمارے کام کو تذبذب کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور ہماری زبان کی قابلیت کی طرف مشتبہ نظریں ڈال رہے ہیں۔ لیکن وہ دن آنے والا ہے کہ اس ذرے کا بھی ستارہ چمکے گا، یہ زبان علم و حکمت سے مالا مال ہوگی اور اعلیحضرت واقدس کی نظر کیمیا اثر کی بدولت یہ دنیا کی مہذب و شایستہ زبانوں کی ہمسری کا دعوے کرے گی۔ اگرچہ اُس وقت ہماری سعی اور محنت حقیر معلوم ہوگی، مگر یہی شامِ غربت صبحِ وطن کی آمد کی خبر دے رہی ہے، یہی شب بیداریاں روزِ روشن کا جلوہ دکھائیں گی، اور یہی مشقت اُس قصر رفیع الشان کی بنیاد ہوگی جو آئندہ تعمیر ہونے والا ہے۔ اس وقت ہمارا کام صبر و استقلال سے میدان صاف کرنا،

داغ بیل ڈالنا اور نیو کھودنا ہے، اور فرہاد وار شیرینِ حکمت کی خاطر سنگلاخ پہاڑوں کو کھود کھود کر جوئے علم لانے کی سعی کرنا ہے۔ اور گو ہم نہ ہوں گے مگر ایک زمانہ آئیگا جب کہ اس میں علم و حکمت کے دریا بہیں گے اور ادبیات کی افتادہ زمین سرسبز و شاداب نظر آئے گی۔

آخر میں میں سررشتہ کے مترجمین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے فرض کو بڑی مستعدی اور شوق سے انجام دیا۔ نیز میں ارکانِ مجلسِ وضعِ اصطلاحات کا شکر گزار ہوں کہ اِن کے مفید مشورے اور تحقیق کی مدد سے یہ مشکل کام بخوبی انجام پا رہا ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ یہ سررشتہ جناب مسٹر محمدؐ اکبر حیدری بی۔ اے معتمد عدالت و تعلیمات و کوتوالی و امور عامّہ سرکار عالی کا ممنون ہے جنہیں ابتدا سے قیام و انتظام جامعۂ عثمانیہ میں خاص انہاک رہا ہے۔ اور اگر ان کی توجہ اور امداد ہمارے شریک حال نہ ہوتی تو یہ عظیم الشان کام صورت پذیر نہ ہوتا۔ میں سید راس مسعود صاحب بی۔ اے (آکسن) آئی۔ اِی۔ ایس۔ ناظِم تعلیمات سرکار عالی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی توجہ اور عنایت ہمارے حال پر مبذول رہی اور ضرورت کے وقت ہمیشہ بلا تکلف خوشی کے ساتھ ہمیں مدد دی۔

عبدالحق

ناظِم سررشتۂ تالیف و ترجمہ (عثمانیہ یونیورسٹی)

ارکانِ دارالترجمہ

مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ناظم۔
قاضی محمد حسین صاحب۔ ایم۔ اے۔ رینگلر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم ریاضیات
چودھری برکت علی صاحب بی۔ ایس۔ سی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم سائینس
مولوی سید ہاشمی صاحب۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم تاریخ۔
مولوی محمد الیاس صاحب برنی ایم۔ اے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم معاشیات
قاضی تلمذ حسین صاحب یم۔ اے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم سیاسیات
مولوی ظفر علی خاں صاحب بی۔ اے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم تاریخ۔
مولوی عبدالماجد صاحب بی۔ اے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم فلسفہ و منطق
مولوی عبدالحلیم صاحب شرر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مولف تاریخ اسلام
مولوی سید علی رضا صاحب بی۔ اے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم قانون۔
مولوی عبداللہ العمادی صاحب۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم کتب عربی

علاوہ ان مذکورۂ بالا مترجمین کے مولوی حاجی صفی الدین صاحب ترجمہ شدہ کتابوں کو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے لئے اور نواب حیدر یار جنگ (مولوی علی حیدر صاحب طبا طبائی) ترجموں پر نظر ثانی کرنے کے لئے مقرر فرمائے گئے ہیں ٭

ارکانِ مجلسِ وضعِ اصطلاحات

مولوی مرزا مہدی خاں صاحب کوکب وظیفہ یاب سرکار عالی (سابق ناظم مردم شماری)

مولوی حمیدالدین صاحب بی۔اے صدر دارالعلوم

نواب حیدر یار جنگ (مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی)

مولوی وحیدالدین صاحب سلیم

مولوی عبدالحق بی۔اے ناظم سررشتہ تالیف وترجمہ

علاوہ ان مستقل ارکان کے، مترجمین سررشتہ تالیف وترجمہ نیز دوسرے اصحاب سے بلحاظ اُنکے فن کے مشورہ کیا گیا۔ مثلاً

خان فضل محمد خانصاحب ایم۔اے رینگلر (پرنسپل سٹی ہائی اسکول حیدرآباد)

مولوی عبدالواسع صاحب (پروفیسر دارالعلوم حیدرآباد)

پروفیسر عبدالرحمٰن صاحب۔بی۔ایس۔سی (نظام کالج)

مرزا محمد ہادی صاحب۔بی۔اے (پروفیسر کرسچن کالج لکھنؤ)

مولوی سلیمان صاحب ندوی

سید راس مسعود صاحب بی۔اے (ناظم تعلیمات حیدرآباد) وغیرہ
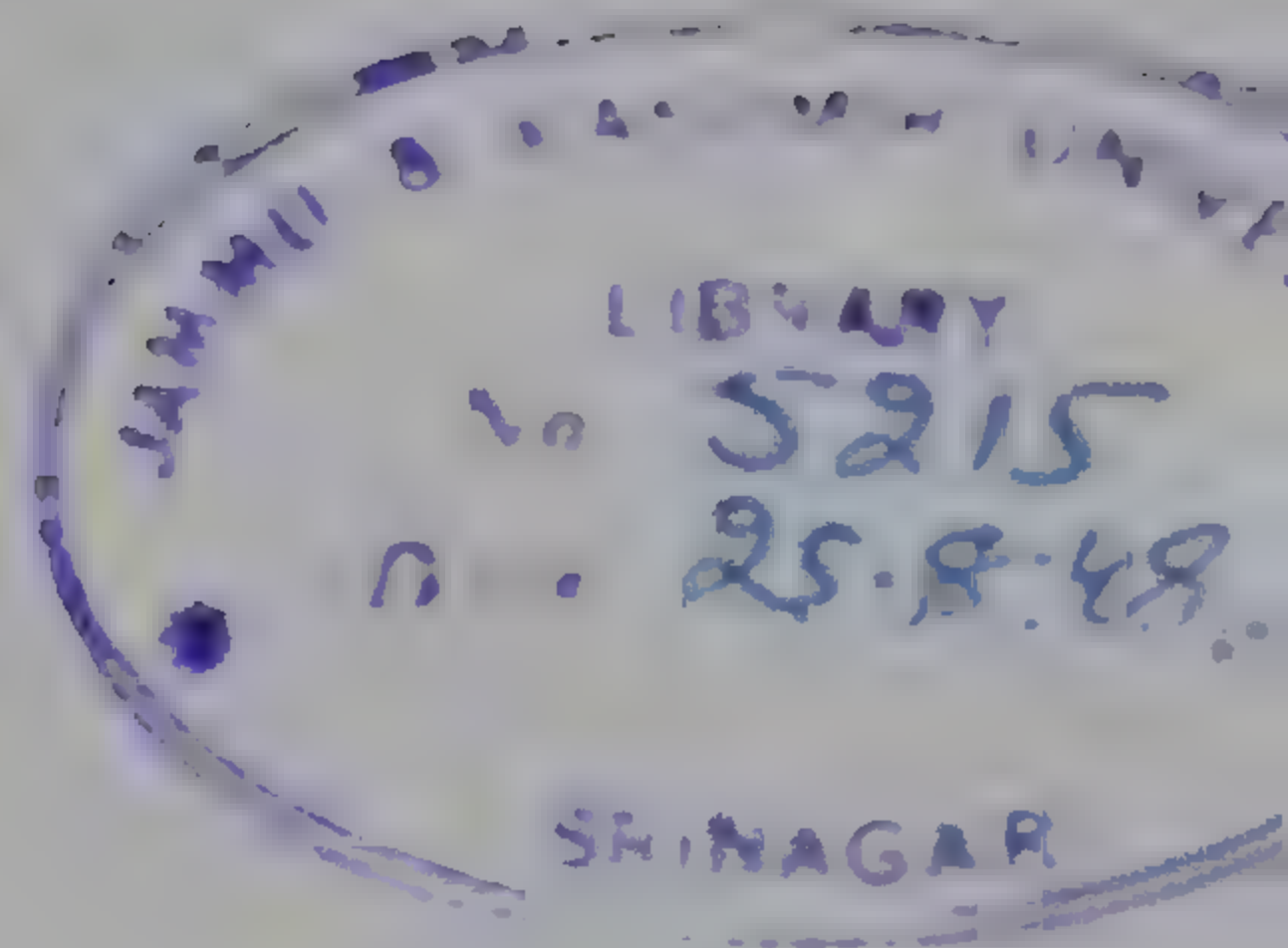
فہرست

باب اول

سلطنتہائے انگلشیہ ۱ ۱۳۵

جزو	عنوان	از	تا
جزو اول	برطانیہ و انگریز	۱	۱۶
جزو دوم	فتح انگلشیہ	۱۶	۳۵
جزو سوم	سلطنت نارتھمبریا	۳۶	۷۷
جزو چہارم	سلطنتہائے ثلثہ	۷۸	۹۸
جزو پنجم	وسکس و ڈین	۹۵	۱۱۳
جزو ششم	مملکت ویسٹ سیکسن	۱۱۳	۱۳۵

باب دوم

انگلستان زیر نگین شاہان غیر ۱۳۶ ۲۵۷

جزو	عنوان	از	تا
جزو اول	شاہان ڈین	۱۳۶	۱۴۶
جزو دوم	مراجعتِ حکومتِ انگلشیہ	۱۴۶	۱۵۳
جزو سوم	نارمنڈی و نارمن	۱۵۳	۱۶۱
جزو چہارم	فاتح	۱۶۱	۱۷۷
جزو پنجم	فتوحات نارمن	۱۷۷	۱۹۰
جزو ششم	جدید انگریزی دور	۱۹۰	۲۱۳

جزو ہفتم انگلستان و آنجو ۲۱۳ ۲۲۸
جزو ہشتم ہنری ثانی ۲۲۸ ۲۴۷
جزو نہم آنجویوں کا زوال ۲۴۷ ۲۵۷

باب سوم

منشور اعظم ۲۵۰

جزو اول انگریزی علم ادب بعہد شاہان نارمنڈی ۲۵۸ ۲۶۹
جزو دوم جان ۲۷۰ ۲۸۵
جزو سوم منشور اعظم ۲۸۵ ۲۹۵
جزو چہارم یونیورسٹیاں یعنی دارالعلوم ۲۹۵ ۳۱۸
جزو پنجم ہنری سوم ۳۱۸ ۳۳۳
جزو ششم فرائر ۳۳۳ ۳۴۴
جزو ہفتم بیرنوں کی جنگ ۳۴۵ ۳۶۶

باب چہارم

تین اڈورڈ ۳۶۷ ۵۱۲

جزو اول فتح ویلز ۳۶۷ ۳۸۸
جزو دوم انگریزی پارلیمنٹ ۳۸۸ ۴۱۷
جزو سوم فتح اسکاٹلینڈ ۴۱۷ ۴۵۰
جزو چہارم انگلستان کے شہر و قصبے ۴۵۰ ۴۷۲
جزو پنجم بادشاہ و بیرن ۴۷۲ ۴۹۷
جزو ششم اسکاٹلینڈ کی جنگ آزادی ۴۹۷ ۵۱۲

باب اوّل

سلطنتہائے انگلشیہ

۶۰۷ — ۱۰۱۳

جزوِ اوّل

برطانیہ و انگریز

اسناد۔ انگریزوں کے نظام حکومت اور سکونت پذیری کے متعلق کیمبل کی سیکسنس ان انگلینڈ (سیکسن در انگلستان Saxons in England) اور بالخصوص ڈاکٹر اسٹبز کی کانسٹیٹیوشنل ہسٹری آف انگلینڈ (دستوری تاریخ انگلستان Constitutional History of England) دیکھنا چاہئے۔ سر فرینسس پالگریو کی ہسٹری آف دی انگلش کامن ویلتھ" (تاریخِ دولتِ عامہ انگلشیہ History of the English Commonwealth) ایک قابل قدر کتاب

ہے مگر اسناداً اس سے کام لینے میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ انگریزوں کے نظام ابتدائی کا زور دار اور صحیح خاکہ فریمین کی ہسٹری آف دی نارمن کانکویسٹ جلد اول (تاریخ فتح نارمن History of the Norman Conquest) میں نظر آسکتا ہے۔ جے۔ آر گرین کی دی میکنگ آف انگلینڈ (تکوین انگلستان The making of England) اور دی کانکویسٹ آف انگلینڈ (فتح انگلستان The Conquest of England) بھی دیکھنا چاہئے +

انگلستان قدیم

جس ملک کو ہم انگلستان کہتے ہیں وہ انگریزی قوم کا اصلی وطن نہیں ہے بلکہ ان کا وطن آبائی خود انگلستان سے بہت دور ایک دوسرا ہی ملک تھا۔ پانچویں صدی بعد مسیح میں انگل یا انگل لینڈ (ارض انگل) کے نام سے ایک مُلک اس جزیرہ نما کے وسط میں واقع تھا جو بحر بالٹک کو بحر شمالی سے جُدا کرتا ہے۔ اور جسے اب سلسوک کہتے ہیں۔ آج یہ مقام دلآویز مرغزار سیاہ شہتیروں کے مکانات اور کنار آب کے چھوٹے چھوٹے خوش سواد قصبات سے دلفریب بنا ہوا ہے۔ مگر اس زمانے میں یہاں ان چیزوں کا نشان تک نہ تھا۔ بلکہ تمام مُلک محض صنوبر و ریگ کا ایک وحشتناک ویرانہ تھا۔ تاریک جنگل تمام ساحل کو گھیرے ہوئے تھے۔ صرف کہیں کہیں ایسے سبزہ زار تھے جو سمندر و دلدل تک پہنچ گئے تھے اور اس طرح سے جنگلوں کے درمیان جا بجا تھوڑا بہت فصل پیدا ہو گیا تھا' لیکن سلسوک کے رہنے والے انگل یا انگلش نامی قبیلے کے صرف ایک دُور افتادہ جزو تھے' خود اصل قبیلہ ایلب اور ویزر کے کناروں پر آباد تھا۔ سلسوک کے شمال میں انگریزوں ہی کا ہم نسل ایک دوسرا قبیلہ جوٹ نامی آباد تھا اور اسی قبیلے کا نام ضلع جٹلینڈ کی وجہ تسمیہ ہے۔ جنوب میں ایلب اور ایمس کا درمیانی ملک اور ایمس سے پار رائن تک کا وسیع قطعۂ زمین متعدد جرمن قبائل کا وطن تھا اور یہ سب

مقابلہ ہو سکتا تھا۔ بنیاد عدل جس طرح دیگر اقوام عالم میں اولاً افراد کے
اعمال ذاتی سے قائم ہوئی ہے اسی طرح انگریزوں میں بھی اس کی ابتدا
افعال ذاتی ہی سے ہوئی ہے مگر انگریزی تمدن کی جو قدیم سے قدیم
کیفیت بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اشخاص
کے ذاتی حقوق عام لوگوں کے حقوق میں انصاف ہونیکی روز افزوں خواہش
سے محدود ہوتے جاتے تھے۔ شخصی انتقام کو حدِ مُعین پر لانیکے لئے قبیلے
کی طرف سے پہلی متفق کوشش یہ ہوئی کہ ضرر جسمانی کے لئے معاوضہ
نقدی کا دستور جاری کیا گیا۔ اس دستور کے بموجب آزاد شخص کی جان
اور اس کے ہر عضو کے لئے ایک قانونی قیمت مقرر کی گئی۔ رواجی ضابطہ
میں سرسری طور پر "آنکھ کے بدلے آنکھ" اور "عضو کے بدلے عضو"
کا قاعدہ مُعین کیا گیا اور دُوسرے صریح ضرر ہائے جسمانی کے لئے بھی
ایسا ہی کچھ طریقہ بنایا گیا۔ مگر ایک دُوسرے قدیم رواج سے معلوم ہوتا ہے
کہ ایسے نقصانات کے تسلیم کئے جانیکا بھی آغاز ہوگیا تھا جن سے شخص
واحد کا نہیں بلکہ مجموعی طور پر قوم کا ضرر متصور ہوتا ہو۔ اس صُورت
میں خود مجرم بہ راہِ راست جان یا عضو کی قیمت ضرر رسیدہ شخص کو نہیں دیتا
تھا بلکہ مجرم کا خاندان ضرر رسیدہ شخص کے خاندان کو تاوان ادا کرتا تھا۔
اس طرح پر انگریزی قوم کی ہر ایک چھوٹی سے چھوٹی جماعت میں امن
و انتظام کی بنیاد خاندانی رشتہ پر قائم ہو گئی تھی اور یہی رشتہ تمام انگریزی
خاندانوں کے باہمی وابستگی کا سبب تھا۔ ہر زیادتی کا ارتکاب مجرم کے تمام
اہل خاندان کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اور ہر ظلم مظلوم کے تمام اہلِ
خاندان کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ زیادتی کرنیوالوں کو ایسے وسائل سے

روکنا جنہیں ابھی تک خود قبیلہ بہ حیثیت مجموعی عمل میں نہیں لا سکتا تھا صرف خاندانی رشتہ ہی کے اثر سے ممکن تھا اور اسی سے انگریزوں میں اول عدالت کا ایک ہیولی قائم ہوا۔ ہر رشتہ دار اپنے دُوسرے رشتہ داروں کا کفیل تھا' اس کا فرض تھا کہ غیروں کے ظلم و تعدّی سے انہیں بچائے' خود زیادتی کرنے سے انہیں باز رکھے اور ظلم واقع ہونیکی صُورت میں ان کے ساتھ تکلیف برداشت کرے اور ان کی طرف سے تاوان ادا کرے یہ اصول ایسا مُسلّم تھا کہ اگر کسی شخص پر اس کے اہلِ قبائل کے رُوبرو بھی الزام لگایا جاتا تو بھی اس کا فیصلہ عملاً اس کے رشتہ داروں ہی پر موقوف ہوتا تھا' کیونکہ اس کی بے گُناہی و خطاکاری کا تعیّن اسی کے معزز اہلِ خاندان کی قسم پر تھا اور اس کا بچنا یا سزا پانا بھی اسی بات پر منحصر ہوتا تھا+

انگریزی طرز معاشرت

قدیم انگریزی طرزِ معاشرت کے فوجی اور تمدنی پہلوؤں کی بنیاد اسی خاندانی رشتہ پر قایم تھی۔ چنانچہ رشتہ دار جنگ کے وقت پہلو بہ پہلو لڑتے تھے۔ فوج چھوٹی چھوٹی جماعتوں پر مشتمل ہوتی تھی اور ہر جماعت کے ایک ایک فرد کو اپنے خاندان کے مشترک ادائے فرض کا خیال ہوتا تھا اور اسی فرض شناسی سے عزّت و خود داری کا وہ احساس پیدا ہوتا تھا جو فوج کو مجتمع رکھتا تھا۔ اہلِ خاندان جس طرح میدان جنگ میں پہلو بہ پہلو لڑتے تھے اسی طرح وہ آبادی میں پہلو بہ پہلو رہتے بھی تھے۔ مگر اس قسم کی آبادیوں میں روابط باہمی تعلق خون ہی تک محدود نہیں رہتے تھے بلکہ ہم وطنی کا بھی ایک وسیع واسطہ پیدا ہو جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جرمن قوم کے نزدیک زمین کی ملکیت اور آزادی دونوں

لازم و ملزوم تھے۔ آزاد فی الحقیقت وہی شخص سمجھا جاتا تھا جو آزاد اراضی دار ہو اور جب تک وہ اپنی اراضی پر قابض رہتا تھا اپنی جماعت کے اندر ایک آزاد رکن کی حیثیت سے ہر قسم کے حقوق کو کام میں لا سکتا تھا۔ یہ استحقاق اُس وقت تک حاصل رہتا تھا جب تک کہ وہ زمین کا مالک ہو۔ اس کے برخلاف جس شخص کے پاس زمین نہ ہو وہ اگرچہ کسی کا غلام بھی نہ ہو تاہم تمام معاملات میں وہ آزادی کے حقوق سے محروم ہو جاتا تھا۔ جرمن نسل کی قدیم تاریخ پر جہاں تک نظر جا سکتی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اراضی داروں اور کاشتکاروں کی ایک قوم تھی۔ ٹیسیٹس پہلا رومی مورخ ہے جس نے ان قبائل کے معاشرت کی تصویر کھینچنے کی کوشش کی ہے جنھوں نے آگے چل کر رومیوں پر فتح پائی۔ وہ ان کی کیفیت یہ بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ اپنے مواضعات کے آس پاس کے جنگلوں میں چرائی کرتے اور موضع کے اندر کھیتوں میں کاشت کرتے ہیں۔ ٹیسیٹس کے دل پر ان جرمن قبائل کی جس خصوصیت کا قوی اثر پڑا وہ یہ تھی کہ یہ لوگ شہروں سے نفرت کرتے اور چھوٹی چھوٹی بستیاں بنا کر رہتے تھے جس سے اُن کے جذبۂ آزادی کا ثبوت ملتا ہے۔ یہی خصوصیّت اُس زمانے کی دُنیائے تمدن اور ان جرمن قبائل کے درمیان مابہ الامتیاز تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ لوگ اپنی مرضی کے موافق جنگل کے حاشیوں پر، کھلے میدانوں میں، یا تازہ چشموں کے آس پاس علٰحدہ علٰحدہ رہتے ہیں" جس طرح ایک آبادی کا ہر ایک باشندہ دوسرے باشندوں کے مقابلہ میں اپنی مخصوص آزادی پر جان دیتا تھا، اسی طرح ہر آبادی دُوسری آبادیوں کے مقابلے میں اپنی خاص آزادی کی جویاں تھی۔ مگر ان لوگوں کے اس ابتدائی زمانہ کے خصوصیات زندگی کی نسبت۔ ہم جو کچھ جانتے ہیں

وہ زمانۂ مابعد کی جمع کی ہوئی شہادتوں پر مبنی ہے۔ ان مزارعین نے ایک طرح کی چھوٹی چھوٹی پنچایتی حکومتیں قائم کرلی تھیں اور جن میں سے ہر ایک کی حدبندی کے لئے خاص نشان مقرر ہوتے تھے یعنے وہ جنگل، ویرانہ یا جھاڑی سے محصور ہوتی تھیں۔ یہ "نشان" قصبات کے درمیان حدِ فاصل ہوتے اور ان میں مشترک سمجھے جاتے تھے۔ آباد کاروں میں سے کسی کا ان پر خاص تصرف نہیں ہوتا تھا۔ البتہ کبھی کبھی ان سے مقتل کا کام لیا جاتا تھا اور یہیں مجرمین کو اُن کے جرم کی سزا دی جاتی تھی۔ اس زمین کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ غولہائے بیابانی اور پریوں کا مسکن ہے۔ اگر کوئی اجنبی اس جنگل یا ویرانے سے گزرتا تو رواجاً اس پر لازم تھا کہ اس میں قدم رکھتے ہی اپنا قرنا بجادے ورنہ اگر وہ خفیہ طور سے داخل ہوتا تو دشمن سمجھا جاتا اور ہر شخص اسے قتل کر دینے کا مجاز تھا۔ قصبہ (Township)ᵒᵉ خاربست یا خندق سے گھرا ہوتا تھا جو ایک معمولی حصار کا کام دیتی تھیں۔ جنگ کے وقت وہ ایک بنا بنایا قلعہ تھا اور امن کی حالت میں قصبوں اور خاندانوں کے باہمی مناقشات میں کار آمد ثابت ہوتا تھا۔ باشندگانِ قصبہ میں اول ہی سے دو طبقے نظر آتے ہیں اور ان کے مدارجِ معاشرت میں بھی نمایاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ قصبے کے مکانات کا بیشتر حصہ عام آزاد اشخاص (Ceorls) کی ملک ہوتا تھا مگر انہیں میں اکابر قصبہ (Eorls) کے زیادہ وسیع و فراخ مکانات بھی ہوا کرتے تھے۔ یہ آخرالذکر گروہ اپنی شرافتِ نسب کی وجہ سے اہل قصبہ میں ممتاز اور موروثی اعزاز کا مستحق سمجھا

ᵒᵉ۔ قصبے کو ٹاؤن شپ اس وجہ سے کہتے تھے کہ لفظ ٹن (Tun) کے معنے خاربست یا خندق کے ہیں جس سے قصبہ گھرا ہوتا تھا۔

جاتا تھا اور انہیں میں سے جنگ کے وقت قصبے کے سرداروں کا اور امن کے وقت اس کے حکمرانوں کا انتخاب ہوتا تھا مگر یہ انتخاب کلیتاً اختیاری تھا۔ شریف خاندان کے لوگوں کو دیگر اہل قصبہ پر کسی طرح کا قانونی اختیار حاصل نہیں تھا "کوہ اجتماع" یا "درخت مقدس" کے گرد آزاد اشخاص کے جلسے وقتاً فوقتاً ہوا کرتے تھے اور ان جلسوں میں جماعت کا ہر فرد شامل ہوسکتا تھا۔ انہیں جلسوں میں کل جماعت کے کار و بار کا انتظام ہوتا' ان کے لئے قانون بنایا جاتا' اراضی کاشت اور چراگاہ مناسب ٹکڑوں میں اہل قصبہ کے درمیان تقسیم کی جاتی' کھیت اور مکان ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہوتے' بزرگوں کے بیان کردہ رواج کے موافق کاشتکاروں کے تنازعات باہمی کے فیصلے ہوتے' مجرم کا انصاف اور اس کے جرمانے کی تشخیص اس کے رشتہ داروں کے توسط سے کی جاتی' یہیں ان لوگوں کا انتخاب ہوتا جو اپنے سرگروہ کے ہمراہ "عدالتِ حلقہ" یا جنگ میں جانیوالے ہوتے تھے۔ ایک وسیع اور پُرجوش دریا کے سرچشمہ کے دیکھنے سے جو عظمت دل میں موجزن ہوتی ہے اگر ہم اپنے خیال کو اس زمانے تک دوڑائیں تو وہی عظمت ان چھوٹی چھوٹی پنچایتی جلسوں پر نظر ڈالنے سے پیدا ہو جاتی ہے جہاں قصبے کے لوگ اپنے دیہاتی معاملات کے طے کرنیکے لئے اسی طرح جمع ہوتے تھے جس طرح آج ان کے اخلاف وسٹ منسٹر کی پارلیمنٹ میں اپنی عظیم الشان شہنشاہی کے توانین وضع کرنے اور عدل و انصاف کی داد دینے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اور یہ شاندار نظامِ سلطنت جس پر آج انگریزوں کو فخر و ناز ہے اس کی عمارت اسی چھوٹی سی حقیر پنچایتی مجلس کی بنیاد پر اُٹھائی گئی ہے +

قدیم انگریزوں کا مذہب

انگریزوں کا مذہب وہی تھا جو تمام جرمن نسل کا تھا' جس زمانے کا یہ ذکر ہے اُس وقت تک شہنشاہی روم کے تمام ممالک مذہب عیسوی قبول کر چکے تھے مگر شمال کے جنگلوں میں ابھی عیسائیت کا گذر تک نہیں ہوا تھا۔ دنوں کے انگریزی نام ابتک ان دیوتاؤں کی یاد دلاتے ہیں جنہیں انگریزوں کے آبا و اجداد پوجتے تھے وِنزڈے (Wednesday چہارشنبہ) واڈن (Woden یعنے خدائے جنگ کا دن ہے' جو راستوں اور حدوں کا نگہبان' حرفوں کا موجد اور اس کل فاتح قوم کا مشترک دیوتا تھا۔ ہر قبیلہ اسی کو اپنے بادشاہوں کا مورثِ اعلیٰ قرار دیتا تھا۔ تھرزڈے (Thursday پنجشنبہ) تھنڈر (Thunder) کا دن ہے۔ جسے اہل شمال تھار (Thor) کہتے ہیں۔ یہ ہوا' طوفان' اور پانی کا دیوتا ہے' اسی طرح فرائڈے (Friday جمعہ) فری (Frea) کا دن ہے جو امن و مسرت اور خوشحالی کا خدا ہے۔ قدیم انگریزوں کا عقیدہ تھا کہ ناچتی ہوئی کنواری لڑکیاں اس دیوتا کا نشان اُڑاتی ہوئی جس کھیت یا مویشی خانے کے پاس سے گذرتی ہیں اس میں برکت ہو جاتی ہے سٹرڈے (Saturday شنبہ) کسی غیر معروف دیوتا سیٹر(Saetere) کی یادگار ہے۔ ٹیوزڈے (Tuesday سہ شنبہ) خدائے تاریکی ٹیو (Tiw) کی نشانی ہے جس سے ملنا موت سے ملاقی ہونا تھا۔ یہ خیالات پھر بھی بعد کے ہیں' ان سے پہلے کے خیالات اور موہومات جو ان دیوتاؤں کے متعلق تھے مطلق معلوم نہیں ہیں۔ ان قدیم موہومات میں صبح یا بہار کی ایک دیوی ایسٹر (Eoster) تھی جس سے عیسوی تہوار ایسٹر (عید الفصح) کا نام ماخوذ ہوا ہے۔ ایک دُوسری دیوی وِرڈ (Wyrd) تھی۔ یہ موت کی

دیوی تھی، اور اس کی یاد شمالی صُوبجات میں لفظِ ویرڈ (Weird) کے ذریعہ سے مدتوں تک قایم رہی - انہیں میں وہ شہزور عورتیں تھیں جنہیں "سپر بردار کنواریاں" (Shield maidens) کہتے تھے - اور جن کی نسبت ایک پُرانی گیت سے پایا جاتا ہے کہ "وہ میدان جنگ میں اپنی جانبازی کے کرشمے دکھاتیں اور چکر دار نیزے پھینکتی تھیں" لیکن عام لوگوں کے نزدیک جنگل اور ویرانے کے معبود اور افسانوں اور گیتوں کے دیوتا زیادہ مقبول تھے - انہیں میں نائکر (Nicor) ایک دریائی بھوت تھا جس کی وجہ سے انگریزی زبان میں نکسی (دریائی پریوں Water Nixic اور اولڈ نک (Old Nick) کے افسانے رائج ہوئے - بڑی بڑی ڈھالوں اور لمبی لمبی تلواروں کا ڈھالنے والا ایک دیوتا ولینڈ (Weland) تھا جس کی یاد برکشائر کے "حداد خانۂ ولینڈ" کے قصوں میں قائم ہے - ولینڈ کا ایک اور بھائی ایجل (Aegil) تھا جو آفتاب پر تیر چلایا کرتا تھا - ایلزبری کے نام میں اب بھی اس کی آخری نشانی باقی ہے - مگر قدیم معتقدات اور قدیم شاعری کا جو مجموعہ اس وقت موجود ہے وہ کہیں سے یکجا حاصل نہیں ہوا ہے بلکہ منتشر و متفرق اجزا سے مرتب کیا گیا ہے - کوئی بات کسی نام سے معلوم ہوئی ہے - کوئی کسی قبر یا نشان کے پتھر سے اور کوئی کسی قدیم گیت سے - تاریخ مابعد میں عبادت و کہانت کے آثار مٹے مٹے نظر آتے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قومی زندگی پر ان امور کا نہایت ہی خفیف اثر تھا +

نیہ اپنا قصہ شروع کرنے کے قبل ہمیں سلسوک اور شمالی سمندروں کے ساحلوں کو چھوڑ کر اس سرزمین پر جانا چاہئے جو اس وقت انگریزوں کو

کیسی ہی عزیز کیوں نہ ہو مگر اس قصے کے آغاز تک کسی انگریز نے اس پر قدم نہیں رکھا تھا۔ جزیرۂ برطانیہ تقریباً چار سو برس تک شہنشاہی روم کا ایک صوبہ رہ چکا تھا۔ ۵۵ء قبل مسیح میں قیصر جولیس نے اس جزیرے پر حملہ کیا اور اسی وقت سے رومی دنیا کے لئے اس کا راستہ کھلا مگر جزیرے کی کامل فتح کی کوشش تقریباً ایک صدی گذر جانیکے بعد شہنشاہ کلاڈیس نے کی۔ جولیس ایگریکولا کے فتوحات (۷۸ء-۸۴ء) سے رومی سرحد دہانہائے فورتھ و کلائیڈ تک پہنچ گئی اور رومی تلوار کے ساتھ ساتھ رومی تہذیب کا بھی عمل دخل ہوتا گیا لنکن اور یارک کے سے وسیع شہر آباد ہو گئے۔ شہروں کی حکومت خود انہیں شہروں کے عہدہ داروں کے ذریعہ سے ہونے لگی۔ شہروں کی حفاظت کے لئے سنگین دیواریں بن گئیں۔ آمد و رفت کے لئے سڑکوں کا ایک جال جزیرے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گیا اور تمام شہر ایک دوسرے سے مل گئے۔ لندن اور اس کے مثل دوسرے بندرگاہوں میں تجارت کو دفعتہً فروغ حاصل ہو گیا۔ زراعت کی فراوانی نے برطانیہ کو اس قابل بنا دیا کہ وہ حاجت کے وقت گال کی ضرورتیں بھی پوری کر سکے۔ کارنوال میں قلعی کی کانوں، سمرسٹ اور نارتھمبرلینڈ میں جست کی کانوں اور فارسٹ آف ڈین میں لوہے کی کانوں سے یہ کار آمد دھاتیں نکالی جانے لگیں۔ صدیوں کے مسلسل امن و اماں کے دوران میں جزیرے کی دولت بہ سرعت بڑھتی گئی مگر جو خرابیاں سلطنت روما کی قوت کو اندر ہی اندر فنا کر رہی تھیں ان کا مضر اثر آخر کار صوبۂ برطانیہ کی اصلی دولت پر بھی ضرور پڑا ہو گا۔ یہاں بھی اطالیہ اور گال کے مانند جس رفتار سے زمینداروں کی ریاستیں بڑھتی گئی ہونگی غالباً اسی رفتار

سے آبادی گھٹتی گئی ہوگی۔ کاشتکار نیم غلامی کی حالت میں غرق ہوکر اپنے آقاؤں کے پُرعشرت محلات کے آس پاس جھونپڑوں کے اندر زندگی بسر کرنے لگے ہونگے۔ کانوں کے کھودنیکا کام اگر جبری محنت سے لیا گیا ہوگا تو یہ ایک دائمی جور و تعدی کا سبب رہا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی رومی قوانین نے حرفت و صنعت کے پاؤں میں ایسی بیڑیاں ڈال دی تھیں جس سے ہر قسم کی تجارت بجائے خود ایک موروثی پیشہ یا ذات بن کر رہ گئی تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ رومی حکومت کے خود مختارانہ طرز حکومت نے ہر طرح کی ملکی آزادی کو پامال کر دیا تھا اور اس آزادی کے نہ ہونے سے ملک کی قوت بھی فنا ہو گئی تھی۔ لوگ جب یہ بھول گئے کہ اپنے ملک پر کس طرح حکومت کریں تو وہ یہ بھی بھول گئے کہ اس کے لئے کیونکر جنگ کریں +

انحطاط سلطنت کے یہ اسباب ہر صوبے کے لئے یکساں تھے مگر برطانیہ میں اِن کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی تھے جو خود اسی کے خاص حالات سے پیدا ہوئے تھے۔ جزیرۂ اندرونی نا اتفاقی کے باعث کمزور ہوگیا تھا اور یہ نا اتفاقی اس کے تمدن کے تفریقی مدارج کا نتیجہ تھی۔ رومی تمدن کا صرف شہروں ہی پر یہ اثر پڑا تھا کہ شہر کے رہنے والے برطانوی ازسرتاپا رومی بن گئے تھے مگر اندرون ملک کے تمام عرض و طول میں زراعت پیشہ آبادی پر اس تمدن کا کچھ بھی اثر نہیں پڑا تھا۔ دیہات و قصبات کے رہنے والے بدستور اپنی ملکی زبان بولتے اور کم و بیش اپنے وطن کے موروثی سرداروں ہی کی اطاعت کرتے تھے۔ بلکہ انہوں نے اپنے دیسی قوانین کو بھی ایک حالت پر برقرار رکھا تھا۔ رومی زبان کا استعمال رومی تمدن کے اثر کا

بہترین ثبوت ہے ۔ چنانچہ اسپین و گال کے مفتوح اقوام کی زبانیں لاطینی
کے سامنے بالکل ناپید ہوگئی تھیں مگر برطانیہ میں اس زبان کا رواج شہری
باشندوں اور دیہات کے متمول زمینداروں ہی تک محدود رہا ۔ اس طرح آبادی
کے دو اجزا کے درمیان جو تفرقہ پڑ گیا تھا وہ بجائے خود خطرہ سے خالی
نہ تھا ۔ چنانچہ یہی تفرقہ تھا جس نے برطانیہ کے شمالی حملہ آوروں کو کامیابی
کی امید دلائی اور برطانویوں کو ایک نئے خطرہ کا سامنا کرنا پڑا ۔ یہ حملہ آور
پکٹ تھے جو ہائی لینڈ میں آباد تھے ۔ ہائی لینڈ کے قدرتی قلعوں نے اُن کو
رومی تسلط سے بچا لیا تھا ۔ اب وہ صُوبہ برطانیہ کی کمزوری اور طمعِ غنیمت کی
وجہ سے اس پر حملہ آور ہونیکے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ ان کے حملے قلب جزیرہ
تک پہنچ گئے ۔ یہ بات یقینی ہے کہ بلا اندرونی مدد کے ایسی وسیع تاخت و
تاراج کا عمل میں آنا مشکل تھا ۔ اس زمانے کی تاریخ پر بالکل تاریکی کا پردہ
پڑا ہوا ہے مگر پھر بھی جو شعاعیں نظر آجاتی ہیں ان سے صرف یہی پتہ نہیں
چلتا کہ برطانیہ کی رومی وضع و غیر رومی وضع آبادی میں ناچاقی بڑھ گئی
تھی بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حالت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ آخرالذکر
فریق اور پکٹ قوم کے درمیان کسی طرح کا اتحاد بھی ہو گیا تھا ۔ اس طرح کا
اتحاد فی الواقع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر یہ بات یقینی ہے کہ برطانیہ کے
دونوں فریقوں میں ناچاقی اور کشمکش برابر جاری رہی ۔ اس اثناء میں
رومیوں کو اپنے وطن کے قریب خطرات پیش آگئے ۔ ان خطرات نے سلطنتِ
روما کو مجبور کر دیا کہ وہ اس صُوبے کو بہ حالِ خود چھوڑ کر اپنی فوجوں کو
وہاں سے واپس بُلالے ۔ عروجِ رُوم کے زمانے میں بحرِ متوسط کے آس پاس
کے ممالک ہی پر مُہذب دنیا کا اطلاق ہوتا تھا اور ولادت مسیحؑ کے وقت سے

یہ کل ممالکِ رومی حکومت کے زیرِ اثر امن و اماں کے ساتھ بسر کرتے آئے تھے۔ رومی حکومت نے چار سو برس تک دریائے فرات کے پار تھین ریگستان افریقہ کے نیومیڈین اور دریائے ڈنیوب و رائن کے جرمن باشندوں کو اپنی سرحدوں کے باہر روکے رکھا اور کسی وقت بھی مہذب دنیا کے اندر ان وحشیوں کو قدم نہ رکھنے دیا مگر جب سلطنت پر انحطاط طاری ہو گیا تو یہی ستم شعار وحشی انبوہ در انبوہ سلطنت کے اندر گھس پڑے۔ حملہ آوروں نے روما کے مغربی ممالک میں کامل غلبہ حاصل کر لیا۔ فرینک نے گال کو فتح کر کے اسے اپنی نو آبادی بنا لیا۔ مغربی گاتھ نے اسپین کو فتح کر لیا۔ وینڈل نے افریقہ میں سلطنت قائم کر لی۔ برگنڈیوں نے اطالیہ اور دریائے رون کے درمیانی حدود میں ڈیرا ڈال دیا اور بالآخر مشرقی گاتھ خود اطالیہ پر حکمراں ہو گئے۔ واقعات جب اس حد تک پہنچ گئے تو سیکسن اور اِنگل بھی اپنے وطن سے نکل پڑے اور انہوں نے بھی اپنا شکار تاک لیا اور اس پر پھندے ڈالے گئے +

برطانیہ اور انگریز

اطالیہ کو گاتھ کے دستِ تطاول سے بچانیکے لئے ۴۱۰ء میں روما نے اپنی تمام فوجیں برطانیہ سے واپس بلالی تھیں اور صوبے کو بالکل بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں بھی برطانیہ نے حملہ آوروں کا دلیرانہ مقابلہ کیا اور کم سے کم ایک بار تو ایسا ہوا کہ اہلِ برطانیہ نے وفورِ نا اُمیدی میں پکٹ کو ان کے پہاڑوں تک بھگا دیا۔ لیکن جب نئی یورشوں کا خطرہ پیش آیا تو اس وقت اندرونی تنازعات سے برطانیہ کے ٹکڑے ہو رہے تھے اور نا ممکن تھا کہ تمام اہلِ برطانیہ متحد ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کریں۔ اِدھر یہ حالت تھی اُدھر پکٹ نے دو اَور

غارتگر قوموں کو اپنا حلیف بنا کر نئی تقویت حاصل کرلی تھی۔ ان میں سے ایک غارتگران آیرلینڈ کی قوم تھی جو اُس زمانہ میں اسکاٹ کہلاتے تھے اور جن کی قزاقی کشتیاں جزیرے کے مغربی ساحل کو پریشان کر رہی تھیں۔ دُوسری اِن سے بھی زیادہ ایک پُر خطر قوم تھی جو مدت سے آبنائے برطانیہ کو پامال کر رہی تھی۔ یہی ثانی الذکر انگریزوں کی قوم تھی۔ ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ انگریزی قبائل کے شکاریوں، کاشتکاروں اور ماہی گیروں کے اِس طرح سمندر کی طرف متوجہ ہو جانیکا سبب کیا تھا۔ آیا ان پر دُوسرے قبائل کا دباؤ پڑ رہا تھا یا وہ اپنے اُن جرمن بھائیوں کی پیروی کرنا چاہتے تھے جو اپنے جنگلی مساکن سے نکل نکل کر سلطنتِ روما پر ایک عام حملے کے لئے بڑھ رہے تھے یا محض اُن کے ساحل کی ویرانی اس کا باعث تھی۔ بہرحال ان کی اس ناگہانی تاخت سے، اُن کے حملے کی شدت سے، اور سپہگری و کشتیبانی دونوں حالتوں میں اُن کے بیباک اور مطمئن رہنے سے ان کی دلیرانہ فطرت کا پوری طرح اظہار ہو گیا تھا۔ اس زمانے کا ایک رُومی ساعر کہتا ہے کہ "وہ دشمن ہیں اور دُوسرے دشمنوں سے زیادہ خطرناک۔ وہ جس قدر خطرناک ہیں اُسی قدر چالاک بھی ہیں۔ سمندر ان کا مدرسۂ جنگ اور طُوفان ان کا رفیق ہے۔ وہ گرگ بحری ہیں جو دُنیا کی لوٹ پر بسر کرتے ہیں" غرضکہ صُوبۂ برطانیہ کی اصلی فوجوں سے پکٹ، اسکاٹ اور سیکسن قوموں کی مجموعی قوت کا مقابلہ کرنا غیر ممکن تھا۔ صرف ایک تدبیر باقی رہ گئی تھی کہ خود وحشیوں کو وحشیوں سے لڑا دیا جائے۔ یہ اُس مہلک طرزِ عمل کی تقلید تھی جس سے سلطنتِ روما ہلاکت سے بچنے کی کوشش میں خود ہلاکت کا شکار ہو گئی۔ برطانیہ کے حکمراں اس پر کاربند

ہوئے اور انہوں نے دشمنوں کے اس اتفاق کو اس طرح توڑنا چاہا کہ جو غارتگر برطانیہ کے مشرقی ساحل کو پامال کر رہے تھے انہیں اس اتفاق سے الگ کر کے اپنے ساتھ ملا لیں اور ان نئے رفیقوں سے پکٹ کے خلاف کام لیں۔ چنانچہ زمین اور تنخواہ کے معمولی وعدوں پر ۴۴۹ء میں جٹلینڈ سے جنگ آوروں کا ایک گروہ اپنے دو سرداروں ہنجسٹ اور ہارسا کی سرکردگی میں برطانیہ کے ساحلوں پر وارد ہو گیا *

جزو دوم

فتح انگلشیہ

۴۴۹ - ۵۷۷

[اسناد بابت فتح برطانیہ]۔ برطانوی تذکروں میں صرف گلڈس نامی راہب کا ایک تذکرہ موجود ہے۔ یہ تذکرہ اگرچہ منتشر اور تعلی آمیز ہے، مگر چونکہ جزیرے کی اس وقت کی حالت کا یہی ایک مستند بیان ہے اس لئے بہر نوع قابل قدر ہے۔ اس کے آخر میں فتح کنٹ کی نسبت خود اہل کنٹ کی روایت بھی شامل ہے۔ اس تذکرہ کی عام کیفیت کی نسبت اور اُن اعتراضات کی نسبت جو اس کے معتبر ہونے پر کئے گئے ہیں، میں سٹرڈے ریویو کے دو پرچوں (مطبوعہ ۲۴۔ اپریل و ۸ مئی ۱۸۶۹ء) میں بحث کر چکا ہوں۔ اس تمام دور میں صرف فتح کنٹ ہی ایک ایسا واقعہ ہے جس کا کچھ بیان مفتوح قوم کی جانب سے بھی ملتا ہے ورنہ تمام دیگر حالات کے لئے انگریز فاتحین پر ہی اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ کنٹ، سسکس اور ویسکس کی فتح کے متعلق فاتحین کے جستہ جستہ بیانات اس عجیب "مجموعہ اخبار" میں فراہم کئے گئے ہیں جو اب انگلش کرانکل (وقائع انگریزی English Chronicle) کے شروع میں شامل ہیں۔ ان میں اگرچہ موہومات مذہبی کا جز بھی کسی قدر ملا ہوا ہے مگر ان واقعات کے تاریخی ہونے میں شک کرنے کی

کوئی وجہ نہیں ہے۔ انگریزوں کے مڈبرٹن (وسط برطانیہ) یا مرسیا پر حملہ آور ہونیکی تاریخ کے متعلق کسی قسم کا مواد ہمارے پاس موجود نہیں ہے اور ان کے شمال کے کارناموں پر بھی صرف نارتھمبریا کے تذکرے کے ایک جز سے کسی قدر روشنی پڑتی ہے۔ یہ تذکرہ نینیس کے نام سے زمانہ مابعد کی ایک تالیف میں شامل ہے۔ اُریجنس کلٹیکی (کلٹ قوم کی اصلیت Origines Celticæ) میں ڈاکٹر گست کے مضامین فتح کی موجودہ داستانوں میں سب سے بہتر ہیں +

(اس تحریر کے بعد مسٹر گرین نے اس داستان کو اپنی تصنیف دی میکنگ آف انگلینڈ (تکوین انگلستان The making of England) میں مشرحاً بیان کیا ہے۔)

تھینٹ میں انگریزوں کا ورود

جزیرۂ تھینٹ کے سواحل پر ہنجسٹ اور اس کے جنگ آوروں کے ورود کے وقت سے ہی انگریزی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ حدود برطانیہ میں انگریزوں نے سب سے اول ابزفلیٹ میں قدم رکھا۔ برطانیہ میں انگریزوں کے لئے اس سے زیادہ قابل احترام کوئی اور مقام نہیں ہو سکتا جس پر سب سے اوّل ان کے آبا و اجداد کے قدم پڑے۔ اس جگہ فی نفسہ کوئی شئے خاص طور پر نظر فریب نہیں ہے۔ وہ محض ایک بلند تودۂ زمین ہے جس پر جا بجا چند بھورے رنگ کے پست مکانات نظر آتے ہیں اور یہ زمین اب ایک بحری دیوار کے ذریعہ سے سمندر سے جُدا کرکے ایک سبزہ زار بنا دی گئی ہے مگر بہ ہئیت مجموعی اس منظر میں بھی ایک خاص صحرائی دلفریبی ہے۔ اس کے دائیں جانب ریمز گیٹ کے سفید چٹانوں کی موڑ سے ہلال نما خلیج تگول پر نظر پڑتی ہے۔ بائیں طرف ساحل کا خط بھورے رنگ کی ہموار دلدلوں سے گذر کر ڈیل کی چٹانوں کی طرف بلند ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے انہیں دلدلوں کے اندر دھوئیں کے چکروں سے رچبرا اور سینڈوچ کی جائے وقوع کا پتا چلتا ہے

اس زمین کی ہر خصوصیت سے اس قومی روایت کی تصدیق ہوتی ہے کہ کیوں یہ جگہ سب سے اوّل انگریزوں کے اترنیکے لئے پسند کی گئی تھی۔ پانچویں صدی کے بعد سے اگرچہ ملک میں بہت سے اہم قدرتی تغیرات ہو گئے ہیں مگر ملک کی ہیئتِ اصلی پر اس کا اثر زیادہ نہیں پڑا ہے۔ منسٹر کی موجودہ دلدل کی کہر آلود سطح کو دیکھ کر یہ معلوم کر لینا بہت آسان ہے کہ کسی وقت میں یہ جگہ تھینٹ اور برطانیہ کے درمیان ایک کشادہ سمندری خلیج تھی۔ اس خلیج سے گذر کر ابتدائی زمانہ کے انگریزوں کی قزاقی کشتیاں بادموافق کے ساتھ ابزفلیٹ کے اُس چھوٹے سے کنارے پر آ لگتی تھیں جس پر سنگریزوں کا فرش ہے۔ اسی طرح قلعہ رچبرا، گال سے آنیوالے مسافروں کی عام وروودگاہ تھا۔ اس قلعے کے شکستہ دمدمے ابھی تک اُس بجوری سطحِ زمین سے بلند ہیں جو اس قدیم سمندری آبنائے کی جگہ پر پیدا ہو گئی ہے۔ پس اُس زمانہ میں جبکہ برطانویوں سے انگریزوں کو واسطہ پڑا ہے۔ اگر قزاقوں کے جنگی جہازات ساحل کے قرب و جوار میں چکر کاٹتے رہے ہونگے تو عین رچبرا کی دیواروں کے نیچے ابزفلیٹ میں ان کا اترنا بالکل قرین قیاس تھا، مگر واقعات کی رفتار مابعد سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وروودگاہ کا انتخاب اتفاقًا نہیں بلکہ قصدًا کیا گیا تھا۔ اہل برطانیہ اور اُن کے اجرتی سپاہیوں کو ایک دوسرے پر بھروسا کرنیکی وجہ بہت کم ہو سکتی تھی۔ قیامگاہ تھینٹ میں ہنجسٹ کے ہمراہیوں کو اطمینان رہا ہوگا کہ وہ ہمہ وقت آبنائے کے دوسرے قزاقوں کی نظر کے سامنے ہیں اور خاص سر زمین برطانیہ سے علٰحدہ ہونیکے باعث وہ اپنے کو اس قسم کی ناگہانی غداری سے محفوظ سمجھتے رہے ہونگے جو اکثر ان وحشیوں کی ہلاکت کا باعث ہو چکی تھی اہلِ برطانیہ،

کے لئے بھی یہ انتخاب کچھ کم موجب اطمینان نہیں تھا۔ انہیں خوف تھا کہ کہیں کلٹ کے جوشِ مخالفت میں انہوں نے کسی سخت تر دشمن کو برطانیہ میں داخل نہ کر لیا ہو اور واقعاتِ مابعد نے ثابت کر دیا کہ ان کا یہ اندیشہ بجا تھا۔ بہ حالتِ موجودہ ان کے یہ خطرناک رفقا ایک گوشے میں محصور اور اصل سرزمین سے ایک ایسی آبنائے کے ذریعہ سے جدا کر دئے گئے تھے جس کی حفاظت ساحل کے مضبوط ترین قلعے کر رہے تھے +

انگریزی حملہ

ان اجرتی سپاہیوں کے کار مفوضہ کے ختم ہوتے ہی جو مناقشات برپا ہو گئے ان سے ان احتیاطوں کی ضرورت از خود عیاں ہو گئی۔ ایک جنگِ عظیم کے بعد تچٹ کے منتشر ہوتے ہی خود جوٹ کی طرف سے خطرہ پیش آ گیا۔ آبنائے کے قزاقوں میں آباد کاری کی خبر پھیلنے سے غالباً ان کی تعداد بہ سُرعت بڑھ گئی ہوگی۔ یہ نزاعات انجامِ کار ہنجسٹ کے آدمیوں کی تہدید جنگ سے بند ہو گئے۔ مگر بیاناتِ مذکورۂ بالا سے واضح ہے کہ اس دھمکی کا عمل میں لانا آسان نہیں تھا۔ تھینٹ سے برطانیہ پر حملہ آور ہونیکی صُورت میں آبنائے دونوں سرزمینوں کے درمیان حائل تھی اور اس زمانہ میں اِس آبنائے کا قطع کرنا سمندر کے جزر کی حالت میں ایک طویل و پُرخطر گذرگاہ کو عبور کرنیکے بعد ہی ممکن تھا۔ آبنائے کی حفاظت کے لئے دونوں گوشوں پر قلعہائے رچبرا اور رکلور موجود تھے۔ عقب میں مدافعت کی دُوسری صف مڈوے کی آبنائے تھی اور پھر خود یہ آبنائے جنوب میں ویلڈ کے جنگل سے گھری ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ جس جگہ اب کینٹربری و روچسٹر واقع ہیں وہاں اس زمانہ میں قلعے بنے ہوئے تھے جن سے لندن کی سڑک کی حفاظت ہوتی تھی۔ محافظت کے ان قدرتی اور مصنوعی سامانوں کے

علاوہ سواحل کو وحشیوں سے بچانیکے لئے کاؤنٹ سیکسن کے ماتحت سپاہ بھی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام مشکلات کیسے کچھ سخت تھے مگر جوٹ کی ناگہانی تاخت کو روکنے میں یہ سب سامان ناکامیاب ثابت ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مدافعتی فوج کے جمع ہونیکی ابھی نوبت بھی نہیں آنے پائی تھی کہ انگریزوں نے آبنائے کو عبور کرکے لندن کی ساحلی سڑک پر قبضہ کر لیا اور دفعتاً جنوب کی طرف اس وقت مڑے جب سویل سے گذر کر دائیں جانب ان کارخانہ ہائے ظروف پر نظر پڑی جن کے بقیہ آثار ایجیرج کے کناروں پر ابھی تک پھیلے ہوئے ہیں۔ غالباً روچیسٹر کی مستحکم دیواروں کی وجہ سے وہ مجبور ہوئے ہونگے کہ وادی مڈوے کے مشرقی حدود کی پست پہاڑیوں کے برابر برابر جنوب کی طرف پھر جائیں۔ اس راستے میں وہ ایک ایسے ضلع سے گذرے جس میں اُس قدیم عہد کی یادگاریں بھری ہوئی تھیں جو اُس زمانے کے لوگوں کے دلوں سے بھی محو ہو چکا تھا۔ جن پہاڑیوں سے وہ گزر رہے تھے وہ ایک تباہ شدہ نسل کے قبرستان تھے اور زمین پر پڑے ہوئے بہت سے ہموار پتھر کسی زمانے کی قبروں کے تعویذ اور مقبروں کے تودے تھے۔ جو مقام اب کٹس کاٹی ہوس کہلاتا ہے اور جو زمانۂ قدیم میں بڑے بڑے پتھروں کے ایک راستہ کے ذریعہ سے ایڈنگٹن کے قریب والے مرقد سے ملا ہوا تھا' اس کا قبرستان ابھی تک اس زمانہ کی ایک عظیم یادگار کی حیثیت سے باقی ہے۔ جس نشیب دار قلۂ کوہ پر اس قبرستان کے پُرانے بھورے پتھر پڑے ہوئے ہیں وہیں سے انگریز جنگ آوروں کو اپنا پہلا میدان جنگ نظر آیا ہوگا۔ یہیں وہ راستہ ہے جو اب تک پہاڑ سے اُتر کر پُرانے مکانوں سے گزرتا نظر آتا ہے۔ اسی راستے سے انگریز اس گذرگاہ سے پار ہوئے ہونگے جس کا نام موضع ایلز فرڈ کے لفظ

ہیں ابھی تک باقی ہے۔ جنگ ضرور موضع کے اندر تک جاری رہی ہو گی مگر فاتح قوم کے وقائع اس باب میں بالکل خاموش ہیں کہ اس گذرگاہ پر کس طرح قبضہ ہوا اور موضع کے اندر جنگ کس طرح جاری رہی ان سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ہارسا عین فتح کے وقت مارا گیا۔ ہارسٹڈ کا تودۂ چقماق جس نے مدت تک ہارسا کے نام کو قائم رکھا اور زمانۂ مابعد میں اس کی قبر کا نشان سمجھا جاتا تھا وہ انگریزی شجاعت کی اُن یادگاروں میں سب سے اول یادگار ہے جس کی آخری و معزز ترین زیارت گاہ وسٹ منسٹر ہے +

اہل برطانیہ کا استیصال

ایلزفرڈ کی فتح سے صرف کنٹ کا مشرقی حصہ ہی انگریزوں کے ہاتھ نہیں آگیا بلکہ کچھ اس سے زیادہ ہوا۔ یہ معرکہ تمام برطانیہ کے لئے کلید فتح ثابت ہوا۔ جنگ کے بعد جیسا سخت قتلِ عام واقع ہوا اس سے معاً ظاہر ہو گیا کہ اس تمام محاربہ میں رحم و رواداری کو مطلقاً دخل نہیں تھا۔ اس فتنہ و آشوب میں کنٹ کے متمول زمیندار تو کسی نہ کسی طرح جان بچا کر سمندر پار بھاگ گئے مگر غریب برطانویوں کے لئے پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا یہاں بھی وہ زیادہ ٹھہر نہ سکے اُن کو بھوک سے مجبور ہو کر ان پوشیدہ مقامات سے نکلنا پڑا اور فاتحین کے ہاتھوں ہلاک ہوئے یا اُن کے غلام بن گئے۔ ان میں سے بعض کا گرجے کی دیوار کے اندر پناہ لینا بھی کچھ کام نہ آیا کیونکہ بظاہر انگریزوں کا غصہ سب سے زیادہ پادریوں ہی کے خلاف تھا۔ یہ پادری قربانگاہوں پر قتل کئے جاتے اور گرجوں کو سب طرف سے گھیر گھیر کر ان میں آگ لگائی جاتی تھی۔ کسان آگ سے بھاگتے تو محاصرین انہیں تلوار کے گھاٹ اُتارتے تھے۔ یہ وہ تصویر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رومہ کے دُوسرے صوبوں کی فتح اور برطانیہ کی فتح میں کیا فرق تھا۔ فرینک کا گال کو یا لمبارڈ کا اطالیہ کو فتح کرنا مثل ازیں کچھ نہ تھا

کہ فاتحین اپنی باجگذار رعایا میں بزور آباد ہو گئے اور امتداد زمانہ سے مفتوحین نے فاتحین کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ فرانسیسی، فرینک کی نہیں بلکہ ملکِ گال کی زبان ہے جس پر انہوں نے اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ لمبارڈ کے خوشنما بالوں کا خود اب لمبارڈی میں کہیں پتہ نہیں ہے مگر انگریزوں نے جس قوم کو فتح کیا تھا اس کے لئے یہ فتح کوئی اور ہی چیز تھی۔ ڈیڑھ سو برس تک انگریز، اہلِ برطانیہ کو ملکِ مفتوحہ سے خارج و بے دخل کرتے رہے۔ روم اور جرمن کی ہمہ گیر جنگ کے تمام زمانے میں نہ کسی زمین کے لئے ایسی متواتر جنگ ہوئی اور نہ کسی زمین پر ایسی مشکل سے فتح حاصل ہوئی اور حق یہ ہے کہ دو سو برس کی شدید جنگ و جدال کے بعد بھی برطانیہ کی فتح کماحقہ مکمل نہ ہو سکی۔ لیکن اس طویل و بے رحمانہ مجادلہ ہی کا نتیجہ تھا کہ اقوام جرمنی کے تمام فتوحات میں یہی فتح سب سے زیادہ اتم و اکمل ثابت ہوئی۔ شروع زمانے میں جہاں تک انگریزوں کی تلوار پہنچ سکی وہاں تک برطانیہ، برطانیہ نہیں رہا بلکہ انگلستان بن گیا۔ برطانوی وہاں سے خارج اور انگریز وہاں آباد ہو گئے۔ ممکن ہے کہ برباد شدہ قوم کے چند افراد اپنے انگریز فاتحین کے گھروں کے ارد گرد باقی رہ گئے ہوں اور ان کے چند خانگی الفاظ (اگر وہ زمانۂ مابعد کے داخل شدہ نہیں ہیں) انگریزی زبان میں بھی مل گئے ہوں مگر ان مشکوک مستثنیات کا اصل واقعات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایلز فرڈ کے واقعہ سے ڈیڑھ سو برس بعد جب خانہ جنگیوں کی وجہ سے انگریزی فتح کی مسلسل ترقی رک گئی تو برطانوی اپنی خاص وطنی زمین کے نصف حصے سے نابید ہو چکے تھے، اور اسکس سے لیکر ڈربی شائر کی چوٹی اور سیورن کے دہانہ تک اور آبنائے برطانوی سے لیکر فرتھ آف فورینہ تک انگریز فاتحین ہی کوسِ لِمَنِ المُلک بجا رہے تھے اور انہیں کی زبان، انہیں کا

مذہب اور انہیں کا قانون اس تمام خطہ میں دائر و سائر تھا +

ساحل سکسن کی فتح

معرکۂ ایلز فرڈ سلسلۂ فتوحات کا صرف پہلا قدم تھا، لیکن ایک ایک قدم نہایت سخت و دشوار تھا۔ شدت محاربہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ محض جنوبی برطانیہ کو بہ تمامہ فتح کرنے میں ساٹھ برس اور صرف کنٹ پر قابض ہونے میں بیس برس صرف ہو گئے، گذرگاہ کریے کی دوسری شکست کے بعد اہلِ برطانیہ "سر زمین کنٹ کو چھوڑ کر نہایت خوف و دہشت کے ساتھ لنڈن کو بھاگ گئے"۔ مگر انہوں نے پھر جلد تر اس زمین کو واپس لے لیا اور متواتر چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے بعد کہیں ۴۶۵ء میں جا کر وائپڈس فلیٹ میں ایک فیصلہ کُن جنگ آزمائی کا موقع آیا۔ لیکن اس جنگ میں اہلِ برطانیہ کو ایسی ہولناک ہزیمت ہوئی کہ اُنھوں نے کنٹ کے بیشتر حصوں کے بچانے کی امید ترک کر دی اور وہ اس کے جنوبی ساحل ہی پر قدم جمائے رکھنے پر قناعت کر بیٹھے۔ آٹھ سال بعد اس طویل محاربے کا خاتمہ ہوا اور لمن کے سر ہو جانے سے (جس کی شکستہ دیواریں اب بھی رامنی نام کی ایک دلدل کی وسیع سطح سے پہاڑ کی بلندی پر نظر آتی ہیں) فاتح اوّل کا کام پُورا ہو گیا۔ مگر غنیمت کی حرص بہت جلد نئے جنگجو گروہوں کو ساحلِ جرمن سے کھینچ لائی۔ چار ہی برس بعد ۴۷۷ء میں دیکھا گیا کہ نئے سکسنی حملہ آور ایلب اور رائن کی وادیوں سے نکل نکل کر آ رہے ہیں اور کنٹ کے مغرب میں ویلڈ اور سمندر کے درمیانی علاقے میں بہ آہستگی بڑھتے جاتے ہیں۔ ملک کے کسی اور حصے کی ظاہری ہیئت میں ایسا کُلی تغیر نہیں ہوا ہے جیسا اس حصے میں ہوا ہے۔ اُس زمانے میں یہاں انڈرڈ سویلڈ کے نام سے جھاڑی اور جنگل کا ایک ویران فراخ قطعہ تھا، جو کنٹ کے کناروں سے ہیمشائر کے دامنہائے کوہ تک سو میل سے زاید وسعت

۴۵۷

۴۷۳

میں پھیلا ہوا تھا اور شمال میں دریائے ٹیمز سے جا ملا تھا۔ مغربی حاشیہ پر ساحل کا ایک تنگ ٹکڑا البتہ چھوٹا ہوا تھا، اس ساحل کی حفاظت کے لئے ایک بہت بڑا قلعہ اس مقام پر بنا ہوا تھا جسے اب پونسی کہتے ہیں اور جہاں آیندہ زمانے میں نارمن فاتح اُترنیوالا تھا۔ ۴۹۱ء میں اسی قلعۂ اینڈریڈا کے سقوط سے ساؤتھ سیکسن کے جنوبی سلطنت کی بنیاد قائم ہو گئی، اس واقعہ کے متعلق فاتحین اپنے وقائع میں کس بیدردی سے لکھتے ہیں کہ "الی اور سیسا نے اینڈریڈا کو گھیر لیا جتنے متنفس اس کے اندر تھے سب کو قتل کر ڈالا" اور اس کے بعد ایک برطانوی بھی وہاں باقی نہیں رہا"۔ اسی زمانے میں سیکسن کا ایک دوسرا قبیلہ کنٹ کی بائیں جانب دہانۂ ٹیمز کے شمال میں اپنے فتوحات کو وسعت دے رہا تھا اور کان و سٹاور کی وادیوں میں اس نے اپنے نام پر ایسٹ سیکسن کی آبادی قایم کرلی تھی۔ انہیں میں سے ایک تیسرے قبیلے نے سٹاور سے شمال کی طرف فتح کا کام اپنے ہاتھ میں لیا تھا، یہ وہی قبیلہ ہے جسے ہم اس کے جرمن وطن میں سکونت پذیر دیکھ چکے ہیں۔ اس کے نام سے سیکسن اور جوٹ قوموں کے نام ہٹنے والے تھے اور تمام ملک مفتوحہ اسی کے نام سے موسوم ہونیوالا تھا یہ اینگل یا انگریزوں کا قبیلہ تھا۔ ان کی پہلی یورشوں کا اثر اس وسیع قطعہ پر پڑتا معلوم ہوتا ہے جو جنگل کے طویل سلسلوں اور دلدلوں اور جھیلوں کی وجہ سے برطانیہ کے دیگر حصوں سے الگ تھلگ تھا۔ یہی حصہ بعد میں ایسٹ انگلیا کہلایا، فاتحین یہاں نارتھ فوک (قبیلۂ شمالی) اور ساؤتھ فوک (قبیلۂ جنوبی) کے نام سے دو ٹکڑے ہو کر آباد ہوئے۔ یہ الفاظ اِس وقت تک جدید صوبوں کے ناموں میں برقرار ہیں، اس آبادکاری کے ساتھ فتح کا پہلا دور مکمل ہو گیا۔ پانچویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے ساؤتھ ایمپٹن تک

برطانیہ کے تمام ساحل پر انہیں حملہ آوروں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ تاہم ابھی دشمن کے قدم ساحل سے بہت زیادہ آگے نہیں بڑھے تھے۔ اس وقت تک جنگل اور دلدل کے وسیع قطعات نے انگل، سکس اور جوٹ سب کو تنگ حدود میں مقید کر رکھا تھا لیکن چھٹی صدی کے شروع ہوتے ہی انگل اور سیکسن دونوں نے اپنے اپنے مقبوضہ علاقے کے بازوؤں پر تازہ حملے شروع کر دئے۔ انہیں دو قبیلوں نے فتح کا بیشتر کام انجام دیا تھا اب انہیں میں سے شمالی جانب دہانہائے فورتھ و ہمبر میں انگل نے اور مغربی جانب ساؤتھ ایمپٹن واٹر میں سکسن نے بڑھنا شروع کیا ؎

جنوبی برطانیہ کی فتح

لیکن جنوبی برطانیہ کی حقیقی فتح کا قرعۂ فال قبیلۂ سیکسن کے ایک اور تازہ وارد گروہ کے نام پڑ چکا تھا۔ اس نئے قبیلے کا پرانا نام جوسا تھا مگر زمانۂ مابعد میں وہ ویسٹ سیکسن کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ لوگ اس قطعۂ ساحل کے مغرب میں اُترے جسے ألی کے ہمراہیوں نے فتح کیا تھا اور اپنے سرداران کرڈک و سنرک کے ماتحت لڑتے بھڑتے ۴۹۵ء میں ساؤتھ ایمپٹن واٹر سے چل کر اُن وسیع کوہی میدانوں تک پہنچ گئے جہاں اُنہیں ونچسٹر کی سی بیش بہا غنیمت نصیب ہوئی۔ جس جنگ سے ان حملہ آوروں کو ملک میں راستہ ملا اس میں پانچہزار اہل برطانیہ کام آئے، اور بالآخر ۵۱۹ء میں شارفرڈ کی ایک دوسری فتح نے کرڈک کو ویسٹ سکسن کا بادشاہ بنا دیا۔ ہمیں ان فتوحات کے جزئیات کا بہت ہی کم علم ہے؛ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ کیوں اس حد پر آکر بظاہر ان کی رفتار میں دفعتہً خلل پڑ گیا، مگر اتنی بات یقینی ہے کہ ۵۲۰ء میں کوہ بیڈن پر اہلِ برطانیہ کے فتحیاب ہو جانے سے ویسٹ سیکسن کی مزید ترقی رک گئی؛ ۵۰۸ اور ان کی پیشروی میں ایک طویل وقفہ پڑ گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جنگل کا

وہ طویل حلقہ جو ڈارسٹ سے ہو کر وادی ٹیمز تک پھیلا ہوا تھا۔ تیس برس تک
ان ترکتازوں کی راہ میں حائل رہا؛ بالیقین نہیں کہا جا سکتا کہ آخر اس سکون
کے ٹوٹنے کا باعث کیا ہوا مگر اس قدر معلوم ہے کہ اس اثناء میں کرڈک کے
انتقال کی وجہ سے وسٹ سیکسن کی زمامِ حکومت سنرک کے ہاتھ میں آگئی تھی
۵۵۲ اور ۵۵۲ء میں دوبارہ حملے کا آغاز اسی کی جانب سے ہوا؛ کوہی قلعۂ اولڈسیرم
پر قابض ہو جانے سے ولٹشائر ڈاونز کا راستہ کھُل گیا؛ اور شمال کی طرف کوہِ
باربری پر ایک جدید جنگ سے مارلبراڈاونز کی فتح مکمل ہو گئی؛ حملہ آور اب
۵۶۸ ان سنسان بلندیوں سے مشرق کی جانب برکشائر کی زرخیز وادیوں کی طرف
مڑے اور وسبلڈن میں اہلِ کنٹ سے جنگ آزمائی کے بعد اپنے ممالک میں
ٹیمز کے جنوبی علاقے کا اضافہ کر لیا۔ تاہم وہ سڑک جو ٹیمز کے برابر برابر گئی تھی
ہنوز ان کے لئے بند تھی کیونکہ بہ اغلب وجوہ ایسٹ سیکسن ان سے قبل ہی
مشرقی نواح لندن کو فتح کر کے اُسے آباد کر چکے تھے؛ مگر ۵۷۱ء میں شاہ کتھولف
کی یورش نے ویسٹ سیکسن کو اُن اضلاع کا مالک بنا دیا جو اب آکسفورڈ شائر
اور بکھنگم شائر پر مشتمل ہیں۔ پھر چند سال کے بعد وہ ولٹشائر کی بلندیوں سے
اُس زرخیز رقبہ پر ٹوٹ پڑے جو دریائے سیورن کے قریب واقع تھا۔ گلوسٹر،
سرسینسٹر اور باتھ کے شہر اس بلائے ناگہانی کو روکنے کے لئے اپنے برطانوی
بادشاہوں کی تحت میں متحد ہو گئے تھے مگر ۵۷۷ء کی جنگ ڈیورھم میں
سیکسن ہی کامیاب رہے اور نہ صرف یہ سب شہر ان کی غنیمتِ جنگ میں
آگئے بلکہ مغرب کے دریائے عظیم کے اطراف بھی ان فاتحین کے لئے کھُل گئے۔
سیولن جب ویسٹ سیکسن پر حکمران ہوا تو وہ اس نئے بادشاہ کے ماتحت حدود
۵۸۳ چسٹر میں داخل ہو گئے اور یوریکونیم میں آگ لگا دی (یہ شہر ریکن کے قریب

واقع ہے اور کچھ دنوں قبل بھی جل چکا ہے) ایک برطانوی شاعر یوریکونیم کے رقت انگیز نوحے میں کہتا ہے، کہ" وادی کے سفید شہر میں، سبز جنگلوں میں جگمگانیوالے سنگِ سفید سے بنے ہوئے شہر کے سردار کے ایوان میں نہ اب آگ ہے نہ روشنی، اور نہ وہاں کسی کی آواز سنائی دیتی ہے اگر کوئی آواز سنی بھی جاتی ہے تو وہ عقاب کی چیخ ہے، وہ عقاب جس نے خوبصورت کنڈیلن کے خون دل کا تازہ تازہ گھونٹ پیا ہے۔" بایں ہمہ یہ حملہ مسترد کیا گیا اور ویسٹ سیکسن کی طاقت کے لئے یہ ضرب مہلک ثابت ہوئی؛ اگرچہ یہ مقدر ہو چکا تھا کہ انجام کار ویسٹ سیکسن ہی تمام انگریزی قوم پر غالب آجائینگے مگر ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا اور انگریزی قوم کی سرگروہی تقریباً ایک صدی تک کے لئے حملہ آوروں کے اس قبیلے کے حصے میں جانیوالی تھی جس کے حالات ہم اب بیان کرنیوالے ہیں +

وسطی و شمالی برطانیہ کی فتح

درحقیقت، دریا وہ قدرتی منفذ تھے جن سے شمالی قزاقوں نے وسط یورپ میں ہر جگہ اپنا راستہ نکال لیا تھا، مگر برطانیہ میں قلعۂ لندن کی وجہ سے دہانے کی طرف دریاء ٹیمز کا راستہ ان کے لئے بند تھا اور اسی وجہ سے دریا کے بالائی حصوں میں پہنچنے کے لئے انہیں مجبوراً جنوبی ساحلوں اور ولٹشائر کے کوہی میدانوں کی طرف سے بڑھنا پڑا تھا مگر ہمبر کی وادی میں جو دریا پھیلے ہوئے ہیں وہ قلب برطانیہ تک پہنچنے میں کشادہ شاہراہوں کا کام دیتے تھے۔ اسی راستہ سے حملہ آوروں کے جم غفیر کو جزیرے کے اندرونی حصوں میں داخل ہونیکا موقع ملا؛ چونکہ چھٹی صدی کے آغاز میں اس طوفان کا زور جنوبی ہمبر کے میدانہائے لنکنشائر پر پڑا اس لئے جو فاتحین اس ویران شدہ ملک میں آباد ہوئے وہ لنڈسوارا یا قرب لندم کے

رہنے والے کہلائے؛ دریائے ہمبر میں داخل ہونیوالوں کا ایک حصہ حوالی
لیدز کے جنگل ہائے امٹ کی وجہ سے جنوب کی طرف مڑ کر دریائے ٹرنٹ
کے راستہ پر چل نکلا، اور ہمبر اور ٹرنٹ کے درمیان جنگی ملک میں آباد
ہو گیا اور اسی محل وقوع کی مناسبت سے ان لوگوں نے ساؤتھمبرین
(باشندگانِ جنوب ہمبر) کا نام اختیار کیا؛ ایک دوسرا ٹکڑا ہمبر کے پیچ و خم
کے ساتھ ساتھ بڑھ کر اس کی شاخ زار کے کنارے سے لگا ہوا لیسٹر تک
پہنچ گیا اور مڈل انگلش (وسطی انگریز) کے نام سے موسوم ہوا؛ خلابی حصہ
ملک کے دلدلوں کو قبائل جروأس نے آباد کیا۔ ٹرنٹ کے سرچشمے ان
حملہ آوروں کے مستقر بنے جو سب سے دور مغرب میں پہنچکر لچفیلڈ اور امٹن
کے گرد خیمہ زن ہوئے تھے؛ یہ حصۂ ملک انگریزوں اور برطانویوں کے
درمیان حدِ فاصل بن گیا۔ اور اس کے رہنے والے مرسین (اہلِ سرحد)
کہلائے۔ وسط برطانیہ کی اس فتح کی نسبت ہم جو کچھ جانتے ہیں وہ
بہ منزلۂ نہ جاننے کے ہے۔ شمال کی فتح کے بابت بھی کچھ زیادہ علم نہیں ہے
رومیوں کے عہد میں ہمبر و فورتھ کا درمیانی وسیع علاقہ سیاسی طاقت کا
مرکز اور شہرِ یارک، برطانیہ کا پایۂ تخت اور رومی ناظم کا مستقر تھا۔ افواجِ
مقیمِ برطانیہ کا بیشتر حصہ رومی دیوار کے برابر برابر خیمہ زن رہتا تھا؛ دولت
و خوشحالی کے آثار ہر طرف ہویدا تھے۔ رومی لشکرگاہوں کے زیرِ سایہ
شہر کے شہر آباد ہو گئے تھے۔ اوز کی وادی اور ٹوئیڈ کی بعید بلندیوں
تک برطانوی زمینداروں کے مکانات پھیلے ہوئے تھے۔ چرواہے
دور افتادہ بلندیوں پر رُومی نام کی ہیبت کو پکٹ غارتگروں سے
محفوظ رہنے کی ضمانت سمجھتے تھے؛ اس حصۂ ملک پر ایک ہی وقت

میں شمال اور جنوب دونوں طرف سے حملہ ہوا۔ ہمبر میں داخل ہونیوالی حملہ آور فوج کے ایک حصے نے ہالڈرنس کی دلدلوں اور یارک کی مشرق میں گلِ سفید کے میدانوں سے گذر کر ڈیری کی سلطنت قایم کرلی مگر انہوں نے اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ وہ بہت جلد آگے بڑھے اور تھوڑی سی کشمکش کے بعد جس کا حال اچھی طرح معلوم نہیں ہے، انہوں نے یارک کو بھی مثل دوسرے شہروں کے تباہ و ویران کردیا، فاتحین وادی اوز کے اطراف میں قتلِ عام کرتے اور آگ لگاتے شمال کی طرف پھیلتے چلے گئے۔ اِس اثناء میں کچھ قزاق فورتھ میں بھی آگئے تھے اور انہوں نے ٹوئیڈ کے برابر برابر راستہ حاصل کرلیا تھا۔ آئڈا اور اس کے ساتھ کے پچاس جہازوں کے آدمیوں نے کوہسارِ بیمبرا پر انتہائے شمال کی انگریزی سلطنت برنیشیا کا پایۂ تخت قایم کیا، اور وہ باوجود شدید مقاومت کے ساحل کے برابر برابر بہ آہستگی اپنا راستہ نکالتے رہے۔ اس مقاومت کا ذکر اکثر برطانوی گیتوں میں آیا ہے۔ شمال میں حصولِ غلبہ کے لئے سلطنتہائے ڈیرا و برنیشیا میں مخالفت پیدا ہوئی مگر اتھلرگ شاہِ برنیشیا کے ماتحت دونوں سلطنتوں کے متحد ہو جانے سے اس مخالفت کا خاتمہ ہو گیا ان دونوں سلطنتوں سے مِلکر ایک نئی سلطنت نارتھمبریا قایم ہوگئی۔

۵۰۰-۵۲۰

انگریزی فتوحات کی یہی صدی تھی جس نے فی الواقع برطانیہ کو انگلستان بنادیا۔ انگریز اپنے آبا و اجداد کے مزید حالات معلوم کرنے کے اشتیاق میں برطانیہ کے واحد صاحب قلم گلڈس کے مسلسل نالہ وزاری سنتے ہیں مگر آخر میں اُنہیں بہت ہی مایوس ہونا پڑتا ہے۔ گلڈس نے خود ان قزاق فوجوں کا حملہ دیکھا تھا اور اُسی کی زبانی ہمیں فتح کنٹ کے متعلق معلومات حاصل

گلڈس
۵۱۶-۵۷۰

ہوئے ہیں مگر انگریز فاتحین کی طرز زندگی اور ان کی آبادکاری کے حالات معلوم کرنیکے لئے اس کی کتاب کا مطالعہ کرنا بیکار ہے۔ برطانیہ کے جنوبی ساحلوں پر جس جدید انگلستان کی بنیاد پڑ رہی تھی اس کے اندر کے ویران شہروں اور نجس شدہ زیارتگاہوں کی صرف ایک ہلکی سی جھلک گلڈس کی تصنیف میں نظر آتی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ خود اسے بھی ایک جھلک سے زیادہ دیکھنے کا موقع نہ ملا ہوگا۔ اس کی خاموشی اور ناواقفیت ہی سے اس محاربہ کی اصلیت کا پتہ چلتا ہے۔ انگریز حملہ آوروں کے آگے اس وقت تک کسی برطانوی نے گردن نہیں جھکائی تھی، کسی برطانوی کا قلم انگریزی فتح کے حالات نہیں لکھ سکتا تھا۔ اپنے ورود سے ایک صدی بعد تک بھی انگریز اپنے برطانوی دشمنوں کی نظر میں صرف "وحشی بھیڑیئے" "کتے" "سگخانۂ وحشت کے پلّے" اور "خدا و انسان کے لئے قابلِ نفرت" تھے۔ ان کے فتوحات طاقتہائے شر کے فتوحات اور یہ تمام آفات خدا کی طرف سے قومی گناہوں کی پاداش سمجھی جاتی تھیں۔ انگریزوں کی تباہ کاری جیسی کچھ مصیبت ناک تھی ظاہر ہے مگر یقینِ عام یہ تھا کہ جلد تر اس کا خاتمہ ہو جانیوالا ہے۔ قدیم پیشینگوئیوں میں مذکور تھا کہ دوسری صدی میں اس سرزمین سے انگریزوں کا آخری قبضہ متزلزل ہو جائیگا۔ ان اجنبیوں کی اطاعت کا تو ذکر ہی کیا ان سے کسی میل ملاقات کا ذکر بھی گلڈس کی تمام تحریر میں نہیں ملتا۔ انگریزوں کی کامیابیوں اور ان کے سرگروہوں کے حالات کی نسبت اس نے مطلق کچھ نہیں لکھا +

انگریزوں کی آبادکاری تاہم اس مفتوحہ ملک میں انگریزی طرزِ معاشرت نے جس طرح ترقی کی اس کا علم باوجود گلڈس کی خاموشی کے بھی کچھ نہ کچھ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ

اہلِ برطانیہ کا اخراج خود فاتحین کی آبادکاری کی تمہید تھی ۔ اس جدید انگلستان
میں ہمارے خیال پر سب سے اول جس شئے کا اثر پڑتا ہے وہ رُوم کی
بربادی کے بعد ایک خالص جرمن نسل کا آشکار ہونا ہے ۔ اسپین، گال،
اطالیہ اور دُوسرے ملکوں میں بھی اگرچہ رومی، جرمن اقوام کے مُقابلے میں
مغلوب ہو گئے تھے مگر ان تمام ممالک میں مذہب، معاشرت، نظم ونسق
رُومی طرز پر بدستور برقرار تھے ۔ صرف برطانیہ ہی میں یہ ہوا کہ رُوم ایک
قصۂ پارینہ ہو گیا اور اس قوم کی حکومت اور تمدن کا سارا نظام اسی
کے ساتھ ناپید ہو گیا، انگلستان میں کھیتیوں کے نیچے سے جو مکانات،
منقش چیزیں اور سکے کھود کھود کر نکالے جاتے ہیں وہ انگریزوں کے
آبا و اجداد کی نہیں بلکہ رومی قوم کی یادگار ہیں جنہیں انگریزوں کے آبا و
اجداد کی تلواروں نے اس طرح نیست و نابود کر دیا تھا کہ ان کے نام
و نشان تک مٹ گئے ۔ رُوم کے ساتھ ہی ساتھ اس کا قانون، اس کا
علم ادب، اس کا اخلاق اور اس کا مذہب، سب کے سب رُخصت ہو گئے۔
انگلستانِ جدید ایک بت پرست ملک ہو گیا ۔ اور واڈن اور تھنڈر کا مذہب
عیسیٰ کے مذہب پر غالب آگیا ۔ جن جرمن حملہ آوروں نے روم کا طبقہ
اُلٹ دیا تھا ان میں ایک انگریز ہی تھے جنہوں نے شہنشاہی مذہب کو
قبول کرنے سے ابا کیا ورنہ دُوسرے مقامات پر مسیحی پیشوایانِ دین ہی
مفتوحین اور جرمن وحشیوں کے مابین واسطے کا کام دیتے تھے، مگر برطانیہ
کے مفتوح حصّوں میں عیسویت کا ذکر تک باقی نہیں رہا ۔ وہاں دریاؤں،
مقاموں اور سرحدوں یہاں تک کہ ہفتہ کے دنوں کے نام بھی ان نئے
خداؤں کی طرف منسوب ہو گئے جنہوں نے عیسیٰ کی جگہ لی تھی ۔ یہ سچ

ہے کہ انگلستان اس وقت ایک ایسا ویرانہ معلوم ہوتا تھا جہاں سے دنیا
کی ہر طرح کی تہذیب نے فرار اختیار کیا تھا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اُس
کے اندر اس تباہ شدہ معاشرت سے اعلیٰ تر معاشرت کا تخم بھی موجود تھا،
اس نئی انگریزی معاشرت کی بنیاد اس آزاد شخص پر قائم تھی جسے ہم اس
کے شمالی سمندر کے دُور و دراز وطن میں کاشتکاری، انصاف، اور پرستش
کرتے ہوئے دیکھ چکے ہیں۔ دورانِ مخاصمت میں برطانیہ کی مادّی تہذیب
کے ساتھ اس نے کیسا ہی وحشیانہ سلوک کیوں نہ کیا ہو مگر یہ ممکن
نہ تھا کہ ایسا شخص ہمیشہ بربادی و تباہی پر تُلا رہے۔ جنگ کے ختم
ہوتے ہی اس کی جنگجوئی بھی ختم ہو گئی، اور وہ کاشتکارانہ حیثیت سے
اپنی مفتوحہ زمین پر آباد ہو گیا۔ اس کے مکانات انہیں مواضعات کے
آفت رسیدہ تودہ ہائے سنگ کے گرد بلند ہو گئے جنہیں خود اِسی
نے جلا کر خاک کر دیا تھا۔ خاندانوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں اپنے اپنے
ٹن (محلے) اور ہیم (واڑے) بنا کر ٹیمز اور ٹرنٹ کے قرب و جوار میں اسی
طرح آباد ہو گئیں جس طرح ایلب اور ویزر کے کناروں پر آباد تھیں؛
ان میں باہم رشتۂ قرابت تو تھا ہی اب ایک مقام پر رہنے کی وجہ
سے ان کی اراضی کاشت بھی ایک ہی حدود کے اندر جمع ہو گئیں۔
اس سے ایک نئی وجہ ارتباط پیدا ہو گئی۔ ان نو آباد مواضعات کے
رہنے والے برطانیہ میں اُسی طرح کی زندگی بسر کرتے تھے جیسی کہ ان کے
وطن کے مزارعین اپنے ملک میں بسر کرتے تھے۔ ہر موضع کے باشندوں کیلئے
کوئی نہ کوئی ٹیلہ یا درخت بطور مرکز اجتماع کے ہوتا تھا۔ اس ٹیلے کو
"مُوٹ ہل" (کوہِ اجتماع) کہتے تھے اور اس قسم کے درخت کو مقدس درخت

سمجھے تھے۔ موضع کی حد بندی کے لئے خاص نشان ہوتے تھے۔ ہر شخص کا انصاف اس کے رشتہ داروں کی گواہی کی بنا پر ہوتا تھا۔ جملہ آزاد اشخاص مل کر مجلس میں اپنے لئے قانون بناتے تھے، خود اپنی حکمرانی کے لئے سرگروہوں کا انتخاب اور ان اشخاص کا تعین کرتے تھے جو سردار کے ساتھ مجلس حلقہ یا جنگ میں جاتے +

انگلستان و فتح

لیکن اس میں شک نہیں کہ انگریزی تمدن کے سرزمین برطانیہ پر منتقل ہونے سے اس کے ابتدائی نظام پر گوناگوں اثر پڑے بغیر نہیں رہا۔ ان فتوحات ہی کا نتیجہ تھا کہ بادشاہ کا ظہور ہوا۔ بہ ظنِ غالب انگریز اپنے وطن میں جانتے بھی نہ تھے کہ بادشاہ کیا شئے ہے۔ وہاں ہر قبیلہ اپنے اپنے دستور کے موافق اپنے بزرگ قبیلہ کے تحت میں رہتا تھا مگر جب برطانیہ سے جنگ کی بنیاد پڑی تو ایک عام سرگروہ کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ کنٹ اور وسکس وغیرہ کے فتح کرنے میں جو مختلف قبائل مصروفِ کار تھے وہ سب ایک ہی شخص کے تحت میں آجائیں۔ لازماً ایسے سرگروہ کا رتبہ عارضی سرداروں سے جلدتر بہت بڑھ گیا۔ چنانچہ ہنجسٹ کے بیٹے کنٹ میں اور الی کے بیٹے سکس میں شاہی کے درجے کو پہنچ گئے۔ ویسٹ سیکسن نے کرڈک کو اپنا فرمانروا منتخب کرلیا۔ ان انتخابات سے ہر جماعت کے منتشر مواضعات وقبائل میں بھی بہ نسبت سابق کے زیادہ قریبی تعلق پیدا ہوگیا۔ ادھر ان نئے حکمرانوں نے اپنے گرد مصاحبوں، ملازموں، اور خادموں، کا ایک چیدہ جنگی گروہ جمع کرلیا۔ ان لوگوں کو ان کے خدمات کے معاوضے میں عام اراضی سے جاگیریں ملتی تھیں۔ ان کا امتیاز موروثی مراتب کی بجائے شاہی خدمات کی انجام دہی پر موقوف تھا۔ اور بالآخر امرا میں ان کا ایک علٰحدہ فرقہ قائم ہوگیا، جو قدیم نظام انگریزی کے

ارل (بزرگان قبائل) بر بھی فوق لے گیا۔ جنگ سے جس طرح بادشاہ اور فوجی امرا کا ظہور ہوا یہی حال کم و بیش غلاموں کا سمجھنا چاہئے۔ تمام جرمن قبائل کے مانند انگریزوں میں بھی ہمیشہ سے غلاموں یا غیرآزاد لوگوں کا ایک فرقہ موجود تھا اور اگرچہ برطانیہ کی فتح سے ان کی تعداد پر کچھ ایسا اثر نہیں پڑا، مگر جب تھوڑے ہی زمانہ بعد خود انگریزوں میں نزاعات باہمی برپا ہو گئے تو اس فرقے کی تعداد بہت ہی بڑھ گئی۔ اسیرانِ جنگ میں سے کوئی کیسا ہی بلند رتبہ شخص کیوں نہ ہو غلامی سے بچ نہیں سکتا تھا۔ بلکہ اکثر خود قیدی بھی قتل کے خوف سے غلام بنجانا غنیمت سمجھتا تھا، ایک امیر کا قصہ ہے کہ وہ انگریز قبائل کی کسی جنگ میں زخمی ہو کر گر گیا تھا۔ ایک قریب کا رہنے والا ملازم شاہی اسے غلام بننے کے اقرار پر اپنے ہاں اٹھا لے گیا۔ امیر نے اپنے کو کسان ظاہر کیا مگر مالک اس حیلے کی تہ کو پہنچ گیا، اور کہنے لگا کہ تم "موت کے سزاوار ہو کیونکہ اس جنگ میں میرے تمام بھائی اور کل اقربا مارے گئے ہیں" مگر محض اپنی قسم کی وجہ سے اس نے قیدی کی جان چھوڑ دی اور لندن میں اسے ایک باشندۂ فریزلینڈ کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ غالباً یہ ان سوداگروں میں سے کوئی سوداگر ہوگا جو اس زمانے میں انگریز قیدیوں کو روم کے بازار میں لے جاتے تھے، مگر صرف جنگ ہی اس فرقۂ غلامان کی کثرت کا باعث نہیں تھی۔ قرض اور جرم نے بھی غیرآزادوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا تھا۔ مصائب قحط بھی لوگوں کو مجبور کر دیتے تھے کہ وہ پیٹ بھرنیکے لئے خطِ غلامی پر اپنا سر جھکا دیں۔ جو قرضدار اپنا قرض ادا نہیں کر سکتا تھا، آزادی کو خیرباد کہہ کے تلوار و نیزہ زمین پر ڈال دیتا، مزدور کی کدال ہاتھ میں لیتا اور غلاموں کے مانند اپنی گردن کسی مالک کے ہاتھ میں دیدیتا تھا۔ جس مجرم کے رشتہ دار اس کا جرمانہ ادا نہ کرتے وہ بادشاہ کا 'جرمی غلام' ہو جاتا تھا۔

بسا اوقات ضرورت سے تنگ آکر لوگ خود اپنے بیوی بچوں کو غلامی میں فروخت کر ڈالتے تھے۔ غلام کا شمار بھی ایک طرح پر مویشیوں میں تھا۔ اور مویشیوں ہی کی طرح اس کا نسب نامہ بھی محفوظ رکھا جاتا تھا۔ مرتے وقت مالک اپنے گھوڑے بیل کی طرح اسے بھی جس کے نام چاہتا وصیت کر جاتا۔ غلام کی اولاد بھی اسی کے مانند غلام ہوتی تھی یہانتک کہ آزاد شخص کی جو اولاد لونڈی سے ہوتی تھی اُس کی پیشانی پر بھی ماں کی غلامی کا داغ لگجاتا تھا۔ انگریزی مثل تھی کہ "میری گائے کا بچھڑا میرا ہے" غیر آزاد اشخاص کے جھونپڑے دولتمند زمینداروں کے مکانات کے گرد وپیش اسی طرح ہوتے تھے جس طرح کسی وقت میں رومی امیر کے محالات کے گرد ہوا کرتے تھے۔ چرواہے، لکڑہارے، کھیتوں کے جوتنے والے، کھلیان جمع کرنیوالے، بھیڑ، بکری، گائے، بیل، اور سور پالنے والے، سب کے سب زیادہ تر غلام ہی ہوتے تھے۔ یہی حال مویشی خانوں میں کام کرنیوالی لڑکیوں کا تھا۔ مگر یہ غلامی ہمارے دور جدید کی سی غلامی نہیں تھی۔ اُس زمانہ میں کوڑے مارنے اور مشکیں کسنے کا استعمال بہت کم ہوتا تھا۔ اگر فرط غضب میں اتفاقاً کوئی ضرب ایسی پڑ جائے کہ غلام کا کام تمام ہو جائے تو یہ اور بات تھی ورنہ کوڑوں سے پیٹ پیٹ کر کسی غلام کی جان نہیں لی جاتی تھی۔ تاہم غلام کا مار ڈالنا مالک کے اختیار سے خارج نہیں تھا۔ اس کی حیثیت اثاث البیت سے زیادہ نہیں تھی؛ نہ عدالت انصاف میں اس کا گذر تھا اور نہ اس کا کوئی قرابتدار تھا جو اس کے انتقام کا خواہاں ہو۔ اگر کوئی غیر اسے مار ڈالتا تھا تو اس کا مالک اس سے تاوان وصول کرتا تھا۔ وہ خود اگر کسی کو ضرر پہنچائے تو تازیانہ تھا اور اس کا جسم، وہ بھاگ جاتا تو شکاری درندوں کے مانند اس کا تعاقب کیا جاتا۔ اور اس جرم کی پاداش میں کوڑوں سے اس کی جان لی جاتی، اور اگر عورت ہوتی تو آگ میں جلادی جاتی +

جزو سوم

سلطنتِ نارتھمبریا

۵۸۸ - ۶۸۵

[اسناد- اس زمانہ کے لئے بلا فصل سند صرف ایک ہی ہے اور وہ بیڈا کی تاریخ مذہبی قوم انگلش (Historia Ecclesiastica Gentis Angloran) ہے۔ میں نے اس تاریخ اور اس کے مصنف کی نسبت خود اصل کتاب میں مفصلاً لکھا ہے۔ ویسٹ سیکسن کے کلیسا اور بادشاہوں کے جو تھوڑے بہت حالات مل سکے انہیں میں بیڈا کے کثیر التعداد اقتباسات شامل کرکے ان کی ایک ہیئت بنا دی گئی ہے اور وہ انگلش کرانکل (وقائع انگریزی English Chronicle) میں داخل ہیں۔ کیڈمن کی نظم، مسٹر تھارپ نے شایع کی ہے اور شیرن ٹرنر نے ہسٹری آف اینگلو سیکسن (تاریخ اینگلو سیکسن جلد سوم باب ۳ History of Anglo-Saxon) میں، اور مسٹر مارلی نے انگلش رائٹرس (مصنفانِ انگلستان English writers) میں اس کے بہت سے خلاصے درج کئے ہیں۔ راڈی نے ولفرڈ کی سوانح عمری لکھی ہے اور بیڈا اور ایک اس سے بھی سابق ہمعصر سوانح نگار نے کتھبرٹ کی سوانح عمریاں ترتیب دی ہیں۔ اور یہ سب مسٹر اسٹونس کی ترتیب دادہ ہسٹوریا اکلی زیاٹکا (تاریخ کلیسا Historia Ecclesiastica) میں بطور ضمیمہ شامل ہیں۔ ان سے شمال کے مذہبی حالات پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ کرولینڈ کے گتھلک کے لئے ایکٹا سینکٹورم (Acta Sanctorum) جلد یازدہم بابت اپریل دیکھنا چاہئے۔ تھیوڈور اور اس کے ترتیب دادہ انگریزی کلیسا کے لئے کیمبل کی تصنیف سیکسن اِن انگلینڈ (سیکسن در انگلستان Saxon in England) جلد دوم باب ہائے ۸ و ۹ و ۱۰ اور سب سے بڑھکر ڈاکٹر اسٹبز کی تصنیف کانسٹیٹیوشنل ہسٹری (تاریخ دستوری (Constitutional History میں اس کے بے بہا خیالات کا مطالعہ کرنا چاہئے]

اتھلبرٹ — اب برطانیہ کے بیشتر حصے کی فتح مکمل ہوچکی تھی۔ اگر ایک خط

ڈربیشائر سے گزرتا اور آرڈن کے جنگل سے ملتا ہوا نارتھمبریا اور یارکشائر کی غیر آباد سرزمین کے برابر برابر سیورن کے دہانے تک اور وہاں سے براہ منڈب سمندر تک کھینچا جائے تو جزیرے کا وہ تمامی حصہ جو اس خط کے مشرق میں پڑیگا' انگریزوں کے قبضہ میں جا چکا تھا؛ فتوحات کی نوعیت بھی اب بالکل بدل گئی تھی پرانی تباہ کن جنگ کا دور بھی ختم ہو چکا تھا۔ بعد کے زمانے میں جب سیل فتوحات مغرب کی طرف بڑھا تو برطانوی اپنی زمینوں سے بیدخل اور ملک سے خارج نہیں کئے گئے بلکہ وہ اپنے فاتحین کے ساتھ مخلوط ہوتے گئے۔ اس سے بھی زیادہ اہم تغیر وہ تھا جو اس زمانے کے بعد سے خود انگریز فاتحین کے معاملات باہمی میں نظر آتا تھا؛ اہل برطانیہ کی جنگ کے عام دباؤ سے ایک بڑی حد تک آزاد ہو کر اب وہ خود ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے میں اپنی طاقت صرف کرنے لگے' اور انجام کار اس کا خاتمہ ایک حقیقی قومی اتحاد پر ہوا۔ وادی سیورن میں پسپا ہونے اور فیڈلی میں ہولناک ہزیمت اٹھانے کے باوجود عین اس حالت میں جبکہ اہل برطانیہ سے موت و زیست ۵۸۴ کی جنگ جاری تھی۔ ویسٹ سیکسن آپس کے مناقشات سے باز نہیں آئے اور اسی میں ان کی طاقت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ شمال میں برنیشیا اور ڈیرا کی دو رقیب سلطنتوں کی مخاصمت نے انگل قوم کے اجزا کو باہم مصروف جنگ کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ ۵۸۸ء میں ڈیرا کی قوت دفعتاً ٹوٹ گئی اور اتھلرک' شاہ برنیشیا نے دونوں قوموں کو نارتھمبریا کے نام سے ایک سلطنت کے اندر متحد کر لیا۔ شمال اور جنوب کی اس کشمکش کے دوران میں فاتحین میں سے کنٹ کو تقدم حاصل ہو گیا۔ شاہ اتھلبرٹ کے تحت میں سلطنت جوٹ کو یک بیک وہ عظمت و عروج حاصل ہو گیا کہ اس بادشاہ نے ۵۹۰ء سے پہلے ہی نہ صرف مڈل سکس اور اسکس پر

اپنی فوقیت قائم کروی بلکہ شمال میں ایسٹ اینگلیا اور مرسیا کے انگریزوں پر بھی ہمبر و ٹرنٹ تک غلبہ حاصل کر لیا +

روداگسٹن

انگریزی فتوحات کی وجہ سے بر اعظم یورپ سے برطانیہ کا تعلق ٹوٹ گیا تھا۔ یہ امتیاز اتھلبرٹ ہی کو حاصل ہے کہ اس کے زمانہ حکومت میں یہ تعلق پھر قایم ہوگیا۔ پیرس کے بادشاہ چیربرٹ کی دختر برتھا سے عقد کرکے اس نے کنٹ اور گال کے مابین ایک نئے ربط کا راستہ کھولدیا۔ مگر اس اتحاد سے جیسے اہم نتائج پیدا ہوے وہ اتھلبرٹ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔ اپنے فرینک رشتہ داروں کی طرح برتھا بھی عیسائی تھی اور اس لئے گال سے ایک عیسائی پادری اس کے ہمراہ کنٹ کے شاہی شہر کنٹربری میں آیا۔ اور سینٹ مارٹن کا ویران شدہ گرجا ان لوگون کو عبادت کے لئے دیا گیا۔ پوپ گریگری اعظم نے موقع کو غنیمت سمجھکر اس سے معاً فائدہ اٹھانے کی فکر کی۔ ایک یادگار قصے کا مذکور ہے کہ گریگری جب ایک نوعمر رومی ڈیکن تھا تو اس نے روم کے نخاس میں چند نوجوانوں کو دیکھا کہ بندھے ہوئے کھڑے ہیں، ان کے سفید جسم درخشاں چہرے اور زرین بالوں پر نظر کرکے اس نے الفاظ کے الٹ پھیر سے عجیب خیال ظاہر کیا۔ ان نوجوانوں کے لانیوالے تاجروں سے اس نے پوچھا کہ "یہ غلام کس ملک کے رہنے والے ہیں؟" بیچنے والوں نے جواب دیا کہ "وہ انگلش یا انگل ہیں" ڈیکن کو ان کے حال پر رحم آیا مگر اس نے اپنے رحم کو شاعرانہ مذاق میں پوشیدہ کرکے کہا "نہیں ایسے فرشتوں جیسے چہرے کے لوگ انگل[1] نہیں انجل (فرشتے) ہیں یہ کس ملک سے آئے ہیں؟" تاجروں نے جواب دیا کہ "وہ ڈیرا سے آئے ہیں۔" ڈی۔ آیرا[2] (غضب غضب) ہاں خدا کے غضب سے نکل کر

۵۸۹

---

[1] انگل Engle باشندہ انگلستان) انجل (Angle فرشتہ) اس میں محض G کے تلفظ کا ذرا سا فرق ہے +
[2] ڈیرا (Deira) انگلستان کے ایک صوبہ کا نام ہے اگر اس لفظ کو دو ٹکڑے کرکے ذرا سے فصل سے لکھیں تو اس کی صورت DE-IRA ہوگی لاطینی میں محض حرف تنکیر ہے اور ira کے معنی غضب و غصے کے ہیں +

مسیح کے ترحم میں آئے ہیں۔ ان کے بادشاہ کا نام کیا ہے؟ انہوں نے بتایا "ایلا"۔ گریگری نے ان لفظوں سے اچھے آثار اخذ کئے اور چلا اٹھا کہ "ایلا کی زمین میں ایلیلویا[۵] گایا جائیگا" اور یہ سوچتا ہوا کہ ایسے فرشتے جیسے چہرے کے لوگ کس خوبی سے خدا کی حمد گائینگے وہ آگے بڑھ گیا۔ تین ہی چار برس گزرے ہونگے کہ یہ ڈیکن، رومہ کا اسقف یعنے پوپ ہوگیا اور جس موقع کا وہ جویان تھا وہ برتھا کے عقد سے اسے ہاتھ آگیا۔ حکمرانان گال سے پُر احتیاط مراسلت کے بعد اس نے انگریزوں میں انجیل کا وعظ کہنے کے لئے ایک رومی رئیس خانقاہ اگسٹن نامی کی سرکردگی میں چند راہبوں کو روانہ کیا، یہ مسیحی داعی جزیرہ تھینیٹ میں عین اُس مقام پر اُترے جہاں ایک عدی ہینیٹر ہنجسٹ اترا تھا، بادشاہ نے منسٹر کے قریب گل سفید کے بلند میدان میں انہیں باریابی کا موقع دیا۔ آج اس مقام سے میلوں دور دلدل سے گزر کر کینٹربری کا برج دھندلا سا دکھائی دیتا ہے۔ بادشاہ نے ان ترجمانوں کے توسط سے جنہیں اگسٹن، گال سے اپنے ہمراہ لایا تھا۔ ان داعیوں کا طول و طویل وعظ سنا اور انگریزوں کی خوش فہمی کے موافق آخر میں یہ جواب دیا کہ "تمہارے الفاظ اچھے مگر نئے ہیں اور ان کے معنی مشتبہ ہیں"۔ اپنی ذات خاص کی نسبت اس نے یہ کہا کہ وہ اپنے آبا و اجداد کے خداؤں کو ترک نہیں کریگا لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے ان نوواردوں کی آسایش و حفاظت کا وعدہ کیا۔ راہبوں کا یہ گروہ کینٹربری میں اس شان سے داخل ہوا کہ ان کے آگے آگے چاندی کی ایک صلیب تھی جس پر مسیح کی تصویر بنی ہوئی تھی اور سب کے سب ایک آواز کے ساتھ مذہبی دعاؤں کی گیت گاتے جاتے تھے۔ "خداوندا اس شہر سے اور اپنے بیت المقدس سے اپنا غضب اُٹھالے بیشک ہم گنہگار ہیں"۔ اس کے بعد ایک عجیب اتفاق سے قدیم عبرانی عبادت کا نغمہ حمد

---

[۵] ایلیلویا (Allulaia) عبرانی سے ماخوذ ہے اس کے ٹھیک معنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے ہیں۔

یعنے ایلیلویا شروع ہوگیا - یہ وہی آواز تھی جو رومہ کے بازار میں شاہ یارکشائر کا نام سنکر گریگری کی زبان سے بیساختہ نکل پڑی تھی اور اس وقت اس کی پُرارادت پیشینگوئی کی تصدیق ہوگئی +

انگلستان اور مغربی یورپ کے مابین تجدید اتحاد -

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس جگہ ہنجسٹ اترا تھا اسی جگہ کو آگسٹن کے ورودگاہ ہونیکا شرف حاصل ہوا اور ابز فلیٹ کے اس دوسرے ورود نے ایک بڑی حد تک اس کے ورود اول کے موثرات کو مٹا دیا۔بادشاہ کے حضور میں ان داعیوں کی پہلی باریابی "نوواردانِ روم" کی حیثیت سے ہوئی تھی - متبرک مذہبی نغموں کے ساتھ ان راہبوں کا کینٹربری کی طرف روانہ ہونا گویا ان رومی فوجوں کا واپس آجانا تھا جو الارک کے آوازۂ جنگ پر یہاں سے واپس چلی گئی تھیں اتھلبرٹ نے آگسٹن کے وعظ میں جس زبان اور جس خیال کو سنا وہ صرف گریگری کی زبان اور اسی کا خیال نہیں تھا بلکہ اس میں اُن لوگوں کی زبان اور ان لوگوں کا خیال بھی مضمر تھا جنہیں خود اُس کے آباد اجداد نے قتل کرڈالا اور سمندر پار بھگا دیا تھا۔ نئے انگلستان کا اولین شاہی شہر کینٹربری لاطینی اثر کا مرکز بن گیا - برطانیہ کی زبانوں میں رومی زبان پھر داخل ہوگئی اور عبادت' مراسلت' اور علمی تحریروں میں یہی زبان مستعمل ہونے لگی - مگر آگسٹن کے ساتھ صرف رومی زبان ہی نہیں بلکہ روما کی کچھ اور باتیں بھی واپس آگئی تھیں -حق یہ ہے کہ اس کی آمد سے مغربی دنیا کے ساتھ وہ اتحاد از سرنو پیدا ہوگیا جسے ہنجسٹ کے ورود نے تقریبًا معدوم کردیا تھا۔ جدید انگلستان اقوام قدیم کی صف میں شامل کرلیا گیا - تہذیب اور علم و ہنر جو انگریزی شمشیر فتح کے سامنے سے فرار ہوگئے تھے عیسوی مذہب کے ساتھ پھر واپس آگئے - یہ صحیح ہے کہ رومی قانون کی بنیاد انگلستان میں کبھی

مستحکم نہیں ہوئی مگر اس معاملے میں رومی داعیوں کے اس اثر کا نہ تسلیم کرنا بھی ممکن نہیں ہے کہ ان کی آمد کے بعد ہی انگریزی روایتی قانون کے ضابطے تحریر ہونے لگے ٭

زوال کنٹ

ابھی یہ مہتم بالشان نتیجے بہت دور تھے۔ اتھلبرٹ کے اس مذہب کو قبول کرتے کرتے ایک برس گذر گیا پھر اگرچہ اس کے تبدیل مذہب کے بعد کنٹ کے ہزارہا آدمی اصطباغ کے لئے غول کے غول آنے لگے تاہم برسوں تک اسے یہ جرأت نہ ہوسکی کہ وہ اسکس اور ایسٹ اینگلیا کے شاہان ماتحت پر اس مذہب کے قبول کرنے کے لئے زور دے سکے۔ مدتوں بعد جب اس نے ہمت کرکے ان پر اثر ڈالا تو اس کی یہ کوشش ایک انقلاب کا پیش خیمہ بن گئی جس سے کنٹ کی طاقت ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گئی۔ مڈبرٹن (وسط برطانیہ) کے قبائل اتھلبرٹ سے سرتابی کرکے رڈوالڈ شاہ ایسٹ اینگلیا کی سیادت اعلیٰ کے تحت میں جمع ہو گئے۔ اس انقلاب سے وہ تغیر صاف ظاہر ہو گیا جو برطانیہ میں پیدا ہو گیا تھا۔ فاتحین اب منفرد اقوام میں منتشر ہونے کے بجائے درحقیقت تین بڑے گروہوں میں مجتمع ہو گئے تھے۔ شمال کی سلطنت انگل کے حدود ہمبر سے فورتھ تک تھے۔ ویسٹ سکسن کی جنوبی سلطنت کی وسعت واٹلنگ اسٹریٹ سے ایبنلے تک تھی اور ان دونوں کے درمیان مڈبرٹن (وسط برطانیہ) کی وہ بڑی سلطنت واقع تھی جس کے حدود اگرچہ وقتاً فوقتاً بدلتے رہے مگر اتھلبرٹ کے وقت سے شاہانِ مرسیا کے زوال تک اس کی ہیئت ایک حد تک بہ حال خود برقرار رہی۔ آیندہ دو سو برس تک نارتھمبریا، مرسیا اور ویسٹ سیکسن کے بادشاہوں سے ہر ایک کی یہی کوشش رہی کہ وہ تمام

۶۰۴

۶۰۷

انگریزی آبادی پر مستولی ہو جائے اور تمام اقوام انگلشیہ کو ایک واحد انگلستان میں متحد کرے۔ یہ دو سو برس کی تاریخ انگلستان اسی مخاصمت کی تاریخ ہے ٭

اتھلفرتھ ۵۹۳-۶۱۷

اس کشاکش میں نارتھمبریا کو فوری تقدم حاصل ہو گیا کیونکہ اس کے روز افزوں عروج کے سامنے اس کی رقابت کا خیال تک باطل ہو گیا تھا اتھلفرتھ ۵۹۳ء میں اتھلرک کا جانشین ہوا اور اس کے عہد میں فتوحات کا کام بدستور سابق تیزی کے ساتھ بڑھتا رہا۔ ۶۰۳ء میں شمالی برطانیوں کی فوجیں ڈیگسیسٹین کی جنگ عظیم میں بالکل فنا ہو گئیں اور نارتھمبریا کا تسلط ہمبر سے لیکر فورتھ تک مستحکم ہو گیا؛ مغربی برطانیہ کے کناروں سے ملی ہوئی کلائڈ سے ڈی تک اسٹرتھکلائڈ اور کمبریا کی غیر مفتوح حکومتیں واقع تھیں۔ ان کے علاوہ چند چھوٹی چھوٹی برطانوی حکومتیں اس حصہ میں بھی قائم تھیں جسے اب ہم ویلز کہتے ہیں۔ اس طرح برطانوی حکومتوں کے دو گروہ بن گئے تھے اور چسٹر ان دونوں گروہوں میں درمیانی کڑی کا کام دیتا تھا۔ چسٹر ہی کو ۶۱۳ء میں اتھلفرتھ نے اپنے آیندہ حملے کا نشانہ بنایا؛ شہر سے چند میل کے فاصلے پر خانقاہ بینگور میں دو ہزار راہب جمع ہوئے اور تین دن روزہ رہ کر انہوں نے اپنے ملک کے لئے خدا سے مدد کی دعا کی۔ ان زہاد نے دعا ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ ان کا ایک غول بھی برطانوی فوج کے ساتھ ہو لیا۔ میدان جنگ میں پہنچکر یہ عجیب و غریب دستہ دعا مانگنے کے لئے فوج سے نکل کر علحدہ ہو گیا۔ اتھلفرتھ ان کی ہیبتناک شکلوں اور پھیلے ہوئے ہاتھوں کو غور سے دیکھا کیا اور ان راہبوں کو جادوگر سمجھکر کہنے لگا کہ "وہ ہتیار بند ہوں یا نہ ہوں مگر جب وہ ہمارے خلاف اپنے خدا سے فریاد کرتے ہیں تو وہ فی الحقیقت ہمارے خلاف جنگ

کرتے ہیں"۔ اس کے بعد جو سراسیگی اور ہزیمت پیش آئی سب سے پہلے یہ راہب ہی اس کے شکار ہوئے ؛

اب برطانوی حکومتیں ایک دوسرے سے بالکل منقطع ہوگئیں۔ ڈیورہم پر فتح حاصل کرکے ویسٹ سیکسن نے ڈیون اور کارنوال کے برطانیوں کو اس قوم کے دوسرے حصوں سے جدا کر دیا تھا۔ اتھلفرتھ کی فتح چسٹر نے ویلز کے برطانویوں کو کمبریا اور اسٹرتھیکلائیڈ کے برطانیوں سے الگ کرکے اس بقیہ حصہ کو بھی دو مختلف ٹکروں میں تقسیم کر دیا۔ اس وقت سے برطانیوں اور انگریزوں کی جنگ آوری کی صورت کلیتاً بدل گئی۔ اب اجتماعی مقابلہ کی جگہ انفرادی مقابلہ ہونے لگا۔ نارتھمبریا کا مقابلہ کمبریا اور اسٹرتھکلائڈ سے تھا۔ مرسیا کا موجودہ ویلز سے اور وسکس کا اس حصہ برطانیہ سے جو منڈب سے لینڈس انڈ تک ہے۔ چسٹر کی فتح خود انگلستان کے لئے بھی کچھ کم اہم نہ تھی۔ رڈوالڈ (شاہ ایسٹ اینگلیا) مڈ برٹن کی قوموں کو اپنے دائرۂ تسلط میں لا رہا تھا۔ اس فتح کے بعد جب اتھلفرتھ نے اپنی جنوبی حد کے باہر اس ہمسایہ حکومت پر نظر ڈالی تو وہ نئی تمناؤں کے خواب دیکھنے لگا؛

اڈون ۶۱۷ - ۶۳۳

اتھلفرتھ کی ناگہانی موت کے سبب ایک وقت میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایسٹ اینگلیا اور نارتھمبریا کی باہمی کشمکش کا خاتمہ ہوگیا۔ مگر ہونا کچھ اور تھا۔ رڈوالڈ نے نارتھمبریا کے ایک خارج البلد شخص اڈون کو اپنے پناہ میں لے لیا تھا اور اس وجہ سے ۶۱۷ء میں اتھلفرتھ نے اس پر حملہ آور ہونے کے عزم سے کوچ کیا مگر دریائے آئڈل پر خود شکست کھاکر مارا گیا۔ اپنے دشمن کے ہلاک ہو جانے سے اڈون، نارتھمبریا کے تخت پر قابض ہوگیا۔ اور حکومت کا کام اتھلفرتھ ہی کی سی ان تھک کوشش کے

ساتھ چلانے لگا ۔ پکٹ اور برطانیوں پر فتحیاب ہو جانے کے بعد ہی اس نے
مڈ برٹن کے انگریزوں پر بھی برتری حاصل کرلی ۔ کنٹ بہت ہی قریبی سیاسی
تعلق سے اس کے ساتھ وابستہ تھا' صرف جنوب کے انگریز فاتحین یعنی ایسٹ
سیکسن والے اس کے دائرۂ اطاعت سے خارج تھے مگر اہل نارتھمبریا کے
حملے کے وقت تک ان کی طاقت بھی اندرونی قتل و بغاوت سے مہلک
طور پر متزلزل ہو چکی تھی ۔ پھر بھی نارتھمبریا کے آگے سر جھکانے سے پہلے اہل
جنوب نے جس شدت سے ان کا مقابلہ کیا اس کا کچھ اندازہ ایک قصے
سے ہو سکتا ہے جو بیڈا کی تحریر میں محفوظ ہے ۔ اڈون نے عید فصح ۲۲۶
کے زمانے میں دریائے ڈروئنٹ کے قریب ایک شاہی شہر میں دربار منعقد
کیا۔اس دربار میں ویسکس کے ایلچی ایومر نامی کو جو بادشاہِ ویسکس کی
طرف سے کوئی پیغام لایا تھا' باریابی کا موقع دیا گیا۔ اثنائے گفتگو میں ایلچی
یک بیک کھڑا ہو گیا اور کپڑوں کے اندر سے ایک خنجر نکال کر دیوانہ وار
شاہِ نارتھمبریا پر جھپٹ پڑا ۔ شاہی فوج کے ایک سپاہی للا نامی نے اُس
کی ضرب کو اپنے اوپر لیکر بادشاہ کو بچا لینا چاہا مگر وار اس شدت کا تھا
کہ للا کے جسم سے گذر کر بھی خنجر اپنے مقام مقصود تک پہنچ گیا' تاہم بادشاہ
کو زخم سے شفا ہو گئی ۔ اُس نے ویسٹ سیکسن پر حملہ آور ہو کر ان تمام
لوگوں کو قتل و اسیر کیا جنہوں نے اس کے خلاف سازش کی تھی اور
وہ مظفر و منصور اپنے ملک کو واپس گیا ۔ نارتھمبریا کی عظمت اب اپنے انتہائے
کمال کو پہنچ گئی ۔ اڈون نے اپنے حدود مملکت میں ملکداری کا اچھا جوہر
دکھایا ۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محض فتوحات کا دور اب ختم ہو گیا تھا'
اسی کی ذات سے وہ انگریزی مثل نکلی جو اکثر شاہان مابعد کی نسبت بھی

کام آتی رہی ہے کہ اڈون کے عہد میں ایک عورت اپنے بچے کو لئے ہوئے
بے خوف وخطر ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک پا پیادہ جا سکتی ہے "
اُس کے عہد حکومت میں ویران شاہراہوں پر امن و اماں کے ساتھ
آمد و رفت کا سلسلہ پھر جاری ہو گیا۔ سڑک کے آس پاس کے چشموں
پر لکڑی کے نشانات نصب کر دیئے گئے تھے اور مسافروں کی راحت
کے لئے ہر چشمے کے قریب تانبے کا ایک پیالہ رکھدیا گیا تھا۔ ایسا معلوم
ہوتا تھا کہ اس جدید انگریزی شہنشاہی پر قدیم رومی عظمت و شوکت کا
سایہ پڑ گیا ہے۔ کم سے کم اتنا تو ضرور ہوا کہ عہد رومہ کے گم شدہ
امن و امان کی واپسی کے ساتھ اس کی سطوت و جلالت بھی کسی قدر
واپس آگئی تھی۔ اڈون جب قصبات سے گزرتا تھا تو ایک سرخ زرکار
پرچم اس کے سامنے لہراتا ہوتا تھا، جب وہ سڑکوں پر پا پیادہ چلتا تھا
تو پروں کا ایک طرہ نیزے پر لگا ہوا اس کے آگے آگے رواں ہوتا تھا۔
درحقیقت شاہِ نارتھمبریا کو برطانیہ پر جو فوقیت حاصل ہو گئی تھی وہ اس سے
قبل کسی انگریز بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ شمال میں اس کے
سلطنت کی سرحد دریائے فورتھ تک پہنچ گئی تھی اور اس سرحد کی
حفاظت کے لئے اسی کے نام پر ایک شہر اڈنبرا (یعنے شہر اڈون) آباد
کیا گیا تھا۔ مغرب میں وہ چسٹر کا مالک تھا اور وہاں اس نے جہازوں کا
جو بیڑہ تیار کیا تھا اس نے جزائر اینگلسی اور مین کو مغلوب کر لیا تھا۔
ہمبر سے جنوب کی طرف کنٹ کے سوا باقی تمام انگریزی علاقے اسے اپنا
شہنشاہ مانتے تھے ؛ شاہ کنٹ کی بہن اُس کی زوجیت میں تھی۔ اس
بنا پر خود کنٹ کو بھی اس سے ایک طرح کا تعلق تھا +

نارتھمبریا کا تبدیل مذہب

شہزادی کنٹ کے ہمراہ آگسٹن کے تابعین میں سے ایک شخص پالینس نامی بھی نارتھمبریا میں آیا تھا، اس شخص کے دراز و خمیدہ قد، طوطے کے چونچ کی سی باریک ناک، لاغر و افسردہ چہرے پر پھیلے ہوئے سیاہ بالوں کو لوگ مدتوں یاد کرتے رہے۔ پالینس اور ملکہ کے اثر سے اڈون نے بہت جلد اس نئے مذہب کو قبول کر لیا اور عقلائے نارتھمبریا کو اس مذہب پر غور کرنے کے لئے جمع کیا۔ انسان کی ماقبل اور مابعد زندگی جس تاریکی میں گھری ہوئی ہے اس پر اس نئے مذہب سے جو روشنی پڑتی تھی باریک بیں طبیعتوں کے لئے وہی اس مذہب کی دلفریبی کا باعث بن گئی۔ ایک معمر ایلڈرمین بیساختہ چلا اٹھا کہ "اے بادشاہ! انسان کی زندگی کی مثال اس طرح سمجھ میں آتی ہے کہ مثلاً جاڑے کے زمانے میں جب باہر برف پڑ رہی ہو اور آپ اپنے کمرہ کے گرم آتشدان کے سامنے کھانا کھانے بیٹھیں۔ اُس وقت ایک چڑیا کمرہ کے ایک دروازے سے اندر آئے اور آتشدان کی گرمی و روشنی میں ذرا کی ذرا ٹھہر کر دُوسرے دروازے سے باہر نکل جائے اور پھر برف و باد کی اسی تاریکی میں غایب ہو جائے۔ جہاں سے آئی تھی۔ یہی حال انسانی زندگی کا ہے، وہ ایک آن واحد کے لئے ہماری نظروں کے سامنے آتی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اس کے قبل کیا تھا اور اس کے بعد کیا ہوگا۔ اگر ان معاملات کی بابت اس نئی تعلیم سے کسی قسم کی یقینی اطلاع حاصل ہوتی ہو، تو اس کا اقتدا کرنا بہتر ہے" عام لوگ ایسی موٹی دلیلوں سے زیادہ متاثر ہوتے تھے۔ کائفی نامی راہب نے کہا کہ "اے بادشاہ آپ کی رعایا میں سے کوئی مجھ سے زیادہ ان خداؤں کی پرستش میں مشغول نہیں رہا ہے تاہم بہت لوگ ہیں جو

مجھ سے زیادہ خوش قسمت و مورد عنایت ہیں ۔ اگر ان خداؤں میں کچھ قابلیت
ہوتی تو وہ ضرور اپنے پرستش کرنے والوں کی امداد کرتے" یہ کہتے ہی گھوڑے ۶۲۷
پر سوار ہو کر اس نے اپنا نیزہ گاڈمینہم کے مقدس مندر پر پھینک مارا اور
دیگر پیشوایان دین کے ساتھ بادشاہ کا مذہب قبول کر لیا ؛

بت پرستوں کی مخاصمت

مگر واڈن و تھنڈر کا مذہب بغیر سخت کشمکش کے فنا ہونیوالا نہیں تھا۔
خود کنٹ میں اتھلبرٹ کے انتقال کے ساتھ ہی لوگ اس نئے مذہب
سے روگرداں ہونے لگے ۔ ایسٹ اینگلیا کے بادشاہ رڈ والڈ نے یہ ارادہ
کیا کہ وہ ایک ساتھ مسیح اور معبودانِ قدیم دونوں کی پرستش کریگا اور ایک ہی
معبد شاہی میں صنم پرستی و خدا پرستی دونوں کے لئے بالمقابل جگہیں قایم کی گئیں
ایسٹ سیکسن کے نو عمر بادشاہ اس گرجا میں گھس گئے جہاں لنڈن کا اسقف
ملیٹس لوگوں کو عشاء ربانی سے مستفیض کر رہا تھا اور چلانے لگے کہ" ہمیں بھی
وہی سفید روٹی دو جو تم نے ہمارے باپ سبا کو دی تھی" اور اسقف کے انکار پر
اسے اپنے ملک سے نکال دیا ۔ اڈون کے تبدیل مذہب سے یہ سیل بازگشت ایک
وقت کے لئے رک گیا تا آنکہ مرسیا کو دفعتہً عروج حاصل ہو گیا اور وہ ان اصنامی
خداؤں کی حامی بن گئی۔ اڈون کے عہد میں مرسیا نے نارتھمبریا کی اطاعت قبول
کر لی تھی مگر مرسیا کے بادشاہ پنڈا نے دیکھا کہ قدیم مذہب کی حمایت میں اسے
دوبارہ آزادی حاصل کر لینے کا موقع ہے ۔ اس نے اپنے تحتِ حکومت میں نہ صرف
بالائے ٹرنٹ کے اہل مرسیا، لیسٹر کے مڈل انگلش (انگریزان وسطی) اور اہالیانِ ساؤتھمبریا و
لنڈس وارا کو متحد کر لیا تھا ۔ بلکہ اس نے اس قدر قوت حاصل کر لی تھی کہ ایسٹ
سیکسن کے مقبوضات ملحقہ سیورن کو بھی ان سے نکال لیا تھا ۔ ان صوبوں کا اتحاد ایسا
مکمل کر دیا گیا تھا کہ اگرچہ پنڈا کے بعد کچھ وقت کے لئے بعض صوبے نکل بھی گئے

تاہم اس وقت سے مرسیا کا نام عام طور پر ان تمام صوبوں پر محتوی رہا؛
با ایں ہمہ وہ تنہا ابھی نارتھمبریا کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ مگر انگریزوں اور
برطانیوں کے درمیان قدیمی تفرقہ بہت تیزی کے ساتھ مٹتا جاتا تھا اور جو
کچھ رکاوٹ باقی رہ گئی تھی پنڈا نے جرأت کرکے اسے بھی یکدم رفع کردیا
اور اڈون پر حملہ آور ہونے کے لئے کیڈ ویلن، شاہ ویلز سے متفق ہوگیا۔
۶۳۳ء میں جانبین کی فوجوں کا مقام ہیت فیلڈ پر مقابلہ ہوا اور اڈون
جنگ میں شکست کھا کر مارا گیا۔ اس فتح سے ایک طرف پنڈا کی تمنائیں
پوری ہوگئیں۔ دوسری طرف اڈون کی موت سے نارتھمبریا میں باہم ایسے مناقشات
برپا ہوگئے کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے؛ ڈبرٹن پر اپنا تسلط مکمل کرنیکے
لئے پنڈا اب ایسٹ ایگلیا کے خلاف روانہ ہوا۔ ایسٹ ایگلیا نے اپنے
سابق عیسوی بادشاہ کے عجیب و غریب مخلوط مذہب کو چھوڑ کر بت پرستی
اختیار کرلی تھی لیکن اس کے موجودہ بادشاہ سائجبرٹ نے دوبارہ مذہب
عیسوی قبول کرلیا تھا۔ پنڈا کی تہدید جنگ سے سائجبرٹ تخت چھوڑ کر
خانقاہ میں جا بیٹھا مگر ۶۳۴ء میں پنڈا کے واقعی حملہ آوری کی خبر سنکر
سائجبرٹ کی رعایا اس کی موجودگی کو خدا کی رحمت سمجھ کر اسے دوبارہ
حجرے سے نکال لائی۔ یہ راہب بادشاہ جنگ کی صف اول میں بٹھلایا گیا
مگر سوا عصا کے وہ اپنے پاس کسی قسم کا ہتیار رکھنے پر راضی نہ ہوا۔
اس کے قتل ہوتے ہی تمام فوج پراگندہ ہوگئی اور ملک نے پنڈا کی اطاعت
قبول کرلی۔ اس دوران میں کیڈ ویلن، ڈیرا کے عین وسط میں برابر لوٹ مار
کرتا رہا اور یارک تک پر قبضہ کرلیا مگر برطانیوں کی یہ ظفر مندی جیسی فوری
تھی ویسی ہی مختصر تھی۔ اتھلفرتھ کے ایک دوسرے بیٹے آسوالڈ نے اپنی

قوم کی سرگروہی اپنے ہاتھ میں لی اور ۶۳۵ء میں اہل نارتھمبریا کی ایک چھوٹی سی فوج رومی دیوار کے نیچے جمع ہو گئی۔ آسوالڈ نے ایک لکڑی کی صلیب بطور اپنے نشان کے نصب کر دی اور جب تک کہ غار کوہ اس کے سپاہیوں سے بھر نہ گیا اس نے صلیب کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ پھر خود گھٹنوں کے بل گر کر اس نے اپنی فوج سے زندہ خدا سے دعا کرنیکے لئے کہا۔ برطانوی قوم کا آخری سرتاج، کیڈ ویلن اس میدان جنگ میں (جو بعد میں میدان بہشت کے نام سے مشہور ہوا) لڑتا ہوا گرا اور اس کے بعد سات سال تک آسوالڈ کی طاقت نے اتھلفرتھ اور اڈون کی ہمسری کی +

آئرش کلیسا

آسوالڈ کو صلیب کے لئے جنگ آزمائی کی یہ قوت پالینس کے کلیسا سے نہیں حاصل ہوئی تھی۔ پالینس خود اڈون کی شکست کے بعد نارتھمبریا سے فرار ہو گیا تھا اور کنٹ کا رومی کلیسا بھی بت پرستی کی بازگشت کے سامنے بیکار ہو رہا تھا۔ انگلستان کے تبدیل مذہب میں رومیوں کی جگہ آئرلینڈ کے مبلغین نے لے لی تھی مگر اس تبدیل کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انگریزوں کے ورود برطانیہ کے قبل مغربی یورپ کے آئرلینڈ تک کے تمام ممالک کلیسائے عیسوی میں داخل تھے۔ بت پرست انگریزوں کا برطانیہ کو فتح کر لینا اس اتحاد عظیم میں رخنہ انداز ہو گیا اور اسے دو غیر مساوی حصوں میں منقسم کر دیا۔ اس تقسیم میں ایک جانب اطالیہ، اسپین اور گال جا پڑے جن کے کلیسا روم کے مستقر مذہبی کے فرمان پذیر تھے اور دوسری جانب صرف آئرلینڈ اور اس کا گرجا رہ گیا۔ مگر مغربی دنیائے مسیحی کے ان دو حصوں کی حالت ایک دوسرے سے بہت ہی متبائن تھی۔ اطالیہ، گال اور اسپین کی قوتیں محض اپنی سلامتی

کی کوششوں میں شکستہ و فسردہ ہو گئی تھیں۔ ادھر آئرلینڈ پر کسی حملے کی خراش تک بھی نہیں لگی تھی۔ اس تبدیل مذہب نے اس میں وہ زور پیدا کر دیا کہ بعد کو پھر کبھی اسے یہ قوت نصیب نہ ہوئی۔ استقبال مسیحیت کے لئے وہاں عام جوش اُبل پڑا اور ساتھ کے ساتھ علم و ہنر بھی بسُرعت تمام پیدا ہو گئے۔ سائینس اور علم و مذہب برآعظم سے فرار ہو ہو کر آئرلینڈ کے مشہور مدارس میں پناہ لیتے تھے جن کی وجہ سے ڈیورو اور ارماگھ مغرب کے دارالعلوم بن گئے تھے۔ نئی مسیحی زندگانی نے اس زور کی ترقی کی کہ حدود آئرلینڈ کے اندر اس کا بند رکھنا ناممکن ہو گیا۔ جزیرے کے مبلغ اول پیٹرک کے انتقال کو نصف صدی بھی نہیں گذری تھی کہ آئرلینڈ کی مسیحیت آتش انگیز جوش کے ساتھ اس عام بت پرستی کا مقابلہ کرنیکے لئے نکل پڑی جو مسیحی دنیا کو غرق کرتی چلی جا رہی تھی، ہائلینڈ کے پکٹ اور شمالی سمندروں کے اہل فریزلینڈ کے درمیان اشاعت مذہب کے لئے آئرلینڈ کے مبلغین نے بڑی جانفشانیاں کیں۔ ایک آئرلینڈی مبلغ کولمبن نے برگنڈی اور کوہستان اپینائن میں خانقاہیں قائم کی تھیں۔ سینٹ گال کا صوبہ اب تک اپنے نام سے ایک دوسرے آئرلینڈی مبلغ کی یاد دلا رہا ہے، جس کے سامنے سے دریا و جنگل کی پلید روحیں فریاد کناں خلیج کانسٹینس کے پار بھاگ گئی تھیں۔ ایک وقت میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تاریخ عالم کی رفتار بدل جائیگی۔ گویا وہ قدیمی کلٹک قوم جسے رومیوں اور جرمنوں نے غارت کر دیا تھا، اپنے فاتحین پر اخلاقی فتح حاصل کرنے کے لئے واپس آ گئی ہے اور مغربی گرجوں کی قسمت لاطینی مسیحیت نہیں بلکہ کلٹی مسیحیت کے حیطۂ عمل و اثر میں آ گئی ہے ٭

آسوالڈ ۶۳۴ - ۶۶۲

اسکاٹلینڈ کے ساحل مغربی سے قریب چٹانی سلوں کے ایک غیر آباد و پست جزیرے پر ایک آئرش پناہ گزیں کلمبا نے آئیونا کی مشہور خانقاہ قایم کی تھی۔ آسوالڈ کو لڑکپن میں اسی خانقاہ کے اندر پناہ ملی تھی۔ جب وہ تخت نارتھمبریا پر متمکن ہوا تو اس نے اسی خانقاہ سے مبلغین طلب کئے اس طلب پر جو پہلا شخص بھیجا گیا اُسے کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔ اس نے واپس آکر یہ بیان کیا کہ ایسے خود سر اور وحشی لوگوں میں کامیابی نا ممکن ہے۔ اس پر ایک دوسرے راہب ایڈن نے جو قریب ہی بیٹھا ہوا تھا پوچھا کہ "آیا اس کا باعث ان کی خود سری ہے یا تمہاری سخت گیری کیا تم خداوند کا حکم بھول گئے کہ انہیں پہلے دودھ دو اور پھر گوشت" مقرر پر تمام نظریں اس طرح پڑیں گویا وہی اس ترک شدہ تبلیغ کے کام کو چلانے کے لئے بہترین شخص ہے۔ ان سب کے کہنے سے ایڈن سمندر کو عبور کرکے جزیرہ نما لنڈس فارن میں آیا اور اسی کو اپنا مستقر اسقفی بنایا۔ پھر وہیں کی ایک خانقاہ سے (جس کی وجہ سے بعد میں وہ مقام ہولی آئیلنڈ (جزیرۂ مقدس) کہلایا) واعظین بت پرست صوبجات میں ہر چہار طرف پھیل پڑے۔ بائسل مبلغین کا ایک مختصر سا گروہ لیکر وادی ٹوید میں گیا۔ خود ایڈن، برنیشیا کے کسانوں میں برہنہ پا وعظ کہتا پھرتا تھا۔ نئے مذہب نے نارتھمبریا کی پیش قدمی کے لئے تمہید کا کام دیا۔ آسوالڈ جس طرح ایک ولی تھا اسی طرح وہ اس عزم پر بھی مستقل تھا کہ اڈون کی سلطنت کو دوبارہ بحال کردے۔ اسٹرتھکلائڈ کے برطانویوں پر اپنی سیادت کو وسعت دیکر اور لنڈسوارا کی اطاعت حاصل کرکے وہ سکس سے دوبارہ اپنی فوقیت تسلیم کرانے پر متوجہ ہوا۔ نئے مذہب کا قبول کرنا ہی اس کی سیادت اعلیٰ

کے تسلیم کرنیکا نشان تھا۔ برینس نامی واعظ اس کے قبل ہی گال سے
وسکس میں آچکا تھا۔ شاہ وسکس نے آسوالڈ کی موجودگی میں اصطباغ لیا
اور اسی کی مرضی سے کنار ٹیمز کے شاہی شہر ڈارچسٹر میں اپنی رعایا کے لئے
ایک مستقر اسقفی قایم کیا۔ آسوالڈ کے زیرنگین ممالک اپنی وسعت میں شاہ
سابق کی سلطنت سے کسی طرح کم نہ تھے مگر ازمنہ مابعد میں اس کی یہ
شاہی عظمت اس کے صلاح و تقوے کے قصوں میں گم ہوگئی۔ اتھلفرتھ کی
جنگی شان و شکوہ اور اڈون کے عاقلانہ نظم و نسق کے ساتھ اب ایک اور
جزو بھی تصور شاہی کے ساتھ مخلوط ہوگیا تھا۔ وہ اخلاقی طاقت جو الفرڈ
کی ذات میں انتہا کو پہنچنے والی تھی اول اول اس کا اظہار آسوالڈ کے
قصے میں ہوا ہے۔ شاہی دربار میں مبلغین آئرلینڈ جب خدام بادشاہی کے
تبدیل مذہب کی کوشش کرتے تھے تو بادشاہ بذات خاص ان کے لئے
ترجمان کا کام کرتا تھا۔ "خدا کی عبادت و شکر گذاری میں علی الدوام مشغول
رہنے سے اس کی عادت سی ہوگئی تھی کہ جہاں بیٹھتا اپنے ہاتھ گھٹنوں پر
رکھ کر اوپر کو اٹھائے رہتا" ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بادشاہ ایک فوجی
امیر کو اپنے دروازے پر خیرات تقسیم کرنیکے لئے متعین کرکے خود اسقف
ایڈن کے ساتھ خاصہ کھانے بیٹھ گیا۔ وہ بیٹھا ہی تھا کہ امیر نے آکر عرض
کیا کہ ابھی غریبوں کا ایک غول دروازے پر بھوکا کھڑا ہوا ہے' بادشاہ
نے فوراً حکم دیا کہ اس کے سامنے کا کھانا (جسے اس نے ابھی چھویا تک
نہیں تھا) اٹھا کر غریبوں کو دے دیا جائے اور اس کی چاندی کی
رکابی کے ٹکڑے کرکے ان میں تقسیم کر دئے جائیں۔ ایڈن نے
بادشاہ کا ہاتھ پکڑلیا اور دعا دی کہ "خدایا یہ ہاتھ کبھی ضعیف نہ ہو"۔

پینڈا ۶۲۶ - ۶۵۵

وسکس کے تبدیل مذہب کی وجہ سے بت پرستی اگرچہ انگلستان کے وسطی اضلاع کے اندر مقید ہو گئی تھی تاہم وہ اپنی بقا کے لئے مایوسانہ جد وجہد کئے بغیر نہ رہ سکی۔ پینڈا اس وقت تک بت پرستی کا مرکز اجتماع تھا۔ اور اگرچہ اس کا طویل عہد حکومت نئے مذہب کے ساتھ مسلسل جنگ آزمائی ہی میں گذرا مگر درحقیقت یہ کشمکش اس قدر صلیب کے تفوق کے خلاف نہیں تھی جس قدر نارتھمبریا کے تفوق کے خلاف تھی، آخرالامر ایسٹ اینگلیا دونوں سلطنتوں کی طاقت آزمائی کا میدان بن گئی۔ اسے پینڈا کے ہاتھ سے نکال لینے کے لئے آسوالڈ نے ۶۴۲ء میں کوچ کیا مگر جنگ ماسرفلڈ میں شکست کھا کر وہیں مارا گیا، وحشی فاتح نے اس کے جسم کے ٹکڑے کر ڈالے اور اس کے اعضائے جسم کو ستونوں پر لٹکا دیا۔ قصوں میں مذکور ہے کہ جب آسوالڈ کا تمام جسم تلف ہو گیا اس وقت بھی "وہ سفید ہاتھ" جسے ایڈن نے برکت دی تھی سفید ہی رہا، خراب نہیں ہوا۔ فتح ماسرفلڈ کے بعد چند برس کے لئے تمام برطانیہ میں پینڈا کو ہر طرف غلبہ حاصل ہو گیا۔ وسکس نے اس کے استعلا کو اسی طرح تسلیم کر لیا جس طرح اس نے آسوالڈ کے استعلا کو تسلیم کیا تھا اور شاہِ وسکس نے مذہب عیسوی کو ترک کر کے پینڈا کی بہن سے عقد کر لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈیرا نے بھی اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ صرف برنیشیا اس کی اطاعت سے منکر رہی اور اس لئے پینڈا سالِ بہ سال شمال پر تباہی انگیز حملے کرتا رہا۔ ایک مرتبہ وہ شاہی شہر یعنی ناقابل تسخیر کوہی قلعہ بیمبرا تک پہنچ گیا۔ حملے کے ذریعہ سے قلعے کو مسخر کرنے سے ناامید ہو کر اس نے قلعے کے آس پاس کے تمام جھونپڑوں کو اکھاڑ ڈالا اور

ان کی لکڑیاں دیوار قلعے کے پاس جمع کر کے مناسب ہوا کے وقت ان میں آگ لگا دی جس سے شعلے اندر شہر تک پہنچنے لگے۔ ایڈن نے جزیرۂ فارن میں اپنے راہبانہ حجرے سے دیکھا کہ دھواں شہر کی طرف بڑھ رہا ہے اور وہیں سے چلایا کہ "دیکھ اے خداوند پنڈا نے کیا خرابی برپا کی ہے" نارتھمبریا کے روح فرسا قصے کا بیان ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ ہی ہوا کا رُخ بدلا اور شعلے آگ لگانیوالے ہی پر پلٹ پڑے مگر جس مذہب کو پنڈا نے اتنی بار دبایا تھا وہ اس کے فتوحات کے باوجود ۶۵۲ پھر ہر چہار طرف زندہ ہو گیا۔ جلنے اور لٹنے پر بھی برنیشیا نے صلیب کو نہیں چھوڑا۔ ایسٹ سیکسن نے از سر نو مذہب عیسوی قبول کر لیا۔ پنڈا نے اپنے جس لڑکے کو مڈل انگلش پر متعین کیا تھا اس نے بھی اصطباغ لے لیا اور لنڈس فارن سے مبلغین مذہب طلب کئے۔ نئے مذہب کے مبلغین خود اہل مرسیا کے درمیان بے خوف و خطر پھرتے تھے اور پنڈا کسی طرح پر ان کا مزاحم نہیں ہوتا تھا۔ گو وہ خود آخر تک بت پرست رہا لیکن کسی اور کا رجحان نئے مذہب کی طرف دیکھتا تو بے پروائی اور اغماض سے کام لیتا۔ البتہ اپنی طبعی با وقار صداقت کی وجہ سے وہ ان لوگوں کو حقارت و نفرت کی نظر سے دیکھتا جو نیا مذہب تو قبول کر لیتے مگر اس کے احکام پر کاربند نہ ہوتے تھے۔ لیکن مشرقی ساحل پر نارتھمبریا کے مبلغین کے قدم بہ قدم نارتھمبریا کا غلبہ بھی محسوس ہونے لگا تھا۔ اور اس وجہ سے یہ بڈھا اپنے دشمنوں پر ایک آخری ضرب لگانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ آسوالڈ کے انتقال کے بعد اُسیو اس کا جانشین ہوا تھا اور اس نے ۶۵۵ء میں دریائے ونویڈ

کے قریب اس بت پرست فوج کا مقابلہ کیا۔ اہل نارتھمبریا نے زیور اور قیمتی تحفوں کے نذرانے سے پنڈا کو حملے سے باز رکھنے کی کوششیں کیں مگر یہ کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ آخر عاجز آکر اُسیو نے کہا کہ "یہ بت پرست ہمارا ہدیہ نہیں قبول کرتے تو ہمیں یہ ہدیہ اس کے حضور میں پیش کرنا چاہئے جو اسے قبول کرے"۔ اور اس نے عہد کیا کہ اگر وہ کامیاب ہوا تو اپنی لڑکی کو خدا کی نذر کریگا اور اپنے ملک میں بارہ خانقاہوں کے لئے جاگیریں وقف کریگا۔ فتح نے بالآخر مذہب مسیح کا ساتھ دیا۔ اہلِ مرسیا جس دریا سے ہو کر بھاگے وہ بارش کی وجہ سے چڑھ گیا تھا اور اس بت پرست فوج کے تمام بقیۃ السیف اس میں غرق ہو گئے۔ خود پنڈا بھی مارا گیا اور اس کے ساتھ قدیم دیوتاؤں کی خدائی بھی ختم ہو گئی۔ ۶۵۵

اُسیو ۶۴۲ - ۶۷۰

اس ہولناک مخاصمت کے بعد کچھ زمانہ امن کے ساتھ گذرا، جنگ ونویڈ کے بعد چار برس تک مرسیا پر اُسیو کی سیادت قایم رہی مگر ۶۵۹ء میں تمام قوم نے یکبارگی شورش کر کے نارتھمبریا کا جوا کندھے سے پھینک دیا، پنڈا کے ساتھ ہی مرسیا کی بت پرستی کا خاتمہ ہو چکا تھا اور بالفاظ بیڈا "اس طرح آزاد ہو کر اہل مرسیا مع اپنے بادشاہ کے بطیب خاطر حقیقی بادشاہ یسوع مسیح کی خدمت گذاری کرنے لگے" اس کے تینوں صوبے یعنے سابق مرسیا، مڈل انگلش اور لنڈسوارا، سیڈا یعنے سینٹ چیڈ کی اسقفی میں متحد ہو گئے۔ یہی سیڈا ہے جو اب تک مرسیا کے مستقر مذہبی لچفیلڈ کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ سیڈا، لِنڈِس فارن کا ایک راہب تھا۔ اس کی طبیعت میں ایسی سادگی و فروتنی تھی کہ تبلیغ مذہب کے لئے وہ بہت لمبے لمبے سفر پا پیادہ کیا کرتا تھا، تاآنکہ اس کے آخری زمانے میں

اسقف اعظم تھیوڈور نے خود اپنے ہاتھ سے اسے گھوڑے پر سوار کیا تھا، اس کے قصۂ مرگ میں جوش عیسوی کی شاعری کا چشمہ اُبل پڑا ہے۔ اس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسقف سینٹ میری کے گرجا کے متصل ایک چھوٹی کوٹھری میں پڑا ہوا تھا اور جب اس کا آخری وقت آیا تو گانیوالوں کی شیریں آوازیں آسماں سے اس کوٹھری پر نازل ہونے لگیں، اور بعد ازاں وہی نغمہ چھت کے اوپر بلند ہوتا ہوا جس راہ سے آیا تھا اسی راہ سے آسمان کی طرف واپس چلا گیا۔ یہ اس کے بھائی مبلغ سِڈ کی روح تھی جو سرود خوان فرشتوں کے ساتھ سیڈا کے آخری وقت میں اسے تسلی دینے آئی تھی۔ نارتھمبریا میں سیڈا کے رفقا نے جو کام انجام دئے وہ کتھبرٹ کی شہرت وعظمت کے سامنے بالکل بے حقیقت ہو گئے ہیں۔ اُس زمانے کی نئی مذہبی زندگی پر لولینڈز کے اس پیشوائے مذہبی (کتھبرٹ) کے قصے سے بہتر کسی اور قصے سے روشنی نہیں پڑتی۔ اس قصے کا آغاز نارتھمبریا کے انتہائے شمال میں دریاہائے ٹیویٹ اور ٹویڈ کی سرزمین پر ہوتا ہے۔ کتھبرٹ، لیمرمور کے جنوبی کنارے پر پیدا ہوا تھا اور آٹھ برس کی عمر میں اسے رینگھوم کے چھوٹے سے موضع میں ایک بیوہ کے گھر میں پناہ لینی پڑی۔ اس لڑکے کے موٹے تازے جُثّے کے اندر بچپن ہی سے ایک طرح کا شاعرانہ احساس موجود تھا اور کھیل کے اتفاقی الفاظ میں بھی وہ بلند خیالی پیدا کر لیتا تھا۔ کچھ زمانے بعد ایک سیاح سفید جُبّہ پہنے ہوئے پہاڑی کے اطراف میں آیا اور اپنے گھوڑے کو روک کر اس نے کتھبرٹ کے زخمی گھٹنے کو درست کر دیا۔ لڑکا اسے فرشتہ سمجھا۔

گلہ بانی کی ضرورت سے اس لڑکے کو اُن سُنسان بلندیوں پر جانا پڑتا تھا جو اب تک بھیڑوں کے چراگاہ مشہور ہیں اگرچہ گھانس کی کمی کی وجہ سے پتھر کی چٹانیں کھلی نظر آتی ہیں۔ وہاں رات کو شہاب ثاقب اُسے فرشتوں کے مجمع معلوم ہوتے تھے جو اسقف ایڈن کی روح کو آہستہ آہستہ آسمان کی طرف لیجاتے تھے۔ مذہبی زندگی بسر کرنے کی خواہش بتدریج عزم مستقل سے مبدل ہو گئی اور انجام کار کھتبرٹ ان چوبی مکانات کے اندر پہنچا جو لنڈس فارن کے چند آئرش راہبوں نے ملروز کے حدود تبلیغ کے اندر ایک غیر مزروعہ سنسان مقام میں بنا لئے تھے۔ آج یہ زمین سرزمین شعر و فسانہ سمجھی جاتی ہے۔ جیوٹ، لیمور، اٹرک، ٹیوٹڈیل، یبرو اور انن واٹر قدیم نظموں اور سرحدی گیتوں کا معدن و مخزن متصور ہوتے ہیں، اس کی وادیاں زراعت سے سرسبز و آباد ہیں اور اس کی دلدلیں اخراج آب اور دخانی طاقت کی مدد سے کشت زار بن گئی ہیں مگر کھتبرٹ کے وقت کے لولینڈز کا نظارہ کرنیکے لئے کھیتوں اور سبزہ زاروں کو مٹا کر ان کے بجائے فراخ ویرانے قایم کرنا چاہئے جن میں کہیں کہیں لکڑی کے چند مکانات دکھائی دیتے ہوں، جن کے راستوں میں جگہ جگہ دلدلیں ملتی ہوں اور راہ رو نیزے سنبھالے ہوئے، گھوڑوں پر سوار ہر طرف احتیاط سے دیکھتے ہوئے نظر آتے ہوں۔ کھتبرٹ نارتھمبریا کے جن کسانوں میں سفر کرتا تھا ان میں سے اکثر محض برائے نام عیسائی تھے۔ انھوں نے اپنے امرا کی اتباع میں اسی طرح اس مذہب کو برائے نام اختیار کر لیا تھا جس طرح امرا نے بادشاہ کی تقلید میں اسے قبول کیا تھا۔ یہ بے پروائی بھی ٹیوٹن قوم کے

خصوصیات میں سے ہے۔ مگر جدید پرستش کے ساتھ ساتھ وہ اپنے قدیم توہمات پر بھی قایم تھے۔ وبا یا مصیبت کے وقت وہ اپنی بت پرستی کے منتروں اور تعویذوں ہی پر اعتماد کرتے تھے اور اُن عیسائی واعظوں پر جو ان کے درمیان آکر رہ گئے تھے اگر کوئی مصیبت آجاتی تو وہ اسے اپنے سابق دیوتاؤں کے غضب کا ثبوت سمجھتے تھے۔ اگر شہتیروں کا کوئی چوگھڑا دہانۂ دریا پر کی خانقاہ کی تعمیر کے واسطے ٹائن پر بہتا ہوا آ رہا ہو اور اتفاقاً کھینے والے راہبوں سمیت سمندر میں بہ جائے تو قریب کھڑے ہوئے دہقان چلانے لگتے تھے کہ "کوئی ان کے لئے دعا نہ کرے نہ کوئی ان لوگوں پر رحم کرے انہوں نے ہماری قدیم پرستش سے ہمیں جدا کر دیا ہے۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ ان کے انوکھے طور طریقوں کی کیونکر پابندی کی جائے"۔ ان خیالات کے لوگ تھے جن کے درمیان کھتبرٹ کبھی سوار کبھی پیدل مارا مارا پھرتا تھا اور خصوصیت کے ساتھ انہیں دور افتادہ کوہی قصبات کو پسند کرتا تھا جن کے اکھڑپن اور غربت کی وجہ سے دوسرے مبلغین وہاں جانے سے گریز کرتے تھے۔ اس قصبہ بہ قصبہ گشت میں اسے اپنے آئرلینڈی رفقا کے مانند ترجمان کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ کفایت شعار لمبے سروں والے اہل نارتھمبریا بخوشی تمام اس شخص کا بیان سنتے تھے جو خود بھی انہیں کے مانند لولینڈز کا ایک کسان تھا اور جس نے نارتھمبریا کا لب و لہجہ ٹویڈ ہی کے کناروں پر سیکھا تھا۔ کھتبرٹ کا ضبط نفس، اس کی خوش طبعی، اس کا دل کش بشرہ یہ سب اس کے معاون تھے اور اس اعتبار سے اس کا قوی جثہ بھی (جو اس کی جدید سخت زندگی کے مناسب حال تھا) کچھ کم موثر نہیں تھا۔ جب کسی ویرانے میں رات ہو جاتی اور اس کے ہمراہیوں کو کچھ کھانے کو نہ ملتا تو

وہ کہا کرتا تھا کہ "جسنے خلوص کے ساتھ خدا کی پرستش کی ہے وہ کبھی بھوکا نہیں مرا ہے۔ اپنے سر کے اوپر اس عقاب کو دیکھو اگر خدا کو منظور ہے تو وہ ہمیں اسی کے ذریعے سے رزق دے سکتا ہے" اور ایک بار تو واقعی ایسا ہی ہوا کہ اس متبرک جانور نے ایک مچھلی گرا دی اور کتھبرٹ نے اسی پر اکتفا کی۔ ایک مرتبہ فائف کے کنارے پر طوفان برف سے اس کی کشتی بہ گئی۔ اہل کشتی واویلا مچانے لگے کہ "ساحل کا راستہ برف سے رکا ہوا ہے اور سمندر کی راہ میں طوفان حائل ہے" کتھبرٹ نے کہا کہ "بہشت کا بھی ایک راستہ ہے اور وہ ابھی کھلا ہوا ہے"۔

کیڈمن

جس زمانے میں مبلغین نارتھمبریا کے کسانوں میں اس قسم کی کوششیں کر رہے تھے اسی زمانے میں کچھ خانقاہیں ایسی بھی قایم ہو گئی تھیں جو بینڈکٹ کے سخت قواعد کی پابند نہ تھیں بلکہ کلٹ کے سہل العمل خاندانی یا قبائلی انداز پر ان رؤسا و متمولین کے گرد جمع ہو گئی تھیں جو زہد و ترک میں وقت بسر کرنا چاہتے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر و دولتمند خانقاہ اسٹریونیشیل کی تھی جہاں شاہی نسل کی ایک بیگم ہلڈ نامی نے شمالی سمندر کے مقابل ہوٹبی کی بلند تاریک چٹانوں پر اپنی ایک خانقاہ قایم کی تھی۔ امرا و ملوک تک اس کی مشورت کے خواہاں رہتے تھے' اور اس کے زیر فرمان یہ وسیع خانقاہ اسقفوں اور راہبوں کی تربیت گاہ بن گئی تھی۔ جان بورلی کا سا مقدس شخص اسی خانقاہ کا تربیت یافتہ تھا مگر فی الواقع جس شخص کے نام نے ہوٹبی کو چمکا دیا وہ کیڈمن تھا جس کا گروہ مذہبی سے کچھ تعلق نہ تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس کے لبوں سے پہلی بڑی انگریزی نظم نکلی ہے۔ اس کی عمر اگرچہ زیادہ ہو گئی تھی مگر اس زمانے

قبل ۶۷۰ء

کے فن شعر گوئی سے لسے مطلق مس نہ تھا۔ دعوتوں کے موقعے پر جب
لوگ خوش طبعی کی طور پر باری باری سے گاتے تو کیڈمن ستار کو اپنی
طرف آتے دیکھ کر میز سے اٹھتا اور کسی طرف چل دیتا۔ ایک مرتبہ جب
ایسی ہی صورت پیش آئی تو وہ دعوت سے اٹھ کر اصطبل میں چلا گیا۔
کیونکہ اس رات کے لئے مویشیوں کی نگرانی اس کے ذمہ تھی۔ یہاں
اُسے خواب میں ایک شخص نظر آیا جس نے نام لیکر اس کو سلام کیا اور
کہا کہ "کیڈمن مجھے کچھ گانا سناؤ" کیڈمن نے جواب دیا کہ "مجھے گانا
نہیں آتا اور اسی وجہ سے دعوت چھوڑ کر یہاں آیا ہوں" متکلم نے جواب
دیا کہ "کچھ بھی ہو تمہیں گانا سنانا پڑیگا" کیڈمن نے پوچھا کہ "آخر میں کیا
گاؤں" جواب ملا کہ "مخلوقات کی آفرینش کا گیت گاؤ" صبح کو اس نے
ہلڈ سے اپنا خواب بیان کیا اور رئیسۂ خانقاہ اور تمام لوگوں نے اس سے
یہی نتیجہ نکالا کہ "خداوند نے اس پر آسمانی رحمت نازل فرمائی ہے" ان
لوگوں نے کیڈمن کے لئے کتاب مقدس کے ایک ٹکڑے کا ترجمہ کیا" اور
اس سے کہا کہ ہو سکے تو اسے نظم کرو" دوسری صبح کو اس نے اس ٹکڑے
کو ایک اچھی نظم کی صورت میں پیش کر دیا۔ رئیسۂ خانقاہ نے سمجھ لیا
کہ اس شخص پر ضرور خدا کی رحمت ہے اور اسے حکم دیا کہ "اب دنیاوی
طریق کو ترک کر کے خانقاہی زندگی اختیار کرو" کیڈمن نے تھوڑا تھوڑا
کر کے اس مقدس قصے کو نظم کیا۔ "عالم کی تخلیق، انسان کی ابتدا،
بنی اسرائیل کی پوری تاریخ، مصر سے اُن کا خروج، ارض موعودہ میں
ان کا داخلہ، عیسیٰؑ کا التحام، ان کی حیات دنیاوی و رجعت اور ان کا
صعود آسمان، قیامت، مصائب دوزخ، نعیم بہشت ان سب چیزوں کو

اس نے نظم کر ڈالا ٭

انگریزی گیت

کسی شخص کے منہ سے اس طرح نظم کا یک بیک جاری ہو جانا اُس زمانے کے لوگوں کو لازمًا ایک آسمانی نشے معلوم ہوتی تھی۔ دُوسروں نے بھی اس کے تتبع میں مذہبی اشعار کہنے کی کوششیں کیں مگر کوئی اس کی برابری نہ کر سکا " کیونکہ اُسے فن شاعری نہ انسان سے اور نہ انسانی طریقے سے بلکہ خدا سے حاصل ہوا تھا۔ فی الحقیقت کیڈمن نے انگریزی گیت کی ظاہری ہئیت میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا۔ نظموں کا مجموعہ جو اس کی طرف منسوب ہے وہ زمانۂ بعد کے ویسٹ سیکسن ترجمے کی صورت میں ہم تک پہنچا ہے اور اگرچہ ناقدین حال کے نزدیک ابھی تک ان نظموں کی تصنیف کی اصلیت مشبہ ہے مگر اس قدر مسلم ہے ہے کہ وہ متعدد مصنفین کی تصنیف کردہ ہیں۔ بہرحال یہ نظم کیڈمن کی ہو یا اور شاعروں کی مگر وہ بہت زور دار اور صنعت تجنیس سے آراستہ ہے جس میں نہ ارادتًا فن کو دخل دیا گیا ہے نہ اس کی حک و اصلاح کی گئی ہے اور نہ اس میں تخیلی نظموں کی سی سرور انگیزی ہے۔ وہ ایک رواں سادہ نظم ہے جس کے پڑھنے کے بعد حسن شاعری سے زیادہ اس کے زور و قوت کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ حُسن شاعری جو کچھ ہے وہ بھی استعارات و اغلاق میں پوشیدہ ہو گیا ہے؛ اس کا انداز صاف جنگ آوروں کے رجز کا سا معلوم ہوتا ہے یعنے مختصر پرجوش جذبات کا مختصر پرجوش اظہار۔ ان ابتدائی نظموں میں تصویر پر تصویر فقرے پر فقرے روانی، درستی و زور کے ساتھ بہم چلے آتے ہیں؛ جوشِ اندرونی و ضبط کی وجہ سے بحر تک نا ملائم ہو گئی ہے۔ نظم کیا ہے یہ معلوم ہوتا ہے

کہ گھمسان لڑائی میں تلوار کی ضربیں پڑ رہی ہیں۔ مظاہر قدرت سے بیان کا شوق اور اُداسی کی چاشنی جس سے انگریزی نظم میں درد پیدا ہوگیا ہے ایسے صفات ہیں جو اس شاعر کے سوا صرف متقدمین کے کلام میں پائے جاتے ہیں مگر اب مذہب عیسوی کے اثر نے تخیل کا ایک نیا عالم پیدا کر دیا تھا۔ انوار علویہ کے افسانے اور بیڈا کی "داستان کنجشک" سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی طبائع مذہب عیسوی کے لئے کس قدر مناسب تھیں۔ اس کے عقائد کا ابہام، انسان اور عالم کے اسرار، اس کا انسانی تجربہ و حیات کے تنگ دائرے کو بے حقیقت سمجھنا اور اُس سے بالاتر پرواز کرنا یہ سب باتیں ایسی تھیں جو انگریزوں کے دلوں پر اثر کرنے والی تھیں۔ کیڈمن نے اس جدید شاعرانہ تخیل کو اپنی مشہور نظم میں قدیم طرز شاعری کے ساتھ سمو دیا ہے۔ اس نظم کے مختلف حصوں میں ٹیوٹنی تخیل کا ابہام اور بلند پروازی یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ عبرانی افسانے بھی اُس کے آگے ہیچ ہیں۔ اور وہ دوزخ کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے کہ گویا وہاں ظلمت ہی ظلمت ہے۔ ہر طرف شعلے بھڑک رہے ہیں اور صرف صبح کے وقت سرد مشرقی ہوا کے جھونکے چل جاتے ہیں اور اس کے فرش پر نافرمان فرشتے بندھے پڑے ہیں۔ جرمن قوم کے زور طبع اور اُس کی شخصی قوت و قدرت کے احساس نے انگریزی نظم میں عبرانی "مغوی" کو باغی شیطان کی شکل میں بدل دیا جو خدا کی اطاعت کو حقارت سے دیکھتا ہے اور اپنی لعنت کے عذاب میں کہہ اُٹھتا ہے کہ "میں بھی ایسا ہی خدا ہوسکتا ہوں جیسا وہ ہے۔ کسی نفع کے خیال سے اس کی منت سماجت کرنا عیب سمجھتا ہوں" اس مردود نے جس پرغیظ طریقے سے دل کا بخار نکالا

ہے اس میں بھی ہم وہ نیا درد و گداز پاتے ہیں جو اہل شمال کی افسردگی طبع انگریزی شاعری میں پیدا کرنے والی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ "سارا رنج مجھے اس بات کا ہے کہ آدم جو مٹی سے بنا وہ میری مسند پر جلوہ افروز ہو۔ زندگی مسرت و شادمانی میں بسر کرے اور ہم عذاب کے دکھ سہیں۔ کاش سرما کی ایک ساعت کے لئے بھی مجھے قدرت حاصل ہوتی تو اپنے اس گروہ کو لیکر.... لیکن افسوس! ہر طرف میں لوہے کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں اور یہ قید میرے لئے عذاب الیم ہے"۔ دوسری جانب جس عیسوی خدا کا اعتقاد برسوں کی جد وجہد و خونریزی کے بعد حاصل ہوا تھا، اس کی حمد و ثنا پر جوش و دلکش نغموں میں گائی جاتی ہے، شاعروں کو جس طرح ان کے زمانے کے واقعات نے عہد عتیق کی تاریخ اور اس کی جنگ و جدل اور بادیہ پیمائی کے قریب کر دیا تھا۔ اسی طرح خود شاعروں کی طبیعت و تخیل نے انہیں قدیم عبرانی جوش و ولولے تک پہنچا دیا تھا "فرعون کی فوج کے آس پاس شام کے وقت بھیڑیوں کی ہولناک آواز اسی طرح سنائی دیتی ہے رات کی شبنم کھائے ہوئے بیتاب طیور جنگ اسی طرح شور مچاتے ہیں" جس طرح پنڈا کی فوج کے آس پاس بھیڑئے چلاتے اور عقاب چیختے تھے۔ غرض ہر طرف اس نئے عظمت و جلال اور جوش بیان کے آثار نظر آتے ہیں جو جرمن قوم اس مشرقی مذہب کے اندر پیدا کرنے والی تھی۔

ہوٹبی کی مجلس مذہبی

مگر کیڈمن کی شعر گوئی سے بھی پہلے ایک باہمی مناقشہ کی وجہ سے نارتھمبریا کا عیسوی کلیسا دو فرقوں میں منقسم ہو چکا تھا۔ اس قضیے کا تصفیہ اسی خانقاہ ہوٹبی میں ہوا تھا جس میں کیڈمن رہتا تھا۔ ایڈن کی جانفشانیوں اور آسوالڈ و آسیو کے فتوحات سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگلستان، آئرلینڈ کی

گرجا میں ضم ہو جائیگا، لنڈس فارن اور ان جدید خانقاہوں کے راہب جو
لنڈس فارن کے بعد قایم ہوئیں مذہبی روایت و تقلید کے لئے روم کی طرف
نہیں بلکہ آئرلینڈ کی طرف نظر ڈالتے تھے۔ اور اپنی ہدایت کے لئے گریگری
کے نہیں بلکہ کولمبا کے احکام سے استدلال کرتے تھے۔ کینٹربری کا مستقر مذہبی
اپنی فوقیت کا تمام کلیسائے انگلستان پر جو کچھ بھی اثر ڈالتا رہا ہو مگر شمالی
انگلستان کے کلیسے کا حقیقی مقتدا آئیونا ہی کا رئیس خانقاہ تھا۔ مگر جب اُسیو
کی ملکہ کنٹ سے نارتھمبریا میں آئی تو وہ رومی مستقر مذہبی کی وفاشعاری بھی
اپنے ساتھ لائی اور معاً ایک رومی فریق اس کے ساتھ ہو گیا۔ اسے اپنی
کوششوں میں دو نوجوان اُمرائے شاہی کی تائید بھی حاصل ہو گئی
جن کا عشق روم کے ساتھ جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ ولفرڈ (ساکنِ
یارک) کی ساری عمر روم و انگلستان کے آنے جانے میں صرف ہوئی۔ نارتھمبریا
کے گرجے پر روم کے حق اطاعت ثابت کرنے میں، اس نے عجیب کارنمایاں
دکھائے مگر ناکامیابیاں بھی ویسی ہی عجیب تھیں۔ بندکٹ بسکاپ نے بھی
اس مقصد میں کوششیں کیں لیکن اس کی کوششیں زیادہ خاموش طریقے
کی تھیں۔ ویرمتھ کے رہبان روم کے مطیع تھے، بسکاپ چاہتا تھا کہ
وہاں ایک بڑا گرجا اور خانقاہ قایم ہو جائے۔ اس غرض کے حصول کے
لئے وہ کتابیں، "آثار سلف" اور ہوشیار معماروں اور مصوروں کو لئے ہوئے
بار بار سمندر پار آتا اور جاتا رہا۔ ۶۵۲ء میں وہاں کے رہبان، بسکاپ کی سرگروہی
میں پہلی بار شہنشاہی شہر کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے وہاں سے جلد
واپس آکر بسکاپ نے آئرلینڈی طریقوں کے خلاف ایک نامتناہی سلسلہ وعظ
کا جاری کر دیا۔ اس کے بعد ہی ولفرڈ آیا اور اس کی مستعد کاری سے

بہت جلد اس تنازع کے قطعی طور پر طے ہو جانے کی صورت نکل آئی۔ ان دونوں فریقوں کے مناقشات اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ بالآخر آسیو کو مجبور ہو کر ۶۶۴ء میں بہ مقام ہوٹبی ایک بہت بڑی مجلس طلب کرنا پڑی تاکہ اس امر کا فیصلہ ہو جائے کہ انگلستان کا کلیسا آیندہ کس مستقر کے تابع رہیگا وہ اصل مباحث جن پر گفتگو ہوئی بہت ہی حقیر امور تھے۔ کولمین نے (جو ہولی آئیلینڈ میں ایڈن کا جانشین تھا) اہل آیرلینڈ کے بال ترشنے کی طرز اور انکے عید الفصح منانیکے وقت کی حمایت میں گفتگو کی۔ ولفرڈ نے روم کی وکالت کی۔ ایک مناظر کولمبا کی سند لاتا تھا اور دوسرا سنٹ پیٹر کی آخر بادشاہ کولمین سے مخاطب ہو کر بولا کہ "تمہیں یہ تو تسلیم ہے کہ عیسیٰؑ نے بادشاہی بہشت کی کنجیاں پیٹر کو دی ہیں لیکن کیا انہوں نے کولمبا کو بھی کوئی ایسا اقتدار عطا کیا ہے؟" اسقف کو سوائے انکار کے اس کا کوئی جواب بن نہ پڑا۔ اس پر آسیو نے کہا کہ "پھر میرے لئے یہی بہتر ہوگا کہ دربان بہشت کی اطاعت کروں، تاکہ ایسا نہ ہو کہ جب میں بہشت کے دروازے پر پہنچوں تو کلید بردار میری طرف سے پیٹھ پھیر لے اور کوئی میرے لئے دروازہ کھولنے والا نہ ہو" لنڈس فارن میں آسیو کے فیصلے کی اہمیت پر کبھی شک نہیں کیا گیا اور کولمین مع اپنے تمام آئرش نژاد بھائیوں اور تیس انگریزی متتبعین کے ایڈن کے مستقر مذہبی کو چھوڑ کر آئیونا چلا گیا۔ اگرچہ واقعی بنیادِ تفریق جس کی وجہ سے آئرش گرجا رومی گرجا سے جدا ہو گیا، فی نفسہ نہایت ہی خفیف تھی مگر یہ سوال کہ نارتھمبریا کس اتحاد مذہبی میں شریک ہو، انگلستان کے واقعات مابعد کے لئے نہایت ہی اہم تھا۔ اگر انجام کار میں ایڈن کے فرقے کو کامیابی ہو گئی ہوتی تو انگلستان کے زمانۂ مابعد کی تاریخِ مذہبی غالباً

آئرلینڈ ہی کی تاریخ کے مشابہ ہوتی۔ رومی گرجا کی بڑی قوت اس کی انتظامی قابلیت میں تھی۔ لیکن کلٹی گرجا اس سے محروم تھا۔ لہٰذا اُس نے آئرلینڈ میں حکومتِ مذہبی کی بنا ملک کے رواج کے مطابق قبیلہ وار طریق پر قائم کر دی تھی۔ قبائلی تنازعات اور مذہبی اختلافات اس طرح ایک دوسرے میں رل گئے تھے کہ ان میں فرق کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ مذہبی فرقہ ہر قسم کے روحانی اثر سے محروم ہو کر اس کے سوا کسی مَصرف کا نہ رہا تھا کہ سلطنت کی بدنظمی میں ایک اور جزو کا اضافہ کر دے۔ ازمنہ مابعد کے آئرلینڈی گرجا کی تصویر اگر ہم دیکھیں تو ہمیں نظر آئیگا کہ سیکڑوں اساقفہ سرگشتہ پھر رہے ہیں۔ خاندانی سرداروں کے اقتدارات مذہبی بیحد و نہایت وسیع ہو گئے ہیں۔ تقدسِ مذہبی کو اخلاق سے کوئی واسطہ نہیں رہا ہے۔ مردمی و مروت کی ان اعلیٰ و افضل خوبیوں کا کہیں پتہ نہیں ہے جو صرف اُسی وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کہ انسان ایک محدود دائرہ سے نکل کر وسیع دنیا پر نظر ڈالتا ہے۔ ہوٹبی کی مجلس مذہبی میں روم کی فتح نے انگلستان کو جس بدنظمی سے بچا لیا وہ یہی ہیولائی حالت تھی!

تھیوڈور ۶۶۹-۶۹۰

کلیسائے انگلستان کو آج جس حالت میں ہم دیکھتے ہیں اس کی خارجی ہیئت تمام ترٹارسس کے ایک یونانی راہب تھیوڈور کی ترتیب دی ہوئی ہے۔ ہوٹبی کی فتح کے بعد ۶۶۹ء میں تھیوڈور، روم کی جانب سے کینٹربری کا اسقفِ اعظم مقرر ہو کر آیا تاکہ وہ اپنے تدابیر سے انگلستان پر کلیسائے روم کا تسلط مستحکم کر دے۔ انگریزی قوم کی تاریخ ماسبق سے تھیوڈور کے کام کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ جن قوموں نے بر اعظم یورپ کو فتح کیا تھا ان میں کچھ تو گاتھ کے مانند پہلے ہی سے عیسائی تھیں اور جو بت پرست تھیں انہوں نے بھی مثل فرینک کے مفتوحہ قوموں کے مذہب مسیحی کے آگے سر جھکا دیا تھا۔ رومی

دنیا کا نظم و عمل جو کچھ بھی باقی رہ گیا تھا وہ شہنشاہی کے جرمن حملہ آوروں اور ان کی رومی رعایا کی اسی ہم مذہبی کا نتیجہ تھا۔ گرجا سے کہیں بھی کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ مسیحی اساقفہ گاتھ اور لمبارڈ کے مقابل میں مفتوح اہل اطالیہ و گال کے محافظ بن گئے۔ جرمن اور ان کی رعایا کے درمیان یہی اساقفہ درمیانی اشخاص کا کام دیئے اور اُنہیں فاتحین کی وحشیانہ ظلم و تعدی سے بچانے لگے۔ خود وحشیوں کے لئے بھی یہی لوگ گذشتہ عظمت و توقیر کے قائم مقام اور اس کے قانون و علم و ہنر کی زندہ یادگار رہ گئے تھے۔ لیکن برطانیہ میں صورتِ معاملات بالکل ہی دگرگوں تھی۔ یہاں عام باشندگانِ ملک کے ساتھ اہلِ مذہب کا بھی استیصال کر دیا گیا تھا۔ تھیوڈور جب کلیسائے انگلستان کی ترتیب دہی کے لئے آیا تو عہدِ قدیم کے برطانوی گرجا کی یاد تک مٹ چکی تھی۔ اب دو بارہ اس بت پرست ملک میں اول اول جو مسیحی مبلغ آئے وہ بالکل اجنبیوں کی حیثیت سے آئے اور ضرورتاً انہوں نے پہلے بادشاہوں کے درباروں سے تعلق پیدا کیا کیونکہ وہی سب سے اول ایمان لانیوالوں میں تھے۔ اور انہیں کی اقتدا میں رعایا بھی عام طور پر اپنا مذہب تبدیل کر دیتی تھی۔ اس لئے ابتداءً بادشاہ کے پیش نماز ہی انگلستان کے اسقف ہوا کرتے تھے اور لازماً ان کا حد اثر بادشاہ کے حدودِ ولایت سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ کنٹربری کا مذہبی اثر سلطنتِ کنٹ کے اندر محدود رہتا تھا اور یارک کا دائرہ اثر حدود نارتھمبریا تک ہوتا تھا۔ اس طرح پر موجودہ مستقر ہائے مذہبی کی حدود میں ایک گونہ ان قدیم سلطنتوں کی یاد باقی رہ گئی ہے۔ تھوڑے ہی زمانے قبل تک روچسٹر کا مستقر مذہبی ایسٹ کنٹ کی ایک از یاد رفتہ سلطنت کا قائم مقام تھا اور علیٰ ہذا لچفیلڈ

کے قدیم اسقفی نقشے سے اصل سلطنت مرسیا کی سرحد کا پتہ چل سکتا ہے۔ تھیوڈور کا پہلا کام انہیں حدود مذہبی کا منضبط کرنا تھا۔ دوسرا کام اس نے یہ کیا کہ قدیم مستقرہائے اساقفہ میں جدید مستقروں کا اضافہ کیا اور سب کو کینٹربری کے ایک مرکز کے ساتھ وابستہ کر لیا۔ انگلستان اور آئرش کلیسا کے درمیان ہر قسم کے تعلقات یک قلم توڑ دئے گئے۔ کولین اور اس کے رفقاء کے چلے جانے سے لنڈس فارن گم نام و بے نشان ہو گیا۔ نئے پیشوایان مذہبی مجلس پر مجلس منعقد کر کے اپنے ایک مقتدائے اعظم کے اقتدار کا اعلان کرتے رہے۔ اساقفہ کے حدود معین ہو جانیکے بعد آیندہ کے سو برس اضلاع کی مذہبی ترتیب دہی میں صرف ہوئے۔ جب تک ملک میں عیسائیت عام نہیں ہوئی تھی اُس وقت تک قسیس و اسقف تبلیغ مذہب اور اصطباغ دہی کے لئے خانقاہوں سے نکل نکل کر سفر اختیار کیا کرتے تھے۔ اسی ضرورت سے لنڈس فارن سے ایڈن' اور طروز سے کتھبرٹ نکل کر گشت لگاتے رہے مگر تمام ملک کے عیسائی ہو جانیکے بعد تبلیغی مقامات کا یہ نامربوط طریقہ طبعاً ناپید ہو گیا' مبلغین نے مستقل پادریوں کی حیثیت اختیار کر لی۔ اور جس طرح بادشاہ کے پیش نماز (چیپ لین) اسقف ہو گئے اور سلطنتیں ان کے مذہبی احاطۂ اقتدار میں آگئیں اسی طرح انگلستان کے امیروں اور رئیسوں کی جاگیریں مذہبی علاقے ہو گئیں اور ان کے پیش نماز ان علاقوں کے قسیس بن گئے۔ زمانۂ مابعد میں مذہبی فرقہ کے لئے مستقل وقف کی صورت یہودیوں کے طریق عشر کی تجدید اور اغراض مذہبی کے لئے سالانہ پیداوار زمین کا دسواں حصہ نذر کرنے سے پوری ہو گئی' اور خود فرقے کے اندر گناہ و کفارے کے تفصیلی ضوابط سے انضباط پیدا کیا گیا۔ اس ضابطے میں اصول مکافات جو ٹیوٹنی قانون کا سنگ بنیاد ہے

خدا و روح کے تعلقات میں داخل ہو گیا تھا +

مرسیا ولفیر کے تحت میں

انتظامات مذہبی، مستقرہائے اسقفی کے اضافے اور ان کی ترتیب وہی ان سب کو کینٹربری کے ایک مرکز پر جمع کرنے، قومی مجالس مذہبی کے انعقاد اور قوانین دینی کے اجرا سے تھیوڈور درحقیقت بلا ارادہ ایک طرح کی سیاسی خدمت انجام دے رہا تھا۔ اس کے ارد گرد کی سلطنتوں اور قبیلوں کی قدیم تقسیم جو زیادہ تر محض اتفاقات فتح سے قائم ہو گئی تھی تیزی کے ساتھ ٹوٹتی جاتی تھی اور اس وقت تک چھوٹی چھوٹی سلطنتیں عملی اعتبار سے تین بڑی سلطنتوں میں جذب ہو چکی تھیں اور ان تینوں میں بھی مرسیا اور وسکس نے کچھ دنوں کے لئے نارتھمبریا کے آگے سر جھکا دیا تھا۔ اتحاد قومی کا وہ رجحان جو نئے انگلستان کی خصوصیت ہونیوالا تھا، ایک حد تک ظاہر ہو چکا تھا، مگر اس اتحاد کی بنیاد اب تک صرف تلوار کے زور پر قائم تھی، تھیوڈور کے طرز عمل نے اسے ایک مقدس لباس میں جلوہ گر اور مذہبی تصدیقات سے آراستہ کر دیا۔ کینٹربری میں ایک واحد مقتدائے مذہبی کے استقلال سے لوگ اس خیال کے عادی ہو گئے کہ حکومتِ ملک کے لئے بھی ایک ہی اعلیٰ حکمراں ہونا چاہئے۔ خواہ اس کا تخت گاہ یارک میں ہو (جیسا ازمنہ مابعد میں ہوا) یا لچفیلڈ یا ونچسٹر میں کلیسا کے نظم ونسق میں قسیس کا باقاعدہ اسقف کی اطاعت کرنا، اسقف کا اسی طرح مقتدائے اعظم کے تابع ہونا، سلطنت دنیاوی کے لئے ایک نمونہ بن گیا جس کے موافق ملکی نظم و نسق مرتب ہوتا گیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تھیوڈور نے جو مجلسیں منعقد کیں وہ عام قانون سازی کے لئے تمام قومی اجتماعات میں سب سے مقدم تھیں۔ اس کے بہت بعد یہ ہوا کہ وسکس، نارتھمبریا، یا مرسیا کے عقلا تمام انگلستان کی ایک مشترک مجلس عقلا میں

جمع ہونے لگے ۔ان مذہبی مجالس نے انگریزی پارلیمنٹ کے لئے اسی طرح مثال
قائم کی جس طرح ان مجالس کے قوانین نافذہ نے انگریزوں کے لئے طریق
قانون سازی کا راستہ صاف کیا۔لیکن اگر کلیسا کے رجحانات مرکزیت سے اتحاد
قومی کی تحریک میں ترقی ہو رہی تھی تو ایک دُوسری طاقت کے عروج سے
اس میں رکاوٹ بھی پیدا ہو گئی جو نارتھمبریا کی رقیب تھی ۔مرسیا، اسیو کے
علی الرغم ولفیر کو اپنا بادشاہ منتخب کر کے اس غلامی سے نکل آئی تھی جس میں
وہ پنڈا کے زوال کے بعد مبتلا ہو گئی تھی ۔ ولفیر ایک مستعد اور زبردست حکمران
تھا، اور اسیو کے امن پسند عہد حکومت میں اسے پوری طرح موقع مل گیا کہ
پنڈا کے مرنے سے مرسیا کی طاقت میں جو ضعف آ گیا تھا، اسے اپنی شانزدہ سالہ
کار فرمائی کے زمانے میں رفع کر دے ۔سنٹرل برٹن (وسط برطانیہ) میں پنڈا
کی مملکت کے وہ حصے جو ہاتھ سے نکل گئے تھے بہت جلد واپس مل گئے اور ولفیر
کی سلطنت نہ صرف سیورن تک وسیع ہو گئی بلکہ دریائے وائی کی نشیبی
وادی بھی اس میں شامل کر لی گئی ۔ولفیر کو اپنے باپ سے بھی زیادہ کامیابی
نصیب ہوئی؛ ۶۶۱ع میں ویسٹ سیکسن پر ایک بڑی فتح حاصل ہو جانیکے
بعد اس کی تاخت و تاراج وسکس کے قلب تک پہنچ گئی اور وادی ٹیمز اس
کی فوج کی جولان گاہ بن گئی ۔مشرقی جانب ایسٹ سیکسن اور لندن نے اس
کی قوت کو قبول کر لیا اور جنوب کی طرف وہ دریا سے گذر کر سرے تک
بڑھ گیا ۔اسی سال (۶۶۱ء) میں سکس نے بھی غالباً ویسٹ سیکسن کے خوف
سے اسی میں اپنی خیر سمجھی کہ ولفیر کی سیادت اعلیٰ کو تسلیم کر لے ۔ اس صلے
میں جوٹ کی دو دور افتادہ آبادیاں (جزیرہ وائٹ اور میون وارہ واقع
کنار ساؤتھ ایمپٹن واٹر) شاہ سکس کو عطا کی گئیں ۔معلوم ہوتا ہے کہ ان

آبادیوں کو افواج مرسیا نے پہلے ہی مطیع کر لیا تھا۔ پس جس وقت تھیوڈور انگلستان میں وارد ہوا ہے اس وقت ہمبر سے آبنائے برطانوی تک اور غرباً دریائے وائی تک مرسیا کا غلبہ تھا اور یہی اس وقت میں برطانیہ کا خاص سیاسی واقعہ تھا؛ حقیقت یہ ہے کہ ۶۷۰ء میں اسیو کے انتقال کے بعد نارتھمبریا نے برطانیہ کی وسطی و جنوبی رقیب سلطنتوں کو پامال کرنیکا خیال ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا تھا ؛

مرسیا کی ترقی

مرسیا کی حرفتی ترقی بھی اس کی فوجی ترقی کے قدم بہ قدم بڑھ رہی تھی۔ راہبوں کی نو آبادیاں اس کی مغربی سرحد کے جنگلوں اور ساحل کی دلدلوں کو صاف و خشک کر رہی تھیں؛ ان کی کامیابی سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ مرسیا کے باشندوں پر مسیحیت اب کس حد تک حاوی ہو چکی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ مغربی جنگلات میں بت پرستی ابھی تک اپنے قدم جمائے ہوئے تھی اگوائن (اسقف و وسٹر) نے اپنے قصوں میں دیوزادوں کا ذکر کیا ہے کہ ان کے ہتھوڑوں کی جھنکار سے واعظوں کی آوازیں دب جاتی تھیں شاید یہ دیوزاد واڈن کی پرستش کرنیوالے اسی آکسٹر کے کان کن تھے۔ مگر ان کے ہتھوڑوں کے باوجود بھی اگوائن کا وعظ بے اثر نہیں رہا اور اپنے پیچھے ایک مستقل نشان چھوڑتا گیا۔ اسقف نے سنا کہ ایک سور چرانیوالا گھنے جنگلوں سے نکل کر کھلے میدان میں آیا اور وہاں اس نے دیکھا کہ چند شکلیں ایک پُر اسرار جھاڑی کے گرد بیٹھی ہوئی جناتی گیت گا رہی ہیں۔ شاید یہ شکلیں قدیم جرمن دیو مالا کی تین خوبصورت عورتوں کی رہی ہوں مگر اس کے داہمہ میں ان خوبصورت عورتوں نے مادر عیسیٰ کی صورت اختیار کر لی۔ پھر کیا تھا بہت جلد اس سنسان میدان میں حضرت مریمؑ کے نام کی ایک خانقاہ تعمیر

ہو گئی اور اس کے زیر سایہ ایک شہر آباد ہو گیا۔ یہی وہ شہر ایوشیم ہے جو زمانۂ مابعد میں سیمن (ارل لیسٹر) کی شکست کی وجہ سے مقدس بن گیا۔ مغرب کے جنگلوں سے بھی زیادہ ویران سلطنت کی مشرقی سرحد کا دلدلی ملک تھا۔ یہ حصہ لنکنشائر کی نشیبی زمین سے آبنائے اوز تک پھیلا ہوا تھا اور پایاب چشموں اور نرکل کے جزیروں کا ایک ویرانہ تھا جس پر ہمیشہ کہر کی نقاب پڑی رہتی تھی اور صرف جنگلی پکھیرو یہاں رہا کرتے تھے۔ شاہ ولفیر کی فیاضی سے اس مقام پر مڈشیم اسٹڈ کی خانقاہ تیار ہو گئی۔ یہ وہی مقام ہے جو اب پٹر سبرا کہلاتا ہے۔ اس کی شمالی سرحد پر ایک زاہد بوٹلف نے ایک چھوٹا سا گھر بنا لیا تھا جو مرور ایام سے بڑھتے بڑھتے قصبۂ بوٹلف یعنے بوسٹن ہو گیا۔ اسیوہ کے بعد ۶۷۰ء میں اگفرتھ تخت نارتھمبریا کا مالک ہوا۔ اس کی ملکہ اتھلتھرتھ نے اسی ویران دلدلی ملک میں الی کی خانقاہ قائم کی۔ یہیں پر شاہی خاندان مرسیا کا ایک نوجوان گتھلاک دنیا سے کنارہ کش ہو کر کراؤلینڈ کے گوشۂ تنہائی میں آبیٹھا اور اس درجۂ تقدس حاصل ہوا کہ مرنیکے دو ہی برس کے اندر اندر اسکی قبر پر کراؤلینڈ کی شاہانہ خانقاہ تیار ہو گئی۔ اس مکان کی کرسی کے لئے مٹی کشتیوں میں بھر بھر کر آئی تھی اور دلدلی زمین پر شاہ بلوط کے ستون نصب کر کے اس پر عمارت قائم کی گئی تھی۔ زاہد کے حجرے کے بجائے ایک سنگین گرجا بن گیا اور نئے برادران مذہبی کی محنت نے آس پاس کے تالابوں کو شاداب سبزہ زاروں سے بدل دیا۔

زوالِ نارتھمبریا

مگر جس زمانے میں مرسیا وسط برطانیہ پر اپنا تسلط جما رہی تھی حکمرانی اور جنگآوری کے معاملے میں نارتھمبریا کی قدیم شہرت کا زوال ابھی بہت دور تھا۔ اگفرتھ ۶۷۰ء میں اپنے باپ اسیو کا جانشین ہوا۔ مگر اس نے نہ اس کے طرز عمل کے بدلنے کی فکر کی اور نہ جنوبی برطانوی سلطنتوں پر دوبارہ غلبہ حاصل کرنیکی کوشش کی۔

اپنے ہم قوم انگریزوں پر فتوحات حاصل کرنیکی بجائے اس نے اپنی ہمت کو زیادہ تر اہل برطانیہ کو زیر کرنیکی طرف منعطف کردی۔ جنگ چسٹر کے بعد سے برطانویوں اور انگریزوں کے درمیان معرکہ آرائیاں سست پڑ گئی تھیں مگر تقریباً بیس برس قبل جنوب مغرب کی طرف ویسٹ سیکسن کی پیشقدمی سے پھر سلسلہ جنگ چھڑ گیا تھا۔ شاہ سنویل، دیکس کے ممالک واقع وادی سیورن و کاٹسوالڈز کو کسی طرح پنڈا کے چنگل سے نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکا، مگر جب پنڈا اور نارتھمبریا کی آخری کشمکش پیش آئی تو سنویل نے موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنے مقبوضات کی تلافی کے لئے اس نے پنڈا کے ہمسایگان ویلز پر حملہ کر دیا۔ بریڈفرڈ (واقع دریائے ایون) کی ایک فتح سے وہ اس قابل ہوگیا کہ منڈپ کے شمال کے تمام ملک کو (جو ابتک برطانویوں کے قبضے میں تھا) پامال کر ڈالے۔ ۶۵۸ء میں اس نے ایک دوسری یورش کی اور اس میں بھی انجام کار سمرسٹ کے مشرقی جنگلوں کے کناروں پر اس کو فتح حاصل ہوئی، اس کامیابی سے ویسٹ سیکسن، پیرٹ کے سرچشموں کے آس پاس فاتحین کی حیثیت سے جم گئے اور غالباً ویسٹ سیکسن ہی کی تقلید میں آگفرتھ کو بھی یہ تمنا ہوئی کہ وہ اپنے مغرب کے برطانوی ہمسایوں پر فتوحات حاصل کرکے اپنی سلطنت کو اور وسیع کرے۔ اس کی فوجوں نے جنوب کمبریا سے برطانویوں کا تعاقب کیا اور اضلاع کارلائل ارض لیک (خلیج) اور لینکاشائر کو انگریزی ملک بنا دیا۔ اس طرف کامیاب ہو کر اس نے شمال کا رخ کیا اور وہاں بھی جدید فوائد حاصل کئے۔ اہل اسکاٹلینڈ کے خلاف وہ اپنے فتوحات کلائڈس ڈیل کے پار تک بڑھا لیگیا اور پکٹ کو فرتھ آف فورتھ پر مغلوب کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت سے دریائے فورتھ کے شمالی کنارے کا ملک ارض نارتھمبریا میں شمار ہونے لگا۔ ساحل فرتھ آف فورتھ پر آبرکارن کی خانقاہ (جس میں چند ہی سال

۶۵۵

بعد نارتھمبریا کے اسقف ٹرموائن نے ایک جدید مستقر اسقفی قائم کیا) اس امر کی شاہد تھی کہ پکٹ نے نارتھمبریا کی اطاعت قبول کرلی ہے۔ ۶۸۵ء میں ولفیر کے حملے کی وجہ سے جب ان لڑائیوں کو چھوڑ کر اسے اپنی جنوبی سرحد پر جانا پڑا تو مستعد کار و جنگجو اگفرتھ، ویسٹ سیکسن اور جوٹ کی بہ نسبت ایک دوسرے ہی قسم کا دشمن ثابت ہوا اور شاہ مرسیا کو ایسی سخت شکست نصیب ہوئی کہ وہ اپنے فاتح کو صوبۂ لنڈس واراز (لنکن شایر) دیکر اس سے صلح کرلینے کو غنیمت سمجھا۔ اس مفتوحہ ارض لیک کا ایک بڑا حصہ لنڈس فارن کی مستقر اسقفی کے لئے وقف کردیا گیا۔ اس وقت لنڈس فارن کا اسقف وہ شخص تھا جسے ہم لولینڈز (ملک نشیبی) میں تبلیغی کام کرتے ہوئے دیکھ چکے ہیں۔ مزوز میں برسوں کی محنت کے بعد کھبرٹ اسے چھوڑ کر ہولی آئلینڈ (جزیرۂ مقدس) میں آگیا تھا اور نارتھمبریا کی دلدلوں میں اسی طرح وعظ کہتا پھرتا تھا جس طرح کسی وقت میں اس نے ٹوینڈ کے کناروں پر وعظ کہے تھے۔ مجلس ہوٹبی کے بعد جو تفرقہ عظیم رو نمو ہوا اس کے تمام دوران میں وہ باقی ماندہ بھائیوں کو اپنی سرکردگی میں لیکر وہیں مقیم رہا مگر باہمی اختلافات اس درجہ بڑھ گئے تھے کہ ان کو متحد کرنے میں اس کا تحمل اور اس کی خوشمزاجی سب بیکار ثابت ہوئیں آخر تھک کر وہ ایک چھوٹے سے چٹانی جزیرے کی طرف نکل گیا۔ یہ جزیرہ اس مجمع الجزائر میں تھا جو آنڈا کے قلعہ بمبرا کے قریب ہی واقع ہے۔ ان جزیروں پر خاکستر کاہ اور سمندری گھاس پھیلی ہوئی تھی اور یہ زیادہ تر بطون اور دریائی بچھڑوں کا مسکن تھا۔ اس جزیرے کی وسط میں اسنے پتھر اور رکھ کا ایک جھونپڑا بنا لیا تھا جسکی بنیاد چٹان کے اندر گہری کھدی ہوئی تھی اور جسکی چھت پھوس اور بلیون سے پٹی ہوئی تھی۔

لوگ کھتبرٹ کی پرہیزگاری کے اس درجہ معتقد تھے کہ لنڈس فارن کی خالی جگہ کو معمور کرنیکے لئے اسے پیرانہ سالی میں اپنی عزلتگاہ سے نکلنا پڑا۔ ۶۸۴

بادشاہ نے شہر کارلائل کو اس مستقر اسقفی کے لئے وقف کر دیا تھا۔ کھتبرٹ جس وقت اس شہر میں داخل ہوا ہے۔ اگفرتھ شمال میں برطانیوں سے معروف پیکار تھا اور تمام نارتھمبریا اس کے اس جدید مہم کی خبر سننے کے انتظار میں تھی مگر نارتھمبریا کی قوت اس کے قبل ہی بُری طرح متزلزل ہو چکی تھی۔ جنوب میں ولفیر کی شکست کے باعث مرسیا کے حوصلے پست ہوگئے تھے مگر ۶۷۹ء میں اس کے جانشین اتھلرڈ نے ازسر نو ہمت کر کے صوبۂ لنڈسووارا پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور نارتھمبریا سے جنگ آزمائی شروع کر دی۔ اس جنگ میں صرف اسقف اعظم تھیوڈور کی وساطت سے صُلح ہوئی مگر نتیجہ یہ رہا کہ شاہِ مرسیا وسط انگلستان کا مالک بن گیا۔ اگفرتھ کی شمالی سرحد پر بھی پرانی شکلات نے سر اُٹھایا اور پکٹ کی بغاوت کی وجہ سے ۶۸۵ء میں اسے مجبورًا ایک بار پھر فرتھ آف فورتھ کو عبور کر کے ان کے ملک میں داخل ہونا پڑا۔ نارتھمبریا کو آنیوالی خرابی کا بار محسوس ہو رہا تھا اور اسافقۂ آئرلینڈ کی بددعاؤں کی وجہ سے یہ بار اور بھی گراں تر معلوم ہونے لگا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ شاہی بیڑے نے ایک برس قبل یکایک نو مفتوحہ غربی کنارے سے چل کر سواحل آئرلینڈ کو لوٹ لیا تھا اور وہاں کے اسقفوں نے شاہِ نارتھمبریا کو بددعائیں دیں تھیں اور ایڈن و کولمبا کے وطن سے محبت رکھنے والوں نے اس فعل کو ایک طرح کی بے حُرمتی خیال کیا۔ کارلائل کے ویرانوں میں ایک رومی فوارہ دست برد زمانہ سے بچ رہا تھا۔ کھتبرٹ جس وقت اس فوارے پر جھکا ہوا تھا تو گرد و پیش کے مضطرب لوگوں نے ایسا سمجھا کہ اس پیرمرد کے لبوں سے بدشگونی کے کچھ الفاظ نکل رہے ہیں؛ معلوم ہوتا تھا کہ وہ آپ ہی آپ کہہ رہا ہے کہ "شاید اسی ساعت میں جنگ کا خطرہ ختم ہو گیا ہے" دوسری

صبح کو جب لوگوں نے اس بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ "انتظار کرو اور دعا کرو۔ انتظار کرو اور دعا کرو" چند ہی روز گذرے تھے کہ ایک شخص جو جان سلامت لیکر بھاگ نکلا تھا۔ یہ خبر لایا کہ جب انگریزی فوج فائف میں داخل ہوئی تو پکٹ مایوس ہو کر مقابلے پر جم گئے اور اس وقت اگفرتھ اور اس کے تمام چیدہ امرا نیکٹنس میر کے دور و دراز دلدل میں لاشوں کے ایک بھیانک حلقے کے اندر پڑے ہوئے ہیں +

کھتبرٹ کا انتقال

کھتبرٹ کے لئے یہ خبر گویا موت کی خبر تھی - عہدۂ اسقفی سے وہ بہت جلد کنارہ کش ہو کر اپنے جزیرے والی خانقاہ میں واپس چلا گیا۔ یہاں آنیکے دو ماہ بعد یہ پیرمرد اپنے بستر مرگ پر پڑا ہوا آخر دم تک اپنی کمزور آواز میں اتفاق و صُلح کی تلقین کرتا رہا۔ اس کی موت کی نشانی کے لئے پہلے سے قرار داد ہو چکی تھی اور لنڈس فارن کے منارے پر ایک راہب اس نشان کو دیکھنے کے لئے نظر جمائے ہوئے کھڑا تھا۔ اس کی سانس کے ٹوٹتے ہی ایک شخص دونوں ہاتھوں میں ایک ایک قندیل لئے ہوئے اس جگہ پر دوڑتا ہوا پہنچا جہاں سے دیدبان راہب اس روشنی کو دیکھ سکے۔ جس وقت اس خفیف روشنی کی جھلک تاریک سمندر کے پار دکھائی دی اور راہب خبر دینے کے لئے بہ عجلت تمام گرجے میں پہنچا ہے اس وقت اتفاقاً ہولی آئلینڈ کے برادرانِ مذہبی زبور کا یہ گیت گا رہے تھے "تونے ہمیں نکال باہر کیا اور دور دور منتشر کر دیا۔ تو بھی ہم سے ناخوش ہو گیا۔ تونے اپنی قوم کو کٹھن راستے بتائے۔ تونے ہمیں مہلک شراب کا گھونٹ پلایا" یہ صرف کھتبرٹ ہی کا

مرثیہ نہ تھا بلکہ اس کے کل گرجے اور اس کی کل قوم کا نوحہ تھا؛ دونوں پر بظاہر ناکامی اور اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ جو لوگ آئیونا اور کولمبا کو جانتے تک نہ تھے وہ ایڈن اور کھتبرٹ کے وارث بنے اور جب رومی جماعت دو بارہ انگلستان پر چھا گئی تو لوگ یہ بھی بھول گئے کہ کسی زمانے میں کوئی کلیسا تھا جس نے مغربی مسیحی ممالک کے روحانی تفوّق کے لئے روم سے قوت آزمائی کی تھی اور جس زمانے میں ٹڈبرٹن رجعت بت پرستی کی کشمکش شدید میں مبتلا تھا اس وقت اس مذہب جدید کا مرکز کینٹربری نہیں بلکہ لنڈس فارن تھا۔ لوگوں نے زیادہ مُدت تک یہ بھی یاد نہ رکھا کہ اتھلفرتھ کے وقت سے اگفرتھ کے عہد تک یارک انگریزی سیاسیات کا مرکز بنا ہوا تھا۔ بہر حال کسی کو یاد ہو کہ نہ یاد ہو مگر نارتھمبریا نے اپنا کام پُورا کر دیا تھا۔ اُس نے اپنے مبلغین اور اپنی تلوار کے زور سے انگلستان کو بُت پرستی سے نکال کر عیسوی مذہب کا پیرو بنا دیا تھا۔ اُس نے شاعری کا نیا انداز سکھایا۔ علمی زندگی کے جو کچھ آثار بھی پائے جاتے تھے وہ اسی کی خانقاہوں کا طفیل تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اُسی نے اوّل اوّل انگریزی قوم کے تمام مختلف قبائل کے درمیان ایک خفیف سا سیاسی اتحاد پیدا کیا بلکہ خود نصف صدی تک اس کی رہنمائی کر کے انہیں ایک طرح کی قومی زندگی کا عادی بنا دیا تھا۔ اسی اتحاد سے وہ انگلستان نمودار ہوا جسے آج ہم دیکھ رہے ہیں +

جزو چہارم
سلطنتہائے ثلاثہ

۶۸۵—۸۲۸

[اسناد تاریخ مرسیا کے چند واقعات وسکس کی اس مختصر تاریخ میں محفوظ ہیں جو اس زمانے کیلئے بمنزلہ انگلش کرانکل (وقائع انگریزی English Chronicle) کے ہے۔ مگر زیادہ تر ہمیں زمانۂ مابعد کے مصنفین خاص کر ہنری (ہنٹنگڈن) اور ولیم (مامزبری) کا دست نگر ہونا پڑتا ہے۔ یہ دونوں بارھویں صدی کے مصنفین میں سے ہیں مگر قدیم زمانے کا جو مواد اُن کے پاس تھا وہ اب ضایع ہو چکا ہے۔ بانیفیس اور الکوئن کے خطوط اس زمانے کے تاریخی سامان میں سب سے زیادہ قابل قدر ہیں۔ ڈاکٹر جائلز نے اپنی کتاب پیٹرس اکلسی ایٹگلیکین (Patres Ecclesive Anglicanae) میں یہ خطوط درج کئے ہیں۔ جیفی نے بھی انہیں بہت احتیاط کے ساتھ مرتب کرکے اپنے سلسلہ مانومنٹا جرمنیکا (Monumenta Germanica) شامل کیا ہے]

آئنی شاہِ وسکس
۶۸۸-۷۲۶

انگریزی قوم پر نارتھمبریا کی فوقیت اُسیو کے ساتھ ہی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی تھی اور اگفرتھ کی موت اور نکٹینسمیر کی شکست سے اس کا غلبہ شمالی اقوام پر سے بھی بالکل زائل ہو گیا تھا۔ آبرکارن سے اسقف ٹرموائن کے چلے جانے کے یہ معنی تھے کہ پکٹ شمال میں حکومت نارتھمبریا کے خلاف بغاوت شروع کر دیں۔ جنوب میں اتھلرڈ ۶۷۵ء میں ولفیر کا جانشین ہوا تھا اُس کے تحت میں مرسیا ایک مہیب رقیب بن گئی۔ ولفیر کی سلطنت ہمبر سے آبنائے تک پہنچ چکی تھی اور اتھلرڈ نے اپنی حکومت کے ابتدائی برسوں میں کنٹ پر بھی پورا غلبہ حاصل کرلیا تھا۔ در اصل قومی اتحاد کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا کیونکہ اسی وقت میں ویسٹ سیکسن کے دوبارہ زور پکڑ لینے سے ملک کم وبیش برابر کی تین قوتوں میں منقسم ہو گیا اور اس سے اتحاد کا پیدا ہونا ناممکن سا معلوم ہوتا تھا۔ سو برس

پیشتر ویسٹ سیکسن کو فیڈلی میں ہزیمت ہوئی تھی اور اس وقت سے ان میں جو طوائف الملوکی اور خانہ جنگی شروع ہوئی اس سے وہ بالکل کمزور ہو گئے تھے۔ وہ کبھی اپنی رقیب انگریزی سلطنتوں کے زیر دست تھے اور کبھی برطانیوں کے بس میں، مگر ہم دیکھ چکے ہیں کہ ۶۵۲ء میں انہیں از سر نو طاقت حاصل ہو گئی اور وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ برطانیوں کو پیرٹ کے پار بھگا دیں۔ ۶۸۲ء میں دوبارہ امن کا کچھ وقت ملجانے سے شاہ سنٹوائن پھر اس قدر قوی ہو گیا کہ وہ برطانیوں سے جنگ آزمائی کر سکے اور اپنی سرحد کو کوئن ٹاکس تک بڑھا لے جائے۔ ۶۸۵ء میں ویسٹ سیکسن کے ایک تیسرے اجتماع نے انہیں اس قابل بنا دیا کہ شاہ سیڈ والا کی سرکردگی میں وہ اپنے انگریزی دشمنوں کی طرف پلٹیں اور سکس کو فتح کر لیں۔ وسکس کے ابتدائی بادشاہوں میں اینی سب سے بڑا بادشاہ ہوا ہے اور اس کا عہد حکومت ۶۸۸ء سے ۷۲۶ء تک کے طویل زمانے پر محتوی تھا۔ اُس نے اپنا پورا زمانہ حصول فوقیت کے لئے جنگ میں گزار دیا۔ مشرق میں اس نے کنٹ، اسکس اور لندن کو اپنی حکومت کے تسلیم کرنے پر مجبور کیا۔ مغرب میں پیرٹ کے دلدلوں سے گھوم کر جنوب کے ایک زیادہ زرخیز ملک میں داخل ہو گیا اور دریائے ٹون پر ایک قلعہ بنا کر اپنے جدید فتوحات کو محفوظ کر لیا۔ یہی قلعہ بڑھتے بڑھتے شہر ٹانٹن بن گیا ہے۔ اس طرح وسٹ سیکسن اُس تمام ضلع کے مالک ہو گئے جو اب سمرسٹ (ارض سامرسٹا) کہلاتا ہے۔ اُس زمانے میں یہ تمام زمین سیلاب سے غرق تھی اور یہ دلدل مغرب کی طرف آبنائے تک چلی گئی تھی۔ ٹار کی پہاڑی اس کے اندر ایک بلند جزیرہ معلوم ہوتی تھی۔ اس پہاڑی کے دامن میں ایک قدیم برطانیوی عمارت کے آثار پر اینی نے

۷۱۰ء

گلیسٹن بری کی مشہور خانقاہ قائم کی۔ جس چھوٹے سے گاؤں میں یہ خانقاہ
بنی تھی اس کا نام ایک انگریزی قبیلہ گلسٹنگ کے اقامت پذیر ہونیکی وجہ
سے پڑ گیا تھا۔ مگر یہ مقام مدت تک برطانیوں کا مذہبی زیارتگاہ رہ چکا تھا اور
آئرلینڈ کے جہاں گرد طلبہ اس شہرت کی وجہ سے وہاں آتے رہتے تھے کہ
ایک دوسرے پیٹرک نے وہاں سکونت اختیار کی تھی، اینی کی خانقاہ کے
سب سے پہلے رہنے والوں کا بیان ہے کہ وہاں ایک قدیم گرجا ملا جس کی
تعمیر کسی انسانی صنعت سے نہیں ہوئی تھی۔ قدیم اہل ویلز کے اسی آثار کے متصل
اینی نے اپنی سنگی خانقاہی گرجے کی بنیاد رکھی۔ اپنے ممالک مفتوحہ کا مذہبی
انتظام اس نے اپنے ایک عزیز الڈھم کے سپرد کیا۔ یہ شخص اپنے زمانے کا
سب سے زیادہ مشہور عالم تھا، اور بادشاہ نے اپنے نئے حصۂ سلطنت کے
ضروریات مذہبی پورے کرنیکے لئے سلوڈ اور فروم کے غربی اضلاع میں شربورن کا
جو نیا مستقر اسقفی قائم کیا اس کا پہلا اسقف اسی شخص کو بنایا۔ ویسٹ سیکسن
کے قوانین کا قدیم ترین مجموعہ جو ہم تک پہنچا ہے وہ اینی ہی کا مجموعہ ضوابط ہے۔
ان ضوابط سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی حکومت کی مخلوط آبادی کے ملکی و
مذہبی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے کیسی عاقلانہ فکریں کر رہا تھا اور اہل
مرسیا جب بالآخر وسکس پر حملہ آور ہوئے تو اس نے جس طرح حملہ کو مسترد
کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کس خوبی سے اپنے ملک کی حفاظت
اور اس کا انتظام کر سکتا تھا۔ اتھلرد کے سی سالہ عہد حکومت میں کم و بیش برابر
امن قائم رہا اور اس کی قوت زیادہ تر خانقاہوں کے قائم کرنے اور ان کیلئے
اوراد و وظائف مقرر کرنے میں صرف ہوتی رہی۔ ان خانقاہوں کے قیام نے
بہ تدریج اس کی سلطنت کی شکل ہی بدل دی مگر جب کیولرڈ ۷۰۹ع میں

مرسیا کا بادشاہ ہوا تو اس نے جنوب پر سیادت حاصل کرنیکے لئے وسکس سے تنازع شروع کر دیا اور ۷۱۵ء میں وہ وسکس کے قلب تک پہنچ گیا مگر وینبرا کے خونریز مقاتلہ میں اسے منہزم ہونا پڑا ۔ اینی اگرچہ مرسیا کے مقابلے میں کامیاب رہا مگر جو ملکی مناقشات وسکس کے لئے بلائے بے درماں ثابت ہو رہے تھے ان کے رفع کرنے پر وہ بھی قادر نہ ہو سکا اور بآخر وہ سلطنت ہی سے کنارہ کش ہو گیا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایکبار اس نے اپنے ایک دیہات کے مکان میں شاہانہ ضیافت ترتیب دی تھی۔ صبح کو جب وہ وہاں سے سوار ہو کر چلا تو ملکہ نے اس سے مکان پر واپس چلنے کے لئے کہا ۔ بادشاہ نے آکر دیکھا کہ مکان کے پردے اور ظروف سب غائب ہیں، مویشیوں نے سارے مکان کو غلیظ کر دیا ہے اور ایک مادہ سور اپنے بچوں کو لئے ہوئے اسی شاہی بستر پر پڑی ہوئی ہے جس پر وہ خود اتھلبر کے ساتھ سویا تھا ۔ اس منظر کو دیکھ کر ملکہ دم بخود ہو گئی ۔ اس نے صرف اتنا کہا کہ " اے میرے آقا! دیکھئے اس دنیا کا رنگ کس طرح بدلتا رہتا ہے ۔" ۷۲۶ء میں اینی تاج و تخت چھوڑ کر روم کی زیارت کو چلا گیا۔ اس کی تمنا یہ تھی کہ وہیں امن کے ساتھ اپنی زندگی بسر کردے ۔

۷۱۵ء

اتھلبالڈ شاہِ مرسیا ۷۱۶ء - ۷۵۷ء

جس طوائف الملوکی کے باعث اینی نے تخت کو خیرباد کہا تھا ، اس کے جانے کے بعد اس کا ایسا زور ہوا اور اس سے ایسے ملکی مناقشات پیدا ہوئے کہ وسکس کیولرڈ کے جانشیں کے لئے ایک آسان شکار بن گیا۔ جن لوگوں نے بمقام کراؤلینڈ ، گتھلک کی عزلتگاہ میں پناہ لی تھی ان میں پنڈا کا بھتیجا اتھلبالڈ بھی تھا ۔ وہ کیولرڈ کی عداوت کی وجہ سے بھاگ کر وہاں گیا تھا اور اسی کے تجسس کے باعث اِدھر اُدھر بھاگتا پھرتا تھا مگر ہر بہر کو اسی عزلتگاہ کے قریب اپنے بنائے ہوئے چھوٹے سے جھونپڑے میں واپس آجاتا اور عالم مایوسی

میں اپنے ہمنشین زاہد کی باتوں سے تسلی حاصل کرتا تھا۔ گتھلاک نے اسے سمجھایا کہ صبر کی عادت ڈالو اور یقین رکھو کہ بادشاہت تمہیں کو ملیگی۔ظلم و زیادتی سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھ سے" ۷۱۶ء میں کیولرڈ اختلاج قلب کے باعث اپنے کھانیکی میز پر گر کر مرگیا اور مرسیا نے اتھلبالڈ کو اپنا بادشاہ منتخب کرلیا۔اپنے عہد کے ابتدائی دس برس تک وہ فاتح ویسٹرا کے ساتھ جنگ آزمائی کرنے سے جھجکتا رہا مگر اینی کی کنارہ کشی کے بعد جنوب پر کامل فوقیت حاصل کرنیکے لئے اس نے ویسکس سے ازسرنو شدید مقابلہ شروع کر دیا۔وہ سلطنت ویسٹ سیکسن کے قلب تک پہنچ گیا اور ۷۳۳ء میں شاہی شہر سومرٹن کے محاصرہ و تسخیر نے جنگ کا خاتمہ کر دیا۔ بیس برس تک ہمبر کے جنوب میں تمام ارض برطانیہ پر مرسیا کا غلبہ مسلم رہا۔ اتھلبالڈ نے جب اہل ویلز کے مقابلے کے لئے کوچ کیا ہے تو صرف مرسیاہی کی فوجیں اس کے ساتھ نہ تھیں بلکہ ایسٹ اینگلیا، کنٹ اور ویسٹ سیکسن، تک کی فوجیں اس کے علم کے نیچے تھیں۔ وہ اپنے کو صرف مرسیا کا ہی نہیں بلکہ ان تمام ہمسایہ قوموں کا بادشاہ کہتا تھا جو جنوبی انگریزوں کے مشترک نام سے موسوم تھیں۔ مگر اتھلبالڈ کی کوششوں کا حشر بھی وہی ہونا تھا جو اس کی پیشتروں کی کوششوں کا ہو چکا تھا۔ بے شبہ بیس برس تک وہ اپنی نئی رعایا کی مسلسل شورشوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا اور ۷۵۴ء تک وہ وقت نہیں آنے پایا تھا کہ ایک عام شورش سے مجبور ہو کر اسے اپنی تمام طاقت کو میدان میں لانا پڑے۔ اپنے خاص اہل مرسیا اور کنٹ، اسکس، اور اینگلیا کی ماتحت فوجوں کو لئے ہوئے اتھلبالڈ اس میدان کی طرف بڑھا جہاں ویسٹ سیکسن اپنے قومی علم (اژدر زریں) کے نیچے دوبارہ صف آرا

ہوئے تھے۔ جنگ کی صف اولین میں گھنٹوں جانبازانہ داد مردانگی دینے کے بعد شاہِ مرسیا پر یکایک اضطراب طاری ہوگیا اور اپنی فوج میں سب سے پہلے اُسی نے راہ فرار اختیار کی۔ اس کے بھاگتے ہی وسط برطانیہ کے غلبہ کا بھی ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ تین برس بعد اس کے اعیان ملک نے ایک رات اس پر اچانک حملہ کرکے اس کا کام تمام کردیا اور اس کے بعد جو طوائف الملوکی برپا ہوئی اس میں کنٹ، اسکس اور ایسٹ اینگلیا نے مرسیا کا جوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکا ؛

بیڈا ۶۷۳ - ۷۳۵ء

جبکہ یہ دونوں جنوبی سلطنتیں اپنی قوت اس مایوسانہ مقابلہ میں ضایع کررہی تھیں نارتھمبریا فتوحات کا خیال ترک کرکے امن و اماں کے برکات سے فائدہ اٹھانیکی کوشش کررہی تھی۔ آگفرتھ کے جانشین ایلڈ فرتھ (عالم) اور اس کے بعد مسلسل چار بادشاہوں کے عہد میں یہ سلطنت آٹھویں صدی کے وسط میں تمام مغربی یورپ کا علمی مرکز بنگئی تھی۔ جیرو اور یارک کے مدارس سے زیادہ کسی مدرسے کی شہرت نہ تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ اس زمانے کے جملہ علوم نارتھمبریا کے ایک عالم کے اندر جمع ہو گئے تھے۔ بیڈا۔ (جو زمانۂ مابعد میں محترم بیڈ کے نام سے مشہور تھا) مجلس ہوٹبی سے نو برس بعد ۶۷۳ء میں اس زمین پر پیدا ہوا جو دوسرے سال بینڈکٹ بسکاپ کے قبضے میں جانیوالی اور اس پر وہ خانقاہِ عظیم تیار ہونیوالی تھی جس کی بنیاد بسکاپ کے ہاتھوں سے دہانۂ ویر پر پڑ چکی تھی۔ بیڈا کا زمانۂ تعلیم اور اس کی طویل خاموش زندگی سب اسی خانقاہ کے ایک گوشے میں گزر گئی جسے اس کے دوست کیولفرڈ نے تیار کیا تھا بیڈا نے کبھی جیرو سے باہر قدم نہیں رکھا۔ وہ خود کہتا ہے کہ "میں نے

اپنی ساری زندگی اسی خانقاہ میں گزار دی ہے اور اگرچہ میں اپنے فرقے کے معمولات اور گرجا کی عبادت کا پابند ہوں مگر میری دائمی مسرت کا باعث صرف پڑھنا پڑھانا اور لکھنا ہے"۔ ان الفاظ سے ہمارے سامنے ایک عالم کی زندگی کا نقشہ کھنچ جاتا ہے اور سادگی الفاظ کے باوجود اس کا اثر اس وجہ سے زیادہ پڑتا ہے کہ یہ اس بلند مرتبہ انگریز عالم کی زندگی کی تصویر ہے جو اپنے ہم چشموں میں سب سے اول تھا' اس نے اپنی پُرعظمت زندگی کو خاموشی کے ساتھ علم کے لئے وقف کر دینے اور تعلیم و تعلم و کتب نویسی میں قانع و خوش رہنے سے انگریزوں کے لئے پہلی مثال قائم کی۔ ابھی وہ نوجوان ہی تھا کہ وہ معلم مقرر ہوگیا۔ بیرونی طلبہ کے علاوہ چھ سو راہب اس کے مدرسے جیرو میں داخل تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ مدرسہ کی محنتوں اور راہب کے فرائض کے ساتھ ساتھ بیڈا کو کس طرح ان کثیر تصانیف کے لئے وقت ملا جن سے اس کا نام مغرب میں اس درجہ روشن ہو گیا۔ مگر ولفرڈ' اور بنڈکٹ بسکاپ' کے سفروں اور ویر اور یارک کے ترقی پذیر کتب خانوں کے سبب سے نارتھمبریا میں مطالعہ کا بہت کافی سامان جمع ہو گیا تھا اور قدیم آئرش معلمین کی روایات بھی ابھی تک باقی تھیں۔ انہیں کے نقش قدم پر چل کر اس نوجوان عالم کو انجیلوں کی تشریح کا وہ راستہ ملا جو اس کی خاص شہرت کا باعث ہوا۔ مغرب میں یونانی زبان کا جاننا ایک عجیب اور نادر چیز سمجھی جاتی تھی۔ بیڈا نے یہ زبان اسقف اعظم تھیودور کے مدرسہ واقع کینٹربری میں سیکھی۔ پوپ وٹیلین نے بینڈکٹ بسکاپ کے ہمراہ ایک رومی مغنی کو یہاں بھیجا تھا۔ بیڈا نے اس سے مذہبی نغمہ نوازی کا

فن حاصل کر لیا۔ اسی طرح تھوڑا تھوڑا کر کے یہ نوجوان طالب علم اپنے زمانہ کے تمام علوم پر حاوی ہو گیا، برک کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ وہ انگریزی علم کا بانی تھا۔ افلاطون، ارسطو، سینکا، سیسرو، لکریشیس اور آوڈ کے جو اقتباسات بیڈا نے دئے ہیں، انہیں سے انگلستان میں اوّل اوّل قدیم ادبی تعلیم دوبارہ شائع ہوئی۔ ورجل کا جادو جیسا ڈینٹی پر چل گیا تھا ویسا ہی بیڈا پر بھی چل گیا۔ اینڈ کے اشعار اس کے حالات شہداء کے تسلسل بیان کو توڑ دیتے ہیں اور شاگرد خود بھی ایک چھوٹے سے قطعہ میں آمد بہار کا نقشہ کھینچکر اپنے استاد اعظم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے کام میں وہ دوسروں سے بہت ہی کم مدد لیتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "میں خود ہی اپنا کاتب ہوں، خود ہی اپنے لئے اقتباسات جمع کرتا ہوں، خود ہی اپنے کتب خانہ کی حفاظت کرتا ہوں" اس پر بھی اس کے انتقال کے بعد پینتالیس کتابیں اس کی محنت شاقہ کی یادگار پائی گئیں، ان تصانیف میں خود اس کی اور اس کے ہمعصروں کی نظر میں سب سے زیادہ اہم اناجیل مختلفہ کے وہ شروح و حواشی تھے جنہیں اُس نے آباءِ عیسوین کی تحریروں سے اخذ کر کے مرتب کیا تھا۔ مگر اس کی طبیعت سے بہت ہی بعید تھا کہ وہ اپنے کو دینیات ہی تک محدود رکھتا۔ اپنے شاگردوں کے لئے نصاب کے طور پر جو کتابیں اس نے تیار کی تھیں ان میں صرف، نحو، عروض، قوافی، حساب، فلسفہ، نجوم، علم الہجو طبعیات اور موسیقی، غرض تمام رائج الوقت علوم جمع کر دئے تھے، مگر معلومات کی اس ہمہ گیر وسعت کے باوجود طبعاً وہ ہمیشہ ایک سادہ انگریز ہی رہا۔ وہ اپنی زبان انگریزی سے بہت محبت رکھتا تھا۔ انگریزی گیتوں کا وہ بڑا ماہر تھا، اس کا آخری کام انجیل یوحنا کا انگریزی ترجمہ تھا اور سب سے آخری

چیز جو اس کی زبان سے نکلی موت پر ایک انگریزی نظم تھی +

بیڈا کا انتقال

مگر انگلستان کے ساتھ اس کی محبت کا اعلیٰ ثبوت اس کی وہ تصنیف ہے جس نے اس کے نام کو غیر فانی بنا دیا ہے۔ انگریزی قوم کی مذہبی تاریخ لکھنے سے اُسے انگلستان کا پہلا مورخ ہونیکی عزت حاصل ہے۔ اگسٹین کے ورود کے بعد ڈیڑھ سو برس تک کا جو کچھ حال بھی ہمیں معلوم ہوا ہے وہ اسی کے وسیلہ سے معلوم ہوا ہے۔ جہاں تک اس کے ذاتی مشاہدے کو تعلق ہے اس نے حالات کے لکھنے میں قابل تعریف تفصیل اور زور بیان سے کام لیا ہے۔ جو حصے اس کے کنٹی احباب البنیس اور ناٹہلم کے بیانات پر مبنی ہیں' ان کی تفصیل اور صحت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا ہے۔ البتہ جہاں کسی سے مدد نہیں ملی وہاں اس نے محض اپنی قوت بیان سے کام لیا ہے مگر اس کے تمام بیان کردہ قصوں میں کوئی قصہ خود اس کی موت کے قصے سے زیادہ موثر نہیں ہے۔ ۷۳۵ء کی عید الفصح سے دو ہفتہ پیشتر اس معمر شخص کو سخت کمزوری اور ضیق نفس کی شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ پھر بھی اس نے اپنی مسرت اور خوش طبعی کو بدستور قائم رکھا' اور باوجود طویل بیخوابی کے اپنے شاگردوں کو درس دیتا رہا' کبھی کبھی اپنی انگریزی نظمیں اُس کی زبان پر جاری ہو جاتی تھیں۔ شاگرد استاد کی نظم کا ساتھ اپنے آنسوؤں سے دیتے تھے۔ انہیں طلبہ میں سے ایک طالب علم لکھتا ہے کہ "اب ہم کبھی روئے بغیر نہیں پڑھتے" اسی طرح دن گزرتے گئے' اور عید سلاق (Ascension tide) تک استاد و شاگرد برابر اپنے کام میں مصروف رہے۔ بیڈا کی دلی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح انجیل یوحنا کا انگریزی ترجمہ اور اسقف اسیڈور کے انتخابات پورے ہو جائیں۔ جو لوگ اسے آرام کی صلاح دیتے تھے انہیں جواب ملتا تھا کہ "میں نہیں چاہتا کہ میرے لڑکے کوئی

غلط بات پڑھیں یا میرے بعد وہ فضول چیزوں میں اپنا وقت ضائع کریں"۔عید سلاق سے چند روز قبل بیماری میں شدت ہو گئی پھر بھی اس نے سارا دن پڑھانے ہی میں صرف کردیا، اور اپنے شاگردوں سے خندہ روئی کے ساتھ یہی کہتا رہا کہ "جس قدر تیزی کے ساتھ ممکن ہو پڑھ لو۔ میں نہیں جانتا کہ میں کب تک زندہ رہونگا"۔ دوسری رات بھی جاگتے ہی گزر گئی۔صبح ہوتے ہی اس ضعیف العمر شخص نے اپنے شاگردوں کو اپنے پاس بلاکر انہیں لکھنے کا حکم دیا، کچھ دن چڑھے اس میں سے ایک نے کہا کہ "ابھی ایک باب کی کمی ہے اور اب آپ سے کچھ پوچھنا آپ کو سخت زحمت دینا ہے"۔ بیڈا نے کہا "بہت آسان ہے قلم اٹھا اور جلد لکھ" شاگردوں کے رونے دھونے اور الوداع کہنے میں دن ڈھلکر شام کے قریب پہنچ گیا، لکھنے والے لڑکے نے پھر کہا کہ "اے اُستاد عزیز ابھی ایک جملہ لکھنے سے رہ گیا ہے"۔ بیڈا نے عالم نزع میں وہ جملہ بتایا اور حکم دیا کہ "اسے جلد لکھ لے" آخر اس خورد سال کاتب نے کہا کہ "اب ترجمہ تمام ہُوا" استاد نے فرمایا کہ "سچ کہتے ہو بس اب آخر وقت آپہنچا ہے"۔ بیڈا اس وقت پتھر کے فرش پر لیٹا ہوا تھا، اس کے سر کے نیچے شاگرد اپنے بازؤں سے سہارا دئے ہوے تھے۔اس کا منہ اس مقام کی طرف پھرا ہوا تھا جہاں وہ معمولاً عبادت کیا کرتا تھا۔اسی حالت میں، اس نے خدا کی عظمت کا متبرک نغمہ شروع کیا اور جب اس کی آواز نغمے کے آخر پر پہنچی ہے روح بھی خاموشی کے ساتھ پرواز کرگئی ؛

نارتھمبریا کی طوائف الملوکی

جس فرد واحد کی ذات سے انگریزی علم ادب کی بنیاد قائم ہوئی وہ یہی جیرو کا راہب بیڈا ہے۔انگریزی علماء انگریزی فقہا، انگریزی مورخین، سب میں اُسے تقدم حاصل ہے۔تعلیم کے لئے چھ سو طلبہ اس کے گرد جمع رہتے تھے اور اپنے انہیں شاگردوں کے واسطے سے وہ انگلستان کی قومی تعلیم کا

ابوالاباء قرار دیا گیا ہے۔ علوم طبیعیات پر اس نے جو رسالے لکھے ہیں وہ اس سلسلے کی پہلی کڑی ہیں، اور انہیں رسالوں سے ان علوم کی ابتدا ہوتی ہے۔ لیکن بیڈا محض عالم ہی نہیں تھا وہ ایک مدبر بھی تھا، اس نے اپنی زندگی کے آخری برس میں جو خط اگبرٹ (اسقف اعظم یارک) کو لکھا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس شد و مد سے اس نے نارتھمبریا کی بڑھتی ہوئی طوائف الملوکی کے روکنے کی صلاح دی ہے۔ اگرچہ اڈبرٹ سے بادشاہ کے امکان سے یہ امر خارج نہیں تھا کہ وہ یارک کے پہلے اسقف اعظم یعنے اپنے بھائی اگبرٹ کی معاونت سے نارتھمبریا کی زوال پذیر شان و شکوہ کو پھر زندہ کر دے۔ مگر بیڈا کے تجاویز اصلاح وقت گزر جانے کے بعد پہنچیں۔ اڈبرٹ نے اپنی جنوبی سرحد پر انغلیالڈ کے حملے کو اس وقت سترد کیا ہے جب اس کے ساتھ ہی وہ شمالی میں پکٹ سے بھی بر سر جنگ تھا، اور اس میں بھی اُسی کا پہلو غالب تھا۔ دس برس بعد وہ آئرشائر میں داخل ہو گیا۔ اور انجام کار پکٹ سے اتحاد پیدا کر لیا، جس کی وجہ سے ۷۵۶ء میں اسے اسٹرتھکلائڈ کو فتح کر لینے اور اس کے دارالسلطنت الکیولائنڈ (یاڈمبارٹن) پر قبضہ کر لینے کا موقع مل گیا۔ مگر عین اس وقت کہ اس کی عظمت منتہائے کمال پر پہنچی ہوئی معلوم ہوتی تھی اس کی فوج وطن کو واپس آتے ہوئے یک لخت تباہ ہو گئی اور یہ حادثہ ایسا مہلک ثابت ہوا کہ اڈبرٹ سے بھی اس کے سوا کچھ بن نہ پڑا کہ عصائے شاہی کو پھینک کر اپنے بھائی اسقف اعظم کے ساتھ کسی خانقاہ میں گوشہ نشین ہو جائے۔ اس کے بعد سے نارتھمبریا کی تاریخ درحقیقت آشوب و خونریزی کی ایک وحشتناک داستان ہے۔ غداری و بغاوت نے بادشاہوں کو زیر و زبر کر دیا۔ سارا ملک شوریدہ سر امرا کے ہاتھوں میں آ گیا۔ زراعت تک

برباد ہوگئی اور ملک قحط و وبا میں مبتلا ہو گیا، پچاس برس کی طوائف الملوکی میں بقیہ انگلستان سے منقطع رہنے کے بعد بہ مشکل یہ تمیز ہو سکتی تھی کہ نارتھمبریا بھی انگریزی قوم کا کوئی خطہ ہے ⁂

اوفا شاہ مرسیا ۷۵۸-۷۹۶ء

درحقیقت اس موقع پر اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگریزوں کے درمیان اتحاد قومی کا کام ہمیشہ کے لئے رک جائیگا۔ جنگ برفرڈ کے بعد سے برطانیہ قطعی طور پر تین برابر کی طاقتوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ دریائے ٹیمز کے جنوب میں اب وسکس کو ایسا ہی استحکام ہوگیا تھا جیسا ہمبر کے شمال میں نارتھمبریا کو حاصل تھا۔ مگر اس برباد کن ہزیمت سے مرسیا کی طاقت کا بالکل ٹوٹ جانا مشکل تھا اور اوفا کے تحت میں (جس کے ۷۵۸ء سے ۷۹۶ء تک کے طویل عہدِ حکومت نے اتھلبالڈ کے زمانے سے ملکر پوری آٹھویں صدی کو گھیر لیا تھا) مرسیا نے وہ عروج حاصل کیا جو ولفیر کے بعد پھر اسے نصیب نہیں ہوا تھا۔ اس پر بھی برسوں تک نئے بادشاہ کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ کنٹ کے واپس لینے کا قصد کر سکے۔ تین برس کی جنگ کے بعد ۷۷۵ء میں جاکر یہ ہوا کہ آٹفرڈ کی فتح سے کنٹ سلطنت مرسیا کو واپس ملگیا۔ اس میں شک نہیں کہ کنٹ کے ساتھ ہی سکس، سرے، اسکس اور لندن پر بھی اوفا قابض ہوگیا اور چار برس بعد بنسنگٹن کی ظفریابی سے اس حصہ ملک کی فتح بھی مکمل ہوگئی جہاں اب آکسفورڈ اور بکنگھم آباد ہیں، اس کے بعد نو برس تک مرسیا نے اپنے انگریزی ہمسایوں پر اپنی حکومت کو وسیع کرنیکی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے رقیبوں کی طرح وہ بھی اہل ویلز کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ۷۷۹ء کے بعد دریائے سیورن سے گذر کر (جس کا بالائی حصہ اس وقت تک برطانیوں اور انگریزوں کے درمیان حد فاصل تھا)، اوفا نے شاہِ پاوِس کو

اس کے دارالسلطنت سے بھگا دیا اور اس کے دارالسلطنت کے پُرانے نام پنگورن کو انگریزی نام شروسبری سے بدل دیا۔ جس کے معنے جھاڑی والے حصے کے ہیں۔ اس جنگ کے بعد اس نے دریائے والی کے دہانے سے دریائے ڈی تک مٹی کی ایک بہت بڑی دیوار بطور سرحد کے بنا دی جو ابتک اوفار ڈائک (بند اوفا) کے نام سے مشہور ہے۔ اس بند اور سیورن کے درمیان انگریزوں کی ایک جدید آبادی قائم کردی گئی جس نے حکومت مرسیا کے لئے فوجی سرحد کا کام دیا۔ مرسیا کے اِن فتوحاتِ جدید اور نیز نارتھمبریا اور ویسٹ سیکسن کے فتوحات مابعد میں مفتوحین کو ملک بدر کردینے کا قدیم طریقہ کلیۃً ترک کردیا گیا تھا۔ جن اہل ویلز نے چاہا وہ اپنے انگریز فاتحین کے ساتھ بے خوف و خطر رہنے لگے اور غالباً انہیں دونوں قوموں کے باہمی تعلقات کو منضبط کرنیکے لئے اوفا نے وہ مجموعہ ضوابط مرتب کیا جو ابتک اس کے نام سے مشہور ہے۔ مرسیا اور نارتھمبریا دونوں کا برطانیوں کی طرف متوجہ ہو جانا یہ معنے رکھتا تھا کہ انگریزوں پر غلبہ حاصل کرنیکا خیال جاتا رہا ہے۔ اوفا کے عہد میں مرسیا درحقیقت تنہا رہ گئی تھی۔ اڈبرٹ کے بعد نارتھمبریا میں عام طوائف الملوکی پھیل گئی تھی مگر اوفا کو ہمبر کے پار جانے اور اس ابتری سے فائدہ اٹھانیکا کبھی خیال نہ ہوا۔ ٹیمز کے پار بھی اسی قسم کا ایک امید افزا موقع پیدا ہوا لیکن اس سے بھی اس کے سکون میں کسی طرح کی جنبش نہیں ہوئی۔ جنگ برفرڈ سے کچھ زمانے بعد یہ ہوا ہوگا کہ ڈومنیٹ (ڈیون) کی باقیماندہ سلطنت پر قبضہ کرکے ویسٹ سیکسن اپنی سرحد کو مغرب کی طرف ٹیمز تک بڑھا لیگئے ہونگے۔ مگر ۷۵۴ء میں ازسرنو طوائف الملوکی کے پھیل جانے سے ان کی ترقی رک گئی۔ دعویداران تخت کی لڑائیوں کا خاتمہ خاندان سیولن کے وارث اگبرٹ کی شکست پر ہوا اور وہ وسکس سے فرار ہو کر اوفا کے

دربار میں پناہ گزیں ہوا مگر شاہ مرسیا نے اس کی موجودگی سے توسیع سلطنت کا فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ اس واقعہ کو صلح و اتحاد کا ذریعہ بنایا۔ اس نے ۷۸۹ء میں اگبرٹ کو مرسیا سے خارج کردیا۔ اور ویسٹ سیکسن کے بادشاہ بیورک سے اپنی لڑکی کا عقد کردیا۔ فی الحقیقت اوفا کی اصلی کوشش یہ تھی کہ تاج مرسیا کے تحت میں کل مڈبرٹن (وسط برطانیہ) کو مضبوطی کے ساتھ متحد کرلے اور کنٹ کو یورپ کی طرف نکلنے کا راستہ بنائے۔ وہ سیاسی آزادی کی طرح مرسیا کی مذہبی آزادی کو بھی مکمل کرنا چاہتا تھا۔اس مقصد سے اس نے ۷۸۶ء میں لچفیلڈ کو ایک اسقف اعظم کا مستقر قرار دیا تاکہ اس طرح سے جنوب میں کینٹربری کا اثر رک جائے اور شمال میں یارک کا مقابلہ ہو سکے +

انگلستان اور فرینک

جس زمانے میں انگلستان کے اندر ویسٹ سیکسن کا خوف اوفا کے تجاویز میں رخنہ انداز ہوگیا تھا اسی زمانے میں سمندر پار اہلِ فرینک کی طاقت کو خطرناک عروج حاصل ہو رہا تھا اور اوفا کو مجبور ہونا پڑا کہ ان پر رقیبانہ نظر رکھے۔ اس وقت تک انگریزوں کے ہر طرح کے اغراض ان کے فتح کردہ برطانیہ ہی کے اندر محدود تھے، مگر اب ان کا قومی مطمح نظر یکایک وسیع ہوگیا اور انگلستان کا نیک و بد مغرب کے دیگر ممالک عیسوی کے نیک و بد سے وابستہ ہوگیا۔ دربار فرینک کے ساتھ برطانیہ کے سیاسی تعلقات ابتداءً انگریز مبلغین کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ نارتھمبریا کا ولبرارڈ اور اس سے زیادہ صاحب شہرت ویسٹ سیکسن کا بانیفیس (ولفرتھ) دونوں ان قدیم انگریزی اور آئرلینڈ کی واعظین کے نقش قدم پر چلے جنھوں نے بت پرست جرمنوں اور خاص کر ان کے اس حصے میں جو اب فرینک کی رعایا میں داخل ہوگئے تھے اشاعت مذہبی کے لئے محنتیں برداشت کی تھیں۔ انگریز واعظین اور فرینک کے بادشاہ پین کے درمیان

تعلقات وسیع ہو گئے اور اس طرح پر انگلستان کے ساتھ مسلسل روابط کا راستہ کھل گیا۔ اس کے دربار میں نارتھمبریا کا ایک عالم الکوئن مرجع علم و فضل بن گیا تھا۔ پپن کے بیٹے چارلس نے بھی (جو بعد میں چارلس اعظم کہلایا) انگریزی معاملات سے ویسی ہی دلچسپی قائم رکھی اور الکوئن کی دوستی کی وجہ سے شمالی برطانیہ کے ساتھ اس کے تعلقات زیادہ قریب ہو گئے۔ اوفا جب ۷۸۸ء میں بیورٹرک سے متحد ہو گیا تو اس وقت سے ویسٹ سیکسن کا دعویدارِ تخت اگبرٹ، چارلس ہی کے دربار میں پناہ گزیں تھا۔ خود اوفا سے بھی چارلس کے تعلقات عام طور پر دوستانہ معلوم ہوتے ہیں مگر شاہ مرسیا بہت ہوشیاری کے ساتھ ایسے روابط سے بچتا رہا تھا جس سے کسی طرح پر بھی فرینک کی فوقیت نکلتی ہو اور فی الحقیقت اس کا اس طرح پر احتیاط برتنا بہت بجا تھا، چارلس نے آئرلینڈ کی خانقاہوں کی طرح انگلستان کی خانقاہوں کو بھی بیش بہا تحائف بھیجے تھے، جس سے اس کی یہ غرض معلوم ہوتی تھی کہ وہ ان دونوں ملکوں میں اپنا اثر پیدا کرنا چاہتا ہے؛ اس نے نارتھمبریا، کنٹ بلکہ کل انگلستان کے کلیسا سے تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا دربار انگلستان کی ہر سلطنت کے جلاوطنوں کا ملجا و ماوا بنا ہوا تھا۔ نارتھمبریا کے جلاوطن بادشاہ، ایسٹ انگلیا کے شاہی امرا اور خود مرسیا کے مفرورین سب وہاں موجود تھے۔ جس وقت چارلس رومی شہنشاہ کی حیثیت سے عام رعایا اور اہلِ مذہب کے نعرہائے مسرت کے ساتھ روم میں داخل ہوا ہے غالباً اگبرٹ بھی اس وقت اس کے جلو میں تھا۔ جب ۸۰۲ء میں بیورٹرک کے انتقال کے بعد اس جلاوطن (اگبرٹ) کو وسکس میں واپس آنیکا موقع ہاتھ آیا ہے تو اس وقت تک چارلس یہی خواب دیکھ رہا تھا کہ برطانیہ روما کی شہنشاہی میں

اس وقت خارج ہوا تھا جب اس کے بقیہ مغربی صوبے بھی جاتے رہے تھے مگر اب کہ مغرب میں روم کی عظمت زمانۂ سابق سے بدرجہا بڑھ گئی ہے برطانیہ کو ان دوسرے صوبوں کی طرح شہنشاہی میں واپس آجانا چاہئے۔ چونکہ ادھر انقلابات کی وجہ سے خود انگریزی سلطنتوں کا شیرازہ بکھر رہا تھا اس سے اس کی امیدیں اور بڑھتی جاتی تھیں ؀

اگبرٹ کے فرار کے وقت سے برطانیہ کی حالت میں بہت ہی کم تغیر ہوا تھا' ایسٹ اینگلیا پر قبضہ کرکے اپنی سلطنت کی تکمیل کرلینے کے بعد ہی ۷۹۶ء میں ادفا کا انتقال ہوگیا اور اس کے جانشین سنولف کے عہد میں مرسیا کے اسقف اعظم کی جگہ توڑ دی گئی اور سلطنت مڈلینڈ (وسطی) کی فوقیت کو ترقی دینے کے لئے کسی قسم کی مزید کوشش نہیں کی گئی۔ اگبرٹ جب ویسٹ سیکسن کے تخت پر متمکن ہوا ہے تو سنولف بالکل خاموش رہا۔ اور وسکس کے اس نئے حکمراں سے اس نے اپنے تمام زمانہ سلطنت میں صلح قائم رکھی۔ اگبرٹ نے انگریزوں کے نہیں بلکہ سب سے پہلے اپنے ہمسایگان ویلز کے ممالک کو اپنی ہمت کا جولانگاہ بنایا۔ ۸۱۵ء میں وہ بڑھتا ہوا کارنوال کے قلب تک پہنچ گیا اور آٹھ برس کی جنگ آزمائی کے بعد مغرب میں برطانوی سلطنت کا نام و نشاں تک مٹا دیا۔ ڈیورہم اور چسٹر کے فتوحات کے بعد سے اہل برطانیہ کی مجتمع قومی حیثیت زائل ہو چکی تھی مختلف برطانوی قبایل علحدہ علحدہ تینوں انگریزی سلطنتوں سے لڑتے رہتے تھے۔ ان میں کمبریا اور اسٹرتھکلائڈ کے برطانوی پہلے ہی نارتھمبریا کے آگے سر جھکا چکے تھے۔ ویلز کے برطانیوں نے ادفا کو خراج دیکر مرسیا کی فوقیت قبول کرلی تھی صرف مغربی ویلز میں لینڈس انڈ (ختم زمین) تک ایک غیر مفتوح برطانوی سلطنت رہ گئی تھی اب وہ بھی وسکس کے قبضے میں آگئی۔

جس زمانے میں وسکس اپنی مدت کی زائل شدہ قوت کو ازسر نو حاصل کر رہا تھا۔ اسی دوران میں اس کا مڈ برٹین (وسط برطانیہ) کا رقیب ایسی طوائف الملوکی میں مبتلا ہو گیا تھا جس سے نکلنے کا کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا تھا۔ ۸۲۱ء میں سنولف کے مرنیکے بعد ایسی خانہ جنگی برپا ہوئی کہ مرسیا کے ٹکرے ٹکرے ہو گئے اور اس کمزوری کا حال اس وقت کھلا جب سنولف کا جانشین بیورن دلف ۸۲۵ء میں ولٹ شایر میں داخل ہو کر وسکس سے جنگ آزما ہوا اور مقام ایلنڈن کی خونریز جنگ میں اسے سخت ہزیمت اٹھانا پڑی۔ جنوب ٹیمز کا تمام انگلستان یکدم اگبرٹ (شاہِ وسکس) کا مطیع ہو گیا اور ایسٹ اینگلیا میں بھی سخت بغاوت برپا ہو گئی یہ بغاوت حکمرانانِ مرسیا کے حق میں سمِ قاتل ثابت ہوئی۔ اس کے دو بادشاہ یکے بعد دیگرے ایسٹ اینگلیا کے اندر لڑائی میں مارے گئے اور تیسرے بادشاہِ وگلف نے تخت پر قدم رکھا ہی تھا کہ اس درماندہ سلطنت کو دوبارہ ویسٹ سیکسن سے سابقہ پڑ گیا۔ اگبرٹ نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ فیصلہ کن حملے کا وقت آگیا ہے۔ ۸۲۸ء میں اس کی فوجیں بے روک ٹوک شمال کی طرف بڑھنے لگیں۔ وگلف بے یار و مددگار بھاگ کھڑا ہوا اور ملک نے ویسٹ سیکسن کے آگے سر جھکا دیا۔ مرسیا سے گزر کر اگبرٹ نے نارتھمبریا کا عزم کیا مگر وہاں تھا کیا؟ نصف صدی کی طوائف الملوکی سے سلطنت کی طاقت فنا ہو چکی تھی قزاق پہلے ہی سے اس کے ساحلوں کو پریشان کئے ہوئے تھے، نارتھمبریا کے امرا خود سبقت کر کے مقام ڈور (واقع ڈربی شائر) میں اگبرٹ سے ملاقی ہوئے اور اسے اپنا حاکم اعلیٰ تسلیم کر لیا۔ جس مقصد کی انجام دہی میں اُسیو اور اتھلبالڈ ناکام رہے تھے وہ انجامِ کار اس طرح پورا ہوا اور سرزمین برطانیہ پر پہلی بار تمام انگریزی قوم ایک بادشاہ کے زیر سایہ متحد ہو گئی۔ اگرچہ اپنی حصولِ آزادی کے لئے مرسیا اور نارتھمبریا ابھی بہت کچھ کرنیوالی تھیں مگر جس وقت سے نارتھمبریا نے ویسٹ سیکسن کی سیادت قبول کی ہے

اس وقت سے نام کو نہیں بلکہ حقیقتاً انگلستان، انگلستان بن گیا تھا +

جزو پنجم
وسکس و ڈین

۸۸۰ — ۸۰۲

اسناد اس عہد کی تاریخ کا دار و مدار خاص طور پر انگلش یا اینگلو سیکسن کرانکل (وقائع انگریزی English Chronicle) پر ہے۔ وقائع کا ابتدائی حصہ ایک طرح کی تالیف ہے اور اس میں (۱) جنوبی برطانیہ کے فتح کے واقعات اور (۲) وسکس کے بادشاہوں اور اسقفوں کے مختصر حالات شامل ہیں۔ بیڈا کے کثیر اقتباسات سے اسے وسعت دی گئی ہے۔ اور بیڈا کے انتقال کے بعد شمال کے بعض دیگر مصنفین کے ذرائع سے مختصر اضافے کئے گئے ہیں۔ (۳) اغلب یہ ہے کہ الفرڈ کے زمانے میں یہ کل مواد یکجا جمع کر کے اور شاید لاطینی سے انگریزی میں ترجمہ کر کے ایک کامل تر وقائع کے دیباچے کے طور مرتب کیا گیا ہے۔ یہ وقائع ایتھلولف کے عہد سے شروع ہوتا ہے اور الفرڈ کے وقت تک پہنچ کر ایک وسیع ہمعصر تاریخ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ علم ادب کے اعتبار سے میں نے اس کی خصوصیت اور نوعیت کو خود اصل کتاب میں جگہ دی ہے۔ سوانح الفرڈ (Life of Alfred) جو ایسر کے نام سے شائع ہے غالباً اسی عہد کی تالیف ہے اور اس میں تو شک نہیں کہ اس کی بنا ہمعصر اسناد پر ہے۔ اس بادشاہ کی ایک قابل قدر جدید سوانح عمری ڈاکٹر پالی نے لکھی ہے۔ جنگہائے ڈین کے لئے جے۔ آر گرین کی کانکویسٹ آف انگلینڈ (فتح انگلستان Conquest of England) دیکھنا چاہئے +

اہل شمال قومی بادشاہت کے قیام کی کوشش شروع ہی ہوئی تھی کہ ڈین نے وسکس کی چند روزہ عظمت کا خاتمہ کر دیا۔ جس زمانے میں برطانیہ پر فتح و آبادی کے دور گذر رہے تھے، اس زمانے میں جزیرہ نمائے اسکینڈینیویا اور جزائر بالٹک کے رہنے والے عیسائیت کی دسترس سے پوشیدہ، اپنی بقائے ہستی کے لئے سخت موسم، بنجر زمین، اور طوفانی سمندروں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ لوٹ مار اور بحری غارتگری سے

ان کے قلیل ذرایع معاش میں کچھ اضافہ ہو جاتا تھا۔ آٹھویں صدی کے ختم ہونے تک یہ غارتگریاں شمالی سمندروں کے باہر تک پہنچ چکی تھیں۔ اگبرٹ ابھی تمام برطانیہ کو پوری طرح اپنے زیر اثر نہیں لاچکا تھا کہ یہ بیابک وائکنگ (جل باشی) انگریزی ساحل کے آس پاس منڈ لاتے ہوئے نظر آئے اور جس قدر ٹیمز کے جنوب کی طرف بڑھتے جاتے تھے اسی قدر ان کی تعداد میں ترقی ہوتی جاتی تھی۔ ان شمالیوں کا پہلی بار نظر آنا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تاریخ کی گھڑی کی سوئی تین سو برس پیچھے ہٹ گئی ہے۔ ناروے کے کوہی چشموں اور فریزلینڈ کے ریگستانی ساحلوں سے نکل کر ان قزاقوں کے بیڑے کے بیڑے اس طرح پھیل پڑے گویا ہنجسٹ اور کرڈک کا زمانہ پلٹ آیا۔ جس وقت حملہ آوروں کی سیاہ کشتیاں دریاؤں کے کنارے یا دریائی جزیروں کے آس پاس لنگر انداز ہوئی ہیں تو گھروں کے جلنے، مردوں کے قتل ہونے، عورتوں کے اسیر و بے حرمت کئے جانے، بچوں کے نیزوں پر اچھالے جانے یا بازاروں میں فروخت ہونیکی تمام وہی ہولناک مصیبتیں پیش آئیں جو انگریزی حملے کے وقت پیش آچکی تھیں۔ واڈن کے پوجنے والوں کے ہاتھوں مسیحی قسیس پھر گرجوں کے اندر قتل ہوے۔ علم و فن اور مذہب و حکومت کا وہی حشر ہوا جو اس سے پہلے ہو چکا تھا، مگر جب ایکبار طوفان کا یہ وحشتناک زور ختم ہوگیا تو زمین، آبادی، حکومت سب بلا تغیر اپنے حال پر برقرار ہوگئیں اور انگلستان، انگلستان ہی رہا کوئی دوسرا ملک نہیں ہوگیا۔ خود فاتحین خاموشی کے ساتھ اپنے کثیر التعداد مفتوحین کے اندر جذب ہو گئے اور واڈن نے بلا مزاحمت مسیح کی اطاعت قبول کر لی۔ ان دونوں حملوں کا ما بہ الامتیاز راز یہ تھا کہ اب جنگ دو مختلف النسل قوموں کے درمیان نہیں رہی تھی، فریق جنگ برطانوی اور جرمن یا انگریز و ویلزی نہیں تھے

بلکہ ان شمالیوں کی معاشرت فی الاصل وہی تھی جو قدیم انگریزوں کی تھی۔ انکے رسم و رواج، ان کا مذہب، ان کا نظم معاشرت سب ایک تھا۔ وہ درحقیقت انہیں انگریزوں کے ہمرشتہ تھے جو انگلستان میں آکر اپنی اصل کو بھول گئے تھے گویا ان حملہ آوروں نے انگریزوں کے قزاق آبا و اجداد کے وحشیانہ زمانے کو پھر زندہ کر دکھایا تھا۔ چونکہ متخاصمین ایک ہی نسل کے اور ایک ہی زبان کے بولنیوالے تھے اس لئے جنگ جیسی شدید یہاں ہوئی ویسی تمام یورپ میں کہیں نہیں ہوئی اور یہی وجہ تھی کہ جنگ کے بعد یہ شمالی اپنے حریفوں میں مل جل بھی ایسے گئے کہ تمام یورپ میں کہیں اس طرح بے شور و شر اور کامل طور پر نہیں ملے تھے ✤

فتوحات ڈین

برطانیہ کو اپنے نئے حملہ آوروں کے مقابلہ میں دُہری مشکلات سے سابقہ پڑا۔ ایک طرف مغرب میں ناروے کے شمالی باشندے جزائر شٹلینڈ و آرکینز پر پہنچ کر وہاں سے براہ ہبرائڈز، آئرلینڈ میں داخل ہو چکے تھے۔ دوسری طرف ان کے وہ ہمرشتہ قبائل جو ابھی تک قدیم انگل لینڈ میں آباد تھے۔ فریزیا اور گال کے ساحلوں پر گشت لگا رہے تھے۔ اس طرح برطانیہ دو طرف سے گھر کر ان کے میدان عمل کا مرکز بن گئی تھی۔ اور اگبرٹ کے اختتام حکومت کے قریب جب اول بار فیصلہ کن مقابلے کا آغاز ہوا تو سلطنت ویسٹ سیکس کے دو انتہائی سرحدوں پر ایک ساتھ حملے ہونے لگے، حملہ آور ایک طرف ایسٹ اینگلیا اور کنٹ میں قتل و غارت کرتے ہوئے ٹیمز کو عبور کر کے لنڈن کو لوٹنے کے لئے آپڑے۔ دوسری طرف آبنائے آئرلینڈ کے قزاقوں نے تمام کارنوال کو بغاوت پر اُبھار دیا۔ شمالیوں کا اس طرح پر برطانیوں سے متحد ہو جانا ہی ان ابتدائی یورشوں کے خاص خطرے کا باعث ہو گیا؛ اگرچہ اگبرٹ نے

۸۳۴-۸۳۷

ہنجسٹ ڈاون کی فتح سے متحدہ فوجوں کو منہزم کر دیا۔ پھر بھی وسکس کے اندر سلوڈ کے غرب میں مدت تک ایک طرح کی غیر مساوی جنگ جاری رہی۔ ۸۲۹ء میں اگبرٹ کے بجائے اتھلولف تخت نشین ہوا اور بدستور اپنے ملک کی حفاظت کے لئے نہایت جانبازی کے ساتھ لڑتا رہا۔ آنگلی کی فتح اور چارمتھ کی شکست ۸۵۱ دونوں میں ان بحری ڈاکوؤں کے خلاف اس نے بذات خاص اپنی فوج کی سپہ سالاری کی اور ان حملہ آوروں کے اغوا سے شمال ویلز کے جن باشندوں نے اس کے خلاف ہتیار اٹھائے تھے انہیں بھی پسپا کیا۔ ہر چند کہ شمالیوں اور ویلزیوں کو بار بار شکست دی گئی مگر خطرہ سال بہ سال بڑھتا ہی گیا۔ ۸۵۳ ان بت پرست حملہ آوروں کی وجہ سے مذہب بھی سخت خطرے میں پڑ گیا تھا اور اسی وجہ سے اہل کلیسا بھی اتھلولف کی اعانت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ سوئیتھن (اسقف ونچسٹر) اتھلولف کا وزیر ہو گیا۔ شربورن کا اسقف صلیب کے سپاہیوں میں داخل ہو گیا اور حملہ آوروں کو دہانہ پیٹرٹ سے ہٹانے کے لئے افواج سمرسٹ اور ڈارسٹ کے لڑانے میں اکابر قوم کا شریک تھا۔ آخر کار سخت جد و جہد کے بعد تھوڑی دیر دم لینے کی مہلت ملی اور ۸۵۸ء میں اتھلولف نے امن و اماں کی حالت میں انتقال کیا۔ اور آٹھ برس تک ملک شمالیوں کے حملوں سے مامون رہا۔ مگر یہ ابتدائی تاخت و تاراج فی الحقیقت اصلی طوفان کے آمد کی تمہید تھی۔ جب پوری قوت کے ساتھ طوفان برپا ہوا تو وہ محض غارتگرانہ یورشوں کا سلسلہ نہیں تھا بلکہ فتح کے قصد سے ایک مستقل فوج کا حملہ تھا، جو ملک کی تسخیر کے ساتھ ہی ساتھ اس میں آباد بھی ہوتی جاتی تھی۔ اس کام کو اب اسکینڈینیوی نسل کی ایک دوسری قوم ڈین نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اتھلولف کا تیسرا بیٹا اتھلرڈ اپنے دو بھائیوں

۸۶۶ کی مختصر حکومت کے بعد بادشاہ ہوا تھا۔ ابھی اس کے عہد کا آغاز ہی تھا کہ یہ نئے حملہ آور برطانیہ پر آ گرے اور ان کے میدان میں آتے ہی حملے کی نوعیت ہی بدل گئی۔ اب تک چھوٹے چھوٹے دستے برطانیہ کو پریشان کیا کرتے تھے لیکن اب بجائے ان کے وہ فوجیں آنا شروع ہوئیں کہ کسی اور مغربی ملک پر ایسی بڑی فوجوں نے حملہ نہیں کیا تھا۔ یہ فوجیں محض لوٹ مار کرنے کے بجائے باقاعدہ فتح کے لئے اس طرح بڑھیں کہ ساتھ کے ساتھ ملکِ مفتوحہ پر آباد بھی ہوتی جائیں۔ ۸۶۶ء میں ڈین ایسٹ اینگلیا میں اُترے اور دُوسرے موسمِ بہار میں ہمبر کو عبور کرکے یارک کی طرف بڑھے۔ نارتھمبریا کی قومیں اندرونی مناقشات کی وجہ سے منتشر ہو گئی تھیں دو دعویدار اس کی حکومت کے لئے لڑ رہے تھے اور اگرچہ اس خطرۂ مشترک کے دفعیہ کے لئے دونوں ایک دل ہو گئے مگر عین پایۂ تخت کی دیواروں کے سامنے ایک ہی ہزیمت میں دونوں کے دونوں مارے گئے اور نارتھمبریا نے فوراً ہی ڈین کی اطاعت قبول کر لی۔ مرسیا نے بھی ایسا ہی کیا ہوتا مگر صرف شاہ اتھلرڈ کے تیز یلغار نے اسے بچا لیا۔ ۸۶۸ء کی صلح ناٹنگھم کے ذریعے سے مرسیا تو ڈین کے قبضے میں جانے سے بچ گئی مگر اس صُلحنامہ نے ان کو بالکل مُطلق العنان چھوڑ دیا کہ عالیشان خانقاہوں کی بیش قرار دولت کو وہ جس طرح چاہیں لوٹیں پٹربرا، کرائولینڈ، الی سب آگ کی نذر ہو گئے۔ راہب یا تو بھاگ گئے یا خانقاہوں کے اندر ہی ہلاک ہو گئے۔ یہاں سے پلٹ کر ڈین دفعتاً خود ایسٹ اینگلیا پر ٹوٹ پڑے اور شاہِ اڈمنڈ جب قید ہو کر ڈینی سرداروں کے سامنے آیا تو انہوں نے اسے ایک درخت سے باندھ کر تیروں کا نشانہ بنا دیا۔ ۸۷۰

بت پرستوں کے ہاتھ سے اس طرح شہید ہونے سے وہ انگریزی افسانے کا سنٹ سبٹین بن گیا اور ازمنہ مابعد میں اس کی شکل مشرقی ساحل کے ہر ایک گرجا کی منقش کھڑکیوں سے جھانکتی نظر آتی تھی۔ اس کے مقامِ شہادت پر سنٹ اڈمنز بری کی شاندار خانقاہ تیار کی گئی۔ اڈمنڈ کے ساتھ ہی شاہانِ ایسٹ اینگلیا کے سلسلہ کا خاتمہ ہو گیا کیونکہ یہ سلطنت نہ صرف مفتوح ہو گئی بلکہ دس برس بعد ایک ڈینی فوج کے سپاہیوں نے اسے آپس میں تقسیم کر لیا اور ان کا سردار گھترم اس ملک کا بادشاہ بن گیا۔ ان پیہم فتوحات نے جیسا سخت خوف طاری کر دیا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مرسیا اگرچہ واقعتاً مفتوح ہونے سے بچی ہوئی تھی پھر بھی دہشت زدہ ہو کر اس نے ازخود ڈین کے سامنے سر جھکا دیا اور ۸۷۴ء میں انہیں اپنا شاہ اعلیٰ تسلیم کر کے خراج ادا کیا۔

ڈین اور وسکس

اگبرٹ کا بنایا ہوا سارا کام چار برس کے اندر اندر الٹ گیا، اور ٹیمز کے جانب شمال کا کل انگلستان وسکس کی سیادت سے خارج ہو گیا۔ ڈین نے بڑی سرعت کے ساتھ نارتھمبریا، مرسیا اور ایسٹ اینگلیا کو فتح کر لیا۔ یہ فتح صرف ان ممالک کی اندرونی حالت ہی کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ ان ممالک کے لئے اس فتح کے معنے صرف یہ تھے کہ وہ ایک بادشاہ کی سیادت سے دوسرے بادشاہ کی سیادت میں منتقل ہو جائیں اور بظاہر حالات ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے ڈین کی سیادت کو ویسٹ سیکسن کی سیادت پر ترجیح دی، اس صورت معاملات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان سلطنتوں کا ایک قومی ہیئت میں ڈھال دینا کس قدر دشوار تھا، اب وہ وقت آپہنچا کہ وسکس اپنی سیادت کے لئے نہیں بلکہ اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لئے میدان کارزار میں آئے۔ وسکس کی کیفیت یہ تھی کہ گویا خوف کی وجہ سے اس پر سکتہ سا طاری ہو گیا ہے۔ ناٹنگھم پر

ایک دھاوا کرنیکے سوا شاہ اَتھلرڈ نے اس وقت تک اپنی ماتحت سلطنتوں کے بچانیکے لئے کوئی کارروائی نہیں کی تھی؛ مگر ڈین کا دریائے ٹیمز کو عبور کرکے ریڈنگ پر بڑھنا اور خود سرزمین وسکس پر حملہ آور ہونا ہی تھا کہ دفعتاً ویسٹ سیکسن میں ایک غضبناک جوش پیدا ہو گیا اور وہ شدت کے ساتھ مُقابلے پر جم گئے۔ اِس میں شک نہیں کہ دشمن وسکس کے اندر اُن بلندیوں تک گھس آیا جہاں سے وادی وھائٹ ہارس پر نظر پڑتی ہے مگر ایک جانبازانہ جنگ نے انہیں ایش ڈاؤن سے پیچھے ڈھکیل دیا البتہ اہل وسکس، کنٹ اور ٹیمز کے درمیانی علاقے سے ڈین کو نکالنے میں کسی طرح کامیاب نہ ہو سکے اور اسی اثنا میں دوسری تازہ دم فوجیں ہمبر سے بڑھ کر ان کے شریکِ کار ہو گئیں۔ اس کشمکش کے دوران میں ایتھلرڈ کا انتقال ہو گیا اور اب دشمن کی تازہ پیش قدمی کا مقابلہ کرنیکے لئے اس کا سب سے چھوٹا بھائی الفرڈ رہ گیا؛ قبل ۸۷۱ اس کے کہ یہ نوعمر بادشاہ ان کے مقابلے پر آسکے وہ مقام ولٹن میں اپنے قدم جما چکے تھے۔ پے در پے شکستوں نے الفرڈ کو مجبور کر دیا کہ زرِ پیہ دیکر ان قزاقوں کو واپس کرے اور اپنی سلطنت کو سانس لینے کے لئے چند برس کی مہلت دے، الفرڈ کی دوربین نگاہ کے لئے یہ دیکھ لینا کچھ مشکل نہ تھا کہ ڈین محض اس غرض سے واپس ہوئے ہیں کہ نئے حملے کے لئے زیادہ مضبوط و مستحکم ہو کر آئیں۔ چنانچہ تین برس کے اندر ہی اندر انھوں نے مرسیا پر حملہ کرکے اس کے بادشاہ کو سمندر پار بھگا دیا اور تخت مرسیا پر اپنے ایک باجگذار بادشاہ کو متمکن کر دیا۔ مقام رپٹن سے ان کی نصف فوج شمال کو ٹائن کی جانب بڑھ گئی اور جب لوٹنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا تو زمین ہی کو آپس میں تقسیم کرکے آباد ہونا اور کاشت کرنا شروع کر دیا۔

خود گتھرم بقیہ حصۂ فوج کو لئے ہوئے ایسٹ اینگلیا میں داخل ہوا تاکہ وسکس پر دُوسرے سال حملہ کرنیکے لئے تیار ہو جائے۔ مقابلے کی وسعت کی وجہ سے اب شمالیوں کی تمام طاقت برطانیہ میں کھینچ آئی تھی۔ اور گتھرم نے جب انجامِ کار جنوب کے لئے لنگر اُٹھایا ہے تو اس کی فوج ہر ممکن امداد سے بڑھائی جا چکی تھی۔ ۸۷۶ء میں ڈینی بیڑا ویرہیم کے سامنے نمودار ہوا اور جب الفرڈ نے معاہدہ کرکے اسے وہاں سے واپس کیا تو وہ اکسٹر پر جا پڑا اور ڈین اور اہل ویلز باہم متحد ہو گئے۔ الفرڈ نے شدت سرما ہی میں اس نئے خطرے کے لئے کمر باندھی اور بہار کے شروع ہوتے ہی اس کی فوجوں نے اکسٹر کو گھیر لیا اور ایک اجرتی بیڑہ ساحل سے کچھ دور متعین کر دیا گیا تاکہ ڈین کو سمندر کی طرف سے خلاصی اور امداد نہ حاصل ہوسکے۔ ڈینی فوج کا جو حصہ ویرہیم میں رہ گیا تھا وہ اپنے محصور بھائیوں کے خطرے کو محسوس کرکے ان کی مدد کے لئے سمندر کی طرف سے روانہ ہوا مگر طوفان نے انہیں سوینج کی چٹانوں کی طرف بہا دیا۔ اکسٹر نے آخرالامر فاقہ کشی سے مجبور ہو کر اطاعت قبول کر لی اور ڈین نے دو بارہ قسم کھائی کہ وہ وسکس کو چھوڑ کر چلے جائینگے۔

اس مرتبہ ڈین فی الواقع گلوسٹر کو واپس چلے گئے مگر الفرڈ کی فوج کے منتشر ہوتے ہی نئے گروہوں کے آجانے سے جن کا پیشہ لوٹ مار اور غارتگری تھی، دشمن پھر چپنہم میں نمودار ہوئے اور اوائل ۸۷۸ء میں لوٹ مار کرتے ہوئے انہوں نے ملک کے اندر بڑھنا شروع کر دیا۔ یہ اچانک حملہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور ایک دو ماہ تک ملک میں ایسی سراسیگی پھیلی رہی کہ مقاومت کی امید تک باقی نہیں رہی۔ الفرڈ

ودمور

صرف اتنا کر سکا کہ اپنی مختصر جماعت کے ساتھ اس قلعے میں جا پڑا جو بعجلت تمام پیرٹ کی دلدلوں میں جزیرہ اتھلنی کے اوپر تیار کیا گیا تھا۔ یہ ایسا موقع تھا جہاں سے وہ اپنے دشمنوں کی حرکات پر اچھی طرح نظر رکھ سکتا تھا۔ بہار کے شروع ہوتے ہی اس نے سمرسٹ کے امرا کو اپنے جھنڈے کے نیچے طلب کیا اور اپنے کوچ میں برابر فوجیں جمع کرتا رہا۔ وہ ولٹشائر سے ہو کر ڈین کے مقابلے میں بڑھا۔ مقام اڈنگٹین پر فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اور ایک سخت جنگ میں ڈین کو شکست ہوئی اور چودہ روز کے محاصرے کے بعد الفرڈ نے انہیں اطاعت پر مجبور کر دیا۔ ان کے سردار گتھرم کو عیسائیت کا اصطباغ دیا گیا اور وڈموڑ (واقع سمرسٹ) میں وہ ایک مقدس صُلح کا پابند بنا یا گیا۔ ظاہرا صُلح وڈموڑ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ برطانیہ کا بیشتر حصّہ حملہ آوروں کے حوالہ کر دیا گیا ہے۔ تمام نارتھمبریا تمام ایسٹ اینگلیا اور نصف سنٹرل انگلینڈ (وسط انگلستان) شمالیوں کے تحت میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہ تمام ملک ڈین لا (ارض ڈین) کہلانے لگا اور فاتحین اس میں مالکان اراضی کی حیثیت سے مفتوحین کے درمیان آباد ہو گئے۔ ان کی آبادی شمال و مشرق میں زیادہ گنجان اور وسطی اضلاع میں چھدری تھی۔ مگر اپنی قدیم تنہائی پسندی انہوں نے کہیں نہ چھوڑی اور ہمیشہ اس کے قائم رکھنے میں سعی کی ان کے شہروں کا باہمی اتحاد نہایت ہی کمزور تھا اور ہر شہر کی فوج بھی علیحدہ تھی۔ اس صُلح سے صرف اتنا ہوا کہ وسکس بچ گیا مگر وسکس کے بچ جانے سے فی الحقیقت تمام انگلستان بچ گیا۔ خوف و ہیبت کا طلسم ٹوٹ گیا۔ حملے کی رو پلٹ گئی۔ اور پندرہ برس کے امن کے زمانے میں صرف ایک مختصر لڑائی پیش آئی +

الفرڈ
۹۰۱-۸۷۱

شششۂ کی صُلح وڈمور کے بعد سے وہ کام شروع ہوا جو وسکس کو ڈین کی چنگل سے خلاصی دلانے سے بھی زیادہ مقتدر و معزز تھا۔ الفرڈ نے اپنے آخری زمانے میں لکھا ہے کہ "اپنی اس عمر تک میں نے یہی کوشش کی ہے کہ زندہ رہوں تو عزت کے ساتھ زندہ رہوں" جب موت کا زمانہ قریب آگیا اس وقت اس کی یہی تمنا تھی کہ "بعد کے آنیوالوں کے لئے اپنے اچھے کاموں کی یادگار چھوڑ جاؤں" اس کا یہ مقصد اُمید سے زیادہ کامیاب رہا۔ انگریزوں کے اس معزز ترین بادشاہ کی زندگی کے حالات اور اس کے کارناموں کے بیان میں ہر قسم کے مبالغے اور خیال آفرینی سے کام لیا گیا ہے مگر بایں ہمہ اس کے صحیح و اصلی حالات ہم تک پہنچ گئے ہیں۔ اُن چند افراد کے مقابلہ میں جو عالم میں بہترین و برترین اشخاص خیال کئے جاتے ہیں الفرڈ کی سیاسی یا علمی قابلیت بہت ہی حقیر معلوم ہوتی ہے مگر جس شے نے اسے ان لوگوں کے ہمپایہ بنا دیا ہے وہ اس کی زندگی کی اخلاقی عظمت ہے۔ اس کی زندگی جو کچھ بھی تھی اپنی رعایا کے لئے تھی۔ ممالک عیسوی کی تاریخ میں وہ پہلا حکمراں ہے جو اپنی شخصی آز و حرص کو یک لخت ترک کرکے کلیتہً اپنی رعایا کے لئے وقف ہوگیا تھا۔ اس کا یہ کہنا کہ میں عزت کے ساتھ زندہ رہنا چاہتا ہوں یہ معنے رکھتا تھا کہ وہ عدل و انصاف، پرہیزگاری و ایثار میں اپنی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ صُلح وڈمور کے بعد ہی اس کی طبیعت کا اندازہ معلوم ہوگیا، وہ طبعاً ایک جنگجو و فاتح تھا اور انگلستان میں جو ابتری پھیلی ہوئی تھی اسے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ مگر باوجود اس کے تیس ہی برس کی عمر میں اس نے فتح کا خیال تک اپنے سر سے نکال دیا، اور یہ کوشش شروع کی کہ وہ اپنے پیچھے فتوحات ملکی کی نہیں بلکہ ان

"نیک کاموں" اور اپنی ان محنتوں کی یادگار چھوڑ جائے جن کے ذریعے سے اس نے اپنی رعایا کے لئے امن و امان اعلیٰ حکومت اور تعلیمی فوائد حاصل کئے تھے۔ اس کا اصول یہ تھا کہ ملک کو امن حاصل ہو جائے۔ ویسٹ سیکسن کی سیادت کے دو بارہ قائم کرنیکا خیال اس نے بیکقلم ترک کر دیا تھا۔ انگلستان کے اس حصے سے جو چیسٹر سے لندن تک کی رُومی سڑک واٹلنگ اسٹریٹ کے پار واقع ہے، الفرڈ نے کچھ سروکار نہ رکھا، گویا نارتھمبریا، ایسٹ اینگلیا اور نصف حصہ مرسیا سے اس نے اپنا خیال ہٹا لیا۔ اس کے پاس جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ خود اس کا وسکس، وادی ٹیمز کا بالائی حصہ، کل وادی سیورن اور مرسی اور ڈی کے زرخیز میدان تھے۔ مرسیا کا نام اب انہیں آخری علاقہ جات پر محدود رہ گیا تھا (کیونکہ اس سلطنت کا باقی حصہ ڈین کے فائو باراز (پنج محلات) کے نام سے مشہور ہو گیا تھا) الفرڈ نے اس حصے پر اپنی بیٹی اتھلفلیڈ کے خاوند اتھلرڈ کو حکمراں بنایا۔ یہ شخص بوجہ اپنی جرأت و مستعدی کے ڈین کے حملوں کو شمال کی طرف سے روکنے کے لئے بہت ہی موزوں تھا۔ بحری حملے کی مدافعت کے لئے الفرڈ نے فوجی خدمت کا نظام از سر نو مرتب کیا اور ایک بیڑہ بھی اسی غرض کے لئے تیار کیا؛ ملک کو متعدد فوجی اضلاع میں تقسیم کر دیا گیا۔ تین سو ایکڑ سے پانچ سو ایکڑ تک کے حلقے بنائے گئے۔ ہر حلقے کا یہ فرض قرار دیا گیا کہ بادشاہ کی طلب پر ایک مسلح شخص کو شرکتِ فوج کے لئے روانہ کرے اور خود اس کی تنخواہ و خوراک کا انتظام کرے۔ اس کے ساتھ ہی ہر آزاد شخص کے لئے فوجی شرکت کا فرض بدستور سابق قائم کیا گیا مگر فوج دو حصوں میں تقسیم کر دی گئی تاکہ باری باری سے ایک حصہ میدانِ جنگ کو جائے اور دوسرا حصہ اپنے مواضعات و قصبات کی حفاظت کرے بحری انتظامات کی درستی، برّی انتظامات کی درستی سے بھی سخت تر تھی۔ کسی

موجود بیڑے کا مرتب کرنا نہیں بلکہ سرے سے ایک نیا بیڑہ تیار کرنا تھا؛ تاہم
وہ استقلال کے ساتھ اپنی نئی بحری طاقت کو ترقی دیتا رہا اور اس کے بعد
اس کے بیٹے کے عہد میں سو انگریزی جہازوں کا ایک بیڑہ آبنائے کا مالک تھا

الفرڈ کی حکومت

اس طرح پر اپنے ملک کی حفاظت کا انتظام کر کے الفرڈ حکومت کی اصلاح
کی طرف متوجہ ہوا، وسکس برسوں کی مہلک کشمکش سے بالکل خستہ ہو گیا تھا۔
اس کے قانون، نظم و نسق، عدالت و حکومت کا ڈھچر قزاقوں کے طوفان رستخیز
میں ڈھیلا ہو چکا تھا۔ ضرورت تھی کہ مادی و اخلاقی دونوں حالتوں کو از سر نو
زندہ کیا جائے۔ الفرڈ نمایش و تخیل کا بندہ نہ تھا۔ اس کی نظر سادگی و عمل
پر رہتی تھی۔ جنگ کی طرح سیاسیات، نیز بعد کے علمی کاموں میں بھی اس نے
اسی شے کو لیا جو قریب تر موجود تھی اور اسی سے بہترین فوائد حاصل کئے۔
عدالتِ عامہ کی ترتیبِ جدید میں اس نے خاص کام یہ کیا کہ عوام و خواص
دونوں کو ہنڈرڈ موٹ (مجلسِ حلقہ) اور شائر موٹ (مجلسِ ضلع) کے فیصلجات
کی اطاعت پر مجبور کیا؛ فوک موٹ (مجلس قبائلی) میں یہ لوگ بہ شدت ایک
دوسرے کی مخالفت کیا کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ الڈرمین (سرپنچ)
اور حکام جو فیصلہ کرتے تھے بہ مشکل ان میں سے کوئی اس فیصلے کو قبول
کرتا تھا۔ الفرڈ کی عدم موجودگی میں ملک کے اندر جس قدر فیصلے ہوتے تھے
وہ ان سب کی جانچ کرتا تھا کہ آیا وہ انصاف پر مبنی ہیں یا نہیں اور اگر
وہ ان میں کسی طرح کی بے اعمالی دیکھتا تو خود ججوں سے جواب طلب کرتا
تھا۔ اس کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ "وہ شبانہ روز مقامی نا انصافیوں کی
درستی میں منہمک رہتا تھا۔ کیونکہ اس تمام سلطنت میں خود بادشاہ کی ذات
کے سوا شائد ہی کوئی غریبوں کا مددگار ہو تو ہو"۔ نئے قانون وضع کرنیکا

بادشاہ کو مطلقاً خیال نہیں تھا۔ وہ خود کہتا ہے کہ "مجھے جو کچھ ملا خواہ وہ میرے ہم قبیلہ اینی کے زمانے کا ہو یا اوفا شاہِ مرسیا کے عہد کا یا اتھلرڈ کے وقت کا (جس نے انگریزوں میں سب سے پہلے بپتسمہ لیا تھا۔) انہیں میں سے جس شے کو میں نے بہتر سمجھا اس کو جمع کر لیا اور باقی سب کو چھوڑ دیا۔" ان الفاظ سے الفرڈ کا کام زیادہ وقیع نہیں معلوم ہوتا مگر فی الحقیقت جو کام اس نے کیا وہ بہت بڑی اہمیت کا کام ہے۔ اسی نے ایک عام قومی قانون کا خیال پیدا کیا اور جداگانہ گروہوں کے جداگانہ قبائلی رسوم و رواج کو متروک ٹھہرایا، اور ویسکس، مرسیا اور کنٹ کے ضوابط تمام انگلستان کی ایک مشترک قانونی کتاب میں شامل ہو گئے +

الفرڈ کے خصائص و اخلاق

چھ برس کے دورانِ امن میں الفرڈ کی سلطنت نے جو نئی قوت حاصل کر لی تھی اس کا اظہار اُس وقت ہوا جب قزاقوں نے دوبارہ اس ملک پر یورش کی۔ ایک فوج گال سے آکر ٹیمز کے اندر داخل ہوئی اور وہاں سے بڑھتی ہوئی روچسٹر تک پہنچ گئی اور گتھرم کی مملکت کے ڈین بھی صُلح و ڈمور کو بالائے طاق رکھ کر اپنے بھائیوں کو مدد دینے لگے۔ مگر جنگ بہت ہی مختصر ہوئی اور اس کا انجام الفرڈ کی ایسی کامل فتح پر ہُوا کہ ۸۸۶ء کی نئی صُلح کے رُو سے ویسٹ سیکسن کی سرحد گتھرم کی سلطنت کے اندر بڑھ گئی اور لندن اور قدیم سلطنت ایسٹ سیکسن کا نصف حصہ ڈین کے قبضے سے نکل گیا۔ اس وقت سے ڈین کی حالت مدافعت کی ہو گئی اور انگریزوں میں اس تغیر کا اثر فوراً ہی محسوس ہونے لگا۔ ایک نئی قومی شاہت کی بنیاد قائم ہو گئی۔ وقائع نگار کا بیان ہے کہ سوائے ان انگریزوں کے جو ڈین کی غلامی میں تھے، تمام انگریزی آبادی الفرڈ کی طرفدار ہو گئی۔ دم لینے کے لئے اس دُوسرے موقعے کے

ملتے ہی بادشاہ پھر اپنے اصلاح و تجدید کے کام میں مشغول ہو گیا۔ اس کی مبادرت پسند طبیعت (جس نے آخر تک اسے ایک مضبوط شکاری بنائے رکھا) اور ابتدائے جوانی کی بیباکانہ جسارت نے اب ایک سنجیدہ اشتغال کی صورت اختیار کی اور اس نے اپنی سلطنت کی تفکرات کے ساتھ ہی اپنے روزانہ کے فرائض مذہبی کے انجام دینے، نو واردوں سے گفتگو کرنے، کتابیں دیکھنے، ترجمہ کرنے، نظموں کے زبانی یاد کرنے، عمارتوں کے نقشے سوچنے، اور زرگروں کو ہدایت کرنے کے لئے، وقت نکال لیا۔ یہاں تک کہ باز پالنے والوں اور کتوں کی حفاظت کرنیوالوں تک کو وہ ان کے کام سکھایا کرتا تھا۔ اس پر بھی اس کی طبیعت اپنے جزیرے کے اندر بند رہنے کی روادار نہیں تھی، دور و دراز ملکوں کے قصے وہ بڑی توجہ سے سنتا تھا۔ بحر ابیض کی تحقیقات کے لئے راس شمالی کے گرد اوتھیر (ساکن ناروے) کے سفریا استھونیا کے گرد ولفسٹین کی سیاحت کے بیانات اس کی خاص دلچسپی کا باعث تھے۔ اس نے اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ اپنے قاصدوں کی معرفت ہندوستان اور یروشلیم تک کے گرجوں کو تحائف بھیجے اور ایک خاص وفد ہر سال پٹرس پنس (فلس بطرس) روم کو لیجاتا تھا۔ وہ اگرچہ ایک بے چین طبیعت کا آدمی تھا، مگر اس کے کام قطعاً ایک صاحب عمل کے سے کام ہوتے تھے۔ وہ بہمہ وجوہ کام کرنیوالا، جزیات پر نظر رکھنے والا، جفاکش و با اصول شخص تھا۔ اس کی بغل میں ہمیشہ ایک چھوٹی سی کتاب رہا کرتی تھی جس میں وہ تمام ایسی باتیں لکھ لیتا تھا جو کسی نہ کسی اعتبار سے اس پر اثر ڈالتی تھیں، کبھی کوئی خاندانی شجرہ، کبھی کوئی دعا، کبھی کوئی قصہ (جیسے اسقف الڈہیم کا پل پر مقدس گیت گانیکا واقعہ) وہ اس میں درج کر لیا کرتا تھا اس بادشاہ کے دن کا ہر گھنٹہ کسی نہ کسی کام کے لئے مخصوص تھا۔ اور آمدنی کی

تقسیم اور دربار کی ترتیب میں بھی یہی طریقہ ملحوظ تھا۔ ہر چند کہ وہ ایک مستعد کار اور مشغول الوقت شخص تھا مگر اس کا مزاج ہمیشہ سادگی پسند اور ترحم آمیز رہا۔ اس کی زندگی کے چند ہی قصے ایسے ہیں جو افسانۂ محض سے زیادہ وقعت رکھتے ہوں مگر افسانے بھی ان اخلاقی حدود سے متجاوز ہونیکی جرات نہ کرسکے جسے لوگ اچھی طرح جانتے تھے۔ جس زمانے میں ڈین ملک کو تباہ کر رہے تھے اور الفرڈ موقعے کے انتظار میں مہینوں اتھلنی میں پڑا رہا، اس زمانے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ ایک کسان کے جھونپڑے میں گیا۔ مالکۂ مکان نے اسے پہچانا نہیں اور حکم دیا کہ توے پر روٹی کو پھیرتا رہے۔ نوجوان بادشاہ نے حکم کی تعمیل کی مگر اپنے غمگین خیالات کے ہجوم میں اس سے کچھ فروگذاشت ہوگئی۔ نیک بخت عورت نے واپس ہوکر جب اپنی روٹیوں کی یہ گت دیکھی تو الفرڈ پر لعنت و ملامت شروع کردی مگر وہ گشادہ پیشانی کے ساتھ چپ چاپ سنتا رہا۔ اس قصے کی اصلیت اگر ایک افسانے سے زیادہ نہ ہو تو بھی یہ واقعہ کسی ایسے شخص کی نسبت نہیں بیان کیا جا سکتا جس کی طبیعت میں ذوقِ مزاح نہ ہو۔ روایات سے اس کی مسرت آمیز نیک طبعی، اپنے واردات زندگی کی پر گوئی، اور سب سے زیادہ اس کے گانے کی رغبت کے بہت کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اپنے مشغول ترین وقتوں میں بھی الفرڈ اپنے قومی گیتوں کے زبانی یاد کرنیکے لئے وقت نکال لیتا تھا۔ بلکہ محل کے مدرسے میں بھی ان کے سکھانیکا حکم دے رکھا تھا۔ جب وہ بُت پرستوں کے دیوبانی کے قصوں کا ترجمہ کر رہا تھا تو شوق کے ساتھ جا بجا رُکتا جاتا اور انہیں پھیلاتا جاتا تھا۔ افسردگی کے اوقات میں مزامیر کی راگ سے اسے خاص راحت حاصل ہوتی تھی۔

الفرڈ اور ادب

انگلستان میں الفرڈ کے نام کو جنگ آوری و قانون سازی سے وہ پائیدار بقا نہیں حاصل ہونیوالی تھی جو علم ادب کی تحریک و تشویق سے حاصل ہوئی درحقیقت اس کام میں بھی اس کا مقصد علمی ہونیکے بجائے زیادہ تر عملی تھا۔ اسے جو کچھ مد نظر تھا وہ اپنی قوم کی تعلیم تھی۔ علم و تمدن برطانیۂ عظمیٰ سے تقریباً مفقود ہو چکے تھے۔ خود وسکس میں بھی تعلیم کا پتہ نہیں تھا۔ الفرڈ کہتا ہے کہ "جب میں نے حکومت شروع کی تو ٹیمز سے جنوب میں ایک شخص بھی نہیں تھا جو اپنی کتاب عبادت کو انگریزی میں بیان کر سکے"۔ ڈین نے جو تباہی برپا کی تھی وہ محض مادی ہی تباہی نہیں تھی بلکہ نارتھمبریا میں ڈین کی تلوار نے اگبرٹ یا بیڈا کے مدرسے کے عالموں میں سے شاید ہی کسی کو باقی چھوڑا ہو۔ اس عام جہالت کے تدارک کے لئے الفرڈ نے یہ چاہا کہ کم از کم ہر ذی استطاعت آزاد لڑکا جب تک انگریزی تحریر کو اچھی طرح سمجھنے پر قادر نہ ہو جائے پڑھنا ترک نہ کرے۔ اس نے اپنے دربار کے نوجوان امرا کے لئے ایک مدرسہ قایم کیا اور اس کی نگرانی خود اپنے ذمہ لی۔ ملک کے اندر ان تعلیمی کوششوں میں مدد دینے والے صرف وہ چند مقتدیان دین اور قسیس تھے جو مرسیا کے غیر تباہ شدہ حصے میں باقی رہ گئے تھے۔ ان کے علاوہ ویلز کا ایک اسقف ایسر تھا اور بس۔ بادشاہ بہت تلخکامی کے ساتھ لکھتا ہے کہ "زمانۂ ماسبق میں لوگ تحصیل علم کے لئے دوسرے ملکوں سے یہاں آتے تھے۔ اور اب کہ ہم خود علم کے جویاں ہیں ہم مجبور ہو کر اسے دوسرے ملکوں سے حاصل کرتے ہیں" اس نے ویسٹ فرینک (مغربی فرینک) اور ایسٹ فرینک (مشرقی فرینک) میں علم کی جستجو کی اور اپنی بنا کردہ خانقاہ واقع ونچسٹر کی صدارت کے لئے ایک عالم گرمبالڈ

نامی کو سینٹ اومر سے بلایا ڈین سے خلاصی پانیکے شکریہ میں اس نے فلاب
آتھلنی میں ایک خانقاہ قائم کی تھی۔ اس کی سربراہی کے لئے جان اولڈسیکسن
(معمرسیکسن) کو غالبًا وسٹفیلیا کی خانقاہ گاربی سے طلب کیا تھا۔

الفرڈ کے ترجمے

لیکن انگریزی تعلیم پر جس نے سب سے زیادہ اثر ڈالا وہ ان عالموں کا
نہیں بلکہ وہ خود بادشاہ کا کام تھا۔ الفرڈ نے عزم کر لیا تھا کہ اپنی رعایا
کے لئے خود انہیں کی زبان میں وہ تمام علوم مہیا کردے جو اب تک صرف
فرقۂ مذہبی کی ملکیت تھے، کتابوں کو جس حال میں اس نے پایا لے لیا۔ کچھ
اس زمانے کی عام درسی کتابیں تھیں۔ ایک کتاب عالمگیر تاریخ پر آروسیس
کی تالیف کردہ تھی۔ بیڈا کی قومی تاریخ، بیتھیس کا کانسولیشن (تسلی نامہ)
پوپ گریگری کے پیسٹورل (مواعظ) یہی چند کتابیں تھیں۔ اس نے انہیں
کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کر دیا مگر وہ محض مترجم ہی نہیں تھا بلکہ وہ
اپنی قوم کے لئے کتابوں کو مرتب بھی کرتا تھا یعنے حسب ضرورت کہیں کچھ حذف
کر دیتا کہیں کچھ بڑھا دیتا تھا۔ شمال کی جدید جغرافئی تحقیقاتوں کے اضافے
سے اس نے آروسیس کو زینت دیدی، بیڈا سے جو انتخابات کئے ان پر
ویسٹ سیکسن کا رنگ چڑھا دیا۔ ایک موقعے پر کتاب کے درمیان میں وہ
اپنے اصولِ حکومت کی تشریح کرتا، زیادہ آبادی کے لئے اپنی خواہش ظاہر کرتا
اور قومی بہبود کی نسبت یہ رائے دیتا ہے کہ اس کا انحصار مذہبی فرقہ،
فوج اور عام رعایا کے توازن پر ہے۔ نیرو کا ذکر آجانے سے وہ یک بیک
طاقت۔ و قوت کے غلط استعمال پر ایک پُرزور بحث شروع کر دیتا ہے۔
مسئلۂ تقدیر کے متعلق بتھیس کی تحریر سے وہ رحمتِ خداوندی کے پُرجوش
اعتراف کا موقع نکالتا ہے۔ وہ جب لکھنے میں مشغول ہوتا ہے تو اس کی

فراخ دلی قبائے شاہی کو اتار پھینکتی ہے۔ وہ اس طرح باتیں کرتا ہے۔
جس طرح ایک معمولی شخص دُوسرے شخص سے باتیں کرتا ہو۔ وہ نہایت
دلپسند سادگی کے ساتھ یہ التجا کرتا ہے کہ "اگر کوئی شخص لاطینی مجھ سے
بہتر جانتا ہو تو مجھے اس کا الزام نہ دو، کیونکہ جو شخص بھی کچھ کہیگا یا
کریگا وہ اپنی ہی قابلیت کے مطابق کہے یا کریگا"۔ الفرڈ کا مقصد کیسا ہی
سادہ کیوں نہ ہو لیکن اس کام سے انگریزی علم ادب کی بنیاد پڑ گئی۔ کیڈمن
اور اس کے ہمنوا مغنیوں کی بلند پایہ نظم و دیگر قصائد و رجز کا ایک سلسلہ
پہلے بھی انگلستان میں موجود تھا مگر نثر میں اس وقت تک ایک کتاب
بھی نہیں تھی۔ کتابوں کا وہ متناہی ذخیرہ جس سے اب انگلستان کے کتبخانے
گرانبار ہو رہے ہیں اس کی ابتدا الفرڈ ہی کے تراجم اور اسی کے عہد کے
وقائع سے ہوئی ہے۔ بہ اغلب وجوہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کا
بیڈا کی تاریخ کا ترجمہ کرنا اُس تاریخ کا محرک ہوا جو انگریزی یا اینگلیوسیکسن
وقائع کے نام سے مشہور ہے، اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ وقائع کی
موجودہ صُورت اسی کے عہد کا کارنامہ ہے۔ شاہان وسکس اور اسقفانِ
ونچسٹر کی مختصر فہرستیں قدیم زمانے سے محفوظ تھیں، انہیں میں بیڈا کے
اقتباسات کا اضافہ کرکے ایک معمولی تاریخ تیار کی گئی مگر الفرڈ کے عہد
پر پہنچکر وقائع میں یک بیک پُر زور مسلسل بیان کی شان پیدا ہو جاتی
ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی زبان میں ایک نئی قُوت آگئی ہے۔
اگرچہ تاریخی اعتبار سے مختلف عہدوں کے حالات جو اس میں مندرج
ہیں یکساں قدر و وقعت نہیں رکھتے مگر تمام قوم ٹیوٹن کے اندر خود ان کی
زبان میں یہی وقائع پہلی تاریخی کتاب ہے اور ٹیوٹن زبان کے نثر

کی قدیم ترین اور محترم ترین یادگار ہے۔ جس بادشاہ کے دربار میں، جس کی تحریک سے اور غالباً خود جس کے الفاظ میں انگریزی تاریخ کی ابتدا ہوئی ہو اگر انگریزی مورخ اس بادشاہ کے بیان کو غیر معمولی وسعت دے تو اسے قابل درگذر سمجھنا چاہئے ؛

جُزوِ ششم

مملکت ویسٹ سیکسن

اسناد۔ خاص سند انگلش کرانکل (وقائع انگریزی English Chronicle ہے مگر اس دور کے بیانات میں اس کے انداز تحریر میں تغیرات بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ اڈورڈ کے حالات بہت وسیع ہیں اور مرسیا کا ایک وقائع بھی اس میں شامل کر دیا گیا ہے مگر بعد کے اندراجات مختصر ہوتے جاتے ہیں۔ بڑی بڑی نظموں کے شامل کر دینے سے اتھلرڈ کے عہد تک سلسلہ بھی جا بجا سے ٹوٹ گیا ہے مگر بعد میں پھر حسب معمول پر گوئی پیدا ہو گئی ہے فلورنس آف وورسٹر (Florence of Worcester) غالباً اسی وقائع کے کسی گم شدہ نسخے کا ترجمہ ہے۔ لاز (قوانین "The " Laws) ہمارے لئے اس زمانے کی آئینی معلومات کی بنیاد ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں (۱) اتھلبرٹ اور اینی کے سابقہ قوانین کی طرح اڈورڈ، اتھلسٹن، اڈمنڈ اور اڈگار کے قوانین بھی زیادہ تر رسوم و رواج کے ترمیمات کے قسم سے ہیں۔ (۲) الفرڈ، اتھلرڈ، کنوٹ اور نیز اڈورڈ تائب کے قوانین میں مجموعۂ ضوابط کی صورت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ سب قوانین مسٹر تھارپ کے ایشنٹ لاز اینڈ انسٹیٹیوشن آف دی اینگلو سیکسن (اینگلو سیکسن کے قدیم قوانین و تنظیمات Ancient Laws and Institutions of the Anglo-Saxons) میں طبع ہوئے ہیں، مگر ڈاکٹر اسٹبز نے سلکٹ چارٹرز (فرامین منتخبہ صفحات ۵۹ - ۷۴) میں جو اقتباسات دئے ہیں اُن میں وہ تمام

ضروری باتیں شامل کرلی ہیں جن کا اثر براہ راست انگریزی نظام حکومت پر پڑتا ہے۔ مسٹر کیمبل کی کاڈکس ڈپلومیٹیکس ایوی سیکسنیسی (Codex Diplomaticus Aevi Saxonici) میں اس زمانے کے متعلقہ فرامین وغیرہ کا ایک بڑا انبار موجود ہے۔ ڈنسٹن کی سوانح عمریاں ڈاکٹر اسٹبز نے رولز کے سلسلہ کی ایک جلد میں جمع کی ہیں۔ اس زمانے کے لئے مسٹر گرین کی کانکویسٹ آف انگلینڈ (فتح انگلستان Conquest of England) بھی دیکھنا چاہئے

مرسیا اور ڈین

۸۹۳ء میں بسرکردگی ہیسٹنگ ڈین کے انگلستان پر دو بارہ حملہ کردینے سے الفرڈ کے پر امن کاموں میں ایک مرتبہ پھر خلل پڑ گیا۔ لیکن الفرڈ نے وسکس کے لئے نہایت مضبوط سامان حفاظت مہیا کر دیا تھا۔ ڈین نے ایک برس تک ان اسباب مدافعت پر غالب آنے کی کوششیں کیں مگر سب بیکار گئیں اور ان کی فوجیں اپنے انڈرڈ سویلڈ کے قلعوں کو چھوڑ کسی اور مقام سے ٹیمز کے پار اتریں۔ ٹیمز کے پار ہوتے ہی تمام ڈین لا (ملک ڈین) ان کی امداد کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور اس سے ان کی اس نقل و حرکت کا راز ظاہر ہو گیا۔ یہ فوج جب ویلز میں نئی شورشیں برپا کرنے کے لئے ٹیمز کے برابر برابر چلی تو بادشاہ کے بیٹے اڈورڈ اور مرسیا کے والی اتھلرڈ نے اہل لندن کو ہمراہ لیکر اس کا تعاقب کیا اور دریائے سیورن پر اسے جا لیا۔ سخت کشت و خون کے بعد اس فوج کو شکست ہوئی اور مجبور ہو کر اسے اپنے سابق قیامگاہ واقع سکس کو بھاگنا پڑا۔ اکسٹر کو قزاقی بیڑے اور ڈین کے مغربی ویلز کے اتحادیوں کے حملے سے بچانیکے لئے الفرڈ بذات خود وہاں جا رہا۔ ہیسٹنگ جب پلٹ کر دو بارہ مغرب پر حملہ آور ہوا اور چسٹر پر قابض ہو گیا تو اتھلرڈ نے اسے اس مستحکم مقام سے نکال دیا اور مجبوراً پھر اسے اپنے لشکرگاہ واقع لی کو واپس جانا پڑا۔ اب الفرڈ بھی اپنے نائب کی مدد کے لئے آموجود ہوا۔ دریا کے راستے کو بند کرنے کے لئے اس نے پہلے ہی سے دو قلعے تعمیر کرلئے تھے۔ ڈین کے جہازات ان قلعوں میں گھر کر گرفتار ہو گئے اور اس سے

فی الواقع جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ ڈین، ویلز کی طرف پسپا ہوئے اور وہاں سے وہ اپنے قدیم مقامات واقع فرینک لینڈ کو چلے گئے اور نئے انگریزی بیڑے نے آبنائے کو ڈاکوؤں سے پاک کر دیا ٭

الفرڈ کا انتقال ۹۰۱

معلوم ہوتا ہے کہ اپنے ملک کی مزید حفاظت کے خیال سے الفرڈ کی زندگی کے آخری ایام ان سلطنتوں سے اتحاد پیدا کرنے میں صرف ہوئے جنہیں غرض مشترک نے قزاقوں کے خلاف اتفاق پر آمادہ کر دیا تھا؛ مگر ہیسٹنگ پر فتحیاب ہونے کے چار ہی برس بعد الفرڈ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اڈورڈ سلطنت کا وارث ہوا۔ اڈورڈ اگرچہ ایک جفاکش اور مستعد کار حکمراں تھا مگر وہ بدستور اپنے باپ کی پُر سکون روش پر قائم رہا۔ جب ۹۱۱ء میں اس کی شمالی سرحد پر ڈین بغاوت پر اُٹھ کھڑے ہوے اور جنوبی ساحل پر قزاقوں کے جہازات نے حملہ کر دیا اس وقت بہ مجبوری اس نے دوبارہ جنگ کا تہیہ کیا۔ ۹۱۲ء میں اتھلرڈ کا انتقال ہو چکا تھا اور مرسیا اب اڈورڈ کی بہن اتھلفلیڈ کے تحت میں تھی۔ الفرڈ نے اسے بھی اپنا معاون بنا کر منضبط طریق پر ڈین لا (ملک ڈین) کو فتح کرنیکا عزم کیا۔ ایک طرف اڈورڈ نے جنوبی اسکس پر قبضہ کر کے اور ہرٹفرڈ اور وتھیم پر قلعے بنا کر' ایسٹ انگلیا کو قابو میں کیا۔ دوسری طرف اتھلفلیڈ نے مرسیا کی شہرت کو زائل نہ ہونے دیا اور فائیو باراز (پنج محلات) کی فتح پر کمر ہمت چست باندھی۔ ڈین کے یہ پانچ صوبے قدیم سلطنت مرسیا کے نصف حصے کے بجائے قائم ہو گئے تھے۔ ڈربی بالائے ٹرنٹ پر اسی مرسیا کا قائم مقام تھا اور اسی طرح لنکن بجائے لنڈسوارا' لیسٹر بجائے مڈل انگلینڈ (وسط انگلستان) کے اسٹمفرڈ بجائے گرواس (فنس کے اہل خلاب) کے' اور ناٹنگھم غالبًا بجائے ساوتھمبریا کے قایم ہو گئے تھے۔ یہ صوبے

عملاً ایک دوسرے سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہر صوبہ کا ایک ایک والی تھا اور ان کی فوجیں بھی علیحدہ علیحدہ تھیں۔ ہر صوبے میں بارہ قانون داں اشخاص دینی قانون کے عملدرآمد کے لئے مقرر تھے اور ایک عدالت عالیہ تمام اتحاد کے لئے قائم تھی۔ اس پر زور جتھے پر حملہ کرنے کے لئے اتھلفلیڈ نے جنگ و یورش کی پرانی تدابیر کو ترک کر کے ان کے بجائے محاصرے اور قلعہ بندیوں کا نیا طریقہ اختیار کیا۔ دریائے ٹرنٹ کے برابر برابر بڑھ کر اس نے دریا کے سرچشموں پر ٹیمورتھ اور اسٹیفرڈ کو مستحکم کیا وہاں سے جنوب کی طرف مڑی اور واروک کے قلعے کے ذریعے سے وادی ایون کو محفوظ کر لیا۔ اس طرح پر بڑے بڑے دریاؤں کے سواحل کو محفوظ کر کے اور آرڈن کی دونوں جانب ویلز کے راستوں کو اپنے قبضے میں لا کر اس نے ۹۱۷ء میں ڈربی پر دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ اس کے جواب میں مڈل انگلینڈ کے ڈین نے یورشیں شروع کر دیں مگر یہ یورشیں والیۂ مرسیا کو اپنے شکار سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہوئیں۔ اس نے ڈربی کو کسی طرح نہ چھوڑا اور اس پر قبضہ کرتے ہی جنوب کی طرف پلٹ کر لیسٹر کو بھی اطاعت پر مجبور کر دیا۔

اتھلفلیڈ والیہ مرسیا ۹۱۳-۹۱۸

اتھلفلیڈ اپنی ان فتحمندیوں کے دوران ہی میں انتقال کر گئی اور اڈورڈ نے فوراً ہی مرسیا کو بھی وسکس میں شامل کر لیا۔ اڈورڈ نے جب جنوب کی طرف فائیو بوراز کو گھیرا تو خود اس کی کامیابی بھی اتھلفلیڈ کے کارناموں کی طرح نمایاں ہو چکی تھی۔ مڈل انگلش اور فنس کے جنوب میں ایک قطعہ زمین واقع تھا جسے دریائے اوز اور نن سیراب کرتے تھے۔ اصل میں یہ ساؤتھ انگلش نامی قبیلے کا علاقہ تھا مگر اب شمال کی فائیوبوراز

وسکس اور ڈین لا اڈورڈ اکبر ۹۰۱-۹۲۵

کی طرح اضلاع بڈفرڈ ہنٹنگڈن اور نارتھیمپٹن کے مصافات میں شامل تھا ان اضلاع کے فتح ہوتے ہی ایسٹ اینگلیا بھی مفتوح ہو گئی۔ فنس کے ڈین اسٹیفرڈ کی فتح کے ساتھ اور ساؤتھمبریا کے ڈین ناٹنگھم کے ساتھ ہی مطیع ہو گئے یقین ہے کہ فائیو باراز کا آخری غیر مفتوح علاقہ لنکن بھی اسی زمانے میں مطیع ہو گیا تھا۔ اب اڈورڈ، مڈ برٹن (وسط برطانیہ) سے گذر کر نارتھمبریا پر حملہ آور ہونے کے لئے احتیاط کے ساتھ آگے بڑھا۔ اس نے مینچسٹر پر قبضہ کر لیا اور اپنی فتح کی تکمیل کے لئے تیاریاں کر رہا تھا کہ یک بیک تمام شمال نے از خود اس کے قدموں پر سر رکھ دیا، نہ صرف نارتھمبریا بلکہ اسٹرتھکلائڈ کے برطانویوں اور اسکاٹ نے بھی اسے اپنا آقا و مالک تسلیم کر لیا۔ اِس ۹۲۴ اطاعت کا سبب بھی غالباً وہی تھا جس وجہ سے شمالی ویلز نے الفرڈ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ یعنی مناقشات باہمی کا دباؤ اور اسی لئے ان لوگوں کی اطاعت بھی ویلزیوں کی اطاعت کی طرح بالکل بیکار تھی۔ اڈورڈ کے انتقال کو ایک برس بھی نہیں ہوا تھا کہ شمال میں شعلۂ بغاوت بلند ہو گیا، الفرڈ کا پوتا اتھلسٹن (زرین مو) اڈورڈ کا جانشیں ہوا۔ اس کے بچپن میں الفرڈ نے اتھلسٹن خود اپنے ہاتھ سے ایک زرین پرتلے کی تلوار اور ایک جواہر نگار پٹی اس کی ۹۲۵-۹۴۰ کمر سے باندھی تھی۔ اس نے نارتھمبریا کو اپنے ممالک میں شامل کر لیا اور بعد ازاں مغرب کی طرف متوجہ ہو کر شمالی ویلزیوں اور اسکاٹ کے اتحاد کو توڑ دیا اور انہیں سالانہ خراج دینے، شاہی فوج کے ہمراہ رہنے، اور بادشاہی مجلسوں میں حاضر ہونے کا پابند بنایا۔ کارنوال کے مغربی ویلزیوں پر بھی اسی قسم کی اطاعت عاید کی گئی اور اکسٹر سے وہ تمام برطانوی نکال دئے گئے جو اب تک وہاں انگریزوں کے ساتھ سکونت پذیر تھے۔

کانسٹینٹائن شاہ اسکاٹ نے آئرلینڈ کے اُسٹمین سے اتحاد کر لیا تھا۔ اس کی سزا میں ایک فوج نے اس کے ملک کو تباہ کر دیا اور ایک بیڑے نے اس کے سواحل کو لوٹ لیا؛ مگر یہ بغاوت ایک خطرناک اتحاد کا صرف پیش خیمہ تھی۔ چنانچہ ہمبر میں اُلف کے بیڑے کے نمودار ہوتے ہی اسکاٹلینڈ، کمبرلینڈ، مشرق و مغرب کے برطانوی اور ڈینی سردار سب کے سب متحد ہو کر ایک ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے؛ مگر برونینبر میں بادشاہ کو ایسی کامیابی حاصل ہوئی کہ بہترین رزمیہ نظموں میں اس کا ذکر ہوتا رہا۔ اس فتح سے ڈین کی امیدوں کا تو خاتمہ ہو گیا مگر ملک کو مسخر کرنیکا کام ابھی باقی رہ گیا تھا۔ اتھلسٹن کے انتقال پر اس کا نو عمر بھائی اڈمنڈ تخت نشین ہوا اور ڈین لا (ملک ڈین) پھر بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ فائیو باراز کے لوگ اپنے نارتھمبریا کے رشتہ داروں سے مل گئے۔ اسقفان اعظم اُوڈو اور ولفسٹن کی وساطت سے باہم صلح ہو گئی مگر عملاً پھر وہی الفرڈ کے زمانے کا توازن قائم ہو گیا اور واٹلنگ اسٹریٹ ہی وسکس اور ڈین کے درمیان حد فاصل قرار دی گئی۔ لیکن اڈمنڈ میں اس کے خاندان کی سیاسی و فوجی قابلیت موجود تھی۔ اس نے ڈین لا کو از سر نو مطیع کر لیا اور ڈین کو حد اعتدال میں رکھنے کے لئے اسکاٹ سے معاہدہ کر لینے کا موقع نکالا، شاہ اسکاٹ کو کمبرلینڈ جاگیر میں دیکر اسے اپنا معاون بنا لیا۔ مگر موت نے دفعتاً اس کی اولالعزمیوں کا خاتمہ کر دیا۔ وہ پکل چرچ میں کھانا کھا رہا تھا کہ لیوفا نامی راہزن (جسے اس نے جلاوطن کر دیا تھا) آکر شاہی میز پر بیٹھ گیا۔ ایک خدمتگار نے اس سے اُٹھ جانے کے لئے کہا مگر وہ خود اسی پر تلوار کھینچ کر جھپٹ پڑا۔ اپنے خادم کی مدد کے لئے اڈمنڈ نے اُچک کر اُس راہزن کے بال پکڑ لئے اور اسے زمین پر گرا دیا مگر قبل اس کے

برونینبر ۹۳۷

اڈمنڈ ۹۴۶-۹۴۰

کہ کوئی اور مدد کر سکے راہزن کا خنجر بادشاہ کا کام تمام کر چکا تھا ؛

ڈنسٹن

سلطنت ویسٹ سیکس کی تکمیل فی الحقیقت کسی بادشاہ یا جنگ آور کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ ایک قسّیس کے ہاتھوں سے ہونیوالی تھی۔ اڈمنڈ کے انتقال کے بعد ہی سے انگلستان کے معاملات میں ایک نئی صورت پیش پیش نظر آتی ہے جس کا نام ڈنسٹن ہے۔ یہ مذہبی مدبرین کے اُس سلسلہ کا پہلا شخص ہے جس میں لینفرینک اور وولزی داخل ہیں اور جس کا خاتمہ لاڈ پر ہوتا ہے۔ نو صدیوں کے انقلاب و تغیر کے بعد بھی وہ اپنی نمایاں شخصیت و ذاتی صفات کے اعتبار سے اوروں سے زیادہ قابل الذکر ہے وہ گلیسٹن بری کے چھوٹے سے دیہات میں اینی کے گرجے کے قریب پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ ہیورسٹن ایک دولتمند شخص اور اپنے وقت کے تین اسقفوں اور بہت سے درباری امرا کا قرابتدار تھا۔ یہ کم سن حسین لڑکا غالبًا اپنے باپ کے ایوان ہی میں قدیم زمانۂ بت پرستی کے لایعنی گیتوں، اور فضول قصوں اور ترانوں سے ذوق آشنا ہوا ہوگا۔ جس کی وجہ سے بعد میں اس پر جادو گری تک کا الزام لگایا گیا، یہیں اسے موسیقی سے وجدانی محبت پیدا ہوئی ہوگی اور یہیں اسے یہ عادت پڑی ہوگی کہ وہ سفر میں ہو یا کسی کی ملاقات کو جائے ہر حال میں اپنا ستار اپنی بغل میں دبائے رکھے، آئرلینڈ کے جہاں گرد طلبا جس طرح رائن و ڈینوب کے کناروں پر اپنی کتابیں چھوڑ جایا کرتے تھے اسی طرح خانقاہ گلیسٹن بری میں بھی کتابیں چھوڑ جاتے تھے۔ ڈنسٹن ان کتابوں کے دینی و دنیوی علوم کے مطالعہ میں اس درجہ مستغرق ہو گیا کہ اس کے دماغ میں سودا سا پیدا ہو گیا۔ قرب و جوار میں اس کی ہمہ دانی کی شہرت ہو گئی اور اس کا آوازہ اتھلسٹن کے دربار تک پہنچا۔ مگر جب ڈنسٹن خود دربار میں

گیا تو اہل دربار حسد و رشک کی وجہ سے اُسے دیکھ نہ سکے حالانکہ ان میں بہت سے اس کے قرابتمند بھی تھے۔ مجبور ہو کر اسے وہاں سے واپس چلا جانا پڑا۔ اڈمنڈ نے جب خود اسے دو بارہ طلب کیا تب بھی حریفوں نے اسے شاہی جلوس سے نکال دیا اور دلدل میں اسے گھوڑے سے گرا دیا۔ اور جیسا کہ اس زمانہ کا دستور تھا وحشیانہ جوشِ غضب میں اسے کیچڑ کے اندر پیروں سے روندا۔ اس صدمے سے اسے بخار آگیا اور ایسی مایوسی و شرم دامنگیر ہوئی کہ بسترِ علالت سے وہ راہب بن کر اُٹھا مگر انگلستان میں اس زمانے کی رہبانیت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ تجرد کا عہد کر لیا جائے۔ ڈنسٹن نے ریاضت کی زاہدانہ روش نہیں اختیار کی۔ اس کی طبیعت بشاشت بیچینی، حُسن شناسی، اور محبت کے قوی جذبات سے لبریز تھی اور دوسروں میں بھی ایسا ہی قوی جذبۂ مُحبت پیدا کر دینے کی قابلیت رکھتی تھی۔ وہ تیز فہم، قوی حافظہ والا، مستعدِ کار، فصیح البیان، خوش طبع، خوش اطوار، صناع اور ماہر موسیقی تھا۔ مگر باوجود اس کے وہ کام سے کبھی تھکتا نہیں تھا اور ہمیشہ کتب بینی، تعمیر، دستکاری وغیرہ میں مشغول رہتا تھا۔ عورتیں ہمیشہ اس کی دِل دادہ رہتی تھیں۔ راہب ہو کر وہ ایک عالی مرتبتِ خاتون کا مرشد بن گیا جس نے اپنی زندگی کو محض نیک کاموں اور زائرین کی خاطر و مدارات کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ وہ ہمیشہ اس خاتون کے ساتھ رہا اور اس سے غایت درجے کی مُحبت رکھتا تھا۔ جب اس کے معتقدہ کی دولت بے روک ٹوک اس کے اختیار میں آگئی تو اس کے کاموں کا دائرہ وسیع ہو گیا، شاگردوں کا ایک غول کا غول اس کے ساتھ نظر آنے لگا یہ سب کے سب حُصولِ علمِ ادب، تحریر، ستار نوازی، مُصوّری اور نقشہ کشی

۹۴۰

میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن صبح کو کسی عورت نے اسے ایک چغے کی قطع تجویز کرنے کے لئے بلایا جس پر وہ کارچوبی کام کر رہی تھی۔ ڈنسٹن نے اپنا ستار دیوار پر لٹکا دیا اور خود کام دیکھنے کے لئے میز پر جھکا۔ ستار سے بلا کسی شخص کے ہاتھ لگائے ہوئے از خود آواز نکلنے لگی، لوگوں نے حیرت و مسرت کے ساتھ اس آواز کو سنا اور اسے اپنی ہمنوائی سمجھے۔ اس کی یہ عالمانہ زندگی اسی عالی مرتبت خاتون کی وجہ سے تھی۔ اس کے انتقال سے یہ سلسلہ ٹوٹ گیا اور اڈمنڈ کے اختتام عہد کے قریب وہ دوبارہ دربار میں بلایا گیا مگر پرانی رقابتیں پھر تازہ ہو گئیں، اور وہ مایوس ہو کر واپس جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ بادشاہ اس دن شکار میں مشغول رہا تھا۔ اس نے ایک سرخ ہرن کا تعاقب کیا تھا۔ ہرن چڈر کی چٹان پر سے کود گیا اور گھوڑا غار میں گرتے گرتے بچا۔ اور اڈمنڈ کی آنکھوں کے سامنے موت کا نقشہ کھنچ گیا۔ اُس وقت ڈنسٹن کے ساتھ جو ناانصافی کی تھی اُسے یاد آئی اور وہ بہت نادم ہوا۔ شکار سے واپس آکر اس نے فوراً اُسے بُلا بھیجا اور کہا کہ 'گھوڑے پر زین کسو اور میرے ساتھ چلو' شاہی جلوس دلدلوں سے گذر کر ڈنسٹن کی خانقاہ میں پہنچا۔ بادشاہ نے ڈنسٹن کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور بہ نفسِ نفیس اسے گلیسٹن بری کے رئیس خانقاہ (ایبٹ) کی کرسی پر بٹھایا +

ڈنسٹن کا نظم و نسق

غالباً اسی وقت سے معاملاتِ عامہ میں ڈنسٹن کا اثر پڑنا شروع ہوا ہوگا، مگر اڈمنڈ کے بھائی اڈورڈ کی تخت نشینی کے قبل تک اس کا اثر اوروں پر غالب نہیں آیا تھا اور نہ وہ اس وقت تک بادشاہ کا مُشیرِ خاص مُقرر ہوا تھا۔ لیکن اڈورڈ کی تاج پوشی کے پُر وقعت اعلان میں کچھ نہ کچھ

اڈرڈ
۹۵۵-۹۴۶

جس کے اثر کا پتہ چلتا ہے۔ اڈرڈ کا انتخاب وہ پہلا قومی انتخاب تھا۔ جس میں برطانوی، ڈین، اور انگریز سب کی یکساں نیابت پائی جاتی ہے۔ یہ پہلی قومی تاجپوشی تھی اور یہی پہلا موقع تھا کہ شمال و جنوب کے ہر دو مقتدایانِ دین نے بہ اتفاق یکدگر ایک ایسے شخص کے سر پر تاج رکھا جس کی حکومت فورتھ سے آبنائے تک پہنچنے والی تھی، دو برس بعد شمال میں سرکشی ہوئی مگر یہ بغاوت فرو کردی گئی اور ایک نئی شورش کے برپا ہونے پر یارک کا اسقف اعظم ولفسٹن قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ ۹۵۴ء میں ڈین لا کے مطیع ہو جانے سے الفرڈ کے خاندان کا مدت ہائے دراز کا کام انجام کو پہنچ گیا۔ ڈین نے اگرچہ جنگ میں بڑی استقامت دکھائی مگر آخرالامر انہیں اپنی ہار ماننا پڑی۔ اڈرڈ کی آخری ظفریابی کے بعد تمام مخالفوں کا خاتمہ ہوگیا۔ شمال بھی قطعی طور پر انگریزی حکومت کے نظم و نسق میں شامل کر لیا گیا۔ اور آسولف کے تحت میں نارتھمبریا کا درجہ ماتحت شاہی سے گھٹ کر امارت کا رہ گیا۔ شاہی طاقت کی یہ نئی سطوت ان پُر عظمت القاب سے ظاہر ہوتی ہے جو اڈرڈ نے اختیار کئے تھے وہ صرف اینگلوسیکسن کا بادشاہ نہیں بلکہ تمام برطانیہ کا قیصر ہوگیا ٭

ڈنسٹن
مقتدائے اعظم

مگر اڈرڈ کے مرتے ہی سیاسی مناقشات برپا ہو گئے۔ نو عُمر بادشاہ ڈوگ ایک عالی نسب خاتون اتھلجیفو کے زیر اثر تھا۔ اس خاتون اور اڈرڈ کے پُرانے مشیروں کے درمیان اختلافات تو پہلے ہی سے تھے لیکن تاجپوشی کی دعوت کے موقعے پر نوبت مخالفت تک پُہنچ گئی۔ نوجوان بادشاہ ایک پُرغرور انداز سے اُٹھ کر اِس عورت کے کمرے میں چلا گیا۔ مگر وائٹن (اراکین مجلسِ عقلاء) کے حکم سے ڈنسٹن نے درشتی برتی اور اسے ہال میں واپس

اڈوگ
۹۵۶ - ۹۵۹

کھینچ لایا۔ لیکن سال پورا نہیں ہونے پایا تھا کہ نو عمر بادشاہ کے غصے نے اس رئیس خانقاہ کو سمندر پار بھاگنے پر مجبور کر دیا' اور اس کے ساتھ ہی اس کا تمام نظام عمل بھی دریا برد ہو گیا۔ ۹۵۷ء میں بادشاہ نے اتھلجیفو کی لڑکی سے عقد کر لیا اور اتھلجیفو کا عروج اب اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا۔ لیکن یہ شادی مذہبی رسوم کے موافق نہیں ہوئی تھی اور ۹۵۸ء میں اسقف اعظم اوڈو نے مذہبی حکم کے ذریعے سے بادشاہ کو اس کی بیوی سے علٰحدہ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی مرسیا اور نارتھمبریا نے اڈوگ سے سرتابی کرکے اس کے بھائی اڈگار کو اپنا بادشاہ مشتہر کر دیا اور ڈنسٹن کو واپس بلا لیا۔ وہ اولاً ووسٹر کا اور بعد ازآں لندن کا اسقف مقرر کیا گیا۔ اڈوِگ کی موت سے سلطنت کا اتحاد از سر نو قائم ہو گیا۔ شمال پہلے ہی اڈگار کو اپنا بادشاہ تسلیم کر چکا تھا' اب وسکس نے بھی اسے قبول کر لیا۔ ڈنسٹن' کینٹربری کا اسقف اعظم اور اڈگار کا وزیر مقرر ہو گیا اور اس طرح سولہ برس تک

اڈگار
۹۵۹ - ۹۷۵

ملک کے دینی و دنیاوی اختیارات پر قابض رہا۔ اس دور میں انگلستان جیسا قوی اور جیسا پُر امن رہا اس کے قبل کبھی ایسا نہیں رہا تھا۔ ملک سے باہر ایک بیڑا ساحل کے قریب چکر لگاتا رہتا تھا اور اس نے سمندر کو ڈاکوؤں سے پاک و صاف کر دیا تھا۔ آیرلینڈ کے ڈین' دشمن کے عوض دوست ہو گئے تھے؛ قصّوں میں مذکور ہے کہ آٹھ ماتحت بادشاہوں نے دریائے ڈی پر اڈگار کی کشتی کھینی تھی۔ شمال کے معاملات کے اس طرح رو براہ ہو جانے سے ظاہر ہو گیا کہ ڈنسٹن کس وسیع اور مدبرانہ طریق پر ملک کے عام تنظیم کو چلانا چاہتا تھا۔ شروع ہی سے ظاہر ہو گیا تھا کہ اُس کے تدِ نظر ویسٹ سیکسن نہیں بلکہ پوری قوم ہے؛ بعد میں اس پر یہ الزام لگایا گیا

کہ اس نے ڈین کو زاید از ضرورت طاقت دیدی تھی اور غیر ملکیوں سے بہت
زیادہ محبت رکھتا تھا مگر یہی امر اس کے انتظام کے غیر مختص المقام ہونے کا
بہترین ثبوت ہے۔ اس نے ڈین کو شاہی خدمات میں داخل کیا اور کلیساو
سلطنت میں انہیں اعلیٰ عہدے عطا کئے۔ اس نے جو مجموعۂ ضوابط رائج کیا
تھا اس میں صاف طور پر شمال میں ڈین کے پرانے حقوق کو انہیں کے بہترین
قوانین کے موافق محفوظ رکھا تھا اس کے زبردست ہاتھوں نے انصاف اور
نظم و نسق سلطنت کو از سر نو قائم کر دیا۔ فروغ تجارت کی بابت اس کی
توجہ اور سعی کا اظہار ان قوانین و قواعد سے ہوتا ہے جو سکوں کے مسکوک
کرنے اور تمام ملک میں یکساں اوزان اور پیمانے کے جاری کئے جانیکے
لئے نافذ ہوئے تھے۔ تھینٹ کے غارتگروں نے جب یارک کے ایک
تجارتی جہاز کو لوٹ لیا تو اس کی پاداش میں اس نے تھینٹ کو بالکل
ویران کر دیا۔ اس کے دور میں تجارت کو بہت وسعت حاصل ہو گئی
تھی، تمام شہنشاہی کے رہنے والے، نشیبی لورین اور رائن لینڈ کے تجار اور
روئین کے باشندے سب لندن کی سڑکوں پر نظر آتے تھے۔ ڈنسٹن
ہی کے زمانے کی اس بیرونی تجارت کی وجہ سے لندن کو وہ تجارتی فروغ
حاصل ہوا جو اُس وقت سے بدستور چلا آرہا ہے۔ لیکن اس مذہبی وزیر
کے اغراض، ملک کی ظاہری خوش حالی و خوش نظمی کے بحال کر دینے
تک محدود نہیں تھے بلکہ اس کی نظر اس سے زیادہ وسیع تھی، ڈین کی
لڑائیوں کی وجہ سے الفرڈ کی امیدوں پر پانی پھر گیا تھا، اس کی تعلیمی
تحریک کا اس کے انتقال کے ساتھ ہی خاتمہ ہو گیا تھا۔ پادری پھر دنیا پرستی
و جہالت میں مبتلا ہو گئے تھے۔ الفرڈ نے جو ترجمے اور کتابیں اپنے بعد

چھوڑی تھیں اس میں ایک ترجمہ یا کتاب کا بھی اضافہ نہیں ہوا تھا؛ ڈنسٹن
نے الفرڈ کی سی وسعت خیالی کے ساتھ نہیں تو کم از کم ایک بڑے منتظم کے
انداز سے اس کام کو از سر نو شروع کیا۔ خانقاہی طریقوں کی جو اصلاح خانقاہ
کلنی میں شروع ہوئی تھی وہ انگلستان کے اہل کلیسا میں ایک طرح کا جوش
پیدا کر رہی تھی۔ اڈگار نے انگلستان میں اس کی عام اشاعت پر آمادگی ظاہر
کی اور اس کی اعانت سے ونچسٹر کے اسقف اتھلولڈ نے نئے طریقۂ بنڈکٹ کو
اپنے حدود اسقفی میں رایج کیا اور چند سال بعد ووسٹر کا اسقف آسولڈ اس
فرقے کے راہبوں کو اپنے خاص مستقر میں لے آیا۔ روایتاً بیان کیا جاتا ہے
کہ اڈگار نے چالیس خانقاہیں جاری کی تھیں اور اس میں تو شک نہیں کہ
زمانۂ مابعد کے انگریزی طریقہ خانقاہی کا سلسلہ اسی کے عہد پر جاکر منتہی ہوتا
ہے مگر اڈگار کی تمام کوششوں کے باوجود خانقاہیں صرف وسکس اور ایسٹ
اینگلیا میں مضبوط بنیاد پر قائم ہوسکیں۔ نارتھمبریا اور مرسیا کے بیشتر حصے
میں اس طریقے کو استحکام نہیں ہوا۔ ڈنسٹن نے اس کوشش میں بہت ہی
کم حصہ لیا لیکن اس مذہبی سرگرمی کے ساتھ ساتھ جو علمی بیداری پیدا
ہوگئی تھی اس میں اس کا اثر بہت قوی پایا جاتا ہے۔ جب وہ خود رئیس
خانقاہ تھا اس وقت بھی اس کی شہرت ایک معلم کی حیثیت سے تھی! اس
کے بہت بڑے معاون اتھلولڈ نے، ابنگڈن کو ایک ایسا مدرسہ بنا دیا جو
صرف گلیسٹن بری سے دُوسرے درجے پر تھا۔ اس کے دُوسرے مددگار آسولڈ
نے ووسٹر کے یادگار زمانہ مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ گال کا سب سے زیادہ
ممتاز عالم ایبو اس مقتدائے اعظم کی طلب پر فلیوری سے انگلستان
آیا*

انحطاطِ غلامی

ازمنہ مابعد میں لوگ اڈگار کے قانون کو بہت ہی مشتاقانہ نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہ قانون دراصل وہ نظام حکومت تھا جسے اڈگار کے وزیر ڈنسٹن نے تیار کیا تھا۔ فتح انگلستان کے بعد جو نظامِ حکومت قائم ہوا تھا وہ متعدد اسباب سے بہت کچھ بدل گیا تھا۔ کلیسا کی کوششوں کی وجہ سے غلامی بتدریج معدوم ہوتی جاتی تھی۔ تھیوڈور نے آدمیوں کے بھگا لیجانے والوں کے واسطے تدفین کے مذہبی رسومات بند کردئے تھے اور والدین کے لئے سات برس کی عمر کے بعد لڑکوں کا بیچنا ممنوع قرار دیدیا تھا۔ اگبرٹ (اسقف یارک) بچے یا کسی اور قرابتدار کے بیچنے والے کو اس جرم کی پاداش میں خارج الملت کر دیتا تھا۔ کسی آقا یا مالک کا اپنے غلام کو مار ڈالنا اگرچہ سلطنت کی نظر میں کوئی جرم نہیں تھا مگر کلیسا نے اسے گناہ ٹھہرا کر اس کے لئے کفارہ لازم قرار دیا تھا۔ اتوار اور تعطیل کے دنوں میں غلام کام سے مستثنی کر دئے گئے تھے۔ کہیں کہیں وہ زمین سے وابستہ ہو گئے تھے اور صرف زمین ہی کے ساتھ فروخت ہو سکتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ زمین کا کوئی قطعہ حاصل کر لیتے اور انہیں اجازت مل جاتی تھی کہ خود اپنی آزادی خرید کرلیں۔ اتھلسٹن نے جرم کی باہمی ذمہ داری کے اصول کو (جو طبقہ آزاد کا خاص بنیاد نظام تھا) غلاموں کے طبقے میں وسعت دیکر ملک میں ان کا ایک نیا درجہ قائم کر دیا۔ لیکن کلیسا کے لئے اس تدریجی ترقی پر قانع رہنا بہت دشوار تھا۔ ولفرڈ نے اپنی جاگیر سلسی کے ڈھائی سو غلاموں کو آزاد کرکے ایک نیا راستہ کھول دیا۔ غلاموں کے آزاد کرنے کی وصیتیں بہت کثرت سے ہونے لگیں کیونکہ پادریوں نے یہ ذہن نشیں کر دیا تھا کہ اس قسم کی نیکی مرنے والے کی روح کے لئے باعث رحمت ہے۔ سلسی کی

مذہبی مجلس میں لم‌رستعوں نے عہد کیا کہ ان کی جاگیروں میں جو لوگ افلاس یا جرم کی وجہ سے غلام بن گئے ہیں انہیں وہ اپنے مرتے وقت آزاد کر دینگے۔ غلام بالعموم ممنبر کے سامنے یا گرجا کے دروازے میں آزاد کئے جاتے تھے اور کتاب مقدس کے حاشیوں پر ان کی آزادی کی یادداشتیں ثبت کر دی جاتی تھیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مالک اپنے غلام کو چوراہے پر لیجا کر اسے اجازت دیتا تھا کہ جدھر چاہے چلا جائے۔ قانون کی زیادہ پابندی منظور ہوتی تو مالک یہ کرتا تھا کہ ضلع کی بھری مجلس میں غلام کا ہاتھ پکڑ کر کھلی سڑک اور دروازے کی طرف اشارہ کرتا اور آزاد شخص کی طرح اسے نیزہ و تلوار دیدیتا تھا، انگریزی بندرگاہوں سے غلاموں کی تجارت ممنوع ہو چکی تھی مگر یہ امتناع بہت دنوں تک بے اثر رہا۔ ڈنسٹن کے سو برس بعد تک انگلستان کے امرا کی دولت کی نسبت اکثر یہ کہا جاتا تھا کہ غلاموں کی تجارت سے یہ دولت پیدا ہوئی ہے، پہلے نارمن بادشاہ کے عہد میں جا کر یہ ہوا کہ ولفسٹن کے وعظ اور لیفرینک کے اثر سے اس تجارت کا خاتمہ ہوا اور اس کے آخری مرکز (بندرگاہ برسٹل) سے غلاموں کی روانگی بند ہوئی۔

مابعد کی انگریزی سلطنت

مگر غلامی کی کمی کے ساتھ عام رعایا کی حالت یوماً فیوماً زیادہ خراب ہوتی گئی۔ سیاسی و معاشرتی تغیرات مدت سے نظام معاشرت کو نئے قالب میں ڈھال رہے تھے، اور آزاد اشخاص کی پستی، اور امرا کا اپنے تابع مزارعین کے بل پر عروج حاصل کر لینے سے قدیم نظام معاشرت کی بنیاد تک متزلزل ہو گئی تھی۔ سیاسی تغیرات جو قدیم انگریزی آبادی کو فنا کر رہے تھے۔ وہ ایک بڑی حد تک انگلستان میں بادشاہت کے تغیرات کی وجہ سے پیدا

ہوئے تھے، چھوٹی چھوٹی انگریزی سلطنتیں جس قدر باہم متحد ہوتی گئیں اسی قدر بادشاہ و رعایا میں (بوجہ وسعتِ سلطنت) دوری پیدا ہوتی گئی۔ بادشاہ عظمت و جلال کے پُر اسرار حجاب میں مخفی ہو گیا اور ہر عہدِ حکومت میں بادشاہ کی معاشرتی منزلت بلند ہوتی گئی۔ ایک وقت تھا کہ اسقف بادشاہ کا ہم پایہ ہوتا تھا۔ وہ اب پست ہو کر الڈرمین کے درجے پر آ گیا۔ الڈرمین کسی وقت میں ایک چھوٹی سی سلطنت کا موروثی حکمراں ہوتا تھا اب وہ محض بادشاہ کا نائب رہ گیا اور چونکہ شاہی مالیہ کی وصولی اور بادشاہی معدلت کے اجرا کے لئے بادشاہ نے ہر ضلع میں اپنے خاص عہدہ دار مقرر کر دئے تھے اس وجہ سے اس کا اقتدار بھی بہت گھٹ گیا۔ مذہب کے لگاؤ نے ہیبتِ شاہی کے اثر کو اور بھی بڑھا دیا۔ بادشاہ اگرچہ اب واڈن کے فرزند کی حیثیت سے مقدس نہیں رہا تھا مگر خداوند کی طرف سے 'برکت یافتہ' ہونے کے اعتبار سے وہ اور بھی مقدس ہو گیا تھا اور اس کے خلاف ہر قسم کی غداری بد ترین جرم قرار دی گئی تھی، قدیم موروثی امرا، نئے امرا کے سامنے ناپید ہو گئے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جرمنی میں قدیم ترین زمانے سے ہر سردار یا بادشاہ کے ساتھ ہمراہیوں کا ایک جنگی دستہ ہوا کرتا تھا یہ لوگ اپنی آزادانہ مرضی سے اس کے ساتھ ہوتے اور جنگ میں اس کے لئے جان تک دیتے اور اس کے نقصان کا اپنے خاص نقصان کی طرح بدلہ لینے کی قسم کھاتے تھے۔ سنولف شاہِ وسکس جب بہ مقام مرٹن دغا سے مارا گیا تو اس کے ہمراہیوں میں "جو شخص جس حال میں تھا اور جس قدر تیز اس سے ہو سکا اس جگہ کی طرف دوڑ پڑا" اور جان بخشی کے تمام وعدوں کو حقارت کے ساتھ مسترد کر کے اپنے

آقا کی لاش پر جان دیدی، جنگی دستے کی وفا شعاری کے انعام میں شاہی جاگیر سے اراضیات عطا ہوتی تھیں بادشاہ ان کا ولی نعمت بن گیا تھا اور ہمراہی بادشاہ کے خادم یا مصاحب ہو گئے تھے۔ بادشاہ کے دربار میں ذاتی خدمت ذلت نہیں بلکہ وقعت کا باعث سمجھی جاتی تھی۔ داروغہ آبدار خانہ، داروغہ اصطبل اور خزانچی سلطنت کے بڑے عہدہ داروں میں شمار ہوتے تھے۔ بادشاہ کے علو مرتبت کے ساتھ خدام کا مرتبہ بھی بلند ہوتا گیا۔ ہر ایک موقر عہدے پر انہیں خدام نے قبضہ کر لیا۔ یہی لوگ امیر ولایت، ناظم ضلع، اسقف اور جج ہونے لگے، اور جس قدر اراضی عامہ بادشاہ کے ہاتھ آتی گئی اور وہ اُسے بطور جاگیر اپنے ماتحتوں میں تقسیم کرتا گیا اسی قدر ان خدام کی دولت بڑھتی گئی؛

انگلستان میں آزاد اشخاص کا انحطاط

جدید طبقۂ امرا کے باعث شخصی فرمان برداری کا طریقہ پیدا ہوا، اور یہ دستور صرف دربار تک محدود نہیں رہا بلکہ اسے عام وسعت حاصل ہوگئی۔ الفرڈ کے وقت میں یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ ہر شخص کے لئے ایک آقا کا ہونا ضروری ہے۔ ڈین کی لڑائیوں کی شدید تباہی اور طویل بد امنی کی وجہ سے آزاد کسانوں کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ کسی نہ کسی شاہی خادم کی حفاظت میں آ جائیں۔ ان کسانوں نے ایک نہ ایک شاہی خادم کو اپنا آقا تسلیم کر کے اپنی اراضیاں اس کے سپرد کر دیں اور حفاظت کے عوض میں انہیں اراضیوں کو خدمات سے زیر بار کر کے بطورِ جاگیر کے واپس لیا، رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ جس شخص کا کوئی مالک نہ ہو وہ سلطنت میں ایک طرح کا خارج الذمہ شخص قرار دیا جاتا تھا۔ آزاد اشخاص اراضی کے کسان پابند ہو گئے اور آزاد وخلیکار کے بجائے جو خدا اور قانون کے سوا کسی کو اپنے سے بالا تر نہیں سمجھتے تھے

وہ ایسے کاشتکار بن گئے جنہیں اپنے آقا کی خدمت کرنے، اس کے ساتھ میدانِ جنگ میں جانے، انصاف کے لئے اس کے دربار میں حاضر ہونے اور ایامِ مقررہ میں اس کی کاشت خاص پر کام کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ جب اس طرح انہوں نے اپنی قدیم آزادی کھو دی تو بہ تدریج حکومت میں بھی ان کا حصہ زائل ہو گیا، قدیم انگریزی حکومت کا سارا دار و مدار مجلسِ قبائلی پر تھا، اس مجلس میں ہر مجلسِ حلقہ کے نمائندے شریک ہوتے تھے اور معدلت گستری اور امن و جنگ کے معاملات میں اقتدارِ شاہی کا استعمال مجلسِ قبائلی ہی کے اختیار میں ہوتا تھا۔ اس مجلس قبائلی کے پہلو بہ پہلو اور اس کے ساتھ کام کرنے والی ایک اور مجلس ویٹینگماٹ تھی جس میں 'جماعتِ عقلا' شریک ہوتی تھی، یہ لوگ بادشاہ کو صلاح و مشورہ دیتے اور اس کے توسط سے خود قوم کے لئے طریقۂ عمل تجویز کرتے تھے۔ ابتدائی مباحث طبقۂ امرا تک محدود رہتے تھے مگر آخری فیصلے میں سب شریک ہوتے تھے، رائے کا اظہار ہتیاروں کی کھڑکھڑاہٹ یا مجمع کی 'ہاں ہاں' اور نہیں نہیں' سے ہوتا تھا۔ مگر جب چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے باہم متحد ہو جانے سے قبیلہ زیادہ وسیع ہو کر حکومت کا محض ایک جز ہو گیا تو اس کے ساتھ ہی مجلسِ قبائلی میں تنزل آ گیا۔ سیاسی فوقیت دور و دراز کے رہنے والے امرا کی جانب منتقل ہو گئی اور عوام کا اثر حکومت پر مطلقاً باقی نہیں رہا۔ اس میں شک نہیں کہ امرا اب تک بادشاہ کے گرد جمع ہو سکتے تھے اور سیاسی اعتبار سے مجلس قبائلی جس قدر نظروں سے گرتی جاتی تھی اُسی قدر ویٹینگماٹ کا اثر شاہی مجلسِ شوریٰ کی حیثیت سے بڑھتا جاتا تھا۔ معدلت عامہ کی کارروائی، محصول کے اجرا، قانون کی توضیح، معاہدات کے سر انجام، جنگ کی نگرانی،

اراضی عامہ کی تقسیم، اور سلطنت کے اعلیٰ عہدہ داروں کے تقرر میں اس مجلس کی شرکت ہوا کرتی تھی۔ ایسا بھی اتفاق ہوتا کہ یہ مجلس کسی بادشاہ کے منتخب کرنے یا کسی بادشاہ کے معزول کر دینے کا دعویٰ کرتی تھی مگر ان اختیارات کے استعمال میں عام امرا کا واقعی تعلق آہستہ آہستہ کم ہوتا جاتا تھا۔ جس قدر سلطنت کو وسعت ہوتی جاتی تھی اسی قدر ان کے مکانات سے بُعد ہوتا جاتا تھا اور انجام کار معاملاتِ حکومت کے عام مباحث میں ان کا دخل گھٹتے گھٹتے کالعدم ہو گیا۔ عملی حیثیت سے مجلس شوریٰ میں خادمانِ شاہی ا رکلیسا حکومت کے اعلیٰ عہدہ دار باقی رہ گئے تھے۔ اور قدیم انگریزی جمہوریت نہایت محدود حکومت خواص میں مبدل ہو گئی تھی، قدیم انگریزی حکومت کی خصوصیت اگر کچھ باقی رہ گئی تھی تو وہ صرف لندن یا ونچسٹر کے اس انبوہ میں نظر آتی تھی جو بادشاہ کے انتخاب کے وقت جماعتِ عقلا کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ اور 'ہاں ہاں' یا 'نہیں نہیں' کا شور مچاتے تھے۔

سلطنتِ ویسٹ سیکسن کا زوال

سلطنتِ ویسٹ سیکسن جس تباہی میں گھر گئی تھی اس کا سبب ہمیں اس طبقے کے انحطاط میں تلاش کرنا چاہئے جس پر سلطنت کی اصلی قوت کا دار و مدار تھا۔ ۹۷۵ء میں جب اڈگار کا انتقال ہوا ہے اسوقت اس کی عمر صرف بتیس برس کی تھی اور اس کے لڑکے محض بچے تھے۔ اس کی موت سے امرائے دربار کے لئے سیاسی مناقشات کا دروازہ کھل گیا۔ مسئلۂ جانشینی کے متعلق جدال و قتال تک نوبت پہنچ گئی اور محض اسقف اعظم کی مستعد کاری کی وجہ سے خانہ جنگی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اس نے صلیب ہاتھ میں لی اور اڈگار کے بیٹے اڈورڈ کے سر پر تاج رکھکر جانشینی کا مرحلہ طے کر دیا۔

ڈ شہید
۹۷۸ -

جماعتِ عقلا کی دو مجلسوں میں اپنے معاندین کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ کان کی مجلس میں کمرے کا فرش دھس گیا اور راہبوں کی روایت کے موافق صرف ڈنسٹن اور اس کے دوست ضرر سے محفوظ رہے مگر اس اعجاز کی شہرت بھی دشمنوں کی روش کے بدلنے میں بے اثر رہی۔ اڈورڈ کے قتل ہو جانے سے ڈنسٹن کے مخالفین کو غلبہ حاصل ہو گیا اور اس کے دہ سالہ بھائی اتھلرڈ کی تاجپوشی کے موقع پر وہ خوشی میں آپے سے باہر ہو گئے۔ ملک کی حکومت ان خاص خاص امیروں کے ہاتھ میں آگئی جو اتھلرڈ کے حامی تھے۔ ڈنسٹن کا کوئی اثر و اختیار باقی نہیں رہا اور بدرجۂ مجبوری وہ کینٹربری کو چلا گیا اور وہیں نو برس بعد اس کا انتقال ہو گیا ۔

تاستعد
۱۰۱۶ -

سنہ ۹۹۰ء میں نو عمر بادشاہ سن بلوغ کو پہنچا۔ اس گیارہ برس کے درمیانی زمانے میں ملک کی اندرونی تاریخ میں کوئی خاص امر قابل ذکر نہیں ہے۔ البتہ بیرون ملک میں نئے خطرات پیدا ہو رہے تھے۔ اہلِ شمال انگلستان پر ایک نئے حملے کے لئے کمربستہ ہو رہے تھے۔ اسکینڈینیویا کی قومیں سلطنتہائے ڈنمارک، سویڈن اور ناروے کے تحت میں متحد ہو گئی تھیں اور اب جنوب میں تلاش فتوحات کے لئے ان کے منفرد دستے نہیں بلکہ قومی فوجیں نکلنے والی تھیں۔ سمندر پھر شمالی قزاقوں سے بھر گیا تھا اور مثل سابق کے غارتگر بیڑے ساحل انگلستان پر نظر آنے لگے تھے۔ طوفان کا پہلا زور سنہ ۹۹۱ میں نمودار ہوا اور غارتگران ناروے کی ایک جماعت نے سرزمین انگلستان پر اتر کر میدانِ میلڈن میں ایسٹ اینگلیا کے افواج کو کامل شکست دی۔ دوسرے سال اتھلرڈ کو مجبور ہونا پڑا کہ

حملہ آوروں کو معاوضہ دیکر کچھ دنوں کے لئے عارضی امن حاصل کرے
اور انہیں ملک میں آباد ہونے کی اجازت دیدے۔ اسی اثنا میں اس
نے نارمنڈی سے معاہدہ اتحاد کر کے خود کو مضبوط کر لیا کیونکہ نارمنڈی کو
سمندر پر بڑا عروج حاصل ہو رہا تھا۔ حملہ آوروں کو خارج کرنے کی تازہ
کوشش کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ ڈنمارک و ناروے کے دعویداران
تخت سوین اور الف کے تحت میں تزاقوں کی ایک ایسی فوج جمع ہوگئی
کہ پیشتر کبھی انگلستان کو ایسی کثیر فوج سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ سنہ ۹۹۵ع
میں وہ واپس چلے گئے مگر سنہ ۹۹۷ع میں انہوں نے تازہ حملے شروع کر دئے
ایک طرف نارمن اور اوسٹ من کے خطرات درپیش تھے، دوسری طرف
جزیرۂ مین کے وائکنگ اور کمبرلینڈ کے اہل شمال کا خوف طاری
ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سلطنت کی کمزوری جس حد کو پہنچ گئی
تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ انھلرڈ نے ڈین کے اجرتی سپاہیوں کو
ملازمت میں داخل کر لیا تھا اور انہیں اپنے ہی بھائیوں کے خلاف
ملک کو محفوظ رکھنے کے لئے تمام وسکس میں متعین کیا تھا۔ سوین اب
صرف ڈنمارک ہی کا بادشاہ نہیں رہا تھا بلکہ الف کی ہزیمت و انتقال
کی وجہ سے ناروے پر بھی متصرف ہو گیا تھا۔ اس کے نئے حملے کے
خوف سے انھلرڈ نے ڈیوک نارمنڈی کی بہن سے عقد کر کے نارمنڈی کو
اپنا شریک حال بنا لیا۔ لیکن فوری اضطراب کی حالت میں وہ ایک ایسی
بدترین دغا کا مرتکب ہوا جس نے حفاظت ملک کی تمام تدابیر کو غارت
کر دیا، بادشاہ نے خفیہ طور پر تاکیدی احکام جاری کئے اور اس کے
بموجب سینٹ برائس کے دن ویسٹ سیکسن ہر جگہ اٹھ کھڑے ہوئے

سینٹ برائس کا قتل عام۔ ۱۰۰۲

اور تمام ڈینوں کو جو ان میں ملے جلے رہتے تھے بے رحمی کے ساتھ قتل کرڈالا۔ شاہ سوین کی بہن گنہلڈ جو عیسائی ہو گئی تھی اور امن کی ضمانت کے طور پر انگلستان میں مقیم تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا شوہر اور اس کا بچہ ہلاک کیا گیا اور خود وہ بھی بچ نہ سکی مگر مرتے مرتے وہ اپنے قاتلوں کو انتقام کی دھمکی دیتی گئی۔ اس خبر کے پہنچنے پر سوین نے قسم کھائی کہ انگلستان کو اتھلرڈ کے پنجے سے نکال کر رہیگا۔ چار برس تک وہ جنوبی اور مشرقی انگلستان کے طول و عرض میں جلتے ہوئے مکانوں اور شہروں سے اپنا نشان جنگ روشن کرتا ہُوا، تاخت و تاراج کرتا پھرا۔ اس کے بعد ایک بھاری رشوت لیکر وہ واپس ہوا مگر صرف اس لئے کہ آئندہ ایک سخت تر حملے کے لئے تیار ہو کر آئے۔ اس کے چلے جانے سے سلطنت کو کچھ آرام نہ ملا۔ ناروے کا ایک نہایت خونخوار تر جارل (امیر) اس کے بجائے وارد ہو گیا اور جنگ کا دائرہ وسکس سے بڑھ کر ایسٹ اینگلیا اور مرسیا تک پھیل گیا اس امیر نے کینٹربری پر قبضہ کر کے اسے تباہ کر دیا۔ اس کے اہل فوج اسقف اعظم الفی کو کشاں کشاں گرینج میں لے گئے اور فدیہ کے نہ وصول ہونے سے نہایت وحشیانہ طور پر اسے مار ڈالا۔ ان لوگوں نے اسے اپنے حلقے کی وسط میں بٹھایا اور پتھروں اور بیلوں کے سینگوں سے اسے مارنا شروع کیا یہاں تک کہ ان میں سے ایک رحم دل ڈین نے تبر سے اس کا سر قلم کرڈالا۔ ۱۰۰۷ء–۱۰

شمال میں سوین اس سے بھی زیادہ مصیبتناک حملے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ ۱۰۱۳ء میں اس کا بیڑا ہمبر میں داخل ہوا اور اس نے

تمام ڈین لا (ملک ڈین) کو اپنی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہونیکی صلائے عام
دی۔ نارتھمبریا، ایسٹ اینگلیا، فائیو باراز، غرض واٹلنگ اسٹریٹ کے
شمال کے تمام انگلستان نے گینز برا میں اس کی اطاعت قبول کر لی۔
اتھلرڈ صرف وسکس کا بادشاہ رہ گیا اور وسکس بھی وہ جو اپنے دشمن
کے مقابلے میں بالکل بے بس اور مقاومت سے عاجز تھا۔ جنگ ہوئی
اور ہولناک جنگ ہوئی مگر نہایت مختصر۔ تمام ملک بے رحمی کے ساتھ
تباہ کیا گیا، گرجے لوٹے گئے باشندے قتل کئے گئے، مگر ایک لندن
کے سوا کسی جگہ بھی مدافعت کی کوشش نہیں کی گئی۔ آکسفورڈ اور
ونچسٹر نے اپنے دروازے کھول دئے۔ وسکس کے متوسلان شاہی مقام
باتھ میں شمالیوں کے مطیع ہو گئے۔ آخر لندن بھی اطاعت پر مجبور
ہو گیا اور اتھلرڈ کو بھاگ کر سمندر پار نارمنڈی میں پناہ لینا پڑی۔
بادشاہ کے فرار کے ساتھ ہی برطانیہ پر فوقیت حاصل کرنیکے لئے وسکس
کی طویل کوششوں کا خاتمہ ہو گیا۔ تمام انگلستان کو ایک قوم میں
متحد کر دینے کا کام جو اڈون اور اوفا کی مستعدیوں سے پورا نہ ہو سکا
جس میں اڈورڈ اور ڈنسٹن کی تدبیریں ناکام ثابت ہوئیں، وہ کام
اب دوسرے ہاتھوں میں منتقل ہونے والا تھا +

باب دوم

انگلستان زیر نگین شاہان غیر

۱۰۱۳ — ۱۲۰۴

جزو اول

شاہان ڈین

اسناد۔ اس باب میں بھی ہمیں شاہی قوانین و فرامین کے مجموعوں سے مدد ملتی ہے
اس عہد کے لئے انگلش کرانکل (وقائع انگریزی English Chronicle) نہایت اہم ہے۔
اس کی مختلف نقلیں اور ان کے انداز بیان وغیرہ ایک دوسرے سے متغائر ہیں اور ایک حد تک یہ
مختلف نسخے، مختلف تصانیف سمجھے جا سکتے ہیں۔ فلورنس (ووسٹر) نے جس نسخے سے وقائع کا ترجمہ
کیا ہے وہ غالباً ایک گراں قدر نسخہ تھا مگر اب مفقود ہو گیا ہے۔ کینوٹ کے عہد کے لئے گرین
کی کانکویسٹ آف انگلینڈ (فتح انگلستان Conquest of England) دیکھنا چاہئے۔
مسٹر فریمین کا خیال ہے کہ اڈورڈ کے ہم عصر سوانح نگار کی سند (جسے ماسٹر آف دی رولز نے
اڈورڈ تائب کی سوانح عمریں (مصنفہ لوارڈ) کے تحت میں شایع کیا ہے) بادشاہ کے خاص ذاتی معاملات
اور گاڈون کے تمام خاندانی حالات کے لئے سب میں مقدم ہے۔ مگر یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ

وہ مورخ نہیں صرف سوانح نگار ہے اور کبھی کبھی قصہ گوئی کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس عہد کے متعلق زمانہ حال کے تمام تحریرات مسٹر فریمین کی مشرح تاریخ نارمن کانکویسٹ جلد دوم (فتح نارمن Norman Conquest) کے سامنے دب گئی ہیں۔ شاہان ڈین اور خاندان گاڈون کے لئے مسٹر گرین کی کانکویسٹ آف انگلینڈ (فتح انگلستان) دیکھنا چاہئے۔

غیر ملکی حکومت

ہنجسٹ کے ورود کے بعد پانچ سو برس کے اندر سرزمین برطانیہ انگلستان بن گئی۔ اس فتح کا انجام یہ ہوا کہ فاتحین ملک میں آباد ہو گئے۔ انہوں نے مذہب عیسوی قبول کر لیا، ایک قومی علم ادب پیدا ہو گیا، ایک نامکمل تمدن اور ایک معمولی سیاسی نظم و نسق قایم ہو گیا، مگر اس تمام ابتدائی زمانے میں فاتحین کے مختلف قبائل کو ایک واحد قوم بنا دینے کی جملہ کوششیں ناکام رہیں۔ تمام انگلستان پر اپنی حکومت کو وسعت دینے میں نارتھمبریا کو مرسیا کی مخالفت کی وجہ سے اور مرسیا کو وسکس کی مخالفت کے باعث ناکامیاب رہنا پڑا۔ وسکس اپنے معظم و مقتدر بادشاہوں اور مدبروں کی رہبری سے ملک کو ایک ظاہری صورت اتحاد کے اندر لایا ہی تھا کہ ڈین کے آجانے سے پھر مقامی آزادی قائم ہو گئی۔ درحقیقت غلبے کی رو آگے پیچھے بڑھتی رہتی تھی کبھی جنوب کو شمال پر غلبہ حاصل ہو جاتا تھا اور کبھی شمال کو جنوب پر۔ بادشاہوں نے کیسے ہی کچھ خطابات کیوں نہ اختیار کر لئے ہوں اور ان کی حکومتیں کیسی ہی حاوی کیوں نہ معلوم ہوتی ہوں مگر اہل نارتھمبریا باشندگان ویسٹ سیکسن سے اور ڈین انگریزوں سے ہمیشہ الگ ہی رہے؛ ایک عام قومی اتحاد ملک کو سرسری طور پر باہم مربوط کئے ہوئے تھا مگر حقیقی قومی اتحاد ابھی زمانۂ آیندہ کی بات تھی۔

اتھلرڈ کے انگلستان سے نارمنڈی کو فرار ہونے اور جان کے نارمنڈی سے بھاگ کر انگلستان کو آنے کے درمیان میں جو دو سو برس کا زمانہ گذرا

اس زمانے میں انگلستان کی تاریخ ایک غیر ملکی حکومت کی تاریخ ہے۔ ڈنمارک کے بعد نارمنڈی کے اور نارمنڈی کے بعد آنجو کے بادشاہوں نے ملک پر حکمرانی کی۔ ڈین، نارمن یا آنجوی بادشاہوں کے تحت میں انگریزوں کی حیثیت ایک محکوم قوم کی سی تھی۔ غیر ملکی فاتحین ان کے مالک اور ان پر حکمران بن گئے تھے۔ مگر اس محکومیت ہی کے زمانے میں انگلستان حقیقی انگلستان بنا۔ اجنبیوں کے دباؤ سے مقامی اختلافات فنا ہو گئے اور قومی اتحاد کی تشکیل پیدا ہوئی۔ اس دباؤ نے قومی نظام معاشرت کے اس نقص کی بھی اصلاح کر دی جس کی وجہ سے زمانۂ ماسبق کے اختتام کے قریب آزاد اراضی دار اپنے آقاؤں کی جاگیردارانہ ماتحتی میں آ گئے تھے۔ خود انگریزی امرا غیر ملکی بیرنوں کے انگلستان میں آباد ہو جانے کے باعث اپنے درجے سے تنزل کر کے طبقۂ متوسط کے ضمن میں آ گئے تھے۔ اس تغیر کے ساتھ ہی غلام و نیم غلام مزارعین کے طبقے میں بھی تدریجی ترقی شروع ہو گئی جس سے آہستہ آہستہ وہ بالکل ہی آزاد ہو کر متوسط طبقے کی حالت میں آ گئے۔ شہروں میں بھی اسی طرح ایک متوسط طبقہ پیدا ہو گیا اور دونوں نے باہم مل کر ایک دوسرے کو تقویت پہنچائی۔ غیر ملکی بادشاہوں کے انصاف اور طرز عمل سے تجارت و کاروبار کو ترقی ہو رہی تھی اور اس ترقی کے ساتھ ہی تاجروں کی سیاسی اہمیت بھی بڑھتی جاتی تھی۔ انگلستان کے بیشتر قصبات جو ابتداً دہات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ اس دور کے اختتام پر اتنے دولتمند ہو گئے کہ بادشاہ سے اپنی آزادی خرید کر لیں۔ آزادی تقریر، مباحثۂ عامہ، اور حکومت خود اختیاری کے حقوق جو عوام سے نکل کر امرا کے ہاتھوں میں چلے گئے تھے، اب پھر ان قصبات کے فرامین شاہی اور ان کی مجالس شوریٰ میں زندہ

ہو گئے ۔ اس سیاسی ترقی کے قدم بہ قدم اخلاقی درستی کے سامان بھی مہیا ہوتے گئے ۔ ہر اسقفی مستقر اور خانقاہی جاگیر پر غیر ملکی قابض ہو گئے تھے ۔ عوام ان کی گفتگو کے سمجھنے سے قاصر تھے اور اس لئے عام رعایا اور نیچے درجے کے قسیس، اعلیٰ طبقے کے اہلِ کلیسا سے علیحدہ ہو گئے ۔ مگر عوام نے جب خود مذہب کو سمجھا تو مذہب میں بھی ایک نئی روح پیدا ہو گئی ۔ زہاد اور "برادرانِ مذہبی" مذہب کو عام لوگوں کے دلوں میں جاگزیں کرتے پھرتے تھے ۔ معہذا غیر ملکی فتح کی وجہ سے بر اعظم کے ساتھ قریبی تعلق پیدا ہو جانے سے بیرونی دنیا کی حرفتی و ذہنی زندگی کے ساتھ انگلستان کا ایک نیا اتحاد قائم ہو گیا اور قدیم ذہنی جمود رفع ہو گیا اور علوم و فنون کی بڑی بڑی عمارتیں اور سرگرم مدارس تمام انگلستان میں نظر آنے لگے، ان بادشاہوں کی مضبوط حکومت سے انگلستان کو امن کا جو طویل زمانہ حاصل ہو گیا اسی سے اس کو مختلف النوع ترقیوں کا موقع ملا ۔ ان بادشاہوں کی سیاسی قابلیت سے ملک کا نظم و نسق درست ہو گیا، اور ان کے عدالتی اصلاحات سے ملک میں قانون کی بنیاد مستحکم ہو گئی ۔ مختصر یہ کہ انہیں دو سو برسوں کے سخت انضباط کا نتیجہ تھا جس سے انگریزوں کو نہ صرف دولتمندی و آزادی حاصل ہو گئی بلکہ خود انگلستان، انگلستان بن گیا ⁂

انگلستان کے ڈین بادشاہ

انگلستان کے غیر ملکی، مالکوں میں پہلا درجہ ڈین کا تھا ۔ اس سے قبل ممالک اسکینڈینیویا جہاں سے ان قزاقوں کے گروہ دھاوے کر کے انگلستان و آئرلینڈ کو تباہ کرتے تھے پہلے سے زیادہ منتظم حالت میں ہو گئے تھے ۔ سوین کی کوشش یہ تھی کہ ان ممالک کو ایک عظیم الشان اسکینڈینیوی شہنشاہی میں متحد کرے جس میں انگلستان

بمنزلہ سر کے ہو؛ یہ تجویز اس کی موت کی وجہ سے کچھ دنوں کے لئے معطل ہو گئی تھی مگر اس کے بیٹے کنیوٹ نے اس سے بھی زیادہ جوش کے ساتھ اسے ز سر نو شروع کیا۔ انگلستان میں ڈین کا خوف ابھی تک غالب تھا اور کنیوٹ کے ساحل پر نمودار ہوتے ہی وسکس، مرسیا اور نارتھمبریا تینوں نے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور اتھلرڈ کی حکومت سے (جو سوین کے مرنے پر واپس آ گیا تھا) منحرف ہو گئیں۔ جب ۱۰۱۶ء میں اتھلرڈ کے بعد اس کا بیٹا اڈمنڈ آئرن سائڈ (فولاد بازو) تخت نشیں ہوا تو لندن کی وفاشعاری کی وجہ سے اس نے چند مہینے ڈین کا دلیرانہ مقابلہ کیا مگر اشنڈن کی فیصلہ کن فتح اور اپنے رقیب کی موت سے کنیوٹ تمام ملک کا مالک ہو گیا۔ ڈین بھی اگرچہ فاتح تھے مگر وہ بعد میں آنیوالے نارمن کے مانند ملک سے بیگانۂ محض نہیں تھے۔ ان کی زبان اور انگریزی زبان میں بہت ہی کم تفاوت تھا۔ قبضہ اراضی یا حکومت کا کوئی نیا طریقہ وہ اپنے ساتھ نہیں لائے تھے۔ درحقیقت کنیوٹ نے ایک غیر ملکی فاتح کی طرح نہیں بلکہ ایک وطنی بادشاہ کی طرح سے حکومت کی۔ انگلستان کی ہوا خواہی اور اس کا سکون کنیوٹ کے لئے اپنی شمال کی اہم تر تجاویز میں کامیاب ہونے کے لئے ضروری تھا اور اس نے اپنی انگریزی رعایا کی فوجوں سے ڈنمارک اور ناروے کو اپنے تحتِ اقتدار میں متحد کرنے میں مدد لی۔ اس لئے اس نے اتفاقیہ ضروریات کے لئے صرف خانگی فوج کا ایک تربیت یافتہ دستہ قائم رکھ کر بقیہ ڈین فوج کو برطرف کر دیا اور ملک میں جیسا انصاف اور جیسی اعلیٰ حکومت اس نے قائم کر دی تھی اسی پر بتمامہ بھروسہ کیا۔ بیس برس کی حکمرانی میں اس کی یہی کوشش رہی کہ وہ لوگوں کے دلوں سے اپنی حکومت کا

کنیوٹ

۱۰۱۶-۱۰۳۵

غیر ملکی رنگ اور اپنی ابتدائی خونریزی کی یاد کو مٹا دے۔ طرز حکومت کے تغیر
کی طرح خود اس کے اندر جو تغیر ہوا وہ بجائے خود نہایت ہی تعجب خیز تھا۔
جب وہ اول اول انگلستان میں آیا تھا تو وہ محض ایک پرجوش شمالی
اور انتقام طلب شخص تھا، اور اس کی اس خونخواری میں وحشتناکی بھی ملی
ہوئی تھی۔ حکومت حاصل ہونے پر اس نے قتل و خونریزی میں کوئی کمی نہیں
کی۔ مرسیا کا اڈرک وہ شخص تھا جس کی مدد سے اسے بادشاہت میسر
آئی تھی مگر کینوٹ کے ایک اشارے پر تبر سے اس کا سر اڑا دیا گیا،
اڈمنڈ آئرن سائڈ کا بھائی اڈوگ قتل کر دیا گیا، اور کینوٹ نے اپنی
بے رحمانہ کینہ توزی کی وجہ سے اڈمنڈ کے بچوں کو ہنگری تک میں چین
نہ لینے دیا، مگر اس خونخوارانہ حالت سے نکل کر وہ یک بیک ایک
عقلمند و ضابط بادشاہ بن گیا۔ چونکہ وہ خود نا واقف تھا اس لئے
اس نے اڈگار کے قانون اور ملک کے قدیمی نظامِ حکومت کو اپنا دستور العمل
بنایا اور فاتح و مفتوح اور ڈین و انگریز کا فرق اٹھا دیا۔ مرسیا، نارتھمبریا،
وسکس اور ایسٹ اینگلیا کی چار ولایتیں قائم کرکے اس نے مقامی آزادی
کو تسلیم کر لیا مگر زمانۂ ماسبق میں ان بڑی ولایتوں کے حکمرانوں اور
بادشاہ کے درمیان جس قسم کے روابط تھے ان میں اس نے زیادہ
قرب پیدا کر دیا۔ وہ اس حُب الوطنی سے بھی متفق ہو گیا جسے اب تک
اجنبی منافرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کلیسا اب تک ڈین کی مخالفت کا
مرکز بنا ہوا تھا مگر کینوٹ نے سب سے زیادہ کلیسا ہی کو موافق کرنیکی
فکر کی۔ الفی نے جس غرض کے لئے جان دی تھی کینوٹ نے اس کے
آگے سر جھکا دیا اور اسقفِ اعظم کی نعش کو کینٹربری میں منتقل کر دیا۔

اپنے باپ کی غارتگریوں کی تلافی کرنیکے لئے اس نے اکثر مذہبی کو بیش قیمت ہدیئے دئے۔ آلپس کے رہزن امرا کے مقابلے میں انگریز زائرین کی حفاظت کی۔ راہبوں سے اسے جس حد تک محبت ہو گئی تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ مقام ایلی میں ان کا نغمہ سُن کر اس نے خود چند گیت بنائے۔ خانقاہِ ایلی کے گرد کی وسیع دلدلی جھیلوں پر سے "جس وقت شاہ کنیوٹ کشتی پر سوار گذر رہا تھا تو وہاں کے راہب خوشدلی کے ساتھ گا رہے تھے"۔ ان کی آواز سُن کر کنیوٹ نے کہا کہ "ملاحو! خشکی کی قریب چلو تاکہ ہم ان راہبوں کے گانے کو اچھی طرح سُن سکیں"۔

کنیوٹ نے روم سے اپنی انگریزی رعایا کے نام ایک خط بھیجا تھا۔ اس سے نہ صرف اس کے اخلاق و سیرت کی عظمت ظاہر ہوتی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہی کی نسبت کیسی شریفانہ رائے رکھتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ میں ہر کام میں سچی زندگی بسر کرونگا اپنے ملک اور رعایا پر عدل اور پرہیزگاری کے ساتھ حکومت کرونگا، اور ہر معاملہ میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرونگا، پس اگر میں نے خودسری کے باعث یا غفلتِ جوانی میں انصاف سے متجاوز کوئی کام کیا ہو تو میں خدا کی مدد سے ہر طرح پر اس کی تلافی کرنیکو تیار ہوں شاہی عہدہ دار اگر میری دوستی کی قدر کرتے اور خود اپنی بہتری چاہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ میرے خوف یا کسی کی رعایت سے کسی طرح کی بے انصافی پر راضی نہ ہوں نہ کسی امیر یا غریب پر ظلم کریں" وہ بالخصوص نا جائز طور سے روپیہ وصول کرنیکو بہت بُرا خیال کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ "مجھے مطلق ضرورت نہیں ہے کہ نا جائز مطالبات سے میرے لئے روپئے کا انبار لگایا جائے"۔ آخر میں کہتا ہے کہ "میں نے یہ خط اپنے پہنچنے سے پہلے اس لئے بھیجدیا ہے کہ میرے

ملک کے تمام لوگ میرے حُسنِ عمل پر خوش ہوں۔ کیونکہ تم خود جانتے ہو
کہ جو امر مجھے اپنی رعایا کے لئے مفید و ضروری معلوم ہوا میں نے اس پر
تن دہی و محنت سے عمل کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا اور نہ آیندہ
کرونگا۔"

انگلستان بحالتِ امن

کینوٹ کا اپنی رعایا کے لئے سب سے بڑا ہدیہ امن تھا۔ اسی کی
ذات سے وہ طویل اندرونی سکون شروع ہوا جو اس وقت سے تاریخ انگلستان
کا خاص امتیاز رہا ہے؛ نارمن فتح کی ایک مصیبتناک خلل اندازی اور اسٹفن
کے عہد کی بد نظمی کے سوا تمام سلطنتہائے یورپ میں انگلستان ہی وہ ملک
تھا جسے بے خرخشہ دو سو برس تک سکون حاصل رہا۔ اس کے بادشاہوں
کی لڑائیاں اس کے سواحل سے دور فرانس و نارمنڈی میں یا کینوٹ کے
وقت میں شمال کے بعید تر ممالک میں ہوا کرتی تھیں۔ ان بادشاہوں کے
سخت انصاف نے ملک کے نظم و نسق اور اس کے امن کو مستحکم کر دیا۔
تھا۔ کینوٹ کے عہد میں اندرونی بے چینی کا نہ ہونا اس سے ثابت ہے
کہ اس کی عدم موجودگی کے زمانے میں ملک میں بالکل سکون رہا۔ شاید
اس کا سبب یہ بھی ہو کہ ملک ڈین کے خوفناک حملوں سے خستہ و درماندہ
ہوگیا تھا مگر ہر شے ملک کی روز افزوں دولت و خوشحالی کی شاہد تھی
اس میں شک نہیں کہ انگلستان میں زمین کا ایک بڑا حصہ اس وقت
تک بالکل غیر مزروعہ تھا، زمین کے بڑے بڑے قطعے جنگل اور جھاڑیوں سے
ڈھکے ہوئے یا ویرانے اور دلدل بنے ہوئے تھے۔ مشرق و مغرب
دونوں طرف دلدلی زمین کے نہایت طویل و عریض ٹکڑے واقع تھے۔
تقریبًا سو میل کی لمبی دلدل نے ایسٹ اینگلیا کو وسطی صوبوں سے

جُدا کر دیا تھا۔ گلسٹنبری یا اتھلنی کے سے مقامات تقریباً ناقابل گذر تھے۔ بورلی کے قریب کا دلدلی نشیب اس وقت تک اُود بلاؤں کا مسکن تھا۔ لندن کے اہلِ حرفہ ہیمسٹڈ کے جنگلوں میں سُوروں اور بیلوں کا شکار کیا کرتے تھے اور شمال میں گھروں کے اِرد گرد بھیڑئے پھرتے نظر آتے تھے۔ مگر امن کی وجہ سے صنعت و حرفت کو جو ترقی ہو رہی تھی اس کا اثر ان ویرانوں پر بھی پڑ رہا تھا۔ ہرن اور بھیڑئے انسان کے سامنے سے فرار ہوتے جاتے تھے۔ کسان جنگلوں کو کاٹتے اور قطعات کو صاف کرکے ان پر آباد ہوتے جاتے تھے۔ کار و بار کی ترقی مشرقی ساحل کے تجارتی بندرگاہوں میں نظر آتی تھی۔ تجارت کی خاص اشیا غالباً چمڑے، رسیاں اور جہاز کے مستول تھے۔ اور سب سے بڑھ کر لوہے اور فولاد کی تجارت تھی جو اس زمانے تک اسکینڈینیویا سے برطانیہ میں آتا تھا۔ مگر ڈین اور اہل ناروے کا میدانِ تجارت صرف شمالی سمندروں تک محدود نہیں تھا ان کے جہازات بحرِ متوسط تک پہنچتے تھے اور روس ہو کر خشکی کے راستے سے وہ قسطنطنیہ اور مشرق کا سامان بھی لاتے تھے۔ ایک پُرانے انگریزی مکالمے میں سوداگر سے پوچھا گیا کہ تم ہمارے واسطے کیا لائے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ "میں چمڑا، ریشم، قیمتی جواہرات اور سونا لایا ہوں۔ علاوہ ان کے مختلف طرح کے کپڑے، رنگ، شراب، روغن، ہاتھی دانت، پیتل، تانبا، ٹین، سونا، چاندی، اور اسی قبیل کی دوسری چیزیں بھی میرے پاس ہیں"۔ سرزمین رائن اور نارمنڈی کے باشندوں کے جہاز بھی ٹیمز میں لنگر انداز ہوتے تھے۔ ساحل ٹیمز کی گودیوں میں اسباب کا ایک مخلوط انبار لگا رہتا تھا۔

مشرق بعید سے مرچ و مصالحہ، غالباً لمبارڈ کے کرگھوں سے دستانے اور بھورے کپڑوں کی گٹھریاں، فلینڈرز سے اون کے گٹھے، اور لوہے کے سامان؛ فرانس سے شراب اور سرکے کے پیپے اور اس کے ساتھ ہی خود ملک کی چیزیں یعنے پنیر، مکھن، چربی، انڈے وغیرہ غرض سب ہی چیزیں وہاں جمع ہوتی تھیں انہیں میں زندہ سور اور پرندے بھی ہوتے تھے *

ڈین کی حکومت کا زوال

کینوٹ کا ایک خاص مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی رعایا کی محبت حاصل کرے اور تمام روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس معاملے میں اسے بہت ہی عجیب کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر اس کی حکومت کی عظمت کا مدار تمامتر اس کی طبیعت کی عظمت پر تھا۔ اس کے مرتے ہی اس کی بنا کردہ شہنشاہی ٹکرے ٹکرے ہو گئی۔ کینوٹ کے بیٹے ہیرلڈ کے تخت انگلستان پر متمکن ہو جانے سے چند برس کے لئے انگلستان و ڈنمارک ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے تھے مگر اس کے دوسرے بیٹے ہارتھاکینوٹ کے تحت میں یہ دونوں ملک پھر متحد ہو گئے۔ لیکن کینوٹ کی معدلت گستری کی وجہ سے جو محبت اس کے ساتھ ہو گئی تھی وہ اس کے جانشینوں کی بے ضابطگیوں کے باعث نفرت سے مبدل ہو گئی۔ اتنے دنوں تک امن و امان کے عادی ہو جانے کے بعد خونریزی و ظلم کے اس جدید طغیان سے لوگ پریشان ہو گئے۔ اڈمنڈ (آئرن سائڈ) کا بھائی الفرڈ، نارمنڈی سے انگلستان کو واپس آ گیا تھا۔ اسے ہیرلڈ کے آدمیوں نے گرفتار کرلیا اس کی نسبت عام گیتوں میں کہا گیا ہے کہ "ڈین کے آنے کے وقت سے اس وقت تک اس سے زیادہ ہولناک کوئی کام نہیں ہوا تھا" الفرڈ کے ہمراہیوں میں ہر دسواں شخص قتل کر دیا گیا اور بقیہ غلاموں کی طرح

ہیرلڈ ۱۰۳۵ - ۱۰۳۹

ہارتھاکینوٹ ۱۰۴۰ - ۱۰۴۲

بیچ ڈالے گئے۔ خود الفرڈ اندھا کر کے چھوڑ دیا گیا اور وہ ایلی میں پہنچ کر مر گیا۔ ہارتھاکینوٹ شاہ سابق سے بھی زیادہ وحشی ثابت ہوا۔ اس نے اپنے بھائی کی نعش تک نکال کر دلدل میں پھینک دی اور ووسٹر میں اس کے خانگی سپاہیوں اور شہر والوں میں جھگڑا ہو گیا تو اس نے یہ سزا دی کہ سارے شہر کو جلا کر خاک کر دیا اور تمام ضلع لوٹ لیا گیا۔ اس کی موت اس کی زندگی سے کم وحشتناک نہیں ہوئی۔ وہ لیمبتھ میں آسگاڈ کلیپا کے مکان میں شراب پیتے کھڑا ہوا تھا کہ دفعتاً گر کر مر گیا۔ انگلستان اس قسم کے بادشاہوں سے تنگ آگیا تھا مگر ان کے جور و ظلم سے یہ نتیجہ ہوا کہ لوگوں نے کینوٹ جیسے بادشاہوں کا ہونا ناممکن سمجھ لیا اور انگلستان میں ایسے بادشاہوں کا ہونا ناممکن ہو گیا شمال (یعنے اسکینڈینیویا) جو انگلستان سے بھی زیادہ غیر متمدن حالت میں تھا، اس سے انگلستان کو ترقی یا تہذیب کا کوئی نیا سامان نہیں حاصل ہو سکتا تھا۔ اس یقین نیز اُس تنفر نے جو ہیرلڈ اور ہارتھاکینوٹ جیسے حکمرانوں کی طرف سے پیدا ہو گیا تھا لوگوں میں قدامت پرستی کے مقدس جذبے کو ابھارا اور تمام ملک الفرڈ کے خاندان کو تخت پر واپس بلانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔

جُزوِ دُوم

مراجعت حکومت انگلشیہ

۱۰۴۲ — ۱۰۱۶

انگلستان کی قومی تاریخ میں یہ ایک انقلابی دور تھا۔ ایسے ہی وقتوں

میں حزم و احتیاط، قوی الحس، خود غرضی اور انتہائی دور اندیشی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی وہ صفات تھے جنہوں نے گاڈون کے سے شاطر مدبر کو کینوٹ کے بعد انگلستان میں سب پر فائق بنا دیا۔ تاریخ انگلستان میں گاڈون ہی وہ پہلا مدبر ہے جو نہ بادشاہ تھا نہ قسیس، اور اس لحاظ سے وہ خاص طور پر ممتاز ہے۔ وہ ایک گم نام شخص تھا مگر اپنی ذاتی قابلیت کے باعث اس نے بادشاہ کے حضور میں بڑا مرتبہ حاصل کر لیا اور ازدواج کے ذریعے سے کینوٹ سے قرابت بھی پیدا کر لی۔ کینوٹ نے سے وسکس کا والی اور بالآخر کل ملک کا نائب السلطنت بنا دیا۔ اسکینڈنیویا کی لڑائیوں میں وہ کینوٹ کا معاون اور اس کی انگریزی فوجوں کا سپہ سالار تھا۔ اس لڑائی میں اس کی دلیری اور ہوشیاری کے جوہر ظاہر ہو گئے تھے مگر اس کا اصلی میدانِ عمل خود اس کا وطن تھا۔ ایک ہوشیار، فصیح البیان اور مستعد کار منتظم ہونیکے ساتھ ہی گاڈون میں جفا کشی، احتیاط اور آدمیوں سے کام لینے کا خاص ملکہ تھا۔ کینوٹ کے بعد کے ابتر زمانے میں اس نے ہر طرح پر یہ کوشش کی کہ ایک ڈین بادشاہ کے تخت میں انگلستان کے اندرونی اتحاد کو محفوظ اور شمال سے اس کا تعلق قائم رکھنے میں اپنے متوفی آقا کے اصول عمل کو بر قرار رکھے، مگر ہارتھا کینوٹ کے مرنے کے بعد کینوٹ کی طرزِ عمل کا برقرار رکھنا غیر ممکن ہو گیا اور اس لئے وہ بھی ڈین کی طرفداری کو خیر باد کہ کر رعایا کے عام خیالات و جذبات کے ساتھ ہو گیا جو اتھلرڈ کے بیٹے اڈورڈ کو بادشاہ بنانے پر تلے ہوئے تھے اور آخر اُسے تخت پر بٹھا کر رہے +

اڈورڈ دتاب
۱۰۴۲-۱۰۶۶

اڈورڈ نے بچپن ہی سے وطن سے باہر دربار نارمنڈی میں پرورش پائی تھی۔ قدیم انگریزی خاندان کے اس آخری بادشاہ میں زمانۂ مابعد میں تقدس کی

ایک عجیب شان پیدا کردی گئی ہے۔ افسانے اس کی متقیانہ سادگی، زندہ دلی، نیک مزاجی اور پاکبازی کے تذکروں سے بھرے ہوئے ہیں۔ انہیں وجوہ سے اسے تائب کا لقب دیا گیا۔ اور ویسٹ منسٹر میں اسی کے بنا کردہ خانقاہی گرجے کے اندر ایک ولی کی حیثیت سے اس کا مزار تیار کیا گیا۔ خوش طبع لوگ بلند آہنگی کے ساتھ اس کے عہد کے طویل امن اور شان و شوکت کے راگ گاتے پھرتے تھے۔ جن میں یہ ذکر تھا کہ دلیر و عقلمند مشیر اس کے تخت کے گرد کھڑے رہتے اور اہل ویلز اور اسکاٹ اور برطانوی سب اس کے فرماں پذیر تھے۔ جب انگلستان اس طرح اپنے نارمن فاتحین کے قدموں کے نیچے پامال ہو رہا تھا تو اس عالم پریشانی میں لوگ اڈورڈ کو کیوں نہ غنیمت سمجھتے۔ ان حالات نے اس کی یاد کو ایسا عزیز بنا دیا کہ اس کا نام ہی حریت و آزادی کا مرادف سمجھا جانے لگا۔ ولیم یا ہنری کی رعایا آزادی کے طلبگار ہونے کے بجائے اڈورڈ تائب کے قوانین کی خواستگار ہوتی تھی مگر اس جلا وطن شخص کا الفرڈ کے تخت پر واپس آنا خواب و خیال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا، بلکہ اس کے نحیف جسم، نازک چہرے، عورتوں کے سے شفاف ہاتھ، نیلی آنکھوں اور زرین بالوں نے اسے خود بھی ایک سایہ بنا دیا تھا۔ سیاسی جلوہ گاہ پر بھی اس کی درخشانی بالکل ایک نقش خیالی تھی۔ حکومت کا کام دوسرے قوی تر ہاتھوں سے انجام پاتا تھا۔ بادشاہ کی کمزوری نے گاڈون کو ملک کا مالک بنا دیا تھا اور اسنے مضبوطی و دانائی کے ساتھ حکومت کے کام کو انجام دیا۔ اسکینڈینویا کے سیاسی معاملات میں ہر طرح کی مداخلت کو بادل نخواستہ ترک کرکے، اس نے خود انگلستان کی محافظت کے لئے ایک بیڑا تیار کیا جو ساحل کے گرد چکر

لگاتا رہتا تھا۔ اندرون ملک میں اگرچہ صوبجات اب تک اپنی جداگانہ مقامی آزادی پر قائم تھے مگر آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ ایک حقیقی سیاسی اتحاد پیدا ہو رہا تھا۔ گاڈون کے کام کی ضرورت بیرونِ ملک سے زیادہ خود اندرون ملک کو تھی اور ملک کے امن و امان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے اس کام کو کس خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

گاڈون کا زوال

اڈورڈ کے تمام ابتدائے عہد میں انگلستان پر تین والیانِ صوبجات حاوی تھے۔ نارتھمبریا میں سیوارڈ، مرسیا میں لیوفرک اور وسکس میں گاڈون نے اپنا اپنا عمل دخل جما رکھا تھا اور کینوٹ کے بعد یہ اندیشہ ہوگیا تھا کہ کہیں قدیم رواج کے مطابق ہر صوبہ الگ الگ نہ ہو جائے۔ جس شے نے اس علحدگی کو روکا وہ گاڈون کی بڑھی ہوئی جاہ طلبی تھی۔ وہ اپنی طبیعت کا سارا زور اپنے خاندان کی شوکت و حشمت کے بڑھانے پر صرف کر رہا تھا۔ اس نے اپنی لڑکی کو بادشاہ کے عقد میں دیدیا تھا۔ ٹیمز کے جنوب کا تمام انگلستان خاص اس کی ولایت میں داخل تھا۔ اس کا بیٹا ہیرلڈ، ایسٹ اینگلیا کا والی تھا، اور دوسرا بیٹا سوین مغرب میں ایک ولایت پر حکمراں ہو گیا تھا، اس کا بھتیجا بیورن وسط انگلستان میں جما ہوا تھا۔ مگر خاندان ہی گاڈون کی تباہی کا باعث بھی ہوا۔ اس کی طاقت پر پہلی ضرب سوین کی قانون شکنی سے پڑی۔ سوین نے خانقاہ لیومنسٹر کی رئیسہ کی اولًا تو بے حرمتی کی اور اس سے زیادہ ہتک یہ کی کہ جب اسے واپس کیا تو ساتھ ہی عقد کا پیغام بھی بھیج دیا۔ بادشاہ نے جب اس کی منظوری سے انکار کیا تو وہ ملک سے بھاگ گیا۔ گاڈون کے اثر سے اسے معافی مل گئی مگر معافی مانگنے کے لئے

واپس آتے ہی اس نے اپنے چچا زاد بھائی بیورن کو جس نے مصالحت
سے مخالفت کی تھی مار ڈالا، اور پھر فلینڈرز کو بھاگ گیا۔ قومی غصے کے
طوفان نے بھی سمندر پار تک اس کا تعاقب کیا۔ عقلا کی مجلس نے اسے
"ہیچ" یا "ناکارۂ محض" قرار دیا، گویا ملک میں اب اس کی کوئی ہستی
باقی نہیں رہی مگر اس کے باپ نے ایک ہی برس کے اندر اندر اس کے
لئے بادشاہ سے ازسر نو معافی حاصل کر لی اور اسے دوبارہ اس کی
سابقہ ولایت پر متعین کر دیا۔ ایسے مجرم کو اس زبون طور پر بری الذمہ کردینے
سے گاڈون کے اثر میں فرق آگیا اور جب تھوڑے ہی عرصہ بعد اس میں
اور بادشاہ میں کشیدگی پیدا ہو گئی تو یہ بے یار و مددگار نظر آتا تھا۔ بادشاہ
حالاتِ ملک سے بالکل اجنبی تھا وہ اپنے فرامین تک میں نارمن طرز کی
ایک مہر استعمال کرتا تھا۔ اس نے اپنے نارمن ندیموں کو کلیسا و سلطنت
کے اعلیٰ ترین عہدوں پر متعین کر دیا تھا؛ یہ غیر ملکی اگرچہ وزیر کے مخالف
تھے مگر گاڈون کے اثر و قابلیت کے سامنے ان کی کچھ پیش نہیں جاتی
تھی۔ کچھ زمانہ بعد جب انہوں نے تنہا اس کے مقابلے کی جرأت کی تو
گاڈون کو ہاتھ اُٹھانے کی بھی ضرورت نہیں پڑی وہ خود ہی دب کر
رہ گئے؛ مگر سوین کو جرم سے بری کر دینے سے جو عام بد دلی پیدا ہوئی
اس سے انہیں موقع ملا کہ اڈورڈ کو ارل کی مخالفت پر اکسائیں۔ ایک
نہایت ہی خفیف رنجش سے اس کا موقع نکل آیا۔ ایک روز جب
بادشاہ کا بہنوئی ایونیس (کاؤنٹ بولون) اس سے ملاقات کرکے اپنے ملک کو واپس جارہا تھا
ڈوور میں اس نے اپنے ہمراہیوں کے لئے مکانات طلب کئے۔ اس میں
کچھ جھگڑا پیدا ہوا اور شہری و اجنبی دونوں طرف سے لوگ مارے گئے۔

بادشاہ نے غصے میں آکر گاڈون کو حکم دیا کہ اس کے عزیز سے مقابلہ کرنے کے جرم میں وہ اس شہر کو سزا دے۔ گاڈون کی عالی ظرفی نے اسے گوارا نہ کیا او. اس نے ہر طرح پر بادشاہ کو اس فعل سے روکنا چاہا اور منصفانہ تحقیقات کے لئے اہل شہر کے استحقاق کی طرف بادشاہ کو توجہ دلائی مگر اڈورڈ نے اس انکار کو سرکشی پر محمول کیا' اور اس رنجش نے مخالفت کی صورت پیدا کر دی۔ گاڈون نے فوراً اپنی فوجیں مجتمع کر کے گلوسٹر پر دھاوا کر دیا اور غیر ملکی مقربین کو ملک بدر کر دینے کا مطالبہ کیا؛ مگر اس منصفانہ اور بالکل حق بجانب جد و جہد میں بھی ملک نے اس کی تائید میں سرد مہری برتی۔ مرسیا اور نارتھمبرلینڈ کے والیوں نے اپنی فوجیں اڈورڈ کی فوجوں کے ساتھ شامل کر دیں۔ اور لندن میں عقلا کے ایک مجمعے میں سوین کو خارج البلد کر دینے کا مسئلہ پھر چھڑ گیا۔ گاڈون نے اپنی فطری دور اندیشی سے ایک لاحاصل جھگڑے میں پڑنا نہ چاہا اور سمندر پار فلینڈرز کو چلا گیا۔

گاڈون کی جلا وطنی ١٠٥١

لیکن اس کے زوال سے قوم کا غصہ فرو ہو گیا۔ گاڈون کے قصور کیسے ہی عظیم کیوں نہوں مگر اب وہی ایک شخص رہ گیا تھا جو انگلستانی پر درباری غیر ملکیوں کے تسلط کو روکے ہوئے تھا۔ ایک برس بھی نہیں گذرنے پایا تھا کہ ٹیمز میں اس کے بیڑے کے نمودار ہوتے ہی اڈورڈ کو مجبوراً دبنا پڑا اور غیر ملکی مقتدایان دین اور اساقفہ کو عقلا کی اسی مجلس نے خارج الذمہ قرار دیا جس نے گاڈون کی واپسی کی منظوری دی اور ان تمام غیر ملکیوں کو سمندر پار بھاگنا پڑا۔ ملک میں واپس آنے کے بعد ہی گاڈون کا انتقال ہو گیا اور معاملات ملکی کی سربراہی خاموشی کے ساتھ اس کے بیٹے کی طرف منتقل ہو گئی۔

ہیرلڈ ۱۰۶۶-۱۰۶۵

ہیرلڈ کو جب اختیار حاصل ہوا تو اسے ان دشواریوں سے سابقہ نہیں پڑا جو اس کے باپ کے راستے میں حائل تھیں ۔ بارہ برس تک فی الحقیقت اسی نے ملک پر حکمرانی کی، گاڈون کی ہمت، قابلیت، انتظامی زیرکی، حوصلہ مندی، ہوشیاری، پھر ایک بار اس کے بیٹے میں نظر آنے لگیں۔ انگلستان کی اندرونی حکومت میں اس نے اپنے باپ کے اصول عمل کی تقلید کی مگر انہیں انتہائی حد تک پہنچانے سے بچتا رہا۔ امن برابر قائم رہا۔ انصاف کا عملدرآمد ہوتا رہا اور ملک کی دولت و خوشحالی بڑھتی گئی ۔ انگلستان کے زردوزی اور کشیدے کے کام فلینڈرز اور فرانس کے بازاروں میں مشہور ہو گئے ۔ بیرون ملک سے جب کسی خرابی کے پیش آنے کا اندیشہ ہوا تو اسے تیزی اور سختی کے ساتھ مٹایا گیا۔ ہیرلڈ کی فوجی قابلیت کا اظہار اس کی مہم ویلز سے ہوا کہ کس جرأت و تیزی سے وہ اپنی فوجوں کو پہاڑی لڑائیوں کے مناسب حال ہتیاروں سے مسلح کر کے پہاڑوں کے قلب تک گھس گیا اور ملک کو کامل اطاعت پر مجبور کر دیا۔ مگر اس خوشحالی میں قومی قوتِ عمل کے شریف تر جوہر کمزور اور مذہبی زندگی کے نمایاں اثرات مردہ ہو گئے تھے ۔ علم ادب جو بر اعظم میں ایک نیا زور و شور پیدا کر رہا تھا وہ انگلستان میں چند مزامیر و مواعظ میں محدود ہو کر رہ گیا تھا ۔ بادشاہ یا والیان صوبجات کے بنائے ہوئے چند گرجے اُن شاہانہ عمارتوں کے مقابلے میں بالکل ناچیز معلوم ہوتے تھے جو نارمنڈی اور سرزمین رائن کی زینت کا باعث ہو رہے تھے اور وہاں کی جوشِ مذہبی کی شہادت دے رہے تھے ۔ انگلستان کا کلیسا خواب غفلت میں پڑا ہوا تھا۔ کینٹربری کا اسقفِ اعظم اسٹیگینڈ پوپ کے ایک مخالف کا پیرو تھا

اور انگریزی کلیسا کا اعلیٰ ترین عہدہ بیکار معلوم ہوتا تھا۔ کسی اہم مجلس یا کسی مذہبی اصلاح سے انگلستان کے پادری خواب غفلت سے نہ چونکے۔ تمام یورپ ادبیات، علوم و فنون اور مذہب میں نئی زندگی حاصل کر رہا تھا مگر انگلستان کو اس سے کچھ سروکار نہ تھا، گاڈون کی طرح ہیرلڈ کی قوت بھی تمام تر اپنی ہی شان و شوکت کے بڑھانے پر مبذول رہی۔ سیورڈ کے انتقال پر نارتھمبریا کی ولایت ہیرلڈ کے بھائی ٹاسٹگ کو مل گئی اور اس طرح قدیم مرسیا کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے سوا تمام انگلستان خاندانِ گاڈون کے ہاتھ میں آگیا۔ اڈورڈ کے کوئی اولاد نہیں تھی وہ جس قدر قبر سے قریب ہوتا جاتا تھا اسی قدر اس کا وزیر تخت سے قریب تر ہوتا جاتا تھا۔ تمام رکاوٹیں یکے بعد دیگرے ہٹتی جا رہی تھیں۔ اسے سب سے زیادہ ٹاسٹگ کی مخالفت کا اندیشہ تھا مگر اہل نارتھمبریا کی ایک بغاوت نے ٹاسٹگ کو فلینڈرز کی طرف بھگا دیا۔ ارل نے اڈون (والی مرسیا) کے بھائی مارکیر کو ٹاسٹگ کا جانشین کر دیا اور اس طرح مرسیا کے خاندان لیوفرک کو اپنا جانبدار بنا لیا۔ درحقیقت اس کا مقصود بغیر جنگ و جدل کے خود بخود حاصل ہو گیا۔ امرا و اساقفہ جو تائب کے بستر مرگ کے گرد جمع تھے وہ خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکلے اور بلا توقف ہیرلڈ کا انتخاب کر کے اسے صاحب تاج و تخت بنا دیا۔

انتقال اڈورڈ جنوری ۱۰۶۶ء

جزو سوم

نارمنڈی و نارمن

۹۱۲ — ۱۰۶۶

اسناد ۔ سینٹ کونٹن کا ڈیوڈو ایک پُرگو و پریشان نویس شخص ہے۔ مگر اس نے

نہایت ہی قدیم نارمن روایات کو محفوظ رکھا ہے فاتح کے ہمعصر ولیم (ساکن جومیجز) نے اس کی تصنیف کا خلاصہ کیا ہے اور اسے اور آگے بڑھایا ہے۔ ہنری ثانی کے وقت میں دیس نے جو تالیف رومن ڈی رو (Roman de Rau) کے نام سے کی ہے وہ اسی تصنیف سے ماخوذ ہے۔ بارھویں صدی کے ایک نارمن مصنف آرڈرکیس ویٹیلس نے مذہبی تحریک کو سب سے بہتر طریق پر بیان کیا ہے۔ اگرچہ اس کی کتاب فضول گوئی اور بے ربطی سے خالی نہیں ہے مگر پھر بھی قابل قدر معلومات سے بھری ہوئی ہے۔ لیفرینک کے حالات کے لئے لیفرینسی اپیرا (Lanfranci Opera) مرتبہ جائلز اور ہوک کی تصنیف آرچ بشپس آف کینٹربری (اساقفہ اعظم کینٹربری Archbishops of Canterbury) دیکھنا چاہئے۔ انسیلم کی سوانح عمری ڈین چرچ نے بہت خوبی سے مرتب کی ہے۔ نارمنڈی کی عام تاریخ کو سر فرینس پالگریو نے اپنی تصنیف نارمنڈی اینڈ انگلینڈ (نارمنڈی و انگلستان Normandy and England) میں تفصیل اور رنگین بیانی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مسٹر فریمن نے اپنی تصنیف ہسٹری آف نارمن کانکویسٹ جلد اول و دوم (تاریخ فتح نارمن History of Norman Conquest) میں زیادہ صحت و اختصار مد نظر رکھا ہے۔

نارمنڈی

ہیرلڈ کی تخت نشینی جس سکون و اطمینان سے عمل میں آئی وہ قائم نہ رہ سکا اس تخت نشینی کے ساتھ ہی ایک ایسے ملک سے اندیشہ ناک خبریں موصول ہونے لگیں جو اگرچہ اس وقت ایک اجنبی ملک معلوم ہوتا تھا مگر عنقریب خود انگلستان کا جزو ہونیوالا تھا۔ تاریخ انگلستان کے جس زمانے میں ہم اب داخل ہونے والے ہیں اس کے متعلق جس قدر واقفیت نارمنڈی کی ایک گشت سے حاصل ہو سکتی ہے اس قدر واقفیت دنیا کی تمام کتابوں سے بھی نہیں ہو سکتی۔ کین کے گرجے کے جس شاندار قبے کے نیچے فاتح کی قبر بنی ہوئی ہے اس میں فتح کا پورا قصہ لکھا ہوا ہے۔ راستے کا ایک ایک دیہات انگریزوں کے لئے اپنی کوئی نہ کوئی یادگار رکھتا ہے، دیوار قلعہ کے کسی ٹکڑے پر بردس کے گھر کا نشان ہے، کسی خوش منظر چھوٹے سے گاؤں سے پرسی کا نام قائم ہے خود ملک اور اس کے آدمیوں کی صورت تک انگریزوں کو مانوس معلوم

ہوتی ہے۔ کسان کی ٹوپی اور قمیص انگلستان کے ادنیٰ درجے کے کاشتکاروں
کے انداز و اطوار کو یاد دلاتی ہیں۔ کین کے قرب و جوار کے کھیتوں کی گھنی
جھاڑیوں، نارون کے درختوں اور سیب کے باغوں سے ہو بہو انگریزی قصبات
کی کیفیت پیش نظر ہو جاتی ہے۔ سب سے اونچی بلندیوں پر بھورے رنگ
کی وہ مربع دیدگاہیں بنی ہوئی ہیں جن کی مثالیں نارمنڈی نے رچمنڈ کی
پہاڑیوں اور ٹیمز کی ساحلوں پر بھی چھوڑی ہیں۔ ان قصبات میں (جو تجارت
کی چھوٹی چھوٹی منڈیاں ہیں) سُرخ کھپریلوں کے مکانات کے درمیان بادشاہوں
کے بنا کردہ وہ عظیم الشان اور بلند گرجے واقع ہیں جنھوں نے الفرڈ اور ڈنسٹن
کے گرجوں کو پست کر دیا تھا۔

نارمن کی آبادکاری

جس زمانے میں الفرڈ کی اولاد انگلستان کے ڈین لا (ملک ڈین) کو فتح
کرنے اٹھی ہے۔ اسی زمانے میں ناروے کے ایک رہنے والے رالف دی گینجر
نامی نے جو گتھرم و ہیسٹنگ کے مانند ایک قزاق سردار تھا، دریائے سین
کی دونوں جانب کی زمین فرانسیسی بادشاہ چارلس دی سمپل (سادہ دل) سے
لی تھی۔ جس معاہدے کی رو سے فرانس نے اپنا ساحلی ملک رالف کے حوالہ

صلح کلیر سراپٹ ۹۱۲

کرکے امن حاصل کیا وہ صلح وڈمور کی ہو بہو نقل تھا۔ گتھرم کی طرح رالف
کو بھی اصطباغ دیا گیا، بادشاہ کی لڑکی اس کے عقد میں آئی اور اس مملکت
کے لئے جو اب ملک نارمن یا نارمنڈی کے نام سے موسوم ہوئی وہ بادشاہ
کا باجگذار رئیس قرار دیا گیا، مگر بادشاہ کی ماتحتی اور تبدیل مذہب کسی نے
بھی اس قزاق پر کچھ اثر نہ ڈالا۔ سین کے قرب و جوار میں آباد ہونیوالے
اہل شمال کو فرانسیسیوں سے متحد کر دینے کے لئے نسل و زبان کے وہ روابط
موجود نہیں تھے جن کی وجہ سے ہمبر کے گرد آباد ہونیوالے اہل شمال انگریزوں سے

متحد ہو گئے تھے، رالف کا بیٹا ولیم، لانگ سورڈ (دراز شمشیر) اگرچہ فرانس و مذہب کی طرف سے حالت تذبذب میں رہا مگر شمالی ہونے میں بہت پکا تھا۔ اس نے جب جزیرہ نمائے کانٹنٹن کو (جو کوہِ سنٹ میکائل سے چربورگ کی چٹانوں تک پھیلا ہوا ہے) فتح کیا تو ڈین لوگوں کو وہاں اپنی آبادی قائم کر لینے کے لئے ہر طرف سے بلایا اور اپنے لڑکے کو تربیت و پرورش کے لئے بایو کے شمالیوں کے پاس بھیج دیا جہاں ڈین زبان اور اطوار بہت سختی کے ساتھ اپنی حالت پر برقرار تھے؛ اس کے مرنے کے بعد بت پرستی پھر شایع ہوگئی اور نارمن کا بہت بڑا حصہ مع نوعمر ڈیوک رچرڈ کے کچھ دنوں کے لئے عیسائیت سے علیحدہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی دریائے سین نئے قزاقی بیڑوں سے بھر گیا۔ اس صدی کے اختتام تک آس پاس کے فرانسیسی بدستور تمام قوم نارمن کو قزاق، ان کی زمین کو قزاقوں کی زمین، اور ان کے ڈیوک کو قزاقوں کا ڈیوک سمجھتے رہے؛

نارمنڈی کا تمدن ۹۴۵-۹۹۶

تاہم جن طاقتوں نے ڈین کو انگریزوں سے ملا دیا تھا اُنہیں طاقتوں نے زیادہ قوت کے ساتھ فرانس کی قوم ڈین پر بھی اثر ڈالا۔ ڈین سے زیادہ کبھی کسی قوم نے اس صفت کا اظہار نہیں کیا کہ جس قوم سے اس کا اختلاط ہو خود اس کی تمام خصلتوں کو جذب کر لے اور اپنی قوتِ عمل سے اسے موثر کر دے۔ ولیم (دراز شمشیر) کے بیٹے ڈیوک رچرڈ دی فیرلس (بے خوف) کے طویل عہد میں بت پرست نارمن قزاق دل سے فرانسیسی عیسائیت اور جاگیردارانہ طریق کے پابند ہو گئے، قدیم شمالی زبان صرف بایو یا چند مقامی ناموں میں باقی رہ گئی، جس قدر قدیم شمالی آزادی کا چپکے چپکے خاتمہ ہوتا گیا اُسی قدر قزاقوں کی اولاد میں فرانس کے

جاگیردار امیروں کا سا انداز پیدا ہوتا گیا اور "قزاقوں کی سرزمین" فرانسیسی جاگیروں میں سب سے زیادہ با وفا جاگیر ہو گئی ۔تبدیل مذہب کے ساتھ ہی عادات و اطوار میں بھی تبدیلی پیدا ہو گئی ۔جس ملک میں بت پرستی نے اپنی حفاظت اور زندگی کے لئے جان توڑ مقابلہ کیا تھا وہی ملک اس تبدیل مذہب کی وجہ سے عیسائیت و کلیسا کا زبردست حامی بن گیا۔ نئے مذہب کا اثر سب سے پہلے حکمرانان نار منڈی تھی) پر پڑا مگر جب مذہبی تحریک عوام میں پھیلی تو ایک طرح کے مجنونانہ جوش کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ تمام سڑکیں زائرین سے بھری رہتی تھیں ۔جنگلوں کے اندر ہر ایک کشادہ زمین پر خانقاہیں قائم ہو گئیں۔ بریَن کا ایک نائٹ ہرلوین نامی دنیا سے کنارہ کش ہو کر ایک چھوٹی سی وادی میں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔ یہ وادی ایش اور نارون کے درختوں سے گھری ہوئی تھی اور ایک چشمہ اس کے درمیان سے گذر کر دریائے رسل میں جا ملتا تھا' اس چشمے کا نام بک تھا اور اسی سے خانقاہ کا نام بھی بک ہو گیا۔ ایک روز وہ خود اپنے ہاتھ سے چولھا بنانے میں مصروف تھا کہ ایک اجنبی نے آکر کہا کہ "خدا تمہیں سلامت رکھے" اس شخص کے غیر مانوس چہرے پر نظر ڈال کر اس نائٹ رئیس خانقاہ نے پوچھا "کیا تم لمبارڈی کے رہنے والے ہو" مسافر نے جواب دیا "ہاں" اور وہیں زمین پر سر رکھ کر ہرلوین کے قدموں کو بوسہ دیا اور اس سے یہ التجا کی کہ اسے راہبوں کے زمرے میں داخل کرلے ۔لمبارڈی کا یہ باشندہ در اصل پیویا کا لیفرینک تھا۔ وہ ایک عالم شخص تھا اور رومی قوانین میں خاص مہارت رکھتا تھا۔ وہ ایورانچی میں ایک مدرسہ قائم کرنے کے خیال سے آلپس کے نواح میں پھرتا رہا تھا اور اب ہرلوین کے صلاح

وتقوی کی شہرت سُن کر مذہبی زندگی اختیار کرنے پر مائل ہو گیا تھا۔ لیفرینک کا مذہبی جوش واقعی سچا تھا مگر تقدیر میں بجائے ولی ہونے کے منتظم و مدبر ہونا لکھا تھا۔ اس کی تعلیم کی وجہ سے بک چند برسوں میں ممالک عیسوی کا مشہور ترین مدرسہ بن گیا۔ درحقیقت دینی تحریک کی یہ پہلی رَو تھی جو اطالیہ سے نکل کر مغرب کے جاہل ملکوں میں پھیل رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس زمانے کی تمام دماغی قوتِ عمل طلبا کے اس گروہ میں مجتمع ہو گئی ہے جو لیفرینک کے گرد جمع تھے۔ مذہبی قانون اور زمانہ وسطیٰ کی تمام علمی کارناموں اور فلسفیانہ تشکیک کی آخری منزل بک کے مدرسے پر منتہی ہوتی ہے +

لیفرینک بمقام بک ۱۰۴۵-۱۰۶۶

اینسلم

لیفرینک کے طلبہ میں اوسٹا کا رہنے والا ایک شخص اینسلم نامی سب سے زیادہ مشہور ہوا۔ اپنے استاد کی طرح یہ بھی اطالوی تھا اور بہت جلد رئیس خانقاہ ومعلم کی حیثیت سے اس کا جانشین ہونے والا تھا۔ یہ دونوں اگرچہ دوست تھے مگر کہیں دو شخصوں کے طبائع میں ایسا زیادہ تعجب انگیز تباین نہیں ہو سکتا جیسا ان میں پایا جاتا تھا۔ اینسلم نے جوانی کے زمانے تک اپنی پہاڑی وادی کی خاموش تنہائی میں پرورش پائی تھی۔ وہ ایک نازک طبع اور خیال آفرین شاعر تھا۔ اس کی روح کوہ الپائن کے برف کے مانند پاک و صاف اور اس کی ذہانت پہاڑی ہوا کی طرح تیز و شفاف تھی۔ اس شخص کے مزاج کا صحیح اندازہ اس کی نوجوانی کے ایک خواب سے ہو سکتا ہے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ بہشت ایک شاہانہ محل کی طرح پہاڑ کی چمکدار چوٹیوں کے درمیان واقع ہے اور وادی کے کشت زاروں میں غلہ جمع کرنیوالی عورتیں اس آسمانی بادشاہ کے کھیت میں کام کر رہی ہیں۔ یہ عورتیں اپنے کام میں سُست تھیں۔ اینسلم ان کے تساہل سے کبیدہ ہو کر عجلت کے ساتھ پہاڑ کے اوپر

چڑھ گیا تاکہ ان کے مالک سے ان کی شکایت کرے۔ جیسے ہی وہ محل میں پہنچا بادشاہ کی آواز سن کر وہ کھڑا ہو گیا اور اپنا قصہ کہ سنایا۔ بادشاہ کے حکم سے ایک سفید روٹی جسے دنیاوی سفیدی سے کوئی نسبت نہ تھی اس کے سامنے رکھی گئی اور وہ اُسے کھا کر تازہ دم ہو گیا۔ صبح کے وقت خواب تو جاتا رہا مگر بہشت کے زمین سے قریب ہونے کا خیال، اپنے خدا کی خدمت کی پُرجوش وفاداری، خدا کی حضوری کی پُرشفقت امن و آسائش اس خواب کی یادگار کے طور پر باقی رہ گئے اور وہ اینسلم کی زندگی کے لئے شمع ہدایت بن گئے۔ دوسرے اطالوی طلبا کی طرح وہ بھی پھرتا ہوا نارمنڈی پہنچا اور لیفرنیک کے زیر ہدایت رہبانیت اختیار کرلی، اورجب اس کا استاد اپنے دوسرے اعلیٰ فرائض کی انجام دہی کے لئے بک سے چلا گیا تو خانقاہ کے انتظام کے لئے وہی اس کا جانشین قرار پایا؛ کسی استاد نے اپنے کام کو انیسلم سے زیادہ محبت وشوق کے ساتھ انجام نہ دیا ہوگا۔ وہیں ایک دُوسرا معلم تھا جس کا دارومدار ضرب وتشدد پر تھا، انیسلم سے نہ رہا گیا اور ایک بار بگڑ کر کہا کہ "اپنے طلبا کو ترقی و اصلاح کی طرف بڑھاؤ۔ کیا تم نے کبھی کسی کاریگر کو دیکھا ہے کہ سونے کے پتر کو صرف ٹھونک ٹھونک کر اس نے ایک خوبصورت مجسمہ بنا دیا ہو۔ کیا وہ یہ نہیں کرتا کہ کبھی اسے نرمی سے دبائے اور کبھی اپنے اوزاروں سے تھپکے، کبھی بہت ہوشیاری کے ساتھ آہستگی سے اسے اُبھارے اور اس میں شکل پیدا کرے۔ تمہارے طلبا پر اس بے محابا ضرب وشلاق سے کیا اثر ہوتا ہے؟" استاد نے کہا کہ "اورحیوان ہو جاتے ہیں" انیسلم نے یہ چبھتا ہوا جواب دیا کہ "ہماری بدقسمتی ہے کہ تمہاری تربیت سے انسان حیوان بن جاتا ہے"۔ اس کی نرمی اور تحمل کے سامنے بدترین طبیعتیں بھی ملائم ہو جاتی تھیں یہاں تک کہ

۱۰۶۰

خود فاتح جو دوسروں کے لئے اس درجہ درشت خو اور ہولناک تھا انیسلم کے ساتھ مہربان اور نرم گفتار ہوتا جاتا تھا +

لیکن علمی کے انہماک اور فکروں کے باوجود بک کے اِس رئیسِ خانقاہ کو مسائلِ فلسفیانہ پر بھی غور کرنے کا وقت مل جاتا تھا اور انہیں عظیم الشان علمی تحقیقاتوں پر از منہ وسطی کی دینیات کی عمارت قایم کی گئی ہے۔ عیسائی صاحبان فکر میں سب سے پہلے اسی نے اپنے معزز تصانیف کے ذریعے سے خدا کے تصور کو عقلِ انسانی کی فطرت کے موافق ثابت کرنیکی کوشش کی۔ مشکل خیالات کے حل کرنے میں اس کا شوق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ خواب و خور تک اس پر دشوار ہو گیا تھا۔ بعض وقت اس کے لئے عبادت کا پورا کرنا بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ اکثر راتوں کو اس وقت تک جاگتا رہتا جبتک کہ وہ اپنے خیال پر قابو نہ حاصل کرلیتا اور انہیں قریب پڑی ہوئی موم کی تختیوں پر لکھ نہ لیتا۔ مگر اس قسم کی گہری محویت کے باوجود بھی انیسلم کی نرم دلی و محبت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ شفاخانے کے راہبوں کو انیسلم کے ہاتھ کے نچوڑے ہوئے عرقِ انگور کے سوا کسی اور چیز سے راحت نہیں ملتی تھی۔ اس کے عہد اسقفِ اعظم کے آخری زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک خرگوش شکاریوں کے تعاقب سے بچ کر اس کے گھوڑے کے نیچے آ گیا۔ انیسلم نے خلافِ معمول نہایت سخت آواز سے شکاریوں کو اس طرف آنے سے روکا اور جانور نے باطمینان جنگل کی راہ لی۔ کلیسا کے لئے حصولِ زمین کی ہوس ایسی تھی کہ اُس میں بہت سے اچھے اچھے مذہبی شخص گرفتار ہو گئے تھے مگر اس باب میں بھی انیسلم نے عالی ظرفی اور متانت کو ہاتھ سے نہیں دیا ایکبار جب کسی ایسے ہی معاملے میں فریقین کے وکلا بحث کر رہے تھے انیسلم نے

عدالت میں آہستہ سے آنکھیں بند کر لیں اور اطمینان سے سو رہا۔ اُس کے اس فعل میں اُن کے لئے کافی تنبیہ پنہاں تھی۔ اور یہ اس کی طبیعت کا خاص انداز تھا +

جزوِ چہارم

فاتح

۱۰۴۲-۱۰۶۶

اسناد۔ فاتح کے پیش نماز (چیپلین) ولیم (پواٹیا) کی تصنیف جسٹا ولیلمی (Gesta Willelmi) سب سے مقدم ہے۔ یہ شخص ڈیوک کا سخت طرفدار تھا۔ ولیم (جو میجز) فاتح کا ہمعصر اور بہت قابل قدر مصنف ہے۔ آرڈرک، ویس اور بنیاٹ دی سنٹ مور کا منظوم وقائع یہ سب دوسرے درجے پر ہیں۔ ان کے علاوہ حملے اور سنلیگ کے حالات کے لئے گیئو (اسقف ایمینز) کی تصنیف کارمن دی بیلو ہسٹنجسی (Cormen de Bello Hastingsi) اور بایو کے کارچوبی کے کام کی بے بہا تصاویر بھی مفیدِ مطلب ہیں۔ انگریزی بیانات بہت ہی مختصر ہیں۔ سنلیک کا حملہ اور جنگ مسٹر فریمین کی ہسٹری آف نارمن کانکویسٹ (تاریخ فتح نارمن History of Norman Conquest) جلد سوم کا خاص موضوع ہے +

فتوحات نارمن

نارمن زائرین کا گروہ در گروہ اطالیہ و ارض مقدس کی زیارتگاہوں کو جانا صرف جوشِ مذہبی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ جان جوکھوں میں پڑنے کے قدیم شوق نے ان شمالیوں کو زائرین کی صف سے نکال کر مجاہدین صلیبی کی صف میں داخل کر دیا تھا۔ نارمن طبقۂ نائٹ کے بہترین افراد اپنے ڈیوک کی سخت حکومت کی تاب نہ لا کر روجر دی ٹسنی کے ساتھ مسلمانان ہسپانیہ کے مقابلے کے لئے روانہ ہو گئے یا عرب فاتحان سسلی سے لڑنے کے لئے یونانیوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ انہیں میں ایک نائٹ رابرٹ گسکارڈ تھا۔ وہ صرف ایک ہمراہی کو لیکر اپنے وطن

کانسٹنٹن سے نکلا تھا مگر اس کی شجاعت و دانائی نے اسے اطالیہ کے نارمن سپاہیوں کا سردار بنا دیا۔ نارمن اس وقت تک یونانیوں کے تحت میں کام کرتے تھے مگر اب وہ انہیں پر حملہ کر بیٹھے اور کینیا (قونیہ) میں انہیں شکست دیکر اپولیا سے بے دخل کر دیا۔ کلبریا اور ساحل کے بڑے بڑے تجارتی شہروں کو فتح کرنے کے لئے خود گسکارڈ اُن کا پیشرو بنا اور تیس برس کی جنگ آزمائی کے بعد سسلی اس کے بھائی روجر کے پیرؤن کے قبضے میں آگئی۔ یہ دونوں فتوحات ایک ہی خاندان کے حکمرانوں کے تحت میں متحد کر دی گئیں۔ انہیں حکمرانوں کی فیاضیاں تھیں جن سے پلرمو و نازیل کے فنون کو رونق حاصل ہوئی اور علم ادب میں اطالوی نغمہ سرائی کا پہلا جوش ظاہر ہوا۔ نارمنڈی ابھی تک جوش و قوت سے بھری ہوئی تھی۔ جنوب کی اس غنیمت سے اس کی طمع اور شوقِ مبادرت کو حرکت ہوئی اور گسکارڈ کی مہمات کی افواہ نے ڈیوکِ نارمنڈی کے پرجرات حوصلے کی حرارت کو اور تیز کر دیا۔

1054-1080

1060-1090

ولیم ڈیوک نارمنڈی

اس وقت نارمنڈی کا ڈیوک وہ شخص تھا جسے خود اس کے وقت کے لوگ ولیم اعظم کہتے تھے اور جسے ایک واقعے نے تاریخ انگلستان میں ولیم فاتح بنا دیا۔ اس کے عزم کی قوت، اس کی تدبیر کی وسعت، اور اس کی نظر کی بلندی جو اس زمانے کے حقیر واقعات کی سطح سے اسے بہت بلند کر دیتی ہیں، اُس وقت تک پوری طرح ظاہر نہیں ہوئی تھیں مگر اس کے لڑکپن کے زمانے سے کوئی وقت ایسا نہیں گذرا تھا کہ اپنے وقت کے اعلیٰ ترین افراد میں اس کا شمار نہ ہوتا رہا ہو۔ وہ ہمیشہ ایک مشکل کے بعد دوسری مشکل پر غالب آتا رہا اور اس کی تمام زندگی اسی میں ختم ہوئی۔ 'حرامی' کے لفظ سے پیدائشی ننگ اس کے نام کے ساتھ باقی رہ گیا۔ اس کے باپ ڈیوک رابرٹ نے

۱۰۲۶ اپنے قصبے کے ایک چرم ساز کی لڑکی آرلوٹا نامی کو فیلیس کے چھوٹے سے نالے
پر کپڑے دھوتے ہوئے دیکھا اور اس پر فریفتہ ہو گیا۔ ولیم اسی آرلوٹا کے بطن
سے پیدا ہوا تھا۔ بعد ازاں رابرٹ زیارت کے لئے گیا تو پھر اسے واپس آنا
۱۰۳۵ نصیب نہ ہوا۔ اور ولیم بچپن ہی میں تمام ممالک عیسوی میں سب سے زیادہ
سرکش بیرنوں کا حکمراں ہو گیا۔ جوانی تک پہنچتے پہنچتے وہ ہر طرف سے غداری
اور طوائف الملوکی میں گھر گیا۔ آخر کار بد نظمی نے علانیہ بغاوت کی صورت اختیار
کی۔ اپنے شکارگاہ واقع ولاگنیس میں اضلاع بیسن اور کانسٹنٹن کی بغاوت کی
خبر سن کر ولیم بالکل سراسیمہ ہو گیا اور اسے صرف اتنا وقت ملا کہ باغیوں کو
اپنے تعاقب میں چھوڑتا ہوا دریائے وائر سے گذر جائے۔ کین سے شمال شرقی
کوہ ولیس ڈیونز کے دامن میں جانبین کے سواروں کے درمیان ایک سخت
۱۰۴۷ جنگ واقع ہوئی اور اسی جنگ نے ولیم کو اس کی امارت کا واقعی مالک
بنا دیا اور وہ قدیم نارمنڈی جس پر اسکینڈینیویا کا رنگ غالب تھا ہمیشہ
کے لئے اس نئی تہذیب کے اثر میں آگئی جو فرانسیسی تعلقات اور فرانسیسی
زبان کی وجہ سے پیدا ہو رہی تھی؛ ولیم خود اس تغیر کا ایک نمونہ تھا۔ نوجوان
ڈیوک کی طبیعت میں قدیم و جدید انداز کے امتزاج کا ایک عجیب عالم نظر آتا
تھا۔ قزاقانہ درشتی، تدابیر ملکداری کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔ ولیم جس طرح شمالی
نسل کا آخری نمونہ تھا اسی طرح وہ غایت درجہ خوفناک بھی تھا۔ اس کا
دیو ہیکل تن و توش، اس کی عظیم الشان طاقت اس کا ہیبتناک چہرہ، اس کی
بیباکانہ جرأت، اس کے غصے کی شعلہ زنی، اس کے انتقام کی بیرحمی، ان تمام امور میں
ان "گرگانِ بحری" کی سرشت کا اثر موجود تھا جو اب تک دنیا کی لوٹ پر زندگی
بسر کر رہے تھے۔ اُس کے دشمن اس امر کے معترف تھے کہ "آسمان کے نیچے کوئی

نائٹ ولیم کا مدِ مقابل نہیں ہے۔" وہ اگرچہ لڑکا تھا مگر ولیس ڈیونز میں گھوڑے اور سوار سب اس کے نیزے کے سامنے گرتے جاتے تھے۔ اس کی طبیعت کی تمام مہیب کیفیتیں اس کے بچپن کے بہادرانہ واردات میں ظاہر ہو گئی تھیں۔ جافری مارٹل نے جب ایک زمین پر اپنا حق جتایا تو ولیم اس کے علی الرغم گھوڑے پر سوار اور باز اپنے ہاتھ پر بٹھائے ہوئے اُس زمین پر جا پہنچا گویا اس کے نزدیک جنگ اور شکار یکساں تھے۔ اس نے پندرہ اہلِ آنجو کو اُس وقت بھگایا جب صرف پانچ سپاہی اس کی پشت پر تھے۔ کوئی شخص اس کی کمان جھکا نہیں سکتا تھا۔ وہ انگریزی سپاہیوں کے ایک حلقے کو اپنے عصا سے توڑتا ہوا عَلَم کے نیچے تک پہنچ گیا۔ جن وقتوں میں دوسرے لوگ نا امید ہو جاتے تھے انہیں وقتوں میں اس کی اعلیٰ قوتوں کا خاص طور پر اظہار ہوتا تھا۔ سنلیک میں جب انگریزی حملے کی تاب نہ لا کر اس کے سپاہی بھاگے ہیں تو انہیں جمع کرنے کے لئے اس کی آواز میں قرنے کے مانند گرج پیدا ہو گئی تھی۔ موسم سرما میں جب اس نے چیسٹر کی طرف کوچ کیا ہے تو وہ اپنی کمزور فوج کے آگے آگے خود پا پیادہ چلتا تھا اور ایک موقع پر سڑک کو برف سے صاف کرنے میں خود اپنے ہاتھ سے اس نے مدد دی۔ شمالی جرأت کے ساتھ شمالی لبے رحمی بھی اس سے ظاہر ہوتی رہتی تھی النسان کے باشندوں نے اسکی فرو مائگی نسل کے اظہار حقارت کی طور پر جب کچا چمڑا دیواروں سے لٹکایا اور چلا چلا کر کہنے لگے کہ "دباغ کے لئے کام موجود ہے" تو ولیم نے اپنے قیدیوں کی آنکھیں نکال کر اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں قصبے کے اندر پھینک دیا۔ اپنی زندگی کی سب سے بڑی فتح کے بعد اس نے ہیرلڈ کی نعش کو دفن نہ ہونے دیا۔ صرف ایک شکارگاہ کی خاطر ہیمشائر کے سیکڑوں

آدمی اپنے گھروں سے نکال دئے گئے۔ نارتھمبریا کو اس نے جس بُری طرح برباد کیا اس سے شمالی انگلستان ایک ویرانہ بن گیا۔ اُس کے مزاج تک سے ایک طرح کی ہیبت اور بے رحمی ظاہر ہوتی تھی۔ بڑھاپے میں اس کا جسم بے قابو ہوگیا تھا اور علالت نے اسے مقام روئین میں صاحب فراش بنا دیا تھا۔ فلپ شاہ فرانس نے اس کی ہنسی اُڑائی اور کہا کہ "شاہ ولیم مدت سے اس طرح پڑے ہیں جیسی کوئی عورت زچہ خانے میں پڑی ہو" ولیم نے قسم کھا کر کہا کہ جب اٹھونگا تو میں فلپ کے ملک میں ادائے شکر کے لئے جاؤنگا، اور اپنے گرجے کے لئے بیش قیمت تحفہ لاؤنگا۔ ہزار قندیلیں نذر کرونگا۔ یہ جلتے ہوئے علم ہونگے اور ان شعلوں کے اوپر لوہا چمکیگا"۔ فصل کٹنے کے وقت فرانسیسی سرحد کے قرب و جوار میں جلے ہوئے قصبے اور دیہات کی راکھ نے فاتح کی قسم کو پورا کیا، تنہائی کے وقت میں بھی اُس میں یہی وحشیانہ کیفیت پائی جاتی تھی۔ وہ انسان کی اُلفت و نفرت کی بہت کم پروا کرتا تھا۔ اس کے ہیبتناک چہرے، اس کے پُرغرور انداز، اس کے سکوت، اور اس کے جوش کے وحشیانہ ہیجان سے دربار میں خوف چھا جاتا تھا؛ انگریزی وقائع نگار کہتا ہے کہ "وہ اس قدر درشت خو اور ہیبتناک تھا کہ کسی شخص کو اسے اپنے ارادے سے باز رکھنے کی جرأت نہیں ہوسکتی تھی"۔ اینسلم کے ساتھ اس نے جو لطف آمیز برتاؤ کیا اس سے اس کے برتاؤ کی عام سختی اور زیادہ نمایاں ہوگئی۔ اسکے غصے میں بھی تنہا پسندی کی شان نکلتی تھی۔ ہیرلڈ کی تخت نشینی کی خبر جس وقت اسے پہنچی ہے تو اُس نے کسی سے بات نہ کی اور نہ کسی کو یہ جرأت ہوئی کہ اس سے بول سکے" جب وہ محل سے نکل کر سنسان جنگل میں پہنچا ہے اس وقت جاکر اس کا مزاج ذرا دھیما ہوا۔ وہ جنگلی

ہرنوں سے ایسی محبت رکھتا تھا گویا اُن کا باپ ہے۔ اس کا فرمان تھا کہ جو شخص کسی ہرن یا ہرنی کو مارےگا وہ اندھا کر دیا جائےگا۔ خود موت پر بھی اس کی زندگی کی وحشتناک تنہائی کا رنگ چڑھ گیا۔ اُس کی آنکھ بند ہوتے ہی قسیس اور امراسب اس کے پاس سے فرار ہوگئے اور فاتح کی نعش برہنہ و تنہا فرش پر پڑی رہ گئی۔ ولیم جس کی حیثیت محض ایک شمالی شخص کی تھی۔ صرف اپنی ذہانت کی وجہ سے سپہ سالار اور مدبر بن گیا تھا۔

ولیم اور فرانس

جافری مارٹل (کاؤنٹ آنجو) اِس نارمن طاقت کی ترقی کو رقیبانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اور وہ اپنے اثر سے فرانس کو دوست کے بجائے اس کا دشمن بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس خطرے نے ولیم کی حالت میں معاً تغیر پیدا کر دیا اور ولیس ڈیوٹسز کے جانباز منچلے نائٹ کے بجائے وہ ایک محتاط صاحب تدبیر بن گیا۔ فرانسیسی فوج جب سرحد سے پار اتری تو وہ ہوشیاری کے ساتھ اس کے بازوؤں کے کس پاس لگا رہا یہاں تک کہ فوج کا ایک حصہ مارٹیمر کے چھوٹے سے قصبے میں خیمہ زن ہوگیا۔ ولیم کے سپاہی اس پر اچانک جا پڑے اور اسے کاٹ کر رکھ دیا۔ دوسرے حصے کو خود ڈیوک نے روکے رکھا اور انہیں اس

۱۰۵۴

واقعے کی خبر اس وقت ہوئی جب رالف دی ٹشنی نے ایک درخت پر سے چلا کر کہا کہ "فرانسیسو! اٹھو بہت۔سو چکے، جاؤ اپنے ان دوستوں کو دفن کرو جو مارٹیمر میں مرے پڑے ہیں" چار برس بعد ایک اس سے بھی زیادہ مہیب حملے کا اس نے ایسی ہی عاقلانہ تدبیر سے مقابلہ کیا۔ وہ فرانسیسوں کے بازوؤں کے آس پاس لگا ہوا خاموشی کے ساتھ دیکھتا رہا کہ قصبے اور گرجے لوٹے جا رہے ہیں، بیین تباہ اور کین برباد ہو چکا

ہے اور حملہ آور مقام ویرا وائل کے قریب دریائے ڈائو کو عبور کرکے
لیسو کی زرخیز زمین کو ویران و نابود کیا چاہتے ہیں۔ وہ ایسے ہی موقع کی
تاک میں تھا؛ ابھی آدھی فوج دریا سے پار ہوئی تھی کہ ڈیوک یکایک ان
کے عقب پر ٹوٹ پڑا۔ جنگ نہایت سخت ہوئی اور جیسا کہ ولیم نے پہلے ہی
سمجھ لیا تھا دریا کے چڑھ جانے سے فرانسیسی فوج دو ٹکڑوں میں منقسم ہوگئی
اور اس پر ایک مایوسی کا عالم طاری ہوگیا۔ ایک تنگ راستے میں پھنس کر
نارمن تیروں کی زد سے فرانسیسی سوار، پیادے، اسباب کی گاڑیاں سب
ایک ڈھیر ہوکے رہ گئے۔ ایک متنفس بھی جان سلامت لے کر نہ بھاگ
سکا۔ شاہ فرانس دوسرے ساحل سے بے بس و مجبور اس حالت کو دیکھتا
رہا اور کچھ کر نہ سکا وہ بھاگ کر گھر پہنچا اور جاتے ہی مرگیا۔ جافری مارٹل
کے انتقال کر جانے سے فرانسیسی والیانِ ملک میں ولیم کا کوئی مدمقابل
باقی نہیں رہا۔ نارمنڈی اور آنجو کے مابین، مین حد فاصل کا کام دیتا تھا،
اور آخری دس برس سے آنجو کے قبضے میں تھا مگر اب بلا مخالفت وہ ولیم
کے تحت میں آگیا۔ بریٹنی جو اس کے دشمنوں کے زمرے میں شامل ہوگئی
تھی ایک ہی دھاوے میں مطیع ہوگئی ۔

۱۰۶۰

ولیم ا
نارمن

ان تمامی بیرونی تفکرات کے باوجود خود نارمنڈی کی بابت ڈیوک کی
توجہ میں مطلقاً کسی قسم کا فرق نہیں آیا تھا۔ سرکش و قزاق رئیسوں سے
بھرے ہوئے ملک میں امن و انتظام کا پیدا کرنا بڑا مشکل کام تھا۔ ایک
نارمن شاعر کا قول ہے کہ "نارمنوں کو کچل ڈالنا اور پیروں ہی کے نیچے دبائے
رکھنا چاہئے کیونکہ ضرورت کے وقت وہی شخص ان سے کام لے سکتا ہے
جو ان کے منہ میں لگام دئے رہے۔" ولیم کسی قزاق سے ہرگز محبت نہیں

کر سکتا تھا۔ اس نے نہایت سختی کے ساتھ تاجروں اور کسانوں کی حفاظت
کی اور اسی وجہ سے اس کے عہد کے ابتدائی دس برسوں میں طبقہ بیرن
مسلسل بغاوتیں کرتا رہا، خود اسی کے عزیز و اقارب اس بد دلی کے بانی
تھے اور انہوں نے شاہ فرانس کو اپنی مدد کے لئے بلایا مگر مارٹیمر اور ویرا دال
کی فتوحات نے باغیوں کا سر کچل دیا اور وہ ولیم کے قبضۂ قدرت میں آگئے
کچھ اس کے قید خانوں میں سڑا کئے اور کچھ جلا وطن ہو کر اپولیا و سسلی
کے فاتحین کے ساتھ جا ملے۔ ملک میں امن و انتظام قائم ہو گیا اور ولیم
کلیسا کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوا۔ روئین کا اسقفِ اعظم مالگر شکار اور
دعوتوں کا شوقین تھا۔ ولیم نے اسے فی الفور برطرف کر دیا اور اس کی
بجائے ایک پرہیزگار اور صاحب علم فرانسیسی ماریلیس کو مقرر کیا۔ ڈیوک کی
رہبری میں متواتر مجلسوں نے پادریوں کی اخلاقی حالت میں اصلاح پیدا
کر دی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ بک کا مدرسہ علم کا مرکز ہو گیا تھا۔ دور بینی
اور مردم شناسی ولیم کی نمایاں صفات تھیں۔ اس نے اس مدرسے کے
صدر کو اپنا مشیرِ خاص مقرر کیا۔ جب فلینڈرز کی مٹلڈا سے عقد کر کے
ڈیوک نے پوپ کو اپنا مخالف بنا لیا تو لیفرینک نے اس مناقشے میں
روم کی جانبداری کی اور ڈیوک کی مخالفت کے جرم میں اسے جلا وطن
ہونا پڑا۔ اس صدر مدرسہ کے گھر میں صرف ایک لنگڑا گھوڑا تھا وہ اسی
پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ ڈیوک کو اسے نارمنڈی سے جلد نکالنے کی اس قدر
بے صبری تھی کہ وہ خود اس کے پیچھے روانہ ہوا اور اسے راستہ میں جا لیا۔ مگر
اس باشندۂ لمبارڈی پر کسی طرح کا اضطراب طاری نہیں ہوا۔ بلکہ اُس نے
بہت ہی اطمینان اور متانت سے کہا کہ "مجھے ایک اچھا گھوڑا دیجئے

تو میں بہت جلد اس علاقے سے نکل جاؤں" اس جواب پر ڈیوک کا غصہ جاتا رہا اور اسے ہنسی آگئی اور اس ساعت سے لیفرینک ہر معاملے میں اس کا وزیر و مشیر ہو گیا اور تمام معاملات میں خواہ اُن کا تعلق خود امارت نارمنڈی سے تھا یا ان بلند حوصلہ دلیرانہ منصوبوں سے جو انگلستان کی نوعیت جدید سے پیدا ہو گئی تھیں، وہ اس کا صلاح کار رہا +

انگلستان اور نارمنڈی

نصف صدی سے ان دونوں ملکوں کے تعلقات یوماً فیوماً ایک دوسرے سے قریب ہوتے جاتے تھے۔ رچرڈ دی فیرلیس (بیخوف) کے عہد کے اختتام کے قریب انگریزی ساحل پر ڈین کی یورشوں کو نارمنڈی سے تقویت پہنچی تھی اور جاڑے کے موسم میں ان کے بیڑے نارمنڈی کے بندرگاہوں میں رہتے تھے انہیں حملوں کے انتقام لینے کے خیال سے اتھلرڈ نے کانٹنٹن کو تباہ کرنیکے لئے ایک بیڑہ آبنائے سے باہر روانہ کیا تھا مگر اسے پسپا ہونا پڑا۔ اور اس مناقشے کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ اتھلرڈ نے رچرڈ دی گڈ (نیک دل) کی بہن اِما سے عقد کر لیا؛ اتھلرڈ اور اس کے لڑکوں کو شاہانِ ڈین کے خلاف نارمنڈی میں پناہ ملی اور اگر نارمن بیانات پر اعتماد کیا جائے تو ان کی کوشش ملک کے واپس دلانے میں اس لئے ناکام رہی کہ اُن کا بیڑا ناموافق ہوا کی وجہ سے نہ پہنچ سکا۔ بے لڑے جھگڑے تختِ انگلستان پر اڈورڈ کے واپس آجانے سے نارمنوں کی حرص و آز کے لئے انگلستان کا دروازہ کھل گیا۔ گاڈون کے جلاوطن ہوتے ہی ڈیوک ولیم انگریزی دربار میں آموجود ہوا اور جیسا کہ بعد میں اس نے دعویٰ کیا اُس نے بادشاہ سے تختِ انگلستان کی جانشینی کا وعدہ حاصل کر لیا اس قسم کا وعدہ جس کی تصدیق "مجلس عقلا" نے نہ کی ہو بالکل بے مصرف تھا اور گاڈون کی واپسی

۱۰۵۱

نے کچھ عرصے کے لئے ولیم کی امیدوں کا خاتمہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک طوفان کی وجہ سے اس وعدے کی تجدید ہو گئی تھی۔ ہیرلڈ ایکبار آبنائے کا گشت کر رہا تھا کہ طوفان نے اسے ساحلِ فرانس پر ڈال دیا اور ولیم نے اسے مجبور کیا کہ اپنی واپسی انگلستان کے معاوضہ میں ولیوں کے مزاروں پر قسم کھائے کہ وہ اس کے دعوے کی تائید کریگا، مگر بادشاہ کے انتقال کی خبر کے بعد ہی ہیرلڈ کے تخت نشینی کی خبر آئی اور ڈیوک نے ایک پر غیظ اشتعال کے بعد تلوار کے ذریعے سے اپنے حق کو منوانے کی تیاری شروع کر دی۔ ولیم نے تاج کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ وہ صرف اس حق کا دعویدار تھا کہ خود کو قوم کے سامنے انتخاب کے لئے پیش کر سکے! اور جب بزور فتح وہ ملک پر غالب آ گیا، اس وقت اس نے فی الواقع ایسا ہی کیا۔ وہ تائب کی ذاتی پسندیدگی کے باعث اپنے کو اس طرح پیش کرنیکا بالیقین مستحق سمجھتا تھا۔ مگر ہیرلڈ کا عجلت کے ساتھ منتخب ہو جانا اس امر کا سد راہ تھا اور اسی لئے اس انتخاب کو وہ جائز نہیں تسلیم کرتا تھا مگر اس باضابطہ دعوئ استحقاق کے ساتھ وہ تنفر اور جوشِ انتقام بھی شامل ہو گئے تھے جو اس نقصان کے باعث نیز اپنی قسم توڑ دینے کی وجہ سے ہیرلڈ کی ذات سے پیدا ہو گئے تھے۔

۱۰۶۶

جنگ کی شام

اس کے اس دلیرانہ کارروائی کے راستے میں فی الواقع سخت مشکلات حائل تھیں۔ خود انگلستان کے اندر اسے کسی قسم کی تائید کی امید نہیں تھی وطن میں اسے اپنے دل برداشتہ بیرنوں سے زبردستی رضامندی حاصل کرنا تھی۔ فرانس کے ہر حصے سے ایک مخلوط فوج کا جمع کرنا اور اسے مہینوں قائم رکھنا تھا۔ بیڑے کے تیار کرنیکے لئے درخت تک کاٹنے کی ضرورت تھی پھر

کشتیوں کا بنانا ان کا سمندر میں اُتارنا، اور ان پر ملاحوں کا مقرر کرنا سب
کچھ اسی کو انجام دینا تھا اور اسی کے ساتھ حکومت کے عام کاموں اور ڈنمارک،
شہنشاہی (جرمنی) فرانس، بریٹینی، آنجو، فلینڈرز اور روم سے مراسلت کرنیکے
لئے وقت نکالنا تھا۔ لیکن اس کے حریف کے شکلات بھی اس سے کچھ کم
نہ تھے، ہیرلڈ کو صرف ولیم ہی کے حملے کا خوف نہیں تھا بلکہ اسے اپنے
بھائی ٹاسٹگ کی طرف سے بھی اندیشہ تھا کیونکہ اس نے ناروے میں
پناہ گزیں ہو کر وہاں کے بادشاہ ہیرلڈ ہارڈ راڈا کی امداد حاصل کرلی تھی۔ ہیرلڈ
نے جو کشتیاں اور فوجیں جمع کی تھیں، وہ مہینوں ساحل پر انتظار میں پڑی رہیں
اس کی مستقل قوت صرف اس کے ذاتی محافظ دستے تک محدود تھی۔ مگر اس
دستے کی تعداد اس قدر کم تھی کہ وہ فوج کے لئے صرف بنیاد کا کام دے سکتا
تھا۔ ملکی فوج کا (جس میں تمام لڑنے کے قابل آدمی شامل تھے) کسی ایک
معرکہ کے لئے طلب کرلینا آسان تھا مگر اسے قائم رکھنا مشکل تھا۔ اس قسم
کی فوج کا جمع کرنا گویا تمام کار و بار کو معطل کر دینا تھا۔ بادشاہ کے جھنڈے
کے نیچے جو لوگ جمع ہوتے تھے وہ خود ہی اپنے کھیتوں کے جوتنے، بونیوالے
ہوتے تھے۔ ساحل کی ماہی گیر کشتیوں سے جہازوں کا کام لیا جاتا تھا۔
ستمبر میں ان کا یک جا رہنا ناممکن ہو گیا۔ مگر ان کا منتشر ہونا ہی تھا کہ
یہ دونوں گھٹائیں جو مدت سے ملک پر گھر رہی تھیں ایک دم سے برس
پڑیں۔ ہوا کے تغیر نے ولیم کی ساحل سے بندھی ہوئی کشتیوں کو کھول دیا
مگر اس تغیر کے قبل ہی جس ہوا نے ڈیوک کو مقید کر رکھا تھا اسی ہوا نے
ہیرلڈ ہارڈ راڈا کی فوج کو یارکشائر کے ساحل پر پہنچا دیا۔ بادشاہ اپنے
خانگی سپاہیوں کو لیکر عاجلانہ شمال کی جانب روانہ ہوا اور نواح یارکشائر

میں بہ مقام اسٹمفرڈ برج حملہ آوروں کو فیصلہ کن شکست دی مگر قبل اس کے کہ وہ لندن کو واپس آسکے نارمن فوج سمندر کو عبور کر آئی تھی اور ولیم ۲۸ ستمبر کو پونسی پر لنگر انداز ہو چکا تھا۔ اپنے حریف کو مقابلے پر آمادہ کرنیکے لئے اس نے ساحل کو غارت کرنا شروع کر دیا۔ اس کے حسب منشا یہ بیرحمانہ غارتگری ہیرلڈ کو لندن سے جنوب کی طرف کھینچ لانے میں کامیاب ہو گئی۔ مگر بادشاہ نے یہ دانشمندی کی کہ اس فوج سے جو عجلت میں جمع کی گئی تھی حملہ آور نہیں ہوا بلکہ یہ ارادہ کیا کہ اگر وہ لڑنے پر مجبور ہوا تو وہ اس موقع پر جنگ کریگا جسے اس نے خود منتخب کیا ہو۔ ساحل سے اس قدر قریب ہو کر کہ ولیم کی غارتگری کو روک سکے وہ ایک پہاڑی پر جم گیا۔ یہی پہاڑی بعد میں سنلیک کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ پہاڑی ہسٹینگز کے قریب کوہستان سکس کی ایک آگے کو نکلی ہوئی شاخ ہے۔ ہیرلڈ کا یہ موقع لندن پر حاوی تھا۔ ولیم اپنی فوجیں مجتمع کرنے پر مجبور ہو گیا مگر جو فوج لوٹ پر بسر کرتی ہو اس کا ایک جگہ جمع کرنا درحقیقت اسے بھوکھا مارنا تھا اور اس لئے ولیم کے لئے سوا اس کے کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا تھا کہ یا وہ قطعی فتح حاصل کرے یا تباہ ہو جائے؀

جنگ سنلیک
۱۴۔ اکتوبر

ماہ اکتوبر کی ایک صبح کو ہنوز تاریکیٔ شب باقی تھی کہ ڈیوک ہسٹینگز سے سنلیک کو جانیوالی بلند زمین سے ملا ہوا اپنی فوج کو ٹلہم کے تودے پر لے آیا۔ اسی جگہ سے نارمنوں نے دیکھا کہ سنلیک کی بلندی پر ایک معمولی سی خندق اور ایک لکڑی کے حصار کے پیچھے انگریزی فوج گنجان طور پر جمع ہے۔ اس فوج کا داہنا بازو دلدلی زمین سے گھرا ہوا تھا اور بائیں طرف

جو اس موقع کا سب سے کھلا ہوا حصہ تھا، ہیرلڈ کی محافظ فوج پوری زرہیں
پہنے اور بھاری بھاری تبر لئے ہوئے ویکس کے اژدر زرین اور شاہی علم
کے گرد جمع تھی۔ باقی زمین پر نیم مسلح دہقان جو ان غیرملکیوں سے لڑنیکے لئے
ہیرلڈ کی طلب پر جمع ہوئے تھے انبوہ در انبوہ پھیلے ہوئے تھے عین اسی
مہیب موقع کے سامنے ولیم نے اپنے نارمن سواروں کو صف آرا کیا اور
فرانس اور برٹینی کے جمع کردہ اجرتی سپاہیوں کو مخالف کے بازوؤں پر حملہ
کرنیکا حکم دیا۔ نارمن پیادوں کے ایک عام حملے سے جنگ کا آغاز ہوا۔
ان کے آگے آگے نقیب ٹیلیفر گھوڑے پر سوار رولینڈ کے گیت گاتا
ہوا اس شان سے چل رہا تھا کہ اپنی تلوار کو چکر دیکر ہوا میں اچھالتا
اور اسے پھر سنبھال لیتا تھا۔ سب سے پہلا حربہ اسی نے چلایا اور وہی
سب سے پہلے میدان میں کام آیا۔ اس مضبوط حصار پر (جس کے پیچھے
سے انگریزی جنگ آور "نکل جاؤ" "نکل جاؤ" کے خوفناک شور کے ساتھ
تبر اور نیزے سے کام لے رہے تھے) یہ حملہ بیکار ثابت ہوا اور نارمن
پیدلوں کی پسپائی کے بعد نارمن سواروں کو بھی پسپا ہونا پڑا۔ بار بار
ڈیوک نے انہیں جمع کیا اور بار بار اس مہلک حصار پر حملہ آور ہوا۔ وہ
جنگجویانہ غضب جو اس کے نارمن خون میں جوشزن تھا وہ بے محابا
تہور جس نے ویلس ڈیونز کے دامن کوہ میں اسے برانگیختہ کیا تھا،
اس روز اِس جوش و غضب اور غیر معمولی بہادری کے ساتھ وہ سکون
دماغ، حیرت انگیز ضبط و استقلال اور حزم و تدبیر بھی پائے جاتے تھے
جن کا ظہور مارٹیمر اور ویرا وائل کی لڑائیوں میں ہوا تھا۔ اس کی برٹینی
کے دستے دلدلی زمین میں پھنس کر بے ترتیبی کے ساتھ منتشر ہو گئے

اور فوج میں اضطراب پھیلنے کے ساتھ ہی شور مچ گیا کہ ڈیوک مارا گیا۔ ولیم نے اپنا خود سر سے اتار لیا اور چلا کر کہا "میں زندہ ہوں اور خدا کی مدد سے اب بھی فتح حاصل کرونگا"۔ متواتر پسپائی سے پریشان ہو کر ڈیوک نے سیدھے علمِ شاہی کی طرف گھوڑا اٹھایا۔ گھوڑے کے جاتے رہنے پر بھی اس کے خوفناک بھالے نے بادشاہ کے بھائی گرتھہ کا کام تمام کر دیا۔ دوبارہ پھر اس کا گھوڑا مارا گیا' اس نے ایک سوار سے گھوڑا مانگا مگر اس بے تمیز سوار نے اپنا گھوڑا دینے سے انکار کیا' اس پر ولیم نے ایک ایسا ہاتھ مارا کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ ڈیوک نے اولاً اپنی فوج کی پسپائی کو روکا اور پھر جنگ کے شور و ہنگامے میں فرار ہی کو فتح کا ذریعہ بنا دیا؛ اس کے بیباکانہ حملے نے اگرچہ حصار کو توڑ دیا تھا مگر عقب میں جنگ آوروں کی دیوارِ حصار اب تک نارمنوں کو روکے ہوئے تھی تاآنکہ ولیم نے فرار کے حیلے سے انگریزی فوج کے ایک حصے کو اس کار آمد موقع سے باہر نکال لیا اور پھر ان بے ترتیب متعاقبین پر پلٹ کر انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا' ٹوٹی ہوئی فوج کو الٹ دیا' اور قلبِ لشکر پر حاوی ہو گیا؛ اس اثنا میں فرانسیسی اور ہل بریٹنی دونوں بازؤں بہت کچھ بڑھ آئے تھے۔ تین بجے یہ معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑی فتح ہو گئی مگر علم کے آس پاس چھ بجے تک جنگ شدت کے ساتھ جاری رہی۔ ہیرلڈ کی فوجِ محافظ استقلال کے ساتھ اس مقام پر جمی رہی جہاں بعد میں بیٹل ابے (خانقاہِ جنگ) کا بلند منبر تعمیر ہوا۔ آخر ڈیوک کے حکم سے اس کے تیر انداز آگے بڑھے اور بادشاہ کے گرد جو لوگ بھیڑ کی طرح سے جمع تھے ان پر تیروں کی بارش کا مہلک اثر پڑا۔ جس وقت آفتاب غروب ہو رہا تھا ایک تیر ہیرلڈ کی داہنی آنکھ

میں لگا، وہ بادشاہی نشانات کے درمیان گر پڑا، اور اس کی نعش پر ہنگامہ آرائی کے بعد جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ اِدھر رات انگریزوں کی فراری کی پردہ پوشی کر رہی تھی، اُدھر فاتح نے اپنا خیمہ ٹھیک اسی جگہ پر نصب کیا جہاں اس کا حریف گرا تھا اور مُردوں کی لاشوں کے بیچ میں کھانا کھانے اور شراب پینے کے لئے بیٹھ گیا +

رامنی اور ڈاور کو قابو میں کر کے ڈیوک نے براہ کینٹربری لندن پر کوچ کیا۔ وہ بڑھتا آتا تھا اور فرقہ بندیاں اور سازش اس کا انجام دے رہی تھیں۔ ہیرلڈ کے بھائی بھی بادشاہ کے ساتھ میدانِ جنگ میں کام آگئے تھے۔ گاڈون کے خاندان میں کوئی شخص تاج کا دعویدار باقی نہیں رہا تھا۔ پرانے شاہی سلسلے میں صرف ایک لڑکا اڈگار (دی اتھلنگ) رہ گیا تھا یہ اڈمنڈ آئرن سائڈ کے ان لڑکوں میں سب سے بڑے لڑکے کا بیٹا تھا جو کینوٹ کے ظلم سے ہنگری کو بھاگ گئے تھے۔ وہ اگرچہ لڑکا تھا تاہم لوگوں نے اسی کو بادشاہ منتخب کر دیا مگر اس انتخاب سے قومی مقصد کو کوئی تقویت نہیں پہنچی "تائب" کی بیوہ نے ونچسٹر کو ڈیوک کے حوالے کر دیا۔ لندن کے جمع شدہ اساقفہ بھی اطاعت کی طرف مائل تھے۔ ولیم نے جب شہر کی دیواروں کے نیچے سے گذرتے ہوئے ساؤتھ وارک میں آگ لگا دی تو خود اہل شہر کا عزم بھی متزلزل ہو گیا۔ نوعمر بادشاہ کے تخت کو جو کچھ سہارا تھا وہ اڈون و مارکیر والیانِ مرسیا و نارتھمبریا کی ذات سے تھا؛ ولیم کے مقام ولنگفرڈ پر ٹیمز کو عبور کرنے اور ہرٹفرڈشائر کی طرف بڑھنے سے ان دونوں کو اپنے صوبوں سے منقطع ہو جانیکا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس شاطرانہ چال سے فوری اطاعت حاصل ہو گئی۔ اڈون اور مارکیر بعجلت تمام

لندن سے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے اور شہر نے فوراً اپنے دروازے کھولدئے
نارمن ڈیوک کے سامنے تاج پیش کرنیکے لئے ایک وفد حاضر ہوا اور اُڈگار
خود اس کا پیشرو بنا۔ انگریزی مورخ حسرت کے ساتھ لکھتا ہے کہ "ضرورت
نے انہیں اُس کے سامنے پست کر دیا۔" انہوں نے جس طرح ڈین کے
سامنے سر جھکایا تھا اسی طرح نارمن کے سامنے بھی سر جھکا دیا اور ولیم نے
اُنہیں جذبات کے ساتھ تاجِ شاہی قبول کیا جس طرح اس سے قبل کینوٹ
نے قبول کیا تھا۔ لندن درحقیقت ایک قلعے کی تعمیر سے (جو بعد میں
بڑھ کر ٹاور (برج) ہو گیا) قابو میں آگیا تھا مگر ولیم کی خواہش یہ تھی کہ
وہ ایک فاتح کے طور پر نہیں بلکہ ایک جائز بادشاہ کی طور پر حکومت
کرے۔ اس نے وسٹ منسٹر میں اسقف اعظم الدرڈ کے ہاتھ سے اپنی نئی
انگریزی رعایا کے شورِ لبیک لبیک میں تاج قبول کیا؛ اس کے بعد جس قدر
مخالفت ہوئی وہ بغاوت قرار دی گئی اور اس کا بدلہ بڑے بڑے زمینداروں
پر جرمانہ کر کے لیا گیا۔ مگر اس استثنٰی کے سوا نئے بادشاہ کے ہر فعل سے
ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اڈورڈ یا الفرڈ کے جانشین کی حیثیت سے حکومت
کرنا چاہتا تھا۔ درحقیقت اس وقت تک انگلستان کا بڑا حصہ خاموشی کے
ساتھ اس سے علٰحدہ تھا، اور یہ کہنا دشوار ہے کہ نارتھمبرلینڈ نے یا مرسیا کے
بیشتر حصے نے اسے بادشاہ تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن اگر ناروچ سے ووسٹر تک
ایک خط کھینچا جائے تو اس خط کے مشرق میں اس کی حکومت بے بحث
وتنازع مسلم تھی اور اس حصے پر اس نے ایک انگریزی بادشاہ کی طرح
حکومت کی۔ اس کے سپاہی سخت ضابطہ کے تابع رہتے تھے۔ قانون یا
رواج میں مطلقاً کوئی تغیر نہیں کیا گیا۔ لندن کے امتیازات خاص

ایک شاہی فرمان کی رو سے تسلیم کئے گئے - یہ تحریر اب تک شہر کے دفترخانے میں موجود ہے اور اس کے محفوظات میں سب سے زیادہ قابلِ احترام سمجھی جاتی ہے - امن و انتظام بحال ہو گئے - ولیم اگرچہ اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوا تاہم اس نے کوشش کی کہ انگریزی زبان سیکھ لے تاکہ وہ اپنے دربار میں متخاصمین کے بیانات سنکر خود ان کے فیصلے کرے - ملک میں ایسا سکون ہو گیا تھا کہ جنگ سنلیک کے چند ہی مہینے بعد ولیم انگلستان کو اپنے بھائی اوڈو (اسقف بایو) اور اپنے وزیر ولیم فزآبرن کی سپردگی میں چھوڑ کر خود کچھ زمانے کے لئے نارمنڈی واپس چلا گیا +

جزو پنجم

فتوحات نارمن

۱۰۷۱—۱۰۶۸

اسناد - باب سابق کے نارمن مصنفین کے علاوہ آرڈرک کے بیانات بالتخصیص قابلِ قدر و مشرح ہیں - کرانکل (وقایع انگریزی The Chronicle) اور فلورنس (ووسٹر) انگریزی اسناد میں سب سے مقدم ہیں (کیونکہ نام نہاد انگلف آف کرائلینڈ چودھویں صدی کی ایک جعلی کتاب ہے) نارمن آبادکاری کے حالات کے لئے ڈومزڈے بک (کتاب فیصلجات DomesdayBook) ہر حال میں لابد و لازمی ہے - سر ہنری الس کی تمہید سے اس کتاب کے خاص نتائج کا مختصر حال معلوم ہو جاتا ہے - دوسرے درجے کے اسناد میں سیمن (ڈرہم) شمالی معاملات کے لئے کارآمد ہے - اور ولیم (مامزبری) اپنی اس خوبی کی

وجہ سے قابل قدر ہے کہ وہ نارمن و انگریز دونوں کے خیالات کا جامع ہے۔ لنگرڈ نے نارمن نظام حکومت کو شرحاً بیان کیا ہے۔ مگر اس کا بہترین مطالعہ ڈاکٹر اسٹبز کی کانسٹیٹیوشنل ہسٹری (تاریخ دستوری Constitutional History) اور سلکٹ چارٹرز (فرامین منتخبہ Select Charters) میں ہو سکتا ہے۔ ٹووی کی تصنیف اینگلیا جوڈیکا (انگلستانِ یہود Anglia Judaica) سے یہودیوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔ مجموعی تاریخ کے لئے مسٹر فریمین کی نارمن کانکویسٹ (فتوحاتِ نارمن Norman Conquest) جلد چہارم دیکھنی چاہئے۔

ولیم کو فاتح کا لقب سنلیک کی فتح کی وجہ سے نہیں بلکہ اس جدو جہد میں کامیاب ہونیکی وجہ سے حاصل ہوا جو اس کے نارمنڈی سے واپس آجانیکے بعد شروع ہوئی۔ اس کی عدم موجودگی میں استقف اوڈو کے مظالم نے اہلِ کنٹ کو یوسٹیس (کاؤنٹ بولون) سے مدد مانگنے پر مجبور کر دیا تھا، مغرب میں نارمن جور و تعدی کے خلاف ویلز کے شہزادوں نے بھی اسی قسم کی بغاوت کو مدد دی مگر اس وقت تک ملک کا بڑا حصہ صاف طور پر نئے بادشاہ کا طرفدار تھا۔ ڈاور، یوسٹیس کے قبضے میں نہیں جانے پایا اور بددل لوگوں کو پناہ حاصل کرنیکے لئے دور دراز ممالک تا آنکہ قسطنطنیہ تک بھاگنا پڑا۔ اسی زمانے سے قسطنطنیہ میں شرقی شہنشاہوں کے باڈی گارڈ کا ایک بڑا حصہ انگریزوں سے مرتب ہونے لگا۔ بہرحال ولیم ایک انگریزی بادشاہ کی حیثیت سے پھر اپنی جگہ پر واپس آگیا۔ انگریزی ہی فوج کی مدد سے اس نے جنوب مغرب میں اکسٹر کی سرکردہ بغاوت کو فرو کیا، اور انگریزی ہی فوج کو لیکر اس نے شمال کی طرف کوچ کیا اور اپنا کام تکمیل کو پہنچایا۔ اس کے اس یلغار سے اڈون اور مارکیر دوبارہ مطیع ہوگئے۔ یارک پر قبضہ کر لینے سے ایک نئی بغاوت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اور دریائے ٹیز تک انگلستان سکون کے ساتھ ولیم کے قدموں کے نیچے آگیا۔

درحقیقت ۱۰۶۸ء کا قومی انحراف ہی تھا جس نے بادشاہ کو فاتح بنا دیا۔اس انحراف کا اشارہ بیرون ملک سے ہوا تھا۔سوین شاہِ ڈنمارک دو برس سے تیاری کر رہا تھا کہ انگلستان کے معاملے میں نارمنوں کا مقابلہ کرے، ہمبر میں اس کے بیڑے کے نمودار ہوتے ہی تمام شمالی اور تمام مغربی اور تمام جنوب مغربی انگلستان ایک شخص واحد کی طرح اٹھ کھڑا ہوا؛ اڈگار (دی اتھلنگ) نے اسکاٹلینڈ کے پناہ گزیں جلا وطنوں کے ایک گروہ کو ساتھ لیکر نارتھمبریا کی بغاوت کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لی۔جنوب مغرب میں ڈیون، سمرسٹ اور ڈارسٹ کے باشندے اکسٹر اور مانٹیکیوٹ کے محاصرے کیلئے جمع ہو گئے اور مغرب کی بغاوت صرف شروسبری کے ایک نوتعمیر نارمن قلعے کی وجہ سے رُکی رہی۔اس بغاوت کی تجویز اس خوبی سے مرتب ہوئی تھی کہ ولیم کا سا شخص بھی چکرا گیا۔یارک کے نکل جانے اور وہاں کے تین ہزار نارمن قلعہ گیر فوج کے قتل ہو جانیکی خبر اس وقت پہنچی ہے جب وہ ڈین کے جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔اس خبر کے سنتے ہی ایک ہولناک اشتعالِ غضب میں بادشاہ نے قسم کھائی کہ وہ شمال سے ضرور انتقام لیکے رہیگا مگر اس غیظ و غضب میں اُس نے تدبر و دور اندیشی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ولیم تاڑ گیا تھا کہ ڈین کا بیڑا مخالفت کا مرکز ہے۔سواروں کے ایک مختصر دستے کو ہمراہ لئے ہوئے نہایت عجلت کے ساتھ ہمبر تک بڑھ کر اس نے ایک بھاری رشوت کے ذریعہ سے انہیں بیکار رہنے یا واپس چلے جانے پر راضی کر لیا۔بعد ازاں یارک کو آخر کے لئے چھوڑ کر جمع شدہ فوج کے ساتھ بسرعت تمام مغرب کو پلٹا، اور سرحدِ ویلز کو شروسبری تک مسخر کر لیا۔ادھر ولیم فز آسبرن نے اکسٹر کے گرد و نواح کی بغاوت کو فرو کر دیا۔اس کامیابی سے بادشاہ کو

آزادی مل گئی کہ شمال کے خلاف اپنی انتقام کی قسم کو پورا کرے۔ دریائے آنز کے سیلاب کی وجہ سے بہت دیر تک رکے رہنے کے بعد وہ یارک میں داخل ہوا اور دریائے ٹینز تک کا ملک آگ و تلوار سے تباہ کر دیا گیا۔ قصبات و دیہات لوٹ کر جلا دئے گئے۔ اور باشندے قتل کر دئے گئے یا سرحد اسکاٹلینڈ کے پار بھگا دئے گئے۔ ساحل خصوصیت کے ساتھ ویران کر دیا گیا تاکہ آئندہ ڈین کو حملے کے لئے قدم رکھنے کی جگہ باقی نہ رہ جائے۔ فصل، مویشی بلکہ آلاتِ کشاورزی تک اس بیرحمی سے پامال کئے گئے کہ اس تباہی کے بعد قحط میں ایک لاکھ آدمی سے زاید کا تلف ہو جانا بیان کیا جاتا ہے۔ نصف صدی بعد بھی یارک سے ساٹھ میل شمال تک کی زمین پر نہ زراعت ہوتی تھی اور نہ کہیں انسان کا پتہ چلتا تھا۔ انتقام کا کام ختم ہوتے ہی ولیم اپنی فوج کو ٹینز سے یارک اور وہاں سے چسٹر اور مغرب کو لے گیا۔ اس کی اولوالعزمی کا اظہار کبھی اس سے زیادہ ممتاز طور پر نہیں ہوا تھا جیسا اس مصیبتناک کوچ میں ہوا۔ سخت جاڑا پڑ رہا تھا، سڑکوں پر کہیں برف جمی ہوئی تھی اور کہیں پانی کے زور سے سڑکیں ٹوٹ گئی تھیں، سامانِ خوراک ختم ہو چکا تھا اور فوج بارش سے بھیگی ہوئی اور اپنے گھوڑوں تک کو کھا چکی تھی۔ اس حالت میں جب فوج کو یارکشائر و مغرب کی درمیانی ویران دلدلی زمین سے گذرنیکا حکم دیا گیا تو اس نے کھلم کھلا سرتابی اختیار کی۔ آنجو اور برٹینی کے سپاہیوں نے خدمت سے سبکدوشی چاہی۔ بادشاہ نے نہایت حقارت کے ساتھ ان کی درخواست منظور کر لی اور جس قدر فوج وفادار رہ گئی تھی خود ان کے آگے ہو کر ان سڑکوں پر چل نکلا جو گھوڑوں کی گزر کے قابل نہیں تھیں۔ سڑکوں کے صاف کرنے میں وہ اکثر خود اپنے ہاتھ سے اپنے آدمیوں کی

مدد کرتا تھا۔ چسٹر میں اس کے آجانے سے انگریزوں کی آخری امیدوں کا خاتمہ ہوگیا اور ولیم اب اپنے مفتوحہ ملک کا بے خرخشہ مالک ہو کر کثیر التعداد قلعوں کی تعمیر میں مشغول ہوگیا تاکہ آئندہ ان کے زور سے ملک کو مطیع رکھ سکے۔ فتح کے آخری مرحلے کے پیش آنیکے قبل دو برس خاموشی کے ساتھ گذر گئے۔ ڈین کی واپسی کے بعد اپنی مدد کے لئے انگلستان کی نظر تمام تر اسکاٹلینڈ پر پڑتی تھی۔ اڈگار (دی اتھلنگ) نے وہیں پناہ لی تھی اور اس کی بہن مارگیرٹ شاہ میلکم کی زوجیت میں آگئی تھی۔ غالبًا میلکم ہی کی امداد کے تیقن پر اڈون اور مارکیر ایک نئی بغاوت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر فاتح کی باخبری اس بلا کی تھی کہ معًا اس کا انسداد ہوگیا۔ اڈون کسی غیر معروف لڑائی میں مارا گیا اور مارکیر کو شرقی اضلاع کی دلدلوں میں (جہاں چند جانباز محبانِ وطن ایک جلا وطن سردار ہیرورڈ کے تحت میں جمع ہوگئے تھے) کچھ دنوں کے لئے پناہ مل گئی۔ ولیم کو ایسے پُر استقلال اور سخت مقابلے سے کہیں سابقہ نہیں پڑا تھا جیسا ان معدودے چند افراد کے مقابلے میں پیش آیا مگر بالآخر دو میل کا ایک بند دلدل کے اوپر بنایا گیا اور الی کے سر ہوجانے سے انگلستان کی آزادی کی آخری اُمید فنا ہوگئی۔ ایک میلکم بدستور مقابلے پر قائم رہا مگر تابہ کے، فاتح اپنی تمام فوج کو ہمراہ لیکر لولینڈز (زمین پست) اور دریائے فورتھ کو قطع کر کے اسکاٹلینڈ کے قلب میں جا پہنچا۔ وہ دریائے ٹے تک پہنچا تھا کہ میلکم کی طاقتِ مقاومت نے جواب دیدیا اور اس نے انگریزی لشکرگاہ میں حاضر ہو کر ولیم کے قدموں پر گر کر وفاداری کا حلف اٹھایا۔

الی کے دلدلوں میں جس جد و جہد کا خاتمہ ہوا، اس نے ولیم کی حیثیت کو بالکل بدل دیا۔ اب ملک پر اس کا قبضہ محض ایک منتخب شدہ بادشاہ کے

طور پر نہیں تھا بلکہ اس نے اپنے حق انتخابی میں حق فتح کو بھی شامل کر لیا تھا' اس لئے جس طریقۂ حکومت کی ابتدا کی وہ اس کی طاقت کی اسی دہری نوعیت کا نتیجہ تھا۔ یہ طریقہ نہ تو بر اعظم کے خالص جاگیری طریقے کے مثل تھا' اور نہ قدیم انگریزی شاہی کے اصول پر تھا۔ انسب یہ ہے کہ اسے دونوں کا قائم مقام سمجھا جائے۔ اڈورڈ کے جانشین کی حیثیت سے ولیم نے قدیم انگریزی سلطنت کے عدالتی و انتظامی نظم کو قائم رکھا' اور بہ حیثیت فاتح انگلستان کے اس نے جاگیری فوجی انتظام کو اس حد تک رائج کیا جہانتک اس کے فتوحات کے مستحکم قبضے کے لئے ضروری تھا۔ اس انتظام کی بنیاد پہلے ہی پڑ چکی تھی۔ انگلستان میں جاگیری طریقے کی ابتدا ان فوجی ندیموں یا خادموں سے ہو چکی تھی جو بادشاہ کے جنگی دستے میں بذاتِ خاص شریک تھے اور ذاتی خدمات کے صلے میں انہیں اراضی عامہ سے جاگیریں دیجاتی تھیں۔ ازمنہ مابعد میں جایدادوں کی یہ جاگیری تقسیم بہت بڑھ گئی تھی۔ کیونکہ اکثر امرا نے بادشاہ کی تقلید میں اپنے مستاجرین کو اپنے تحت میں جاگیریں دیکر انہیں بجائے خود انہیں شرائط کا پابند بنا لیا تھا جن کے وہ خود پابند تھے۔ اس کے ساتھ ہی آزاد اراضی داروں کا طبقہ جس پر ابتدأ انگریزی سوسائٹی کی بنا قائم ہوئی تھی' تعداد میں گھٹتا جاتا تھا۔ یہ لوگ کچھ تو اپنے سے اوپر کے طبقہ کی اتباع کی وجہ سے مگر زیادہ تر مسلسل لڑائیوں اور حملوں کے باعث مجبور ہو گئے تھے کہ اپنی آزادی کے عوض میں متوسلین دربار میں سے کسی نہ کسی کو اپنا حامی بنائیں۔ درحقیقت ولیم کے عہد کے قبل ہی انگلستان میں بھی جرمنی و فرانس کی طرح جاگیرداری کے سامنے قدیم آزادی پامال ہو چکی تھی مگر فتح نے اس رفتار کو اور تیز کر دیا۔ انگریزی

رعایا کی شدید اور عام مخالفت نے ولیم کو مجبور کر دیا کہ جس شئے کو اس نے تلوار سے حاصل کیا ہے اس پر تلوار ہی کے زور سے قابض رہے اور اپنے تخت کے بقا کے لئے لازماً ایک ایسی مضبوط فوج قائم رکھے جو ہر وقت قومی بغاوت کو کچل دینے کے لئے تیار رہے۔ ایسی فوج صرف اسی طرح قائم رہ سکتی تھی کہ موجودہ قابضان اراضی کی زمینیں بکثرت ضبط کر لی جائیں۔ انگریزوں کی بغاوتوں کی ناکامی نے اس کا راستہ صاف کر دیا۔ اعلیٰ طبقۂ امرا کا بڑا حصہ جنگ میں مارا گیا یا ملک سے فرار ہو گیا اور نیچے طبقے کے متوسلانِ شاہی کی جائدادیں یا تو کل کی کل ضبط ہو گئیں یا کسی کسی نے کل زمین حوالے کر کے اس کا کوئی جز بہ حیثیت مستاجر کے لے لیا۔ ولیم نے اپنے زیادہ معزز رفقا کو جیسی بڑی بڑی جاگیریں دیں انہیں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ضبطی کیسے وسیع طور پر عمل میں آئی تھی۔ اس نے اپنے بھائی اوڈو کو اسکی خدمات کے صلہ میں دوسو علاقے کینٹ میں اور اسی قدر کسی دوسری جگہ دئے تھے۔ اور اپنے مشیران فز آسبرن و مانٹگومیری اور موبرے و کلیر کے مانند بیرنوں کو بھی تقریباً ایسی ہی بڑی بڑی جاگیریں دی تھیں۔ خوش قسمت امرا کا تو ذکر ہی کیا بدقسمت سے بدقسمت سپاہی کو بھی اس غنیمت میں کچھ نہ کچھ حصہ مل ہی گیا تھا، اور ذلیل ترین نارمن بھی اپنے آقا کی جدید حکومت میں دولت و قوت سے بہرہ ور ہو گیا تھا، لیکن چھوٹی بڑی جس قدر جاگیریں بھی دی گئی تھیں سب کے ساتھ یہ شرط تھی کہ قابضِ جاگیر بادشاہ کی طلب پر خدمت کے لئے حاضر ہوگا اور جب بڑے جاگیرداروں نے اپنے مقبوضات ماتحت مستاجروں کے درمیان تقسیم کئے تو یہ ماتحت مستاجرین بھی اپنے آقا کے لئے انہیں شرائط خدمت کے پابند کئے گئے۔

ماتحت جاگیردار حصولِ جاگیر کی رسم ادا کرنے کے لئے اپنے آقا کے سامنے بلا ہتیار اور برہنہ سر گھٹنوں کے بل جھکتا اور اپنے ہاتھوں کو آقا کے ہاتھ میں دیکر کہتا کہ "اے میرے آقا میں اپنی جان، اپنے جسم، اپنے تمام اغراض دنیاوی کے لئے حضور کا تابعدار بنتا ہوں اور زندگی و موت میں حضور کا مخلص و وفادار رہونگا۔ خدا میری مدد کرے" آقا کے بوسہ دینے سے جاگیر ہمیشہ کے لئے اسے اور اس کی اولاد کو حاصل ہو جاتی تھی۔ اس طرح پر گویا ایک پوری فوج ملک میں سکونت پذیر ہو گئی تھی اور ولیم کی طلب پر ہر وقت ایک عظیم الشان فوج اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو سکتی تھی ٭

اس قسم کی فوج مفتوحین کے مقابلے میں جیسی کچھ کار آمد تھی ظاہر ہے، مگر خود حکومت کے لئے بھی وہ کچھ کم خطرناک نہ تھی۔ ولیم نے نارمنڈی میں جس قسم کے بیرنوں کو سخت دشواری سے اپنی مرضی کا تابع بنایا تھا اسی قسم کے جاگیردار بیرنوں کو اس نے اپنی اس نئی مملکت میں اپنے مقابل پایا۔ امرا اطاعتِ قانون سے بیزار اور شاہی طاقت کو رقیبانہ نظر سے دیکھنے اور اپنے علاقوں میں بے لگام فوجی و عدالتی آزادی کے خواہاں جیسے نارمنڈی میں تھے ویسے ہی انگلستان میں بھی تھے۔ فاتح نے جس تیزی سے اس خطرے کو محسوس کیا اور جس قابلیت سے اس کا تدارک کیا اس سے اس کی اعلیٰ ذہانت کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔ قدیم نظام قانونی سے فائدہ اٹھا کر ملک کی عدالتی کارروائی کو اس نے مضبوطی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، حلقے اور ضلع کی مقامی عدالتوں کو (جہاں ہر آزاد شخص رکن کی حیثیت رکھتا تھا) بدستور قائم رکھا اور

ان سب کو شاہی عدالت کے تابع کر دیا۔ اس شاہی عدالت نے انگریزی بادشاہت کے اختتام کے قریب زمانے میں مرافعات کے سُننے، اور ہر حصۂ ملک سے مقدمات کو اپنی عدالت میں طلب کرنیکا حق حاصل کر لیا تھا۔ ولیم نے ویسکس، مرسیا، نارتھمبرلینڈ کی وسیع ولایتوں کو جن سے خود حکومت کی رونق ماند پڑ گئی تھی توڑ دیا اور ضلعوں کی حکومت کے لئے شیرف اپنی طرف سے نامزد کئے۔ اس طرح حکومت کا اقتدار پوری قوت کے ساتھ برقرار رہا۔ اس نے جس قدر بڑی بڑی جاگیریں عطا کی تھیں انہیں ملک میں اس طرح منتشر کر دیا تھا کہ زمینداروں کا باہمی اتحاد یا ماتحت مستاجرین کے بڑے بڑے گروہوں کا کسی ایک رئیس کے ساتھ دائمی تعلق ناممکن ہو گیا تھا۔ دوسرے ممالک میں ماتحت اپنے آقا کے تمام دشمنوں کے خلاف (خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو) اس کی وفاداری کے پابند تھے۔ مگر انگلستان کے لئے ولیم نے ایک مخصوص رواج قائم کیا تھا جس کے رو سے ہر ماتحت مستاجر علاوہ اپنے آقا کی وفاداری کی قسم کے براہ راست تاج کی وفاداری کی بھی قسم کھاتا تھا اور اس طرح سے بادشاہ کے ساتھ وفاداری تمام انگریزوں کا ایک اعلیٰ اور عام فرض قرار پا گئی تھی۔ نیز ہر جاگیر سے بادشاہ کے لئے جو خدمات، حقوق و رسوم معین تھے ان پر نہایت پابندی کے ساتھ عملدرآمد ہوتا تھا، بشرطِ ضرورت ہر مستاجر سال میں تین بار بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے پر مجبور تھا۔ وراثتاً اپنی جاگیر پر قابض ہونیکے وقت ہر جاگیردار کو ایک بھاری جرمانہ یا محصول ادا کرنا ہوتا تھا۔ بادشاہ اگر جنگ میں قید ہو جائے یا جب بادشاہ کا بڑا لڑکا نائٹ بنایا جائے یا

اس کی بڑی لڑکی کی شادی ہو، ان سب صورتوں میں نقدی مدد دینی ہوتی تھی۔ جو وارثِ جاگیر نابالغ ہوتا تھا وہ حکومت کی سرپرستی میں رہتا تھا اور اس تمام مدت میں اس کی جائداد کا کل نفع بادشاہ کو ملتا تھا۔ اگر جاگیر کسی عورت کی ارث ہوتی تھی تو اس کے عقد کا اختیار بادشاہ کو حاصل ہوتا تھا اور بالعموم سب سے بڑی قیمت لگانیوالے کے ہاتھ وہ فروخت کردی جاتی تھی۔ تمام سرزمین پر اکثر علاقے اپنے مخصوص رسوم شاہی سے زیربار تھے اور انہیں مواجبات کی تحقیق کرنے اور قلمبند کرنیکے لئے ولیم نے ہر صوبے میں کمشنر بھیجے تھے جن کی تحقیقات ڈومزڈے بک میں محفوظ ہے۔ پنچوں کی ایک فہرست ہر حلقے میں مرتب رہتی تھی اور یہ لوگ ہر جایداد کی نوعیت، وسعت، نام و تعداد اس کے باشندوں کی حالت فتح کے قبل و بعد جائداد کی قیمت، اور بادشاہ کے رسوم کو حلفاً ظاہر کرتے تھے۔

جاگیردار طبقۂ بیرن کے پُرشر طبایع کے لئے ولیم نے کلیسا کے ذریعہ سے ایک اور روک پیدا کی۔ اس کے اولین کاموں میں سے ایک کام یہ بھی تھا کہ اس نے نارمنڈی سے لینفرینک کو اصلاحِ کلیسا میں مدد دینے کے لئے طلب کیا اور اسٹیگینڈ کو معزول کرکے لینفرینک کو کینٹربری کا اسقفِ اعظم بنا دیا، اس کے بعد بہت سے اور بھی مقتدایانِ دین اور رہبانِ خانقاہ برطرف کئے گئے اور ان کی جگہوں پر نارمن مقرر کردئے گئے۔ نئے اسقفِ اعظم نے کلیسا میں انضباط پیدا کرنیکے لئے بہت کوشش کی اور اس میں شک نہیں کہ خود ولیم بھی ایک حد تک مذہبی ترقی میں سچے دل سے کوشاں تھا۔ چنانچہ اس کا ایک ہمعصر لکھتا ہے کہ

رئیسانِ خانقاہ اور اساقفہ کے انتخاب میں وہ جس درجہ ان کے زہد و علم پر خیال کرتا اُس قدر ان کی دولت و طاقت کا لحاظ نہیں کرتا تھا۔کسی جگہ کے خالی ہونے پر وہ اساقفہ، رؤسائے خانقاہ اور اپنے دوسرے دانشمند صلاح کاروں کو جمع کرتا تھا اور ان کی مدد سے یہ تحقیق کرتا تھا کہ کون شخص دینی و دنیوی دونوں لحاظ سے خدا کے گرجا پر حکومت کرنیکے لئے سب میں بہتر اور دانشمند شخص ہے" لیکن یہ لوگ کیسے ہی ایماندار کیوں نہوں ان اصلاحات سے شاہی اقتدار میں ضرور اضافہ ہوا۔ نئے اساقفہ اور روسائے خانقاہ چونکہ غیر ملکی ہوتے تھے اس وجہ سے وہ اپنی تابع جماعت سے بیگانہ رہتے تھے اور اس کے ساتھ ہی ضلع و حلقے کی عدالتوں سے جہاں اساقفہ ملکی حاکموں کے پہلو بہ پہلو بیٹھتے تھے مذہبی مقدمات خود اساقفہ کی عدالتوں میں منتقل کردئے جاتے تھے اس وجہ سے ان کا عام اثر بھی گھٹ گیا تھا۔ یہ تغیر حکومت کے لئے آئندہ خطرات سے خالی نہ تھا مگر بروقت اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام سے اساقفہ کا قدیم تعلق ایک بڑی حد تک منقطع ہو گیا اور مذہبی و ملکی مساوات کی قدیم یاد دلوں سے محو ہو گئی۔ اس امر کی سختی کے ساتھ کوشش کی گئی کہ کلیسا شاہی طاقت کے تابع رہے۔ بادشاہ کے روبرو جس طرح بیرن اظہار اطاعت کرتے تھے اسی طرح اساقفہ بھی اطاعت کا حلف اٹھاتے تھے۔ کوئی شاہی مستاجر بادشاہ کی اجازت کے بغیر ملت سے خارج نہیں کیا جا سکتا تھا، کوئی مذہبی مجلس بادشاہ کی استمزاج کے بغیر منعقد نہیں ہو سکتی تھی اور نہ بادشاہ کی منظوری کے بغیر کوئی قانون نافذ کر سکتی تھی، بلا شاہی اجازت کے پوپ کا کوئی خط ملک کے اندر نہیں آسکتا تھا۔ پوپ کے دربار سے اب

جن حقوق کا مطالبہ ہو رہا تھا ولیم نے انہیں بڑی جرأت سے مسترد کردیا گریگری ہفتم نے جب اس سے یہ چاہا کہ وہ اپنی مملکت کے لئے وفاداری کا اظہار کرے تو اس نے پوپ کے اس حق کے تسلیم کرنے سے سختی کے ساتھ انکار کر دیا" اظہارِ وفاداری پر نہ میں پہلے کبھی رضامند تھا اور نہ اب رضامند ہوں۔ نہ میں نے اس کا کبھی وعدہ کیا ہے اور نہ مجھے پتہ چلتا ہے کہ میرے پیشرؤں نے آپ کے پیشرؤں سے کبھی اس قسم کا کوئی وعدہ کیا ہو"

مگر حکومت کی سب سے بڑی ضیانت بادشاہ کی دولت اور اس کی ذاتی طاقت میں مخفی تھی۔ ولیم نے اپنے امیروں اور سپاہیوں کو اگرچہ بہت بڑی بڑی جاگیریں عطا کی تھیں مگر باایں ہمہ اپنی مملکت میں وہ خود سب سے بڑا زمیندار تھا۔ رسوم جاگیرداری کی سخت وصولی سے ونچسٹر کا وسیع خزانہ (جس کی ابتدا مفتوحین کی لوٹ سے ہوئی تھی) برابر بڑھتا جاتا تھا مگر ولیم نے اضافۂ آمدنی کا ایک سہل ذریعہ ان یہودی تاجروں کو انگلستان میں آباد کرنے سے نکالا جو نارمنڈی سے اس کے پیچھے پیچھے آئے تھے اور بڑے بڑے شہروں میں اپنے علیٰحدہ محلے قائم کرکے خاص شاہی حفاظت میں آباد ہوگئے تھے۔ یہودیوں کو ملک میں کسی قسم کا استحقاق یا حق شہریت حاصل نہیں تھا۔ وہ خاص محلے جن میں وہ رہتے تھے شاہی جنگل کی طرح عام قانون سے مستثنیٰ تھے۔ یہ یہودی خالصتہً بادشاہ کی ملک سمجھے جاتے تھے اور ان کی زندگی اور ان کا مال کلیتاً بادشاہ کے ہاتھ میں تھا مگر وہ ایک ایسا بیش قیمت مقبوضہ تھا جس سے لاپرواہی برتنا آسان نہیں تھا۔ چونکہ مقامی عدالتوں میں یہودی تاجروں کی کوئی حیثیت نہیں تھی اس وجہ سے ایک شاہی محکمہ ان کی دادرسی

کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ ان کے تمسکات حفاظت کی غرض سے وسٹ منسٹر کے شاہی محل کے ایک کمرے میں رکھے جاتے تھے۔ چونکہ لوگوں کو اُن سے عام نفرت تھی لہذا اُن کی حفاظت کی جاتی تھی کہ وہ اپنے مذہبی ارکان آزادی سے ادا کرسکیں، انہیں اجازت تھی کہ اپنے صومعے بناکر ایک ربی اعظم کے تحت میں اپنے مذہبی معاملات کا انتظام کریں۔ اس میں شک نہیں کہ یہودیوں کا ملک میں آباد ہونا ابتداءً سلطنت کے لئے علی العموم مفید تھا۔ ان کا آنا گویا ملک میں سرمایہ داروں کا آنا تھا اور اس زمانے کی عام غیر مطمئن حالت میں جو سود وہ ضرورتاً وصول کرتے تھے اگرچہ وہ سخت تھا مگر ان کے قرضوں سے انگلستان کی صنعت و حرفت میں وہ تحریک پیدا ہوگئی جو اس کے قبل کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ فتح کے بعد کی صدی میں تعمیر کا ایک عام شوق پیدا ہوگیا جس سے تمام ملک میں ہر طرف قصر اور کلیسے قائم ہوگئے۔ مگر ان قصروں اور کلیسوں کا تعمیر ہونا یہودیوں کے قرضوں ہی کی وجہ سے ممکن ہوا۔ خود یہودیوں نے اپنی تعمیرات سے ملک میں ایک نئی مثال پیدا کردی۔ لنکن اور سنٹ اڈمنز بری میں اب تک بہت سی عمارات "مکانات یہود" کے نام سے مشہور ہیں، یہی وہ پتھر کے مکانات تھے جو اولاً انگریزوں کے ذلیل مکانوں کے بجائے تعمیر ہوے۔ یہودیوں کا اثر صرف تجارت ہی پر نہیں تھا بلکہ اسپین اور مشرق کے یہودی مدارس سے تعلق رکھنے کی وجہ سے انہوں نے علمِ طبعیات کی اشاعت کا نیا راستہ کھول دیا۔ غالباً آکسفورڈ میں ایک یہودی طبی مدرسہ بھی موجود تھا۔ خود راجر بیکن نے انگلستان کے ربیوں سے تعلیم پائی تھی، مگر بادشاہ کے لئے یہودی صرف روپیہ کی ایک کل تھے۔ اپنی محنت

و جزرسی سے جو دولت وہ جمع کرتے تھے وہ بادشاہ کی ضرورت پر ان سے چھین لی جاتی تھی اور اگر نرم درخواستیں کامیاب نہیں ہوتی تھیں تو قید و تعذیب سے کام لیا جاتا تھا۔جنگ یا بغاوت کے پیش آجانے پر یہودیوں ہی کی دولت شاہی خزانے کو بھر دیتی تھی۔ اپنے بیرنوں پر حکومت قائم رکھنے کے لئے نارمن بادشاہوں کی طاقت عبرانی صندوقوں میں مخفی تھے

جزو ششم

جدید انگریزی دور

۱۰۷۱ ـــ ۱۱۲۷

اسناد۔ آرڈرک اور انگریزی وقائع نویسانِ سابق کے علاوہ کینٹربری کے ایک راہب ایڈمر کے تصانیف ہسٹوریا نوورم (تاریخ جدید Historia Nouorum) اور لائف آف اینسلم (سوانح عمری اینسلم Life of Anselm) ولیم ثانی کے عہد کے لئے خاص ذریعۂ معلومات ہیں۔ ولیم (مامزبری) اور ہنری (ہنٹنگڈن) دونوں ہنری اول کے ہمعہد مصنف ہیں۔آخرالذکر ایک مختصر مگر صحیح تذکرہ نگار ہے اور اول الذکر ایک نئے طریقہ تاریخ نویسی کا امام ہے۔ وہ انگلستان کے حالات پر تاریخ دنیا کے ایک جزو کی حیثیت سے نگاہ ڈالتا ہے اور اپنے مطالب کو زیادہ فلسفیانہ طور پر ترتیب دیکر قدما کی طرز پر چلنے کی کوشش کرتا ہے ان دونوں کے حالات کے لئے دوسرے باب کا پہلا جزو دیکھنا چاہئے۔انگلستان کے شہروں کی ابتدائی تاریخ کے متعلق مسٹر تامسن کی انگلش میونسپل ہسٹری (انگلستان کی تاریخ بلدی لندن ۱۸۵۷ء English Municipal History) سے کچھ مفید مطلب باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔چارٹر رولز (سلسلہ فرامین Charter Rolls)

شایع کردہ کمشنران کاغذات دفتر سرکاری سے زیادہ معلومات حاصل ہوسکتے ہیں۔سنٹ اڈمنزای کے لئے جوسیلن ڈی بریکلانڈ کی کرانکل (وقایع Chronicle مرتبہ کیمڈن سوسائٹی دیکھنا چاہئے۔ڈگڈیل کی مونیسٹکن (Monastican میں یارکشائر کے فرقہ سسٹرشین کی خانقاہوں کی مشمولہ یادداشتوں سے مذہبی تجدید پر روشنی پڑتی ہے۔ڈاکٹر اسٹبز نے اپنی کانسٹیٹیوشنل ہسٹری (تاریخ دستوری Constitutional History)میں ہنری کے نظم و نسق کی قابل تعریف خوبی کے ساتھ توضیح کی ہے]

فتح کے کام کے ختم ہوتے ہی طبقۂ بیرن اور حکومت کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی۔ولیم نے ان بڑی بڑی ولایتوں کو جن سے سطوت شاہی ماند پڑ گئی تھی مٹا دیا تھا اور اس کے اس طرز عمل کی دانشمندی اُس وقت ظاہر ہوئی جب ان ولایت کے دوبارہ بحال کردینے کے بعد ہی اس کے وزیر فٹز آسبرن کے بیٹے راجر اور برطانوی رالف دی گیڈر (جسے بادشاہ نے اس کی خدمت سنلیک کے صلے میں نارفوک کا والی مقرر کردیا تھا) دونوں نے سرکشی اختیار کی۔یہ بغاوت بہت جلد فرو کردی گئی' راجر قید خانے میں ڈال دیا گیا اور رالف کو سمندر پار بھاگنا پڑا مگر بیرنوں کو اپنی سازشوں کے لئے ایک دوسرا سرگروہ خود بادشاہ کا برادر علاتی اسقف بایو ہاتھ آگیا' اسقف اوڈو نے اس حیلے سے کہ وہ بزور پوپ بننے کی فکر میں ہے روپیہ اور آدمی جمع کئے تھے' مگر شاہی عمال نے فی الفور اس خزانہ پر قبضہ کرلیا اور اسقف عین دریا میں گرفتار کرلیا گیا۔بادشاہ کے بذاتِ خاص حکم دینے پر بھی کسی عہدہ دار کو یہ جرات نہ ہوئی کہ ایک مقتدائے کلیسا پر ہاتھ ڈالے۔آخر ولیم نے اسے خود اپنے ہاتھ سے گرفتار کیا اور ہنسکر کہا کہ "میں اسقف کو نہیں بلکہ والی کنٹ کو گرفتار کرتا ہوں"۔ولیم کے انتقال تک اوڈو کو قید خانے سے رہائی نہیں ملی۔حقیقت یہ ہے کہ ولیم کی یہی پُرزور شخصیت اس کے تخت کی سب سے بڑی محافظ تھی۔انگریزی وقائع نگار لکھتا ہے کہ

جو شخص اس کی راہ میں حائل ہوا، اس کے لئے وہ ایک بلا تھا۔ والیان صوبجات جو ذرا بھی اس کے حکم کے خلاف چلتے انہیں وہ بے تامل قیدخانے میں ڈال دیتا تھا۔ اساقفہ اور روسائے خانقاہ کے مناصب ضبط کر لیتا تھا۔ خود اس کا بھائی تک نہ بچا۔ وہ ملک میں سب سے موقر شخص تھا مگر بادشاہ نے اسے بھی قید کر دیا۔ جس شخص کو اپنی زندگی اور اپنی زمین عزیز ہو اسے لازم تھا کہ بادشاہ کی مرضی پر چلے۔" اس کی حکمرانی اگرچہ اسقدر سخت تھی مگر اسی سے ملک میں امن قائم ہو گیا۔ ان صعوبتوں کے باوجود جو خود فتح کے حوادث، قلعوں کی تعمیر، جنگلوں کے بند کر دئے جانے اور خزانۂ ونچسٹر کے لئے جابرانہ وصولیات کی وجہ سے پیش آئی تھیں انگریز کبھی یہ نہ بھول سکے کہ اس نے ملک میں کیسا عمدہ امن پیدا کر دیا تھا، اس عہد کے امن کی کیفیت یہ تھی کہ آدمی سونا اُچھالتے ہوئے تمام ملک میں سفر کر سکتے تھے۔ اپنی حکومت کے عام میلان اور اپنے زمانے کی عام حالت کے خلاف بنی نوع انسان کے لئے ایک عجیب و غریب طرح کا درد بھی اس کے اندر موجود تھا۔ اس کی طبیعت کی ایک نہایت قوی خصوصیت یہ تھی، کہ اسے قانونی کارروائی کے ذریعہ سے خونریزی کرنے سے نفرت تھی، اس نے سزائے موت کو باضابطہ منسوخ کر دیا تھا، اور اس کے تمام زمانۂ حکمرانی پر قتل کا صرف ایک دھبہ ہے اور بس۔ اس کے لئے ایک اس سے بھی زیادہ قابل فخر امر اس غلامی کے اٹھا دینے کا فرمان تھا جو اس وقت تک بندرگاہِ برسٹل میں جاری تھی۔ یہی بیرحم جنگجو، درشت خو و پرہیبت بادشاہ ایک نرم مزاج، باوفا شوہر اور ایک مہربان باپ تھا۔ اس کی طبیعت کی تنہائی پسند خاموشی اینسلم کے ایسے

پاک و مقدس شخصوں کے ساتھ لطف آمیز گفتگو سے بدل جاتی تھی۔ ولیم اگرچہ باغیوں اور بیرنوں کے لئے سنگدل تھا تو لوگوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ خدا سے محبت رکھنے والوں کے لئے وہ کیسا نرم تھا۔

طاقت اور شہرت دونوں میں فاتح اپنے تمام پیشرو تخت نشینوں سے سربلند تھا' ڈین کا خوف ایک مدت سے انگلستان پر ایک مہیب ابر کی طرح چھایا ہوا تھا' مگر جب ولیم نے شاہ کینوٹ کے فراہم کردہ عظیم الشان بیڑے کے مقابلے کے لئے فوج جمع کی تو یہ خوف ہوا ہو گیا۔ بغاوت کی وجہ سے ڈین کا بیڑا منتشر ہو گیا اور خود شاہ ڈین کے قتل ہو جانے سے شمال کا خطرہ بالکل جاتا رہا۔ اسکاٹلینڈ کو ولیم اپنے پہلے ہی حملے میں پست کر چکا تھا اب نیوکیسل اپان ٹائن پر ایک زبردست قلعہ تعمیر کرکے اس نے اسکاٹلینڈ پر مزید غلبہ حاصل کرلیا۔ دوسری طرف اپنی فوج کو لئے ہوئے ویلز کے قلب تک پہنچ گیا' اور تمام سرحد ویلز پر اپنے بیرنوں کو آباد کرکے اسکی باقاعدہ تسخیر شروع کردی۔ اس کے آخری برسوں میں البتہ اس کے بیٹے رابرٹ کی بغاوت اور فرانس کے مناقشے کی وجہ سے اس کی غیر متغیر کامیابی میں خلل پڑ گیا۔ مینٹس کو جلا کر جب ولیم اس کی ڈھلوان سڑک سے اتر رہا تھا تو چنگاریوں کے اندر اس کا گھوڑا بھڑکا اور وہ بہت زور کے ساتھ پشتِ زین سے نیچے گرا۔ لوگ اسے اٹھا کر اس کے وطن روئین میں لے گئے مگر اس صدمے سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ وہ خانقاہ سنٹ گروس میں قیام پذیر تھا کہ ایک روز علی الصباح گرجے کے گھنٹے کی آواز سے جاگ اٹھا۔ نمازِ صبح کا وقت تھا فاتح نے شہر پر ایک نظر ڈالی اپنے ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور خاموشی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کے

ساتھ ہی وہ خوف بھی جاتا رہا جس سے بیرنوں پر ہیبت چھائی ہوئی تھی اور اس کی مملکت کے دو ٹکڑے ہو جانے سے انہیں یہ امید ہو گئی کہ جس سخت حکومت کے نیچے وہ دبے ہوئے تھے اب کامیابی کے ساتھ وہ اس کا مقابلہ کر سکینگے۔ ولیم نے اپنے بڑے بیٹے رابرٹ کو نارمنڈی کا وارث مقرر کیا تھا۔ اس کا دوسرا بیٹا ولیم اپنے باپ کی انگوٹھی لیکر تیزی کے ساتھ انگلستان کو روانہ ہوا، اور وہاں لینفرینک کے اثر سے وہ فوراً صاحب تاج و تخت بن گیا۔ بیرنوں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر رابرٹ کے حق کی تائید کی اور اس حیلے سے ہتیار اُٹھانے پر آمادہ ہو گئے کیونکہ انہیں رابرٹ کی کمزور طبیعت سے یقین تھا کہ جاگیردارانہ آزادی کے نشو و نما کے لئے وسیع میدان ہاتھ آ جائیگا۔ اسقف اُوڈو اس بغاوت کا سرغنہ بن گیا۔ نئے بادشاہ کا دار و مدار تمامتر اس کی انگریزی رعایا کی وفاداری پر رہ گیا تھا۔ ولیم نے اپنی بادشاہی پر جو قومی رنگ چڑھا دیا تھا اس کا اثر فوراً ظاہر ہو گیا۔ ووسٹر کے اسقف ولفسٹن نے (کہ انگریزی نسل کا صرف ایک یہی اسقف باقی رہ گیا تھا) مغرب میں باغیوں کو شکست دی۔ دوسری طرف بادشاہ نے شہر اور قصبے کے آزاد آدمیوں کو اپنی فوج میں اس تہدید کے ساتھ جمع کیا کہ نہ حاضر ہونیوالا "لاشے" قرار دیدیا جائیگا، اور ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ روچسٹر کی طرف بڑھا جسے بیرنوں نے اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ قلعہ نشین فوج وبا پھیل جانیکی وجہ سے قلعہ حوالہ کر دینے پر مجبور ہوئی اور جب قیدی شاہی فوج کے سامنے سے گذرے تو انگریزی سپاہیوں نے "دار و رسن" کا شور بلند کیا۔ اس کے عہد کے زمانۂ مابعد میں شاہی خاندان کے ایک قریبی

رشتہ دار اسٹفن (البمارلی) کو تخت نشیں کرنیکے لئے سازش کی گئی مگر بیرنوں کے سرگروہ رابرٹ موبرے والی نارتھمبرلینڈ کی گرفتاری اور اس کے شرکائے سازش کے قید و جلاوطنی سے طبقۂ بیرن کی امیدیں پھر پامال ہوگئیں۔

طبقۂ بیرن اور حکومت کی اس جد و جہد سے قومی حُب وطنی میں ازسرِنو جان پڑ گئی تھی لیکن اس حُب الوطنی سے محض شاہی مطلق العنانی کی حمایت کا کام لیا جاتا تھا اور اس سے ملک پر سخت دباؤ پڑ رہا تھا۔ کلیسا کے ایک شخص واحد نے اپنے عمل سے اس رجحان کو بدل دیا۔ ولیم احمر نے اگرچہ اپنے باپ کی مستعدی اور مفتوح انگریزوں کے ساتھ اس کی طرزِ عمل کا ایک بڑا حصہ ورثے میں پایا تھا مگر وہ اس کی کسی اخلاقی عظمت کا وارث نہیں ہوا تھا۔ اس کی بد اطواری اور فضول خرچی سے شاہی خزانہ بہت جلد خالی ہو گیا اور لینفرینک کے انتقال کر جانے سے اسے موقع مل گیا کہ بے روک ٹوک کلیسا کی دولت پر ہاتھ ڈالے اور اس سے اس کمی کو پورا کرے۔ کسی اسقف یا رئیس خانقاہ کی جگہ کے خالی رہنے کی صورت میں اس کی آمدنی خزانۂ شاہی میں جاتی تھی۔ اس لئے موت کے باعث جن مقتدیانِ دین کی جگہیں خالی ہوتی جاتی تھیں ولیم ان کے جانشین مقرر نہیں کرتا تھا اور اس پر وہ اس حد تک مصر تھا کہ اس کے اختتام عہد پر ایک اسقفِ اعظم چار اساقفہ اور بارہ رئیسانِ خانقاہ کی جگہیں خالی پڑی تھیں۔ خود کینٹربری کے اسقفِ اعظم کی جگہ ایک مدت تک خالی پڑی رہی یہانتک کہ ایک خطرناک بیماری سے خائف ہو کر بادشاہ نے اینسلم کو (جو اس وقت اتفاقاً اپنے مدرسے کی ضرورت سے انگلستان میں آیا ہوا تھا) اس جگہ پر مقرر کر دیا۔ لوگ

اسقفِ اعظم 1093

بک کے رئیسِ خانقاہ کو کشاں کشاں بادشاہ کے بستر تک لائے اور زبردستی صلیب
اس کے ہاتھ میں دیدی مگر ولیم نے بیماری سے صحتیاب ہوتے ہی خود کو ایک
ایسے شخص سے رو در رو پایا جس کا زرم و محبت آمیز مزاج بادشاہ کے ظلم کے
مقابلے میں بہت ہی سخت و پرہیبت ہوگیا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ
فتح کے بعد سے کلیسا تاج کے تابع ہوگیا تھا اور اس سے اُس کی وہ اخلاقی
طاقت سلب ہوگئی تھی جو ظالمانہ خود مختاری کے مقابلے میں اعلیٰ قومی
مقاصد کی حامی تھی اور اگرچہ ولیم اور اسقف اعظم کے درمیان اختلافات بیشتر
ایسے معاملات میں ہونے جن کا اثر براہ راست انگریزی تاریخ پر نہیں پڑتا مگر انسلم
کی دیرانہ روش نے نہ صرف کلیسا کے ساتھ ذلت آمیز برتاؤ کو موقوف کردیا
بلکہ عام قوم میں آزادی کی ایک نئی روح پھونک دی۔ اس مخالفت کی
صحیح کیفیت اسقف اعظم کے اُس جواب سے ظاہر ہوتی ہے کہ جب کلیسا سے
بے ضابطہ استحصال رقوم کے خلاف اس نے معارضہ کیا اور اس پر بادشاہ نے
خود اس کے تقرر کے لئے اس سے نذرانے کا مطالبہ کیا تو انسلم نے
پانچ سو پاؤنڈ کی ایک تھیلی پیش کی مگر یہ رقم حقارت کے ساتھ مسترد کردیگئی
انسلم نے جواب دیا کہ "میرے ساتھ ایک آزاد شخص کا سا برتاؤ کیجئے اور
میں اپنی ذات اور اپنے مال کو آپ کی خدمت کے لئے وقف کردونگا لیکن
اگر آپ میرے ساتھ ایک غلام کا سا برتاؤ کرینگے تو نہ میں آپ کے لئے
ہوں اور نہ میرا مال آپ کے لئے ہے"۔ شاہ احمر کے طغیان غضب کے
باعث اسقفِ اعظم دربار سے باہر چلا گیا اور بالآخر اس نے ملک کو خیرباد
کہنے کا فیصلہ کرلیا مگر اس نے اپنے فعل سے ایک مثال قائم کردی اور
ولیم کے زمانے کے ختم ہوتے ہوتے انگلستان میں ایک ایسی نئی روح

آزادی کی پیدا ہو گئی کہ فاتح کے بیٹوں میں سب سے مقتدر بیٹے نے بھی اس سے مصالحت ہی کو غنیمت سمجھا +

سپاہیانہ قابلیت میں شاہ احمر اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھا انگلستان کا تو وہ بادشاہ ہی تھا، مگر نارمنڈی بھی اس کے قبضے میں آ گئی تھی اس کا بھائی رابرٹ، ارض مقدس کی جنگ صلیبی میں شریک ہونا چاہتا تھا اور اس ضرورت سے اس نے ولیم سے کچھ روپیہ لیکر اپنا ملک نارمنڈی اس کے پاس رہن رکھ دیا تھا۔ لی مان نے اس کے خلاف سر اٹھایا، مگر ولیم نے اس بغاوت کے فرو کرنے میں بڑی ہی مستعدی دکھائی۔ اس سرتابی کی خبر پاتے ہی جو پہلی کشتی اسے مل سکی اس میں وہ سوار ہو گیا، اور باوجود طوفان کے آبنائے کو عبور کر گیا۔ اس کے ہمراہیوں نے اسے اس ارادے سے باز رکھنا چاہا، مگر اس نے حقارت کے ساتھ جواب دیا کہ "بادشاہ کبھی ڈوبتے نہیں"۔ ادھر فرتھ آف فورتھ پر دھاوا کر کے اس نے میلکم سے دوبارہ اطاعت حاصل کی اور میلکم کے بعد جب اسکاٹلینڈ میں سخت بدامنی پھیل گئی تو مارگیرٹ کے بیٹے اتھلنگ کو موقع مل گیا کہ ولیم سے فوجی مدد لیکر تخت اسکاٹلینڈ پر انگریزی باجگذار کی حیثیت سے متمکن ہو جائے۔ البتہ ویلز میں ولیم کو ایسی فیروزمندی میسر نہیں آئی۔ سنوڈن میں زرہ پوش نارمن سواروں کا سخت نقصان ہوا اور ولیم کو مجبوراً اپنی روش بدلنا پڑی تاکہ ہر پہلو پر غور کر کے آہستگی سے وہ اس ملک کو فتح کر سکے لیکن فتح و شکست دونوں کا عجیب غمناک خاتمہ ہوا۔ شاہ احمر کو نیو فارسٹ کے ایک میدان میں کسانوں نے اس طرح مرا ہوا پایا کہ اس کے سینے میں کسی شکاری یا قاتل کا تیر پیوست تھا۔ ارض مقدس میں رابرٹ کے دلیرانہ

کارناموں سے اس کی سابقہ شہرت زائل ہو گئی تھی مگر وہ ابھی راستے ہی
میں تھا کہ یہاں اس کا چھوٹا بھائی ہنری باوجود بیرنوں کی مخالفت کے
تختِ انگلستان پر قابض ہو گیا۔ بیرن زیادہ تر اس وجہ سے ڈیوک نارمنڈی
کے طرفدار تھے کہ وہ اپنی آبنائے کے دونوں جانب کی جائدادوں کو ایک ہی
حاکم کے تحت میں رکھنا چاہتے تھے۔ ان کی اس روش سے ہنری کو بھی وہی
کرنا پڑا جو شاہِ احمر نے کیا تھا، اس نے انگریزوں کی امداد پر بھروسہ کیا،
تاجپوشی کے بعد ہی اس نے دو اہم کام یہ کئے کہ اولاً اپنی رعایا کو ایک
فرمان عطا کیا اور دوسرے مٹلڈا سے عقد کر لیا۔ یہ دونوں کام اس نئے
تعلق کو ظاہر کرتے ہیں جو طبقہ بیرن کے اس طرز عمل سے بادشاہ اور رعایا
کے درمیان پیدا ہو گیا تھا۔ شاہِ ہنری کے فرمان کی اہمیت صرف اسی پر
مبنی نہیں ہے کہ جان کے "فرمانِ اعظم" کے لئے ایک قطعی مثال قائم ہو گئی بلکہ اس اعتبار
سے بھی وہ اہم ہے کہ فتح کے بعد جو مطلق العنانی پیدا ہو گئی تھی اسے اس فرمان
نے اول بار ایک حد کے اندر محدود کیا اس میں علانیہ ان "رسوم بد" پر نفرین کی گئی
تھی جن کے ذریعے سے شاہِ احمر نے کلیسا کو اپنا زر خرید اور اس کی دولت کو اپنا
مال سمجھ لیا تھا۔ فاتح اور اس کے بیٹے دونوں نے بیرنوں سے جس طرح کے غیر محدود
مطالبات کئے تھے انہیں منسوخ کر کے معین مطالبے ان پر قائم کر دئے گئے۔ عوام کے
حقوق اگرچہ نسبتاً مبہم رکھے گئے تھے مگر کلیتہً نظر انداز نہیں کئے گئے تھے۔ بیرن اپنے
ماتحت مستاجرین کے ساتھ انصاف کرنے اور ان سے ظالمانہ جبر ستانی کے ترک کرنیکے پابند
کئے گئے اور بادشاہ نے اپنی جانب سے یہ وعدہ کیا کہ وہ اڈورڈ کے قانون کے موافق
ملک کے قدیم نظامِ حکومت کو بحال کر دیگا۔ صرف ولیم اول کے تغیرات باقی رکھے
جائینگے۔ اس کے عقد سے ان وعدوں کو ایسی نمود حاصل ہو گئی کہ ایک

ہنری کا فرمان

ادنیٰ ترین کسان بھی اسے سمجھ سکتا تھا۔ اڈیتھ یا مٹلڈا اسکاٹلینڈ کے شاہ
میلکم اور اڈگار اتھلنگ کی بہن مارگیرٹ کی بیٹی تھی اس نے رامزے کی
خانقاہ مستورات کے اندر اپنی چچی کرسچینا کے تحت میں پرورش پائی تھی،
"خانقاہ کی نقاب" بادشاہ کے ساتھ اس کے عقد کی مانع تھی، مگر اینسلم کی
دانشمندی نے اس وقت کو رفع کر دیا۔ تخت نشینی کے بعد ہنری کے ابتدائی
کاموں میں ایک کام یہ بھی تھا کہ اس نے اینسلم کو واپس بلا لیا تھا۔
مٹلڈا نے اسقفِ اعظم کے روبرو حاضر ہو کر نہایت جوش کے ساتھ اپنا قصہ
بیان کیا، اس نے کہا کہ اس زمانے میں وحشی سپاہی ملک کو غارت
کر رہے تھے اور محض بے حرمتی کے خیال سے بچپن ہی میں اس کے
چہرے پر نقاب ڈال دی گئی۔ اس نے بار بار نقاب کو اُتارنا چاہا مگر
نا ملائم طعن و تشنیع اور اپنی چچی کی زد و کوب کے باعث وہ مجبور ہو جاتی
تھی۔ اس نے بیان کیا کہ "جب میں اپنی چچی کے سامنے ہوتی تھی تو
منہ پر نقاب ڈال لیتی تھی مگر اس کے ساتھ ہی غصہ و رنج سے کانپتی
جاتی تھی اور اس کی نظر سے اوجھل ہوتے ہی نقاب کو سر سے کھینچ کر
زمین پر پھینک دیتی اور اسے پیروں سے کچل ڈالتی تھی میری نقاب پوشی
بس اسی طور کی تھی"۔ اینسلم نے یہ سنکر فوراً ہی اسے خانقاہی قیود سے
آزاد کر دیا۔ جب اس کے سر پر تاج رکھا گیا تو اہل کلیسا اور بیرنوں
کی شکوہ سنجی، انگریزوں کے عام نعرہائے مسرت کے سامنے بالکل دب گئی،
نارمن امرانے طنزاً بادشاہ اور اس کی بیگم کو "گاڈرک اور گاڈجیفو" کا لقب
دیا تھا مگر عام رعایا کی مسرت میں یہ سب باتیں غائب ہو گئیں۔ فتح کے
بعد یہ پہلا موقع تھا انگریزی نسل کی ایک ملکہ انگریزی تخت پر جلوہ فرما

ہوئی: وقت آگیا تھا کہ کرڈک اور الفرڈ کا خون رالف اور فاتح کے خون سے مل جائے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ آیندہ انگریز اور نارمن ایک دوسرے سے جدا رہ سکیں۔ اتحاد باہمی اس تیزی کے ساتھ ظہور پذیر ہوا کہ نصف صدی کے اندر ہی اندر نارمن کا نام تک مٹ گیا اور ہنری کے پوتے کی تخت نشینی کے وقت سٹیفن کے فاتح و مفتوح کے درمیان تمیز کرنا محال ہوگیا۔

انگریزی شہر

ان دونوں نسلوں کے باہمی امتزاج کی ترقی کا کچھ کچھ سراغ شہروں کی نئی آبادی سے بھی چل سکتا ہے۔ فتح کا ایک فوری نتیجہ یہ ہوا کہ بکثرت نئے آبادکار بر اعظم سے انگلستان میں آگئے۔ نارمن سپاہیوں کی فتح کے ساتھ ساتھ نارمنڈی کے اہل حرفہ و تجار نے بھی انگلستان پر پُرامن دھاوے شروع کر دئے تھے۔ نارمن امرا اور رؤسائے خانقاہ جب انگلستان میں سکونت اختیار کرتے تو اپنے قصروں اور اپنے گرجوں کے آس پاس فرانسیسی دستکاروں اور فرانسیسی شاگرد پیشوں کو جمع کرتے تھے مثلاً ولیم نے اپنی فتح عظیم کی یادگار میں موقع جنگ پر ابے آف بیٹل (خانقاہِ جنگ) قائم کی تھی۔ اس خانقاہ کے ارد گرد گلبرٹ غیر ملکی، گلبرٹ نور باف، بنٹ خانساماں، ہیو کاتب، بالڈون خیاط، انگریزی کاشتکاروں کے پہلو بہ پہلو آباد ہوگئے تھے؛ بالخصوص مستقر حکومت میں یہ حالت زیادہ نظر آتی تھی۔ ولیم کے ورود کے بہت پہلے سے لندن میں نارمن تجارتی کوٹھیاں موجود تھیں لیکن معمولاً ان کوٹھیوں کی وقعت ایک تجارتی نوآبادی سے زیادہ نہیں تھی۔ مگر جوں ہی لندن نے فاتح کی اطاعت قبول کی "معاً روئمن اور کین کے باشندے بہ تعداد کثیر اپنے ملک سے لندن میں آگئے"۔ وہ اس

شہر میں رہنا زیادہ پسند کرتے تھے کیونکہ ان کے تجارتی اغراض کے لئے یہ شہر بہت ہی موزوں تھا اور جن چیزوں کی تجارت سے ان کا تعلق تھا وہ یہاں زیادہ مہیا ہو سکتی تھیں"۔ ناروچ کی طرح بعض مقامات میں یہ بھی ہوا کہ انگریزی قصبے کے قریب ہی فرانسیسی آبادکاروں نے اپنا ایک الگ حصہ بسا لیا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ لندن میں اس نو آبادی نے فوراً ہی حاکمانہ انداز اختیار کر لیا تھا۔ زمانۂ مابعد میں لوگوں کا خیال تھا کہ مشہور اسقف اعظم ٹامس بکٹ کا باپ گلبرٹ بکٹ اپنے وقت میں لندن کا پورٹریو (حاکم بندرگاہ) یعنے موجودہ اصطلاح میں لندن کا میر تھا۔ اسٹفن کے زمانے میں خود شہر کے اندر وہ ایک بڑی جائداد کا مالک تھا، اور شہر کے معاملات میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہر نیا منتخب شدہ پورٹریو سالانہ اس کی قبر کی زیارت کو جاتا تھا۔ کلیسائے سنٹ پال کے صحن میں اس نے ایک چھوٹی سی عبادتگاہ بنائی تھی اور اسی عبادتگاہ میں اسکی قبر واقع تھی۔ لیکن یہ گلبرٹ انہیں نارمن غیر ملکیوں میں سے تھا جو فاتح کے پیچھے پیچھے آئے تھے"، از روئے پیدائش روئیں کا باشندہ تھا اور اس کی بیوی قصبۂ کین کی رہنے والی تھی۔

ہنری اول کے عہد میں انگلستان کے شہروں کو جو تمول و ثروت حاصل ہوئی وہ ایک حد تک اسی غیر ملکی امتزاجِ خون کا نتیجہ تھی۔ اسمیں بھی شک نہیں کہ نارمن حکومت کے طویل امن و انتظام سے اس میں بہت مدد ملی۔ انگریزی قوم کے خاموشانہ ترقی میں اولاً قصبات نے قدم بڑھایا۔ مقتدایانِ دین و امرائے دنیاوی نے انہیں حقیر سمجھ کر ان پر نظر نہیں ڈالی اور اسی وجہ سے کہیں کہیں ان میں قدیم ٹیوٹن آزادی

عملاً حالہ باقی رہ گئی تھی اور کہیں انہوں نے اسے دوبارہ حاصل کرلیا تھا۔ قصبات ہی کے باشندے اور دکاندار تھے جو مدتوں کی جور و تعدی کے دوران میں حکومت خود اختیاری، آزادیٔ مجلس، آزادی تحریر، اپنے ہمسروں کے ذریعے سے یکساں انصاف کے حقوق کو حفاظت کے ساتھ بچا لائے۔ انگلستان جو کچھ بھی ہے اس کے بنانے میں نائٹوں اور بیرنوں سے زیادہ جن لوگوں نے کوششیں کیں ان کی زندگی کا نمونہ اگر دیکھنا ہو تو خاموش اور انوکھے ناموں کی سڑکوں، قصبے کے چراگاہ و بازار، امرا کی پن چکی، پر اژدہام مجلس قبائلی، مجلس تجار، مجلس کلیسا، مجلسِ اہل حرفہ کے حالات کو دیکھنا چاہئے انہیں سے ان کی خانگی و تجارتی زندگی، ظلم و جور کے خلاف ان کی شدید مقاومت، حق و آزادی کے لئے ان کی مستحکم و مسلسل جد و جہد کا حال معلوم ہوگا ایک قصبے کے بعد دوسرے قصبے نے کس طرح آزادی حاصل کی اس کا درجہ بدرجہ پتہ لگانا مشکل ہے لیکن اس قدر محقق ہے کہ ان میں سے بیشتر قصبے شاہی املاک میں واقع تھے، جس طرح بادشاہ کے دوسرے محاصل وغیرہ کی وصولی کے لئے عہدہ دارانِ شاہی مقرر تھے اسی طرح ان قصبات کی معینہ لگان کے جمع کرنے اور اہل قصبہ کے معاملات کا تصفیہ کرنیکے لئے بھی بادشاہ کی طرف سے عہدہ دار مقرر تھے۔ انگلستان کے شہروں میں لندن سب سے ممتاز شہر تھا، اور ہنری نے جو فرمان اسے عطا کیا تھا وہی دوسرے چھوٹے بڑے شہروں کے لئے نمونہ ہو گیا۔ بادشاہ نے انصاف کا حق خود اہل شہر کو تفویض کردیا تھا۔ شہر کی عدالت کا اجلاس ہر ہفتے ہوا کرتا تھا۔ شہر کے ہر باشندے کو یہ حق تھا کہ عدالت میں اپنے ہی اہل شہر کے ذریعہ سے انصاف کا خواہاں ہو۔ وہ صرف حلفی تصفیہ کے

پرانے انگریزی طریقے کے پابند تھے مگر نارمنوں نے اب جنگ کے ذریعہ
سے بھی تصفیۂ معاملات کی ایک نئی صورت نکالی تھی اور جو شخص حلفی
کارروائی سے بچنا چاہتا تھا وہ اس طریقے کو اختیار کر سکتا تھا۔ اہلِ شہر
کی تجارت ملک کی تمام عرض و طول میں ہر قسم کے محصول وجبرِستانی
سے محفوظ تھی۔ لیکن اس وقت تک تمام دوسرے مقامات کی طرح لندن
کے لئے بھی بادشاہ ہی حاکم اعلیٰ کا تقرر کرتا تھا اور اس وقت تک
اہل شہر کسی مجلس یا جماعت کی صورت میں بطور خود متحد بھی نہیں
ہوئے تھے، مگر شہر کئی حلقوں میں تقسیم تھا اور ان حلقوں میں ایک
طرح کا بلدی نظام بھی موجود تھا، ہر ایک حلقے کا ایک سرگروہ ہوتا
تھا اور وہی اس پر حکومت کرتا تھا۔ علاوہ اس کے سوداگروں کی
مجلسیں تھیں جن میں شرکت اختیاری تھی۔ یہ مجلسیں اپنے ارکین کی
باہمی حفاظت اور عام انتظام کی ذمہ دار ہوتی تھیں۔ یہ روابط بھی اگرچہ
بجائے خود کمزور معلوم ہوتے ہیں مگر شہروں میں آزادی کی قدیم انگریزی
روایتیں محفوظ تھیں اور ان سے مل کر اِن روابط میں کافی مضبوطی پیدا
ہو جاتی تھی۔ لندن میں جب سنٹ پال کے گرجے کا گھنٹہ بجتا تو اہل
شہر اپنے سرگروہوں کے تحت میں معاملات پر آزادانہ بحث کرنیکے لئے
شہر کی مجلس میں جمع ہو جاتے تھے۔ شہر کو اگر کوئی خطرہ پیش آجاتا تو
اہل شہر مسلح ہوکر یہیں مجتمع ہو جاتے اور شہر کا عَلَم اپنے سردار کو دیکر
اس کی سرکردگی میں دشمن کے مقابلے کے لئے روانہ ہوتے۔ اتنی طاقت
ابھی صرف چند ہی شہروں کو حاصل ہوئی تھی مگر ہنری کے عہد میں شہروں
کی آزادی کے لئے فرمان پر فرمان نافذ ہوتے رہے۔ شہر کے تمام رہنے والے

اور اس کے تجارت پیشہ اشخاص بالکل رئیس شہر کے بس میں ہوتے تھے مگر اب ان فرامین کی رو سے انہوں نے معین رقم کے عوض اپنی آزادیاں خرید لی تھیں اور رسمی مستاجر بن گئے تھے۔ وہ خود اپنی تجارت کا انتظام کرنے لگے تھے اور شہر کی عدالت کے سوا تمام دوسری عدالتوں سے مستثنیٰ ہو گئے تھے۔

سنٹ اڈمنزبری

جو قصبات شاہی جاگیر میں نہیں تھے بلکہ کسی خانقاہ یا کسی قصر کے گرد آباد تھے ان کی ترقی زیادہ دیر طلب اور دشوار تھی۔ سنٹ اڈمنزبری کی داستان سے معلوم ہوتا ہے کہ خالص غلامانہ حالت سے نکل کر ناممکن آزادی تک پہنچنا بھی کتنے مدارج کے طے کرنیکے بعد ممکن تھا۔ بہت سی زمینیں جن میں اڈورڈ "تائب" کے زمانے میں کھیتی ہوتی تھی نارمن حکومت کے دور میں ان پر مکانات بن گئے تھے۔ اس بڑی خانقاہی گرجے کی تعمیر کی وجہ سے صناع اور معمار رئیس خانقاہ کی جائداد پر حلواہوں اور کسانوں کے درمیان آباد ہو گئے تھے: زمانے کی پریشانیوں نے مثل دوسرے مقامات کے یہاں بھی قصبے کی ترقی میں مدد دی، نیم غلام مزارعین عدالت یا آقا کے مفرورین، تجار، یہودی، سب بالطبع سنٹ اڈمنزبری کے زبردست سائے میں پناہ کے خواہاں ہوتے تھے، مگر یہ تمام آبادکار ہمہ تن رئیس خانقاہ کے زیر حکم تھے۔ کوئی آبادکار ایسا نہیں تھا جو رئیس خانقاہ کے خزانے میں اپنا نذرانہ داخل کرنے، اس کی زمین کا نصف بیگہ جوتنے، کٹائی کے وقت اس کے کھیت میں کام کرنے، خانقاہ کے باڑے میں اس کی بھیڑوں کے بند کرنے، اور خانقاہ کے تالابوں سے ہر سال مچھلی نکالنے میں مدد دینے کا پابند نہ ہو۔ رئیس خانقاہ کی جاگیر کے

چاروں کونوں پر چار صلیبیں نصب تھیں، ان حدود کے اندر آب و خاک سب پر اُسی کی حکومت تھی۔ اراضی عامہ پر مویشیوں کے چرانیکے لئے اہل قصبہ کو محصول دینا پڑتا تھا، دھوبی اگر اپنے کپڑے عاریت دینے سے انکار کرتے تو خانقاہ کا داروغۂ توشہ خانہ انہیں تالابوں پر کپڑے نہ دھونے دیتا اور جہاں کہیں پاتا ان کے کپڑے ضبط کرلیتا تھا۔ خانقاہ کے مستاجرین پر کسی قسم کا محصول نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ دکانوں اور مویشی خانوں کے سامنے خریداروں کو اس وقت تک انتظار کرنا پڑتا تھا جب تک کہ رئیس خانقاہ کے ملازم اپنی پسند کی چیزیں نہ خریدلیں، ان دقتوں کے تدارک کی کوئی صورت نہ تھی کیونکہ اہل قصبہ اگر مجلس قبائلی میں شکایت کرتے تو مجلس کے وقت بھی رئیس خانقاہ کے عہدہ دار موجود رہتے تھے، اگر وہ الڈر مین سے فریاد کرتے تو وہ بھی رئیس خانقاہ کا نامزد کردہ ہوتا تھا اور اسے اپنے عہدے کا نشان یعنی "قرنا" رئیس خانقاہ ہی کے ہاتھوں سے ملتا تھا۔

سوسائٹی کے تمام بڑے بڑے انقلابات کی طرح اس غلامی سے بھی خلاصی خاموشی کے ساتھ عمل میں آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جور و ظلم کے زیادہ تکلیف دہ قیود اکثر از خود ناپدید ہو گئے بعض کام جیسے مچھلی وغیرہ پکڑنا خفیف نقدی معاوضہ سے بدل دئے گئے۔ دھوبیوں کی غلامی اور کتان وغیرہ کا محصول بھی یوں ہی غائب ہوگیا، غرضکہ رسم و رواج، حذف و اسقاط، دانستہ و نادانستہ اغماض و فراموشی، خفیف جد و جہد بوقت ضرورت نذر و پیشکش کے ذریعوں سے قصبے نے بتدریج آزادی حاصل کرلی، مگر یہ تمام ترقی ہمیشہ نادانستہ ہی نہیں ہوئی تھی۔ سنٹ اڈمنزبری کی تاریخ میں ایک واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے، اس سے

صرف قانون کی ترقی ہی ظاہر نہیں ہوتی بلکہ اس نئے اخلاقی احساس کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ انصاف سب کے لئے یکساں ہونا چاہئے۔ اس احساس سے ملک کی عام ترقی میں بڑی مدد ملنے والی تھی۔ یہ قصبہ اگرچہ ایک غیرمتمدن سا قصبہ تھا مگر حکمرانی و قانون سازی کے لئے تمام اہل قصبہ کے اجتماع کا دستور وہاں بحال خود برقرار تھا، انصاف کا عملدرآمد اہل قصبہ کے روبرو ہوتا تھا اور ملزم اپنے ہمسایوں کی قسم کی بنا پر بری یا سزایاب ہوتا تھا؛ لیکن قصبے کے حدود کے باہر نارمن طریقہ نافذ تھا اور دیہاتوں کے مستاجر جو خانقاہ کے داروغہ توشہ خانہ کی عدالت میں مقدمات لاتے تھے ان کا فیصلہ "طریقہ جنگ" کے موافق ہوتا تھا۔ ایک بار اس جاگیردارانہ طریق انصاف کے موافق ایک کسان کٹل نامی کو پھانسی دیدی گئی۔ اس سے ان دونوں طریقوں کا فرق ہر شخص کی نظر میں عیاں ہو گیا۔ اس کا جرم بظاہر ثابت نہیں تھا، مگر ڈوئل، کا نتیجہ اس کے خلاف ہوا اور عین قصبے کے دروازے کے روبرو اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ قصبے کے لوگ کہنے لگے کہ "اگر کٹل قصبے کے اندر کا رہنے والا ہوتا تو اپنے ہمسایوں کی قسم سے چھوٹ جاتا کیونکہ یہ آزادانہ حق ہمیں حاصل ہے۔" راہبوں تک پر اس کا یہ اثر پڑا کہ انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ان کے کاشتکار آزادی و انصاف میں اہل قصبہ کے مساوی ہوں۔ قصبے کے حق آزادی کو قصبے سے باہر خانقاہ کے دیہاتی مقبوضات میں بھی وسیع کر دیا گیا۔ کسان "محصولخانے میں آتے اپنے نام الڈرمین کی فہرست میں درج کراتے اور حق شہریت کا نذرانہ ادا کرتے تھے۔"

مذہبی		اس قسم کے واقعات سے جن اخلاقی انقلابات کا اظہار ہوتا ہے

انہیں مذہبی زندگی کی اس تجدید سے بھی تقویت پہنچ رہی تھی جو ہنری اول کے عہد کی نہایت نمایاں خصوصیت ہے۔ ولیم نے جن اساقفہ کا تقرر کیا تھا وہ اگرچہ پرہیزگار، عالم اور اپنے کام میں مستعد تھے مگر وہ انگریزی قوم سے نہیں تھے۔ ہنری اول کے عہد تک ایک انگریز بھی انگلستان کا اسقف نہیں ہوا تھا، اہل کلیسا کے اعلیٰ طبقے کی زبان اور ان سے عادات نیچے طبقے کے پادریوں اور عام رعایائے ملک کی زبان و عادات سے بالکل مغایر تھے اور انہیں ان لوگوں سے کسی قسم کی ہمدردی بھی نہ تھی۔ یہ تفریق یہاں تک بڑھی کہ نظامِ حکومت میں گرجا کا اثر بلکل معطل ہو گیا۔ ایک اینسلم تھا جس نے ملک احمر کا مقابلہ کیا تھا۔ اینسلم کے چلے جانے کے بعد ہنری اول کے تمام عہد میں مذہبی آزادی کی ایک آواز بھی بلند نہیں ہوئی مگر ہنری کے عہد کے اختتام اور اسٹفن کے تمام زمانے میں انگلستان کے اندر مذہبی تحریک کا ہیجان جاری رہا۔ یہ تحریک فی الحقیقت ان عظیم الشان تحریکوں کا پیش خیمہ تھی جو بعد میں فرائرز (برادرانِ مذہبی) کے وعظ، وکلف کی لولارڈی، "اصلاح" "پیوریٹن" کے جوش اور وسلی کے تبلیغی کام کی صورتوں میں ظاہر ہونیوالی تھیں۔ شہر اور دیہات ہر جگہ لوگوں نے عبادت کے لئے جماعتیں بنالیں تھیں زہاد جنگلوں میں جمع ہو گئے تھے متقشف سسٹرسین (جو فرقہ بینڈکٹ کی ایک شاخ تھی) جب شمال کے دلدلوں اور جنگلوں میں پھیلے تو امرا و عوام نے یکساں طور پر ان کا خیر مقدم کیا۔ مذہبی مقامات زہد و ریاضت کے ایک نئے جوش سے بھر گئے، اور اس کا اثر ہر عام و خاص پر پڑا۔ ریوالکس کا امیر والسلٹر دی اسپیک اس سے ایسا ہی متاثر ہوا جیسے

چیپسائڈ کا سوداگر گلبرٹ بکٹ۔ اس تجدید مذہبی میں لندن نے پورا حصہ لیا۔ شہر کو اس پر ناز تھا کہ اس کے اندر تیرہ خانقاہی اور سو سے زاید محلہ وار گرجے موجود ہیں۔ نئی تحریک نے شہر کی ہئیت ہی بدل دی تھی، وسط شہر میں اسقف مارس نے سنٹ پال کا گرجا بنانا شروع کیا تھا مگر وہ نا تمام رہ گیا تھا۔ اب اسقف رچرڈ ہمہ تن اس کی تعمیر میں منہمک تھا۔ اس کی عالیشان محرابوں کے لئے کین سے پتھر کشتیوں میں بھر کر لائے جاتے تھے۔ عوام محرابوں کی رفعت و شان کو دیکھ کر محو حیرت ہو جاتے تھے، اس کے مشہورِ زمانہ صحن کو وسیع کرنیکے لئے سڑکیں اور گلیاں بیدریغ مٹائی جا رہی تھیں۔ بادشاہ کے مغنی راہیر نے اسمتھ فیلڈ کے قریب سنٹ بارتھولومو کا زاویہ قایم کیا اور الفون نے کرپل گیٹ میں سنٹ جائلز کا زاویہ بنایا؛ قدیم انگریزی نکٹنا گلڈ نے ایلڈگیٹ پر ہولی ٹرینٹی کے زاویہ کے واسطے جگہ نکالنے کے لئے اپنا حق ملکیت ترک کر دیا۔ اس مکان کا ایک واقعہ ہے جس سے اس وقت کے شہریوں کے مزاج کی بہت صحیح کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔ اس کے بانی پرائر نارمن نے گرجے اور حجرے کے بنانے اور اس کے لئے کتابوں اور ساز و سامان کے خریدنے میں اس فراخی سے روپیہ صرف کیا کہ کھانے کے لئے کچھ باقی نہ رہا۔ زاویہ نشینوں کی حالت بالکل آخر ہو چکی تھی کہ شہر کے بعض لوگوں نے (جو حسب معمول اتوار کے جلوس میں آئے تھے اور حجرے کے اندر ٹہل رہے تھے) دیکھا کہ کھانیکے کمرے میں میزیں بچھی ہوئی ہیں مگر روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہے۔ یہ لوگ بیساختہ بول اُٹھے کہ "عمارت تو بہت نفیس تیار ہوئی مگر اب روٹی کہاں سے آئیگی"۔ اس جلوس میں جو عورتیں موجود تھیں ان سبنے

عہد کیا کہ وہ ہر اتوار کو ایک ایک روٹی لیتی آئینگی اور اس طرح صاحب زادیہ اور دوسرے قسیسوں کے لئے بہت جلد روٹی کا قابل اطمینان انتظام ہو گیا، بلکہ کچھ بچ بھی رہتی"۔ اس نئی تحریک سے اہل کلیسا کا ایک نیا طبقہ منظر عام پر آگیا تھا اور اسی سے اس تحریک کی قوت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اینسلم، جان (سالبری) اور تھیوڈوزو ٹامس (جو ہنری کے مرنے پر یکے بعد دیگرے کینٹربری کے اسقف ہوئے) وغیرہم کا جو کچھ بھی اثر تھا وہ اسی اعتقاد کا نتیجہ تھا جو ان کی پاکبازی و بے نفسی کی نسبت لوگوں میں شایع تھا۔ نئی تحریک نے جب مقتدایانِ مذہبی اور عوام کو باہم متحد کردیا تو کلیسا کی مردہ جانی کا خاتمہ ہو گیا اور ہنری کے اختتام عہد پر اس میں اتنی زبردست قوت پیدا ہو گئی تھی کہ اس نے انگلستان کو طوائف الملوکی سے بچا لیا اور اس کا یہ فعل ہمیشہ تاریخ انگلستان میں یادگار رہیگا۔

انگریزوں میں تجدید خیالات کے اس نئے دور کو ہنری رقیبانہ نظر سے دیکھتا تھا اور خود بالکل اس سے علحدہ رہا، مگر اس کے عقد کی وجہ سے ایک جوش پیدا ہو گیا تھا اور اسے یہ موقع مل گیا تھا کہ اپنے بھائی کے حقوق اور اپنے اُمرا کی بددلی کی طرف سے بے پرواہ ہو جائے۔ رابرٹ پورٹس متھ میں اترا مگر اترتے ہی اُسے اُس انگریزی فوج سے سابقہ پڑا جو اینسلم کی طلب پر بادشاہ کے گرد جمع ہوگئی تھی اور اس کے لئے سوا واپسی کے کوئی چارہ کار باقی نہ رہا۔ رابرٹ کے اس طرح ناکام واپس جانے سے ہنری کو بالکل بیفکری ہو گئی اور وہ آزاد تھا کہ اپنے سرکش امرا سے جس سختی کے ساتھ چاہے سلوک کرے۔ راجر (مانٹگومیری) کا بیٹا رابرٹ (بلیم) بیرنوں کا سرگروہ تھا مگر شروسبری کی سی دشوار گذار راہ میں ساٹھ ہزار

انگریزی سپاہی بادشاہ کے ساتھ گئے اور صرف فوری اطاعت سے ہی رابرٹ کی جان بچی۔ خاص اپنے ملک پر بخوبی تسلط حاصل کرکے اور باغی بیرنوں کی ضبط شدہ زمینوں سے متمول ہو کر ہنری نارمنڈی پہنچا۔ یہاں رابرٹ کی بدنظمیوں سے طبقہ مذہبی اور تجار اس سے برگشتہ ہو گئے تھے اور نارمن امرا کی زیادتیوں نے امن پسند رعایا کو بادشاہ (ہنری) سے طلب مدد پر مجبور کر دیا تھا۔ میدان ٹنگبری میں اس کی فوجوں کا ڈیوک کی فوجوں سے مقابلہ ہوا' اور اس جنگ میں انگریزوں کو فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی۔ نارمن سرزمین پر ایسی کامل فتح نے ہیسٹنگز کی ذلت کی تلافی کر دی۔ امارتِ مفتوحہ تاجِ انگلستان کے تابع ہو گئی اور ایک چوتھائی صدی تک ہنری کی پریشانی کا باعث رہی۔ نارمنڈی میں بغاوت کا سلسلہ جاری تھا' فرانسیسی مخالفت پر تلے ہوئے تھے' ہنری کا بھتیجا ولیم (فرزند رابرٹ) اپنے باپ کے تاج کے دوبارہ حاصل کرنیکے لئے برابر کوششیں کر رہا تھا' ہنری کی قوتیں انہیں مشکلات کا مقابلہ کرنے میں صرف ہوتی رہیں۔ لیکن انگلستان میں ہر طرح پر امن و اماں قائم رہا۔ فاتح نے جس طرزِ حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی ہنری اول کے پر زور انتظام نے اس کے تمام جزئیات کو مکمل کر دیا بغاوت یا ضبطی کی وجہ سے بہت سی بڑی بڑی جائدادیں بادشاہ کے قبضے میں آ گئی تھیں' یہ جایدادیں ان نئے لوگوں کو عطا کی گئیں جن کا دار و مدار شاہی عنایت پر تھا' بادشاہ نے بڑے بڑے جاگیرداروں کو برباد کرکے ان کے بجائے چھوٹے چھوٹے امرا کا ایک گروہ قائم کر دیا تھا۔ عہدِ فتح کے پرانے بیرن انہیں نظرِ حقارت سے دیکھتے تھے لیکن ان کی وجہ سے طاقتوں میں توازن پیدا ہو گیا تھا اور انہی میں سے منتظمین کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا' ہنری انہیں میں سے اپنے عمال و کار پرداز مقرر کرتا تھا' مالیات کی نئی ترتیب دہی سے تمام ملک

۱۱۰۵

شاہی انتظام کے تحت میں آگیا تھا۔ معبد شاہی کے پادریوں میں سے معتمدین یا وزرائے شاہی کی ایک جماعت مرتب کی گئی اور ان کا سرگروہ چانسلر (صاحب الدیوان) کے خطاب سے ملقب ہوا۔ اور ان سب سے بالاتر جسٹیسیر یا نائب السلطنت تھا جو بادشاہ کی عدم موجودگی میں ولی کی حیثیت سے سلطنت کا تمام کاروبار انجام دیتا تھا۔ اس کا عملہ محل شاہی کے متعلقہ بیرنوں میں سے منتخب ہوتا تھا اور یہی عملہ عدالت عالیہ کا کام دیتا تھا اور اسی کو عدالت شاہی بھی کہتے تھے۔ تمام باجگذارانِ شاہی کی عدالت سال میں صرف تین بار طلب ہوتی تھی اور یہی عدالت شاہی ان کی مستقل قایم مقام سمجھی جاتی تھی۔ شاہی مجلسِ شورے کی حیثیت سے وہ قوانین پر نظرثانی کرتی اور انہیں باضابطہ درج کرلی تھی۔ مشورہ و منظوری اگرچہ محض ضابطہ پیمائی تھی مگر اس سے وضع قانون میں منظوری عوام کے قدیم طریق کی ظاہری شکل برقرار تھی۔ بہ حیثیت عدالت انصاف کے وہ مرافعہ کی اعلیٰ ترین عدالت تھی۔ کسی فریق کی درخواست پر وہ ہر ایک عدالت ماتحت سے مقدمہ اپنی عدالت میں طلب کرسکتی تھی۔ اس کا ایک ایک رکن شیرفوں کی چند عدالتوں پر نگراں ہوا کرتا تھا اور اس طرح مقامی عدالتوں سے اس کا قریبی تعلق قائم رہتا تھا۔ مالی جماعت کی حیثیت سے اس کا کام محاصل کی تشخیص و وصولی تھا۔ اس اعتبار سے وہ عدالت مال (کورٹ آف اکسچکر) کہلاتی تھی۔ یہ نام اس وجہ سے پڑا کہ اسکے عہدہ دار بساط شطرنج کی طرح کی ایک چار خانہ دار میز کے گرد بیٹھے تھے اور اسی میز پر روپیہ گنا جاتا تھا۔ مال کے کاموں کے لحاظ سے اس کے ارکان بیرنس آف اکسچکر کہلاتے تھے۔ سال میں دو مرتبہ ہر صوبے کا شیرف (ناظم) ان

بیرنوں کے روبرو حاضر ہوتا تھا، اور شاہی جایداد کی مشخصہ آمدنی مالگذاری مقامی عدالتوں کے جرمانے، بیرنوں کی جائداد کی جاگیردارانہ امداد وغیرہ کی تمام رقمیں یہاں داخل کرتا تھا ان تمام محاصلات میں بیرنوں کی امداد شاہی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔ ان رقوم کی ادائگی، یا محاصل قصبات کی تشخیص کے بابت مقامی اختلافات کے طے کرنیکے لئے اس عدالت کے بیرنوں کا ایک شعبہ اضلاع میں دورہ کیا کرتا تھا۔ اولاً یہ گشت محض مالی ضروریات سے اختیار کئے گئے تھے مگر بعد کو دادرسی کی ضروریات سے بھی گشت ہونے لگے اور ججوں کے گشتی حلقے قایم ہوگئے جو اب تک انگلستان کے قانونی انتظام کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔

سفید جہاز ہنری ملک کے اندر ان اصلاحات کے جاری کرنے میں مشغول تھا کہ یک بیک ایک المناک حادثے کی وجہ سے اس کی توجہ وراثت تخت کے مسئلہ کی طرف منعطف ہو گئی۔ ہنری کا بیٹا ولیم جسے مٹلڈا کے بطن سے ہونے کے باعث انگریز محبت سے اتھلنگ کہتے تھے، نارمنڈی سے واپسی کے وقت امرا کی ایک جماعت کے ساتھ بادشاہ کے ہمراہ تھا، مگر اس نے اپنے "سفید جہاز" کو شاہی بیڑے کے دوسرے جہازوں سے پیچھے روک لیا، نوجوان امرا شراب کے نشہ میں جہاز کے تختے پر جھوم رہے تھے پادری جب حسب معمول دعا کرنیکے لئے آیا تو اس پر فقرے چست کرکے اسے بھگا دیا۔ آخر شاہی خزانے کے محافظین نے جہاز کی روانگی پر زور دیا، اور پچاس ملاحوں نے ڈانڈ سنبھال کر جہاز کو تیزی کے ساتھ سمندر کی طرف کھے دیا مگر دفعۃً جہاز کا پہلو بندرگاہ کے دہانے پر ایک چٹان سے ٹکرایا اور آن واحد میں جہاز موجوں کی تہ میں پہنچ گیا۔ رات کی خاموشی میں

گونجتی ہوئی ایک دردناک آواز بادشاہ کے بیڑے میں سنائی دی مگر صبح کے قبل یہ مہلک خبر بادشاہ تک نہ پہنچ سکی، اس خبر کے سنتے ہی وہ بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑا اور اٹھا تو اس طرح کہ پھر زندگی بھر کبھی لب تبسم آشنا نہ ہوئے - ہنری کے کوئی اور بیٹا نہ تھا، اور اس کے تمام بیرونی دشمنوں کا گروہ باصرار اس کے سر ہوا کہ رابرٹ کے بیٹے کو اپنا وارث تسلیم کرے مگر بادشاہ کو ولیم سے نفرت اور اپنی بیٹی مٹلڈا سے خاص محبت تھی - مٹلڈا کا عقد شہنشاہ ہنری پنجم سے ہوا تھا - وہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد اپنے باپ کے پاس واپس آگئی تھی اور ہر چند کہ ایک عورت کی بادشاہی جاگیردار بیرنوں کو بہت ہی عجیب معلوم ہوتی ہے مگر ہنری نے اسی کو اپنی جانشین قرار دیا، امرا اور قسیس سب مجبور کئے گئے کہ اپنی آیندہ ملکہ کی حیثیت سے اس کی اطاعت کا حلف اٹھائیں، ہنری کو صرف ایک دشمن کا واقعی خوف تھا اور وہ کاؤنٹ فلک والی آنجو تھا - اس نے اس خطرے کو یوں رفع کیا کہ اسی کاؤنٹ کے لڑکے کے ساتھ مٹلڈا کی نسبت کردی ؞

جزو ہفتم

انگلستان و آنجو

۱۱۵ - ۸۷۰

آنجو کی تاریخ کے متعلق خاص تحریرات کرانکس ڈی آنجو (وقایع آنجو) (Chroniquesd Anjou)

میں فرانس کی مجلس تاریخ نے جمع کر کے شایع کی ہیں (پیرس ۱۸۵۶-۱۸۱۴ع)۔ ان تحریرات میں سب سے زیادہ مشہور جسٹاکانسلم (Gesta Consuinm) ہے۔ یہ بارھویں صدی کی ایک تالیف ہے اور مولف نے صرف یہ کیا ہے کہ پرانے افسانہ آمیز روایات کو فرانسیسی مورخین کے کثیر اقتباسات کے ذریعے سے تاریخی شکل میں ڈھال دیا ہے { ڈی آچری نے بھی اسپیلیجیم Spicilegium کی جلد دہم صفحہ ۵۳۴ میں اس کا تذکرہ کیا ہے } جافری مارٹل اور فلک آف جروسلم کے عہد کے علاوہ اس کا باقی تمام حصہ قریب قریب بیکار ہے۔ فلک ریکن کی اپنی لکھی ہوئی مختصر سوانح عمری آنجو کی ابتدائی تاریخ کے لئے نہایت ہی مستند تحریر ہے۔ جان (مارموٹیر) نے جافری (حسین) کی جو ضخیم سوانح عمری لکھی ہے اس سے بھی بہت سی باتوں کا پتہ چل سکتا ہے انگلستان کی کیفیت یہ ہے کہ آرڈرک اور "وقایع" دونوں اسٹفن کے وسط عہد پر پہنچکر بند ہو جاتے ہیں۔ اسی موقع پر آکر ولیم (ناملزبری)، ہنگڈن جسٹا اسٹیفنی (Gesta stephenni) اور ہمیسم کے وقایع نگار سب کے تصانیف تمام ہو جاتے ہیں۔ جسٹا اسٹیفنی، اسٹفن کے ایک محرر نے بہت ہی تفصیل کے ساتھ لکھی ہے اور ہمیسم کے وقایع نگاروں کے تحریرات اس عہد کے ابتدائی برسوں کے لئے نہایت ہی کار آمد ہیں۔ ان تحریرات کو مسٹر رین نے سرٹیس سوسائٹی کے جانب سے شایع کیا ہے۔ ہنری ثانی کے اوائل حکومت کے متعلق انگلستان کا تاریخی علم ادب بالکل معرا ہے بجٹ کی سوانح عمریوں اور خطوں کو کینن، رابرٹسن نے بڑی محنت سے جمع کر کے رولز سیریز (سلسلہ صحائف) کے تحت میں شایع کیا ہے }

آنجو کے کاونٹ

حکمرانانِ آنجو کے دور کی تاریخ انگلستان کے بخوبی سمجھنے کے لئے ہمیں اول خود آنجو کے کچھ حالات جاننا چاہئیں۔ ہنری ثانی اور اس کے بیٹوں نے جس طرح آنجو کی وسیع سرزمین ورثے میں پائی تھی اسی طرح ان کی طرز عمل اور افتاد طبیعت بھی ان کی میراث خاندانی تھی۔ جس وقت سے بریٹینی کے ایک لکڑہارے کی اولاد نے نہ صرف آنجو پر قبضہ کر لیا تھا بلکہ ٹورین، مین، پائٹو، گیسکونی، اورنی، اکوٹین، اور نارمنڈی کی بھی مالک ہوتی جاتی تھی (اور بالآخر نارمنڈی کی فتح کردہ وسیع مملکت کی شاہی بھی حاصل کر لی)، اسی وقت سے آنجو کے کاؤنٹون کے ہر فعل سے تاریخ انگلستان کی آیندہ رفتار کے لئے سامان فراہم ہو رہے تھے۔ ان کے

خاندان کا مورث اعلیٰ الفرڈ کا ہمعصر تھا۔ ڈین اس زمانے میں جس طرح
ٹیمز کے گرد و نواح کو تباہ کر رہے تھے اسی طرح وہ لوار کے قرب و جوار کو بھی
برباد کر رہے تھے۔ اس زمانے میں فرانس و برٹینی کے درمیان حد فاصل کے
طور پر کچھ زمین متنازعہ فیہ تھی۔ اسی متنازعہ فیہ زمین کے وسط میں ٹارٹلف
دی فارسٹر (بن باسی) رہتا تھا۔ اس پُر آشوب زمانے میں رہزنی و شکار
سے وہ اپنی بسر اوقات کرتا تھا۔ اور انِس کے قریب، جنگل میں اس طرح
آزادانہ رہتا تھا گویا وہ کسی سلطنت کے قوانین و قواعد کا پابند نہیں ہے۔
جنگل کی سختیاں برداشت کرتے کرتے اس نے اچھی طرح سیکھ لیا تھا کہ
"دشمن پر حملہ کرنے، خالی زمین پر سونے، گرسنگی و محنت کے برداشت کرنے،
اور بدنامی کے سوا اور کسی شئے سے نہ ڈرنے" کے طریقے کیا ہیں۔ ڈین کے
خلاف اس نے شاہ چارلس (اقرع) کا ساتھ دیا اور اس طرح لوار کے
قریب بہت وسیع اراضی حاصل کر لی۔ اس کے بیٹے انگلگر نے شمالیوں کو
ٹورین اور مغربی سرزمین سے خارج کیا جسے لوٹ کر اور جلا کر اُن لوگوں
نے تباہ و ویران کر دیا تھا۔ یہی انگلگر آنجو کا پہلا کاونٹ ہوا، مگر ٹارٹلف
اور انگلگر کے افسانے بارھویں صدی کے کسی مغنی کے نتیجہ تخیل سے زیادہ وقیع نہیں
ہو سکتے۔ تاریخ میں جس قدیم ترین کاؤنٹ کا ذکر ہوا ہے وہ فلک احمر ہے، فلک
نے فرانس کے ان ڈیوکوں سے تعلق پیدا کر لیا تھا جو اب تخت سے بہت
قریب ہوتے جاتے ہیں اور انعام کے طور پر آنجو کا منصب کاؤنٹ اسے
مل گیا تھا۔ اس کے بیٹے کا زمانہ صلح و آشتی کے ساتھ گذرا اور ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ طوفان جنگ میں کچھ دیر کے لئے سکون سا پیدا ہو گیا تھا کیونکہ
اس کے خاندان کے تمام اگلے پچھلے مسلسل جنگ و جدل میں مصروف رہے

اپنے تمام خاندان میں فلک دی گڈ (نیکدل) ہی ایک فرد ہے جس نے کوئی لڑائی نہیں لڑی۔ اسے مسرت اس سے ہوتی تھی کہ وہ ٹورز کے گرجے کے اندر گانے کے کمرے میں بیٹھے اور کینن (مہتمم کلیسا) کہلائے۔ ایک مرتبہ کسی مارٹیمس (عید مارٹن) کی شام کو وہ پادریوں کے لباس میں گا رہا تھا بادشاہ لیوس ڈی آؤٹریمر گرجے میں پہنچا۔ امرا نے تمسخر کے طور پر اس کاؤنٹ پادری کی طرف اشارہ کیا تو بادشاہ نے ہنسکر کہا "وہ بالکل قسیسوں کی طرح گاتا ہے" مگر فلک بھی جواب کے لئے تیار تھا اس نے بادشاہ کو لکھا کہ "اے میرے آقا! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایک بے علم بادشاہ ایک تاجدار گدھا ہے" فلک فی الواقع قسیس نہیں تھا بلکہ ایک مشغول کار و مستعد حکمران تھا، وہ اس تباہ شدہ زمین کے ایک ایک کونے کی خبر لیتا اور ہر جگہ امن و اماں قایم رکھتا، کوئی جگہ اس کے عدل و انصاف سے محروم نہیں رہی تھی۔ اس خاندان میں وہی ایک شخص ہے جسے لوگوں نے "نیکدل" کا خطاب دیا تھا۔

فلک اسود ۹۸۷-۱۰۴۰

فلک کا بیٹا جافری گرے گاون (زرد قبا) بالطبع ایک جری و مشہور سپاہی سے زیادہ نہ تھا وہ اپنے طاقتور ہمسایگان بلوائے اور شامپین کے کاؤنٹوں کے تابع بن گیا۔ مگر اس کے جانشین نے پھر اس ماتحتی کے جوے کو کندھے سے اتار پھینکا۔ فلک نیرا (اسود) آنجویوں میں سب سے بڑا کاؤنٹ ہوا ہے۔ وہ پہلا شخص ہے جس میں ہمیں ان مخصوص خصائل کا سراغ ملتا ہے جس پر یہ خاندان باوجود نقصانات کے استواری کے ساتھ دو سو برس تک جارہا؛ فطرتی محبت کا اس میں شائبہ تک نہیں تھا نوجوانی میں اس نے اپنی ایک بیوی کو لکڑیوں کے انبار پر جلا دیا۔ افسانے میں

مذکور ہے کہ جب وہ اسے اس مقتل کی طرف لے چلا تو وہ نہایت ہی خوشنما و شاندار لباس پہنے ہوئے تھا۔ بڑھاپے میں اس نے اپنے بیٹے کے خلاف ایک بہت ہی سخت جنگ کی، اور جب اس کا ہزیمت خوردہ لڑکا اس ذلت کے ساتھ (جو سخت ترین دشمن کے لئے مخصوص تھی) کہ بار برداری کے جانور کی طرح اس پر چار جامہ کسا ہوا اور اس کے منہ میں لگام لگی ہوئی تھی معافی کے لئے گھٹنوں کے بل چلتا ہوا اس کے قدموں پر گرا تو یہ بڑھا جوش مسرت میں چلا اٹھا کہ "آخر تم مفتوح ہوئے"۔ فلک ہی کی ذات سے وہ ذلیل توہم پرستی شروع ہوئی جس نے پلینٹیجنٹ کے اوائل حکومت کے عہد توہم پرستی کو بھی مات کر دیا۔ فلک نے اگرچہ کلیسا کی زمینوں کو لوٹ لیا تھا اور اہل کلیسا کی ملامتوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا مگر روز قیامت کا خوف اسے بیت المقدس لے گیا۔ یروشلیم کی سڑکوں پر وہ اس ہیئت سے نکلا کہ اس کے گلے میں رسی پڑی ہوئی تھی، پاؤں ننگے تھے، اور کندھوں پر زور زور سے کوڑے پڑ رہے تھے۔ اس حالت میں وہ چلا چلا کر توبہ کرتا جاتا تھا گویا اس طرح اس نے شہادت کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ ہربرٹ (لی مان) نے اسے قطعی تباہی سے بچا لیا تھا لیکن اس وفاداری کا صلہ اسے یہ ملا کہ فلک نے اُسے قید میں ڈال دیا اور اس کی زمین غصب کر لی۔ شاہ فرانس کے دربار میں اس نے دو قاتلوں کو بھیجا کہ جس وزیر نے اس کی دوستی میں خلل ڈالا ہے اسے بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے قتل کر ڈالیں اور اس طرح خوف دلا کر بادشاہ کی دوستی حاصل کی۔ اس زمانے میں اگرچہ غداری، غارتگری، اور خونریزی ایک عام بات تھی مگر فلک نے جس بیدردی سے ظلم کئے تھے

اس سے وہ زمانہ بھی ششدر رہ گیا۔ لوگ یہ یقین کرنے لگے کہ ہم لوگوں کی بد کرداریوں کے باعث خدا کا غضب "فلک کی صورت میں ظاہر ہوا ہے مگر خدا کے غضب یا لوگوں کی بد دعاؤں سے اس کے پچاس برس کی کامیاب حکومت میں کبھی کوئی سوء اتفاق نہیں پیش آیا۔

آنجو کی عظمت

فلکِ اسود کی تخت نشینی کے وقت فرانس کے بڑے صوبوں میں آنجو کی اہمیت سب سے کم تھی مگر ۱۰۶۰ء میں جب اس کا انتقال ہوا ہے اس وقت آنجو اگر وسعت میں نہیں تو کم از کم طاقت میں سب سے اول تھا؛ فلک ایک صاحب تدبیر، صاحب رائے، سریع العزم اور فوری حملہ کر دینے والا شخص تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنی زندگی بھر اپنے رقیبوں پر برابر فتحیں حاصل کرتا رہا۔ وہ ایک کارآزمودہ سپہ سالار ہونیکے علاوہ ذاتی شجاعت کا ایسا جوہر رکھتا تھا جو اس کے اخلاف کے بڑے سے بڑے شخصوں میں بھی نہیں پایا جاتا۔ اس نے جو پہلی لڑائی لڑی ہے اس میں ایک وقت ایسا آیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ آنجو کو شکست ہو جائیگی۔ اہل برٹینی کی ایک مصنوعی بازگشت نے آنجو کے سواروں کو پوشیدہ کمینگاہوں کی قطار پر پہنچا دیا اور کاونٹ خود بہت زور سے زمین پر گرا، مگر آدمیوں اور گھوڑوں کے اژدہام سے نکل کر وہ بالکل تن تنہا "ایک آندھی کی طرح" دشمنوں پر ٹوٹ پڑا، اور غلے کے انبار کی طرح انہیں اڑا دیا۔ انجام میں میدان اسی کے ہاتھ رہا۔ جنگجوئی کے ان خوبیوں کے ساتھ ہی اس میں سیاسی تنظیم کی قوت، دور رس اتحادات کی قابلیت، اور ملک داری کے صفات بھی موجود تھے؛ یہ تدبیر ملک داری آنجویوں میں وراثتاً منتقل ہوتی رہی اور جس طرح اس خاص قابلیت

کے باعث وہ اپنے وقت کے حکمرانوں کی دماغی سطح سے بلند ہو گئے تھے اسی طرح اپنی بدکاریوں کے باعث انسانی درجے سے نیچے گر گئے تھے۔ میدان کانگرو میں بریٹنی کی ہزیمت کے بعد اس نے بتدریج جنوبی ٹورین کو اپنی سلطنت میں ضم کر لیا، اور اپنی مستعد کاری سے تمام ملک کو قلعوں اور خانقاہوں سے معمور کر دیا۔ اس کا ایک قلعہ اس وقت تک ڈرٹل میں موجود ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس قلعے کے تاریک برج سے کاؤنٹ اسود کی روح لوار کی منور وادی کو دیکھ رہی ہے۔ پانٹلیوائے کی فتح نے بلوائے کے رقیب خاندان کو پامال کر دیا، سام کے قبضے سے جنوب میں اس کی فتح مکمل ہو گئی، شمالی ٹورین بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے فتح ہوتا گیا یہاں تک کہ صرف ٹور، انجو کے مقابلے کے لئے رہ گیا۔ قبل اس کے کہ یہ بڈھا اپنے ناتمام کام کو اپنے بیٹے کے لئے چھوڑ کر اس دنیا سے کوچ کرے اس نے مین کے کاؤنٹ ہربرٹ ویک ڈاک کو بھی دغا سے گرفتار کر لیا اور مین بھی اس کے بس میں آ گیا۔ جنگجوئی کے لحاظ سے جافری مارٹل اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھا، ایک فیصلہ کن فتح سے پائٹو اس کے قبضۂ قدرت میں آ گیا اور دوسری فتح سے ٹور کاؤنٹ بلوائے کے ہاتھ سے نکل آیا۔ لی مان پر قابض ہو کر وہ نارمن کی سرحد تک پہنچ گیا لیکن یہاں اس کی ترقی کو ولیم فاتح نے اپنی خداداد قابلیت سے روک دیا، اس کے بعد ہی مارٹل کا انتقال ہو گیا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ انجو کی عظمت کا خاتمہ ہو گیا ۔

جافری کے جانشین فلک ریکین کے عہد میں، نارمن، مین پر قابض ہو گئے تھے اور ملک اندرونی منافقات میں مبتلا تھا۔ اس کے

ساتھ ہی خود کاؤنٹ ریکن کی قوت انتظامی بھی کمزور تھی۔ لامحالہ آنجو اپنے رقیبوں کے مقابلے میں بالکل بے دست و پا ہو گیا تھا مگر ریکن کے بیٹے فلک آف جروسلم کی تخت نشینی سے اس میں تازہ قوت آگئی۔ وہ کبھی خیرہ سر نارمن امرا کو بغاوت پر ابھارتا، کبھی رابرٹ کے بیٹے ولیم کے حقوق کی اس کے چچا کے مقابلے میں تائید کرتا، اور فرانس کے ساتھ (جسے اب ہر طرف سے بادشاہِ انگلستان اور اس کے حلیف کاؤنٹان بلوائے اور شامپین نے گھیر رکھا تھا) وہ ہمیشہ ایک وفادار رفیق کی طرح پیش آتا تھا، ان وجوہ سے فلک ہی ایک ایسا دشمن تھا جس سے ہنری اول فی الواقع خوف کرتا تھا، اسی مخالفت کو مٹانے کے لئے بادشاہ نے یہ کیا کہ کاؤنٹ کے بیٹے جافری (حسین) کے ساتھ اپنی بیٹی مٹلڈا کا عقد کر دیا۔ کوئی دوسرا تعلق اس سے زیادہ غیر ہر دلعزیز نہیں ہو سکتا تھا۔ اور جس خفیہ طریقے سے اس کا عملدرآمد ہوا اس سے بیرنوں نے یہ بات پیدا کی کہ وہ اپنی قسم سے آزاد ہو گئے ہیں کیونکہ اگر کسی بیرن کے اولاد نرینہ نہ ہو تو وہ اپنی لڑکی کا شوہر بغیر بادشاہ کی مرضی کے تجویز نہیں کر سکتا تھا اور اسی لئے انھوں نے کھینچ تان کر یہ قیاس بالمثل قایم کیا کہ مٹلڈا کے عقد کے لئے ان کی رضامندی ضروری تھی۔ مٹلڈا کا یہ شوہر جافری نہایت حریص شخص تھا اور اسی وجہ سے اس کی طرف سے سخت اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ لوگ اسے حسین تو کہتے ہی تھے اس نے پلینٹیجنٹ کا لقب بھی حاصل کیا تھا کیونکہ اس کی عادت تھی کہ وہ اپنے خود میں آنجو کی ایک معمولی جھاڑو لگائے رہتا تھا۔ اس کے دعاوی کا انجام بالآخر یہ ہوا کہ اس نے نارمن امرا سے

۱۱۰۹-۱۱۲۹

سازش کرلی اور ہنری کو اس غیر متوقع حملے کے دفعیہ کے لئے تیزی کے
ساتھ سرحد پر جانا پڑا مگر اس کے پہنچ جانے سے سازش ٹوٹ گئی اور
آنجو واپس چلے گئے ۔ بڈھا ہنری فارسٹ آف لائنز کی طرف پلٹ گیا
وہاں پہنچکر اس کا انتقال ہو گیا +
روئن کے اسقفِ اعظم نے ہنری کے بستر مرگ سے لکھا تھا کہ "خدا
اسے وہ امن عطا کرے جس کا وہ اس درجہ خواہان تھا" حقیقت یہ ہے
اس کے ساتھ نارمن حکومت کے طویل زمانۂ امن کا خاتمہ ہوگیا ' اس
خبر انتقال کے ساتھ ہی ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی اور اسی آشوب
اس کا بھانجا ارل اسٹفن لندن کے دروازے پر آموجود ہوا ' اسٹفن
کی لڑکی اڈیلا کا بیٹا تھا ' اڈیلا نے بلوائے کے ایک کاؤنٹ سے عقد کرلیا
مگر اسٹیفن کی پرورش انگریزی دربار میں ہوئی تھی اور فاتح کی اولاد میں
بھائی کے سوا تمام مردوں میں وہ سب سے قریب تر وارث تھا کیونکہ اس
ماموں زاد بھائی رابرٹ ' فلینڈرز کی جنگ میں مارا جا چکا تھا ۔ اس کے
دعوے کو اس کی ہر دلعزیزی سے بھی تقویت حاصل ہوگئی تھی ۔ وہ اگرچہ
محض ایک سپاہی تھا مگر اس کی خوش مزاجی ' اس کی فیاضی ' یہاں تک
اس کے اسراف نے بھی اسے سب کی نظروں میں عزیز بنا دیا تھا ' لندن
ایک عام جوش کے ساتھ اس وقت اس کا استقبال کیا جبکہ نہ کوئی
اس کے ساتھ شریک ہوا تھا اور نہ کسی شہر نے اس کے لئے اپنے دروازے
کھولے تھے ۔ قومی مجلس مرتب کرنے کے لئے نہ بیرن موجود تھے نہ مقتدا
دین ' مگر اس بڑے شہر نے بطور خود ان کا کام انجام دینے میں مطلق
تامل نہ کیا ۔ بادشاہ کے انتخاب میں لندن کے باشندوں کی آواز ایک

سے منظوری عام کی قائم مقام سمجھی جاتی تھی، مگر لندن کا اس طرح پر بطور خود حق انتخاب کا دعوے کرنا اس آزادی کی ایک علامت تھی جو ہنری کے عہد میں تمام انگلستان میں پیدا ہو گئی تھی۔ تاج کے موروثی مشیروں کی عدم موجودگی کی کچھ پرواہ نہ کرکے لندن کے اکابر و عقلا نے فوک موٹ (مجلس قبائلی) کو طلب کیا، اور اس مجلس نے سلطنت کی بہبود کے لئے خود اپنی مرضی سے بالاتفاق یہ طے کر دیا کہ "ایک بادشاہ کا انتخاب ہونا چاہئے"۔ ان کے پر وقار مباحثے کا انجام اسٹفن کے انتخاب پر ہوا۔ شہریوں نے اپنے جان و مال سے بادشاہ کی حفاظت کرنیکی قسم کھائی اور اسٹیفن نے یہ حلف اٹھائی کہ وہ اپنی پوری قوت ملک کے امن و امان اور حکومت کی بہتری میں صرف کرونگا +

اسٹفن اور بیرن

لندن نے اپنی قسم پوری کر دکھائی مگر اسٹفن نے اپنی حلف کو پس پشت ڈال دیا۔ اس کی اُنیس برس کی حکومت میں ملک کے اندر جیسی ہنگامہ آرائی اور بدنظمی برپا رہی، تاریخ انگلستان میں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی۔ مثلاً ہٹ کے جانبداروں نے بھی اسٹفن کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا تھا مگر اس کی کمزوری اور بد اطواری سے بہت جلد جاگیرداروں کو سرکشی کا موقع مل گیا؛ ۱۱۳۸ء میں جنوبی و مغربی انگلستان میں رابرٹ (ارل گلوسٹر) نے بیرنوں کو شورش پر آمادہ کرنیکا منصوبہ کیا۔ شاہ اسکاٹلینڈ بھی ساتھ ہو گیا اور شمالی سرحد پر اس نے اپنی فوجوں کا تانتا باندھ دیا۔ اسٹفن خود مغرب کے باغیوں کے مقابلے پر گیا اور برسٹل کے سوا شاید ہی اس نے کوئی اور قلعہ ان کے پاس باقی چھوڑا ہو۔ گیلووے اور ہائلینڈ کے وحشی قبائل کی غارتگری و ستمگاری نے اہل شمال کے جوش کو بھڑکا دیا۔

بیرن اور آزاد اشخاص یارک میں اسقفِ اعظم تھرسٹن کی سیادت میں
ہوئے اور نارتھ الرٹن کے میدان میں پہنچکر دشمن کے انتظار میں ٹھہر
ڈرہم کے سنٹ کتھبرٹ، یارک کے سنٹ پٹر، بورلی کے سنٹ جان
رپن کے سنٹ ولفرڈ کے مقدس نشانات ایک بَلی پر لگائے گئے اور
چار پہیوں کی گاڑی پر نصب کیا گیا جو اس مجمع کے وسط میں کھڑی
اہل گیلووے کے سردار نے بآواز بلند یہ کہا" میں کسی قسم کی زرہ نہ
پہنے ہوں مگر آج وہاں تک پہنچونگا جہاں تک کوئی اور زرہ پوش شخ
پہنچ سکیگا" اس کے ہمراہیوں نے "بیشک بیشک" کے وحشیانہ شور کے سا
کیا اور عقب سے لولینڈز کے نارمن نائٹ بھی اس کے ساتھ آملے۔
انبوہ نے بڑی تندی و شدت کے ساتھ عَلَم کے گرد کے انگریزی سپاہیو
حملہ کیا مگر کچھ پیش نہ گئی اور سخت ہزیمت اٹھاکر تمام فوج ابتری کے
کارلائل کو فرار ہوگئی۔ لیکن اسٹفن میں سوا سپاہیانہ بہادری کے
کوئی شاہانہ وصف نہیں تھا، ملک بہت جلد اس کی گرفت سے نکلنے
ہنری کے مضبوط ہاتھوں سے آزاد ہونیکے بعد بیرنوں کے قصر قصر نہ
رہے تھے بلکہ قلعے ہوگئے تھے اور حفاظت کی ضرورت سے ان
تقلید مقتدایان دین اور ان امرا نے بھی کی جو سابق بادشاہ کے
میں وزارت کا کام انجام دے چکے تھے۔ راجر اسقف سالسبری
نائب السلطنت اور اس کا بیٹا راجر چانسلر (صاحب الدیوان) بھی
اضطراب عام میں مبتلا ہو گئے انہوں نے بھی اپنے قصروں کو قلعو
کر لیا اور بادشاہ کے دربار میں ایک زبردست فوج اپنے ہمراہ لیکر
ہوئے۔ بادشاہ اپنی کمزور طبیعت کی وجہ سے ضبط سے کام نہ لے سکا

اس نے بمقام آکسفورڈ، راجر کو مع اس کے بیٹے چانسلر اور اس کے بھتیجے اسقف لنکن کے گرفتار کر لیا، اور انہیں مجبور کیا کہ وہ اپنے قلعے بادشاہ کے حوالے کر دیں۔ غیرت کی وجہ سے نائب السلطنت کا دل ٹوٹ گیا، سال کے ختم ہونے تک وہ مرگیا اور اس کا بھتیجا نگل آف الی (خزانچی) ملک سے نکال دیا گیا، خاندان راجر کے زوال سے حکومت کا سارا انتظام تنزلزل ہو گیا۔ بادشاہ کی زیادتیوں کے باعث طبقۂ مذہبی بھی اس کی تائید پر نہ رہا، اور مٹلڈا کے انگلستان میں وارد ہونیکا راستہ کھل گیا، ملک بہت جلد دونوں حریفوں کے جانبداروں میں منقسم ہو گیا۔ مغرب مٹلڈا کی تائید میں تھا اور لندن و مشرق اسٹفن کی تائید میں۔

۱۱۴۱ لنکن میں اسٹفن نے شکست کھائی اور وہ اپنے دشمنوں کے ہاتھ میں پڑ گیا اور تمام ملک نے مٹلڈا کو ملکہ تسلیم کر لیا۔ مگر جب لندن نے مٹلڈا سے قدیم رعایتوں کے استعمال کی اجازت چاہی تو اس نے حقارت کے ساتھ اس استدعا کو نامنظور کر دیا۔ اس سے لندن کے باشندے سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی مٹلڈا کے اس عزم نے کہ وہ اسٹفن کو قید ہی میں رکھے گی اسٹفن کے رفقا میں دوبارہ جان ڈال دی اسٹفن کسی نہ کسی طرح قید سے چھوٹ گیا اور مٹلڈا کو آکسفورڈ کی طرف بھاگنا پڑا اور وہیں اسٹفن نے اسے گھیر لیا مگر وہ سفید لباس پہنکر ایک چور دروازے سے نکل گئی اور قبل اس کے کہ اس پر کسی کی نظر پڑے برف جمے ہوئے دریا سے گذر کر ابنگڈن کی جانب روانہ ہو گئی۔ چھ برس بعد وہ نارمنڈی کو واپس گئی۔ جنگ نے درحقیقت غارتگری اور خونریزی کا ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔ جاگیردار بیرنوں کے ظلم وستم سے

ظاہر ہو گیا کہ نارمن بادشاہوں کی حکومت نے انگلستان کو کن مصیبتوں سے پناہ دے رکھی تھی۔ وقایع انگریزی کے اختتام پر اس زمانے کی مصیبتوں کی تصویر جن الفاظ میں کھینچی گئی ہے اس سے زیادہ خون چکاں تصویر کسی قوم کے مصائب کی نہیں مل سکتی۔ وقائع کا بیان ہے کہ "وہ آدمیوں کو الٹا لٹکا کر ان کے نیچے نہایت غلیظ دھواں کر دیتے تھے، کسی کا انگوٹھا باندھ کر اور کسی کا سر باندھ کر لٹکا دیتے اور جلتی ہوئی چیزیں ان کے پیروں میں باندھ دیتے تھے۔ گرہ دار رسّیاں لوگوں کے سروں کے گرد لپیٹ کر گھماتے تھے یہاں تک کہ رسی بھیجے میں اتر جاتی تھی، لوگوں کو ایسے قید خانوں میں بند کر دیتے تھے۔ جہاں سانپ، بچھو، اور مینڈک رینگتے پھرتے تھے، کسی کو چھوٹے اور تنگ صندوق میں رکھ دیتے تھے جو زیادہ گہرا نہیں ہوتا تھا اور اس کے اندر نوکدار پتھر بچھے ہوتے تھے اور اوپر سے اس طرح دباتے تھے کہ اس کے تمام اعضا ٹوٹ جاتے تھے۔ اکثر قصرات میں ایک نہایت قابل نفرت و مصیبت دہ آلہ تعذیب ہوتا تھا جسے کام میں لانیکے لئے دو تین آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس کی ترکیب یہ تھی کہ اسے شہتیر میں لٹکا دیتے اور اس میں تیز لوہا آدمی کی گردن کے گھیر لینے کے لائق لگا ہوتا تھا اس طرح نہ وہ بیٹھ سکتا تھا، نہ لیٹ سکتا تھا اور نہ سو سکتا تھا؛ اور تمام لوہے کا بوجھ اسی کے اوپر پڑتا تھا۔ ہزارہا آدمی بھوکے پیاسے رکھ کر مار ڈالے گئے۔"

انگلستان اس جاگیردارانہ طوائف الملوکی سے کلیسا کی کوششوں کی بدولت رہا ہوا۔ اسٹفن کے ابتدائی عہد میں اس کے بھائی ہنری نے

(جو ونچسٹر کا اسقف اور انگلستان میں پوپ کا وکیل تھا) یہ کوشش کی تھی کہ اساقفہ کی مجالس منعقد کر کے شاہی یا قومی اقتدار کی عدم موجودگی کی تلافی کرے اور کلیسا کے اخلاقی حق کے زور پر جس بادشاہ کو چاہے تخت کے ناقابل قرار دے، ہنری کے فرمان کی رو سے بادشاہ اور رعایا کے مابین جو عہد و پیمان قائم ہوا تھا وہ نظام سلطنت کا جزو ہو گیا تھا، اسٹفن کے فرمان سے اس میں اور نئی طاقت پیدا ہو گئی تھی مگر اس عہد و پیمان کے الفاظ کے لئے بادشاہ کو انتہا درجہ تک مجبور کر دینا انہیں مجالس مذہبی کا کام تھا۔ ان مجالس نے اسٹفن و مٹلڈا کو یکے بعد دیگرے معزول کر کے زمانۂ مابعد میں اڈورڈ اور رچرڈ کے معزول کئے جانیکا راستہ کھول دیا اور جیمز کے معاملے میں سلسلۂ جانشینی کی تبدیلی کے متعلق جو کارروائی ہوئی اُسے بھی انہیں مجالس کا اثر سمجھنا چاہئے۔ اہل کلیسا کی جانب سے اس حق کا مطالبہ اگرچہ اُن کے حد سے بڑھا ہوا اور بالکل بے اصول معلوم ہوتا تھا مگر انہوں نے اپنے اس فعل سے یہ ظاہر کر دیا کہ قوم کو عمدہ حکومت کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔ ہنری (ونچسٹر) اگرچہ "نیم راہب و نیم سپاہی" کہلاتا تھا مگر اس کا روحانی اثر بہت کم تھا اور مذہبی طاقت کو پوری طرح کام میں نہیں لا سکتا تھا، البتہ اسٹیفن کے اختتام عہد کے قریب کینٹربری کا اسقف اعظم تھیوبالڈ قوم کو ایک حقیقی اخلاقی رہبر مل گیا تھا، تھیوبالڈ کا دست راست ٹامس بکٹ تھا اور اسی تعلق کی بنا پر اس نے بعد میں بہت صحیح کہا تھا کہ ہنری کو سلطنت اور انگلستان کو آزادی کلیسا ہی کے طفیل میں

ملی ہے۔" ٹامس، گلبرٹ بکٹ کا بیٹا تھا جو لندن کا صدر (پورٹریو) رہ چکا تھا اور اب بھی چیپ سائڈ میں مرسرز چیپل (معبد بزازاں) کے قریب اس کے مکان کا پتہ چلتا ہے، ٹامس کی ماں روہیس اپنے وقت کی عبادت گذار عورتوں کا ایک نمونہ تھی۔ وہ ہر سال اپنے لڑکے کو اس کی سالگرہ کے موقع پر روپئے کپڑے اور کھانے کی چیزوں سے وزن کرتی اور انہیں غریبوں میں تقسیم کر دیتی تھی۔ ٹامس نے ان نارمن بیرنوں اور پادریوں کی صحبت میں پرورش پائی تھی جو اکثر اس کے باپ کے گھر آتے رہتے تھے اور اس طرح خلقی آزادی کے ساتھ اس میں خوش مذاقی بھی پیدا ہوگئی تھی۔ مرٹن کے مدرسے سے وہ پیرس کے دارالعلوم کو گیا، اور وہاں سے واپس آکر اپنے زمانے کے نوجوان امرا کے انداز سے زندگی بسر کرنے لگا، وہ ایک کشیدہ قامت، خوش رو، روشن چشم، حاضر جواب، اور ظریف شخص تھا۔ اس کی طبیعت کا استقلال کھیل تک میں ظاہر ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کا باز پانی میں گر پڑا اسے بچانیکے لئے وہ پن چکی کی دھار میں کود پڑا اور پھٹنے کے نیچے پس جانے سے بال بال بچ گیا۔ جب باپ کی دولت تلف ہو گئی تو وہ اسقف اعظم تھیوبالڈ کے دربار میں پہنچا اور انگلستان کو مصائب سے نجات دلانیکے منصوبوں میں وہ بہت جلد اسقف اعظم کا معتمد علیہ بن گیا۔ مٹلڈا کا بیٹا ہنری اپنے باپ جافری کے انتقال کی وجہ سے اب نارمنڈی و آنجو کا مالک ہوگیا تھا اس نے اکوٹین کی ڈچز یعنی الینر (پائٹو) سے شادی کرلی تھی اور اس ذریعے سے اس کے ممالک میں اکوٹین کا بھی اضافہ

ہو گیا تھا، ٹامس نے تھیوبالڈ کی جانب سے ہنری کو انگلستان میں بلایا اور اس کی آمد پر اسقف اعظم نے ہنری و اسٹفن کے درمیان پڑکر ان میں صلح کرادی اور ولنگفرڈ میں ایک معاہدہ مرتب ہوا جس سے طوائف الملوکی کی تمام خرابیوں کا انسداد ہو گیا اور یہ قرار پایا کہ بیرنوں کے قلعے گرا دئے جائیں، شاہی اراضیاں واپس مل جائیں اور غیر ملکی سپاہی ملک سے خارج کردئے جائیں۔ اسٹفن بادشاہ تسلیم کیا گیا اور اس نے ہنری کو اپنا وارث قرار دیا۔ اس معاہدے کو ایک برس بھی نہیں گذرا تھا کہ اسٹفن کا انتقال ہو گیا اور ہنری انگلستان میں اسکا جانشین ہوا۔

جزو ہشتم

ہنری ثانی

۱۱۵۴ - ۱۱۸۹

[**اسناد**۔ اسقف اعظم ٹامس کے انتقال کے وقت تک کے حالات صرف خود بکٹ کے اور فولیٹ و جان (سالسبری) کے ان خطوط میں ملیں گے جنہیں کینن رابرٹسن اور ڈاکٹر جائلز نے جمع کیا ہے مگر اس کمی کے بعد پھر تاریخوں کا ایک وسیع ذخیرہ مہیا ہوجاتا ہے۔ ۱۱۶۹ء سے ۱۱۹۲ء تک کے لئے ہماری مقدم سند وہ وقائع ہے جو پٹربرا کے بندکٹ کے نام سے مشہور ہے اور جس کی نسبت ڈاکٹر اسٹبز نے یہ لکھا ہے کہ وہ غالباً شاہی خزانچی اسقف رچرڈ فرنیل کی تصنیف ہے۔ راجر (ہاؤڈن) نے اسے ۱۲۰۱ء تک پہنچایا ہے۔ یہ دونوں نہایت ہی قابل قدر تصانیف ہیں اور ڈاکٹر اسٹبز نے انہیں سلسلہ صحائف (رولز) کے تحت میں مرتب کیا ہے۔ خود ڈاکٹر موصوف کے دیباچوں سے ہنری کے عہد حکومت کی آئینی تاریخ پر ایک نئی روشنی پڑتی ہے۔

ولیم (نیوبرد) کی تاریخ جو ۱۱۹۸ء پر ختم ہوئی ہے ولیم (مامزبری) کی تاریخ کی طرح ادب قدیم کا نمونہ ہے مگر اپنی صاف بیانی اور معاملہ فہمی میں آخرالذکر سے بہتر ہے۔ انہیں میں رالف ناشگر، رالف (کاگیشال) اور جرویس (کینٹربری) کے وقایع اور سنٹ ہیو (لنکن) کی سوانح عمری کو بھی شامل کرنا چاہئے ان خاص تاریخی ذرایع کے علاوہ عام علم ادب کا بھی ایک ذخیرہ موجود ہے جس میں جان (سالسبری) کے رسائل جرالڈس کیمبرنسس کے ضخیم تصانیف والٹرمیپ کے مفاکہات و مطائبات گلینول کی ایک قانونی تصنیف، فزنیل کے ڈائلاگ آن دی اکسچکر (مکالمات خزانہ" Dialogue on the Exchequer) گیمر اور ویس کے افسانے اور سان فرال کی نظم داخل ہیں لارڈ لٹلٹن کی لائف آف ہنری دی سکنڈ۔ سوانح عمری ہنری ثانی (Life of Henry the Second) اس زمانے کے حالات کا ایک کامل و معتدل خاکہ ہے۔ کینن رابرٹسن کی بایوگریفی آف بکٹ (تذکرہ بکٹ Biography of Beket) واقعات کے لحاظ سے صحیح ہے مگر اس کا انداز مخالفانہ ہے۔ ڈاکٹر اسٹبز نے اپنے سلکٹ چارٹرز (فرامین منتخبہ میں (Select Charters) مختلف قوانین اور مکالمات خزانہ (Dialogue de Scaccario)) کو طبع کر دیا ہے۔ ان مکالمات سے کیوریا ریجس ((Curia Regis)) کے مالی انتظامات کے مفصل حالات معلوم ہوتے ہیں]

ہنری اگرچہ ابھی نو عمر تھا مگر وہ حکمرانی کے قوی عزم کے ساتھ تخت پر متمکن ہوا تھا اور اپنی زندگی بھر استقلال کے ساتھ اس ارادے پر کاربند رہا۔ اس کے جسم کی ساخت بھی ایک کارگزار و جفاکش شخص کی سی تھی اور اس زمانے کے ایک سخت ترین کام کرنے والے شخص کے مناسب حال معلوم ہوتی تھی۔ اس کے جسم و بشرے، اس کے تن و توش اور قوت، اس کے ٹمٹماتے ہوئے چہرے، باریک کترے ہوئے بال ابھری ہوئی آنکھوں، بیل کی سی گردن، بھدے اور مضبوط ہاتھوں، جھکی ہوئی ٹانگوں، ان سب سے ایک تیز طبیعت، قوی الجسم کاروباری شخص کا انداز ظاہر ہوتا تھا۔ ایک شخص جو اسے خوب جانتا تھا کہتا ہے کہ "وہ تھکنا جانتا ہی نہیں۔ صبح سے شام تک کھڑے کھڑے گزار دیتا ہے"۔ ہنری کے خصائل یہ تھے کہ وہ کام میں خوش سلیقہ،

ظاہر میں لاپرواہ اور کھانے میں محتاط تھا۔ نہ خود آرام کرتا نہ اپنے نوکروں کو آرام کرنے دیتا۔ وہ باتونی، متجسس اور قوی حافظہ کا شخص تھا۔ اُس کی باتوں میں خاص دلکشی پائی جاتی تھی، محبت ہو یا نفرت، وہ دونوں کو انتہا تک پہنچا دیتا تھا۔ علمیت میں بھی اس کا پایہ بلند تھا وہ بہت بڑا شکاری تھا۔ اس کا عام انداز ایک درشت خو، مستقل مزاج کاروباری آدمی کا سا تھا۔ ہنری کے ان ذاتی صفات نے اس کی حکمرانی پر بھی اثر ڈالا۔ اس کی تخت نشینی سے انگریزوں اور نارمنوں میں اتحاد پیدا ہونا شروع ہوا۔ ہمسائگی، کاروبار اور ازدواج کے تعلقات نے ان دونوں کو ایک قوم بنا دینے میں بڑی مدد دی اور ایک متحدہ قومی حس پیدا ہونے لگی جس کے ساتھ قدیم طریقہ جاگیردارانہ کی رکاوٹیں رفتہ رفتہ بیکار ہو جانے والی تھیں۔ ہنری کی نظر میں پرانے طریقہ جاگیرداری کی بہت کم وقعت تھی۔ عام طور پر لوگ گزشتہ زمانہ کا بڑا ادب و احترام کرتے ہیں مگر اُسے اس کا مطلق خیال نہ تھا۔ وہ ایک عملی شخص تھا اور اسلئے قدیم نظام حکومت سے اس کے اصلاحات کے کام میں جو رکاوٹیں پیدا ہوتی تھیں ان سے سخت الجھن پیدا ہوتی تھی، وہ اس بات کے سمجھنے سے بالکل قاصر تھا کہ لوگ کیوں گزشتہ زمانے کے رسوم و روایات کے اس قدر دلدادہ ہیں اور کیوں وہ انہیں ترک کر کے قطعی اور یقینی ترقیاں حاصل کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اگرچہ نظری طور پر اُسے حکومت کی حریف طاقتوں سے کسی قسم کی مخالفت نہ تھی لیکن یہ بات اُسے بالکل معقول اور صریح معلوم ہوتی تھی کہ انتظام سلطنت کی اصلاح کے لئے ضرور ہے کہ طبقۂ امرا اور

مخالف ایک سلطنت بنا رہا ہے جس کا انجام یہ ہونا ہے کہ وہ عام پسند قوتیں جن کی طرف سے اس کی ہوشیاری و مستعدی نے اسے اندھا کر رکھا تھا، اس سلطنت کو تباہ کر دیں۔ لیکن بالقصد نہیں تو بلاقصد ہنری نے اپنے تمام پیشروؤں سے زیادہ انگلستان کو اتحاد و آزادی کیلئے تیار کیا اور یہ راز اس کے خاندان کے زوال کے بعد کھلا۔

ہنری اور کلیسا

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہنری کو کلیسا کی مدد سے تخت حاصل ہوا تھا۔ اس کا پہلا کام یہ تھا کہ ہنری اول کے طریق کو ازسرنو قایم کرکے ان خرابیوں کا تدارک کرے جو اس کی تخت نشینی کے وقت تک انگلستان میں پیدا ہو چکی تھیں۔ تھیوبالڈ کے مدد و مشورے سے غیرملکی لٹیرے سلطنت سے نکال دئے گئے اور باوجود بیرنوں کی مخالفت کے ان کے قلعجات گرا دئے گئے۔ شاہی عدالت اور مجلس خزانہ کا انتظام ازسرنو عمل میں آیا لیکن اقتضائے عمر و ضعف جسمانی کی وجہ سے مقتدائے اعظم عہدۂ وزارت سے کنارہ کش ہو گیا اور اس کے اختیارات ٹامس بکٹ کے سے نوجوان و زبردست شخص کے ہاتھ میں آ گئے۔ بکٹ مدت تک تھیوبالڈ کے معتمد علیہ مشیر کی حیثیت سے کام کر چکا تھا اور تھیوبالڈ کے بعد بادشاہ نے اسی کو چانسلر بنا دیا۔ ٹامس اب بادشاہ کی ناک کا بال ہو گیا اور بقول تھیوبالڈ "دونوں نوجوان ہم خیال و ہم رائے تھے"۔ ہنری اپنے چانسلر کے ہال (ایوان) میں دل لگی کرتا تھا، اور سڑکوں پر جاتے جاتے گھوڑے کو چکر دیکر اس کے کندھے سے عبا اتار لیتا تھا۔ اس نے اِس عزیز کو دولت و اعزاز سے مالا مال کر دیا، مگر اس خیال کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ ٹامس نے اس کی

طرز حکومت پر کچھ بھی اثر ڈالا ہو ۔ اچھا ہو یا برا ہنری کا اصول
جو کچھ بھی تھا بالکل اسی کا تھا، اندرونی و بیرونی پریشانیوں کے باو
اس نے اصلاح انتظام کے کام کو برابر جاری رکھا۔ ۱۱۵۷ء میں ویلز کی
بغاوت نے اسے ایک فوج کی سپہ سالاری کرنے پر مجبور کیا دوسرے
سال اسے آبنائے کے پار صف آرا ہونا پڑا۔ وہ اس سے قبل ہی
فرانس کے ثلث حصے کا مالک ہو چکا تھا۔ اس نے آنجو، مین اور تورین
اپنے باپ کے ورثے میں اور نارمنڈی اپنی ماں کے ورثے میں پایا تھا
اور جنوب کے سات صوبے پائٹو، سینٹون، اینگومس، لا مارچ، لموسن، پرگ
اور گیسکونی۔ اس کی بیوی کے قبضے میں تھے ۔ اکوٹین کی ڈچز ہونے
اعتبار سے ایلنر، ٹولوس کی بھی دعویدار تھی اور ۱۱۵۹ء میں ہنری
بزور شمشیر اس حق پر قابض ہونیکی تیاری کی، لیکن اس جنگ میں قسم
نے اس کی یاوری نہ کی۔ لیوس شاہ فرانس ٹولوس میں آپڑا اور اپنے و
ممالک کے نامربوط حقیقت سے آگاہ ہونیکے باعث ہنری اپنے بادش
کے ساتھ علانیہ مقابلہ کرنے سے جھجکتا تھا، اس نے اپنی فوجوں کو واپس
کرلیا اور ۱۱۶۰ء میں مناقشے کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ ایک باضابط
اتحاد ہو گیا اور ہنری کے سب سے بڑے بیٹے کی نسبت لیوس کی
لڑکی سے ہو گئی ٹامس اس تمام مہم میں اپنے سات سو ذاتی نائٹوں
کے ساتھ بڑی ہی بہادری سے لڑا تھا مگر بادشاہ کو اس سے کچھ اور ہی
کام لینا منظور تھا۔ تھیوبالڈ کے انتقال پر اس نے کینٹربری کے راہبوں
اور خود ٹامس کو مجبور کیا کہ وہ اسقف اعظم منتخب کیا جائے اس تقر
سے ہنری کی غرض فوراً ظاہر ہو گئی ۔ اس نے اساقفہ کے سامنے

یہ تجویز پیش کی کہ جب کوئی پادری کسی جرم کا مرتکب قرار دیا جائے تو وہ جملہ اعزاز سے محروم اور بادشاہ کے حکام کے حوالہ کر دیا جائے۔ ہنری اول کی عدالتی اصلاحات سے جاگیردار بیرنوں کی مقامی عدالتیں پہلے ہی تمام اقتدارات سے محروم ہو چکی تھیں، اب تمام عدالتی انتظام کے بادشاہ کے ہاتھ میں مجتمع ہو جانے میں اگر کوئی رکاوٹ حائل تھی تو وہ کلیسا کی عدالتیں تھیں، فاتح کے انتظام عدالت کی رو سے اِن عدالتوں کو طبقۂ مذہبی کے انصاف کا کامل اختیار حاصل تھا اور اُس زمانے کا طبقۂ مذہبی ملک کے تمام تعلیم یافتہ لوگوں کو سمجھنا چاہئے۔ اساقفہ تو مطیع ہو گئے مگر مخالفت اس شخص کی طرف سے ہوئی جسے ہنری نے یہ سمجھ کر مقرر کیا تھا کہ وہ اس کے منصوبوں میں اس کا معین و مددگار ہوگا۔ اپنے تقرر کے وقت سے ٹامس ہمہ تن اپنے جدید فرائض کی انجام وہی میں منہمک ہو گیا۔ ہنری نے جب اسے اسقف اعظم مقرر کرنے کا منشا ظاہر کیا تو اس نے ہنس کر اپنے خوش رنگ لباس کی طرف اشارہ کیا اور کہا "آپ اپنے کینٹربری کے راہبوں کا سرتاج نہایت خوش لباس شخص کو تجویز کر رہے ہیں" مگر جب اس نے راہب کا لباس پہن لیا اور مقتدائے اول کا منصب اختیار کر لیا تو پھر وہ ایک پر جوش صداقت کے ساتھ ناز و نعم کو ترک کر کے رہبانیت کی طرف مائل ہو گیا۔ بہ حیثیت وزیر بھی اس نے بادشاہ کے منصوبوں کی مخالفت کی تھی اور اپنی آیندہ مخالفت کو بھی جتا دیا تھا۔ اس نے کہ دیا تھا کہ "آپ بہت جلد مجھ سے اسی قدر نفرت کرنے لگیں گے جس قدر اس وقت الفت رکھتے ہیں، کیونکہ آپ معاملاتِ کلیسا میں وہ اختیار چاہتے ہیں جس پر میں

کبھی رضامند نہ ہوگا۔" ٹامس بکٹ کو یہ غرہ تھا کہ کلیسا کی آزادی پر
کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا کیونکہ یہ اس کی مقدس ارث ہے لیکن ایک
ہوشیار شخص کی دانشمندی سے یہ بہت بعید تھا کہ وہ ایک ایسے تبرک
مقام کو جس نے ملک احمر (ریڈکنگ) جیسے ظالم و جابر کے مقابلہ میں
علم و پارسائی کی حفاظت کی، یوں تباہ و غارت ہونے دے۔ اس
معاملے میں کوئی اس کا معاون نہ تھا یہاں تک کہ پوپ نے بھی مصلحت
کی صلاح دی، اساقفہ نے اسے چھوڑ دیا اور ٹامس آخر مجبور ہوا کہ اس
قانون سے اتفاق کرلے جسے مجلس کلیرنڈن نے مرتب کیا تھا۔ بادشاہ
نے ملک کے قدیم رواج پر زور دیا تھا، اور اس رواج کے تحقیق کے لئے
سالسبری کے قریب مقام کلیرنڈن میں یہ مجلس منعقد ہوئی تھی اس
تحقیقات کے متعلق بیرنوں اور استفوں نے جو عرضداشت پیش کی وہ
دستور کلیرنڈن کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہ ایک طرح کا ضابطہ تھا
جس کا بیشتر حصہ فاتح کے طریقہ پر مبنی تھا۔ اسقف اور رئیس خانقاہ کا
انتخاب شاہی عہدہ داروں کے سامنے، شاہی معبد میں، اور بادشاہ کی منظوری
سے ہونا قرار پایا تھا۔ منتخب شدہ مقتدائے اعظم پر یہ شرط عاید کی گئی
تھی کہ اپنے منصب پر فائز ہونیکے قبل وہ اپنی جاگیر کے لئے بادشاہ
کی وفاداری اور بادشاہ کی جانب سے اس اراضی پر ایک بیرن کی
حیثیت سے قابض رہنے اور محصول شاہی اور دربار کی حاضری وغیرہ
جملہ جاگیردارانہ امور کی پابندی کا حلف اٹھائے۔ کوئی اسقف بلا شاہی
اجازت کے ملک سے باہر نہیں جا سکتا تھا، نہ کوئی بڑا متاجر یا شاہی
ملازم بغیر بادشاہ کی مرضی کے خارج الملت کیا جا سکتا تھا نہ اس کی زمین

فتوائے تعطیل کے تحت میں آسکتی تھی۔ اس ضابطہ میں جو کچھ نئی بات تھی وہ کلیسا کے عدالتی اختیارات سے تعلق رکھتی تھی۔ جب کسی پادری اور عام شخص کے مابین کسی مقدمہ میں یہ امر بحث طلب ہو کہ یہ مقدمہ کلیسا کی عدالت سے تعلق رکھتا ہے یا شاہی عدالت سے تو اس کا تصفیہ بادشاہ کی عدالت سے ہوگا۔ اسقف کی عدالت کو اپنے حدود اختیار کے اندر رکھنے کے لئے تمام مذہبی کارروائیوں میں ایک شاہی افسر موجود رہیگا۔ اور عدالت کلیسا میں جو پادری ایکبار جرم ثابت ہو جائیگا وہ فوراً ملکی عدالت کے حدود ارضی میں آجائیگا۔ اگر انصاف میں کوئی نقص رہ گیا تو اُس صورت میں اسقف أعظم کی عدالت کا مرافعہ بادشاہ کی عدالت میں ہو سکیگا۔ مگر بلا بادشاہ کی مرضی کے پوپ کی عدالت میں کوئی مرافعہ نہ جا سکیگا۔ جہاں تک اشخاص کا تعلق تھا کلیسا اور صحن کلیسا کا امتیاز تقدس قائم رکھا گیا مگر املاک و اشیا کے بارے میں یہ امتیاز منسوخ کر دیا گیا۔ مقتدائے أعظم نے پہلے تو ان قوانین کی منظوری سے سخت انکار کیا مگر آخر کار اسے منظور کرنا پڑا۔ لیکن بہت جلد ہی وہ اس سے پھر گیا بادشاہ نے اس پر وحشتناک غیظ و غضب کا اظہار کیا مگر نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی اخلاقی تائید اور ہمدردی اس کے ساتھ ہو گئی۔ اس پر نہایت تکلیف دہ الزامات عاید کئے گئے اور چند ماہ بعد مجلس نارتھیمپٹن میں لوگ یہ کہتے تھے کہ اس کی جان خطرے میں ہے اور سب نے اصرار کیا کہ اطاعت شاہی قبول کرے، مگر خوف و خطر کے پیش آنے پر اس شخص کی ہمت انتہائے کمال پر پہنچ گئی۔ وہ اپنے عہدۂ جلیلہ کی صلیب ہاتھ میں لے کر شاہی عدالت میں گیا، امرا کو ڈانٹ بتائی کہ خبردار مجھ پر کوئی

الزام نہ لگانا' اور پوپ سے مرافعہ کیا' جب وہ واپس چلا تو اس
"غدار" "غدار" کا شور بلند ہوا۔ اس لفظ پر اسقف اعظم نے پلٹ کر
کے ساتھ یہ جواب دیا کہ "اگر میں نائٹ ہوتا تو میری تلوار اس
جواب دیتی" رات کو وہ بھیس بدل کر بھاگ گیا اور فلینڈرز ہو کر
پہنچا۔ چھ برس تک یہ مقابلہ نہایت تلخی اور سختی کے ساتھ جاری
اور پیرس میں دونوں طاقتوں کے گماشتے ایک دوسرے کے
سازشیں کرتے رہے' اسقف اعظم کے رشتہ داروں کو انگلستان
خارج کرنے میں ہنری نے بڑی بڑی ذلیل حرکتیں کیں اور
بہت بری طرح ستایا۔ اس نے فرقہ سسٹرسین کی زمینوں کے
کرلینے کی بھی سخت دھمکی دی تاکہ پانٹگنی کے راہب ٹامس کو
پناہ دینے سے انکار کردیں ۔ دوسری طرف خود بکٹ نے بھی اس قد
سے کام لیا اور اس کثرت سے لوگوں کو ملت سے خارج کیا کہ
دوست اُس سے سخت بیزار ہو گئے ۔ اُن کی بیزاری کی ایک وجہ
تھی کہ وہ اس دل آزار فقرے کے برقرار رکھنے پر بھی بضد اڑا
جس کا مطلب یہ تھا کہ "میں اپنے طبقے کی آبرو کو محفوظ رکھوں گا"
اس فقرے کے اضافے سے بادشاہ کی تمام اصلاحات عملاً بیکار ہو جا
پوپ نے نرمی برتنے کی صلاح دی' شاہ فرانس بھی کچھ دنوں کے
اس کی تائید سے دست بردار ہو گیا اور آخر میں خود اس کے پادر
نے بھی سپر ڈال دی' ایک بار جب اس کے گھوڑے نے سڑک
ٹھوکر کھائی تو انہیں میں سے ایک پادری نے جل کر کہا کہ "ہاں
اور اپنے طبقے کی آبرو کو محفوظ رکھتے ہوئے"۔ گر تنبہ اور ترک رفا

اس کے عزم میں کسی قسم کا تزلزل نہیں پیدا کر سکے۔ ہنری نے اس خوف سے کہ کہیں پوپ ملت سے خارج نہ کر دے یہ ارادہ کیا کہ اپنے بیٹے کی تاجپوشی یارک کے اسقف اعظم کے ذریعے سے عمل میں لائے۔ حالانکہ یہ اعزاز کینٹربری کو حاصل تھا۔ مگر اطالیہ میں اپنی کامیابیوں کی وجہ سے اب پوپ کو زیادہ آزادی حاصل ہو گئی تھی۔ اس کے ایک فتوائے تعطل کی تہدید نے بادشاہ کو ظاہری اطاعت پر مجبور کر دیا۔ فریٹوال میں ہنری سے مصالحت ہو جانے کے بعد اسقف کو واپسی کی اجازت ہو گئی۔ اور جب وہ کینٹربری میں داخل ہوا تو کنٹ کے لوگ مرحبا اور اہلاً و سہلاً کے نعروں کے ساتھ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس کے پادریوں کی نظر جب ساحل کی سفیدی پر پڑی تو کہنے لگے "انگلستان ہے"۔ ٹامس نے افسردگی کے ساتھ کہا کہ "پچاس دن بھی نہ گذرنے پائیں گے کہ تم کہیں اور جانے کی تمنا کرو گے" اس کے اس جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہنری کی طبیعت کو خوب سمجھے ہوئے تھا۔ وہ اب بادشاہ کے اختیار میں تھا۔ ہنری (فرزند بادشاہ) کے نام سے اس کی گرفتاری کے احکام جاری ہو چکے تھے کہ بادشاہ کے دربار سے چار نائٹ اپنے آقا کے پرجوش ہیجان غضب سے برانگیختہ ہو کر سمندر سے پار آئے اور بزور اسقف اعظم کے محل میں گھس گئے۔ اس کے کمرے میں اس کے ساتھ نہایت سخت کلامی کرنیکے بعد ہتیار لینے کو جھپٹے۔ ٹامس کے محرر اسے جلدی سے گرجا میں لے گئے وہ بغلی کمرے میں پہنچ کر گیت کے کمرے میں جانے کے لئے زینے پر قدم رکھنا ہی چاہتا تھا کہ اس کے متاقبین حجرے کی طرف سے آپڑے، تیرہ گون گرجا کی دھندلی روشنی میں ریجنالڈ فرزدس نے

بکٹ کی واپسی ۱۱۷۰

چلا کر کہا کہ "کہاں ہے غدار ٹامس بکٹ" ان الفاظ کے ساتھ ہی م
اعظم استقلال کے ساتھ پلٹ پڑا اور کہا "میں یہاں ہوں غدار
بلکہ خدا کا ایک قسیس" اور ایک ستون سے پیٹھ لگا کر اپنے دشمنو
رو در رو کھڑا ہو گیا۔ جب اس نے اپنے حملہ آوروں کی دھمکیو
مطالبوں کو مسترد کیا ہے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی سابقہ
زندگی کی تمام جرات و قوت اس میں عود کر آئی ہے۔ فرزوس
چلا کر کہا کہ "تم ہمارے قید میں ہو" اور چاروں نائٹ بڑھے کہ
گرجا سے کھینچ لائیں کہ اس نے بلند آواز سے کہا کہ "ریجینالڈ
ہاتھ مت لگانا' اگرچہ تو ایک دیوث ہے مگر پھر بھی تجھ پر میری
واجب ہے" اور یہ کہہ کر اس نے زور سے اُسے جھٹک دیا۔ فر
نے اس کے جواب میں "مارو مارو" کا شور مچایا اور پیاپے ضر
نے ٹامس کو زمین پر گرا دیا' رینلعن ڈی براک کے ایک خادم
تلوار کی ضرب سے اسقف اعظم کے بھیجے کو پاش پاش کر دیا۔ فرز
فتحمندانہ لہجے میں کہ اٹھا کہ "بس اب ہمیں چلنا چاہیئے' یہ غدار اب
نہیں اٹھیگا"

اس وحشیانہ قتل نے تمام ممالک عیسوی میں ایک تہلکہ مچا
بکٹ کا شمار شہدا میں ہونے لگا اور اس کی قبر پر معجزات کا ظہ
شروع ہوا۔ لوگ اُسے ولی ماننے لگے اور انگریزی ولیوں میں
سب سے زیادہ عام ہر دلعزیزی حاصل ہو گئی۔ ہنری کو یہ ڈر
کہ اس خونریزی کے انتقام میں وہ خارج الملت کر دیا جائیگا مگر
کی فوری اطاعت اختیار کر لینے سے وہ بچ گیا دستور کلیرینڈن

عدالتی قواعد بظاہر منسوخ کر دئے گئے اور جماعت اساقفہ اور خانقاہوں کی انتخاب کی آزادی پھر بحال کر دی گئی لیکن فی الاصل کامیابی بادشاہی کو ہوئی، اس کے تمام دور حکومت میں مذہبی تقررات عملاً اسی کے ہاتھ میں رہے اور شاہی عدالت کا اقتدار اساقفہ کی مذہبی عدالتوں پر قائم رہا۔ اس کشمکش کے ختم ہو جانے سے ہنری کو آزادی مل گئی کہ وہ اپنے قانونی اصلاح کا اہم کام تکمیل کو پہنچا سکے۔ مہم ٹولوس سے فائدہ اٹھا کر وہ ادنیٰ مزارعین کو پہلے ہی یہ اجازت دے چکا تھا کہ میدان جنگ میں جانیکے

بدل الخدمت

بجائے وہ اپنی ذاتی خدمات کو روپیہ کے عوض مبدل کر سکتے ہیں۔ اس سے طبقہ بیرن پر ایک کاری ضرب لگی اور ایک ایسا ذریعہ بادشاہ کے ہاتھ آگیا کہ وہ اپنے ادنیٰ متاجرین کی فوجی مددسے بے نیاز ہوگیا اور ان کے بجائے اجرتی سپاہیوں کی ایک فوج قایم کرلینے کا اسے موقع مل گیا۔ امرا کی فوجی قوت کی تخفیف کے ساتھ ہی اور بھی ایسے طریقے اختیار کئے گئے جن سے وہ عدالتی اختیارات سے بھی محروم ہوگئے۔ججوں کا گشتی حلقہ ازسرنو جاری کیا گیا اور انہیں ہدایت کی گئی کہ بیرنوں کی جاگیروں میں جاکر ان کے حقوق خاص کی جانچ کریں، اس کے ساتھ ہی

شیرف کی تحقیقات ۱۱۷۰

شیرف کا کام شائر کے بڑے بڑے امرا کے ہاتھ سے نکال لیا گیا اور ان قانون دانوں اور درباریوں کو دیا گیا جو پہلے ہی سے جسٹسوں کے عہدوں پر مامور تھے۔ اتفاق وقت سے بیرنوں کو اپنا کینہ نکالنے کا ایک موقع ہاتھ آگیا۔ بادشاہ کے بڑے لڑکے کو اس کی تاجپوشی کی وجہ سے "شاہ" کا لقب مل گیا تھا، اس نے چاہا کہ انگلستان کی سلطنت اسے تفویض کر دی جائے اور جب اس کے باپ نے اس سے انکار کیا

تو وہ بھاگ کر لیوس شاہ فرانس کے پاس چلا گیا۔ فرانس، فلینڈرز
اسکاٹلینڈ، ہنری کے خلاف متحد ہو گئے۔ اس کے چھوٹے بیٹے رچرڈ
جافری، اکوٹین میں اس کے خلاف لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔ ارل لیٹ
سرکردگی میں فلینڈرز کے اجرتی سپاہی انگلستان میں داخل ہو گئے
وفادار نائبان سلطنت نے سنٹ اڈمنزبری کے قریب انہیں پسپا کر
لیکن لیوس کے نارمنڈی میں داخل ہو جانے اور روئین کا محاصرہ کر
سے یہ ظاہر ہوا کہ حالت کس قدر خطرناک ہے۔ اہل اسکاٹلینڈ
کے پار آ گئے۔ راجر موبرے نے یارکشائر میں فررز (ارل ڈربی)
وسطی اضلاع میں اور ہیوف بگاڈ نے مشرقی صوبوں میں بغاوت کر
اور اس کے ساتھ ہی ایک فلینڈری بیڑا تیار ہو گیا کہ ساحل پر حملہ آ
ہو کر ان بغاوتوں کو مدد پہنچائے۔ اسقف اعظم ٹامس کے قتل کا
ابتک ہنری کی گردن پر تھا اس لئے جب وہ ان خطرات سے
مقابلے کے لئے بعلجت تمام انگلستان میں وارد ہوا تو آتے ہی پہ
کام اس نے یہ کیا کہ اس نئے شہید کے مزار پر سربسجود ہوا اور اپ
گناہ کے کفارے میں علی الاعلان اپنے آپ کو کوڑوں سے پٹوایا۔
توبہ کے کرتے ہی مسلسل ظفریابیوں نے تمام خطرات کو رفع کر دیا
ولیم دی لائن (شیر) شاہ اسکاٹلینڈ پر انگریز لشکر کی تاریکی میں یکایک جا
اور وہ اپنے وزیر رنیلف دی گلینول کے ہاتھ پڑ گیا، اہل اسکاٹلینڈ کے
فرار ہو جانے سے انگریزی باغیوں نے فوراً ہتیار ڈال دئے ہنری اجر
سپاہیوں کی ایک فوج سمندر پار سے لایا تھا انہیں کو لے کر وہ نارمنڈی
پلٹا، روئین کا محاصرہ اٹھا دیا اور اپنے بیٹوں کو مطیع کر لیا۔ بیرنوں

اسائز آف آرمز (قانون اسلحہ) ۱۱۸۱

اس بغاوت سے ان کی طاقت کو اور نقصان پہنچا۔ چند برس بعد آسائز آف آرمز کے ذریعے سے ملک کے قومی انتظام میں ایک جدید اصلاح عمل میں آئی اور قومی محافظ فوج جو فتح کے بعد سے ناپدید ہو گئی تھی از سرِ نو مرتب کی گئی۔ چونکہ فوجی خدمت کے بجائے زر نقد کا طریقہ رائج ہو گیا تھا۔ لہذا حکومت بیرنوں اور اُن کے ماتحتین کی محتاج نہیں رہی تھی۔ اب اسائز آف آرمز نے اس جاگیردارانہ انتظام کو بالکل بدل دیا اور قدیم دستور پھر مروج ہو گیا کہ ہر آزاد شخص پر حفاظت ملک کی خدمت فرض ہے۔ ہر نائٹ پر لازم تھا کہ بادشاہ کی طلب پر زرہ، ڈھال، اور نیزے کے ساتھ، ہر متوسط الحال آزاد شخص نیزے اور بکتر کے ساتھ، ہر دہاتی اور غریب آزاد شخص نیزے اور خود کے ساتھ حاضر ہو، اس طرح ایک پوری مسلح قوم کی قوم حفاظت ملک کے لئے بادشاہ کی مرضی کے تابع ہو گئی ٭

ہنری اور قانون

جن تدابیر کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ ہنری کے قوانین کی صرف ایک جزو تھیں، یہ بالکل سچ کہا گیا ہے کہ اس کے عہد میں قانونی حکومت کی ابتدا ہوئی، اور نارمن بادشاہوں کے خود مختارانہ اور جابرانہ طریق کے مقابلے میں ہنری کی حکومت کو ایک امتیاز خاص حاصل ہو گیا۔ ہنری اول نے جو انتظامی کام شروع کئے تھے انہیں ہنری دوم نے بیرنوں اور مقتدایانِ دین کی مجالس عظمی کی منظوری سے مسلسل اصلاحات کے ذریعے سے مکمل کر دیا۔ یہ اصلاح شدہ قواعد بصورت ضوابط برابر مرتب ہوتے رہے۔ انگلستان کے عدالتی قانون سازی کی ابتدا آسائز آف کلیرنڈن سے شروع ہوتی ہے جس کی مقدم غرض یہ تھی کہ ملک کے انتظام کیلئے قدیم انگریزی دستور کے موافق حفاظت باہمی کے طریقے کو از سرِ نو جاری

اسائز آف کلیرنڈن (قوانین کلیرنڈن) ۱۱۶۶

کرے۔ کوئی اجنبی شخص سوا قصبے کے اور کہیں ٹھہر نہیں سکتا تھا اور وہاں بھی صرف ایک رات کے لئے، البتہ جب اس کے عمدہ چال چلن کی ضمانت دی جاتی تو اس حالت میں وہ زیادہ قیام کرسکتا تھا۔ ایسے اجنبیوں کی فہرست گشتی ججٹسوں کے سامنے پیش کی جاتی تھی۔ انسدادِ جرائم کی ان دفعات میں ہمیں پنچائتی فیصلے کے طریقہ کی ابتدا نظر آتی ہے جسے اکثر زیادہ قدیم زمانے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ہر حلقے میں بارہ پابند قانون اشخاص سے (جن کے ساتھ ہر قصبے سے اور چار چار شخص شامل کئے جاتے تھے) قسم لی جاتی تھی کہ وہ اپنے ضلع کے معلوم و مشہور مجرموں کو قانونی کارروائیوں کے لئے عدالت میں پیش کرینگے۔ اس طرح پنچ صرف گواہ ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ انہیں یہ حلف بھی اٹھانا پڑتا تھا کہ وہ جانچنے کے لئے منصف کا کام بھی دینگے اور ہنری ہی کے عہد کی یہ خصوصیت اب تک گرینڈ جوری (مہا پنچایت) کے طریق کارروائی میں چلی آرہی ہے، جس کا ایک فرض یہ بھی ہوتا ہے کہ گواہوں کے اظہار لینے کے بعد مجرموں کو کارروائی کے لئے پیش کرے۔ آگے چل کر یہی طریقہ پنچائتی ترقی پاکر اپنی موجودہ صورت میں آگیا۔ اڈورڈ اول کے وقت میں جو گواہ کسی خاص واقعہ زیر بحث سے آگاہی رکھتے تھے وہ اس مقدمہ میں عام پنچوں کے ساتھ شامل کرلئے جاتے تھے۔ زمانہ مابعد میں ان دو قسم کے پنچوں میں فرق کر دیا گیا، آخرالذکر بلا کسی قسم کے عدالتی اختیار کے محض گواہ قرار دئے گئے اول الذکر گواہی سے بالکل الگ ہو کر بیان کردہ شہادت کی بنا پر فیصلہ کرنے والے قرار پائے اور اس طرح ان کی وہ حیثیت قایم ہو گئی جو اس زمانے میں ہے۔

اس ضابطے کے موافق "حلفی صفائی" پیش کرنے کا قدیم ترین انگریزی دستور برطرف کر دیا گیا۔ حلفی صفائی کے دستور میں ملزم اپنے ہمسایوں اور عزیزوں کے حلف پر جرم سے بری ہو سکتا تھا، مگر ضابطہ کلیرنڈن نے اسے منسوخ کر دیا اور آیندہ پچاس برس تک مہا پنچایت (گرینڈ جوری) کی تحقیقات کے بعد سوائے آرڈیل (یعنی طریقہ ابتلا یا خدائی فیصلے) کے کوئی دوسری کارروائی نہیں ہو سکتی تھی۔ بے گناہی اس طرح ثابت لی جاتی تھی کہ ملزم ہاتھ میں گرم گرم لوہا اٹھالے اور ہاتھ نہ جلے، یا پانی میں پھینک دیا جائے اور ڈوب جائے کیونکہ تیرتے رہنا جرم کا ثبوت سمجھا جاتا تھا۔

۱۲۱۶ جب لیٹیرن کی مجلس نے ابتلا کے طریقے کو یک قلم منسوخ کر دیا تو اُس وقت ملزمین کی آخری کارروائی کے لئے ایک مختصر پنچایت بنانیکی ضرورت واقع ہوئی۔ کلیرنڈن کے ضابطے کو نارتھیمپٹن کے ضابطے کے ذریعے سے وسعت دی گئی جو بیرنوں کی بغاوت کے بعد ہی تیار کیا گیا تھا، ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہنری نے عدالت شاہی اور اس کے جسٹسوں کے گشت کو از سر نو قائم کر دیا تھا۔ نارتھیمپٹن کے ضابطے سے اس نے اس انتظام کو اس طرح مستقل اور معین کر دیا کہ تمام ملک کو چھ اضلاع میں تقسیم کر کے ہر ایک میں تین تین گشتی جسٹس مقرر کر دئے۔ جو حلقے اس وقت معین ہوئے تھے وہ کم و بیش اب تک قائم ہیں۔ ان حلقوں کے قیام کی اصلی غرض مالی تھی مگر شاہی مطالبات کی وصولی کے ساتھ شاہی انصاف بھی نافذ ہوتا جاتا تھا اور اس طرح ملک کے کونے کونے میں انصاف کا پہنچانا اس وجہ سے اور بھی زیادہ موثر ہو گیا کہ شاہی حدود اختیارات سے کوئی جاگیردار کسی نوع سے مستثنیٰ نہیں رکھا گیا تھا۔ اس جدید طریقے کی

آسایز آف نارتھیمپٹن (دستور نارتھیمپٹن) ۱۱۷۶

بڑی خرابی یہ تھی کہ اس سے ناجائز عدالتی کارروائیوں کے مواقع زیادہ پیدا ہوتے تھے اور یہ خرابیاں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ ہنری کو بہت جلد مجبور ہونا پڑا کہ کچھ زمانے کے لئے جسٹسوں کی تعداد پانچ تک محدود کردئے اور ان کی عدالت کے مرافعے خاص اپنے روبرو بموجودگی مجلس پیش کئے جانیکا حکم دے۔ اسطرح پر اس نے "بادشاہ باجلاس مجلس" کی جو عدالتِ مرافعہ قائم کی اس سے مختلف زمانوں میں یکے بعد دیگرے مختلف عدالتیں ظہور پذیر ہوتی گئیں۔ اسوقت پریوی کاؤنسل جن عدالتی اختیارات کو عمل میں لاتی ہے اس کا ماخذ بھی یہی عدالت ہے۔ اور اسی عدالت سے جانسلر کا اختیار "نصفت شعاری" پیدا ہوا ہے؛ دوسری صدی میں یہی عدالت ملک کی "مجلس اعلیٰ" بن گئی اور اسی سے پریوی کاؤنسل نے اپنی قانونی حیثیت اور دارلامرا نے اپنی عدالتی حیثیت حاصل کی؛ ہنری کی اسی عدالت مرافعہ سے بعد کو عدالت اسٹارچیمبر اور پریوی کاؤنسل کی عدالتی کمیٹی نکلی شاہی عدالت جو اس اعلیٰ اقتدار عدالتی کے باعث کم تر درجے میں آگئی تھی "منشور اعظم (چارٹر) کے بعد تین علیحدہ علیحدہ عدالتوں میں منقسم ہو گئی یعنی عدالت شاہی۔ عدالت خزانہ، عدالت معاملات عامہ، اور اڈورڈ اول کے زمانے میں ان سب کے لئے علیحدہ علیحدہ جج مقرر ہو گئے اور ہر اعتبار سے وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئیں +

بیرنوں کی بغاوت کے بعد جو دس برس گزرے، ان میں ہنری کی طاقت اپنے منتہائے عروج پر پہنچی ہوئی تھی اور ایک حملے سے جس کا ذکر بعد میں ہوگا اس نے آئرلینڈ کو بھی اپنے زیر نگین کر لیا تھا، مگر فتوحات و اصلاحات، قانونی کی رفتار اس کے لڑکوں کی بغاوت کی وجہ سے

بُری طرح رک گئی۔ ہنری اور جافری کے یکے بعد دیگرے انتقال کرجانے سے رچرڈ ولیعہد ہو گیا تھا، اور اکوٹین اس کی تفویض میں تھا اس نے اور لیوس کے جانشین فلپ (شاہ فرانس) سے ہنری کے خلاف سازش کی اور اس سازش نے بالآخر واقعی مقابلے کی صورت اختیار کر لی رچرڈ نے فلپ کی اطاعت کا حلف اٹھایا اور ان دونوں کی متحدہ فوجیں یکایک لی مان کے سامنے آ موجود ہوئیں۔ ہنری کو وہاں سے بے تحاشا نارمنڈی کی طرف بھاگنا پڑا ایک بلندی پر ٹھہر کر اس نے اس جلتے ہوئے شہر پر نظر ڈالی جو اُسے اپنی جائے ولادت ہونے کے باعث بہت ہی عزیز تھا یہ دیکھ کر اُس نے خدا کی شان میں خلاف ادب کلمات کہنے شروع کئے "چونکہ تو نے مجھ سے وہ شہر لے لیا ہے جسے میں سب سے زیادہ عزیز رکھتا تھا، جہاں میں پیدا ہوا، جہاں میں نے پرورش پائی، اور جہاں میرا باپ مدفون ہے، میں بھی تجھ سے اپنا انتقام لونگا۔ میں تجھے اس شے سے محروم کر دونگا جو میرے اندر تجھے سب سے زیادہ عزیز ہے" اس کی موت کا وقت آ پہنچا تھا اور جیسا کہ مرنیوالوں کی تمنا ہوا کرتی ہے اسے اپنے قومی وطن میں جانیکی خواہش ہوئی مگر وہ ابھی سامر ہی میں پڑا ہوا تھا کہ ٹور بھی مسخر ہو گیا، اور اس مغرور بادشاہ کو اپنے دشمنوں سے رحم کا خواستگار ہونا پڑا۔ انہوں نے اس کے خلاف سازش کرنے والوں کی ایک فہرست اسے دی۔ اس فہرست کے سرے پر اس کے سب سے چھوٹے اور سب سے پیارے بیٹے جان کا نام تھا۔ ہنری نے یہ دیکھ کر دیوار کی طرف منہ پھیر لیا اور کہا "جس طرح دنیا چل رہی ہے چلے مجھے نہ اب اپنی پرواہ ہے

نہ دنیا کی" وین کے چمکتے ہوئے صاف شفاف پانی پر سے ہو کر وہ چنن میں پہنچایا گیا اور آہستہ آہستہ یہ الفاظ کہتا ہوا کہ " شرم ہے شرم ہے ایک مفتوح بادشاہ کے لئے" تلخکامی کے ساتھ اس دنیا سے چل بسا +

جُزوِ نہم

آنجویوں کا زوال

۱۱۸۹ — ۱۲۰۴

[اسناد - علاوہ ان اسناد کے جن کا ذکر سابق جزو میں ہو چکا ہے رچرڈ (ڈیوائز) کا وقائع اور ڈاکٹر اسٹبز کی مرتبہ اٹینیریم رجز رکارڈی (Iteueravium Reg is Ricardi) رچرڈ کے عہد کے لئے کار آمد ہیں، فرانسیسی جانب کے خاص اسناد رگارڈ کی جسٹا فلیپی (Gesta Philippi) اور فلپز ولمی برٹیانس (Philippis Willdmi) Britonis) ہیں یہ دونوں کتابیں ڈیوچن کی ہسٹری فرانس اسکرپٹورز (Hist Fane Seriptores) جلد پنجم میں دی گئی ہیں -]

ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ رچرڈ کے جنگ صلیبی کے حالات بیان کریں جس میں اس کے عہد کا ابتدائی زمانہ صرف ہوا اور جس کی وجہ سے چار برس تک تختِ انگلستان خالی رہا - نہ ہمیں اس کی حاجت ہے کہ سسلی کے جھگڑوں، قبرس کی تسخیر، یافا کی فتح، یروشلیم کے بیکار دھاوے، صلاح الدین سے عارضی صلح، واپسی میں جہاز کی تباہی اور دوبارہ جرمنی میں اس کے قید ہونے کے متعلق اس وقت بحث کریں - ہمیں جس

امر سے غرض ہے وہ یہ ہے کہ انجام کار وہ قید سے رہا ہو کر واپس آیا اور انگلستان آکر اسے نئے خطرات سے سابقہ پڑا۔ اس کی عدم موجودگی میں سلطنت ایلی کے اسقف ولیم (آف لانگ شیمپ) کی سپردگی میں تھی۔ یہ شخص سلطنت اور کلیسا دونوں کا صدر تھا کیونکہ وہ نائب السلطنت ہونیکے علاوہ پوپ کا وکیل بھی تھا۔ لانگ شیمپ بادشاہ کا وفادار تھا، مگر اس کی طبیعت میں سخت گیری پائی جاتی تھی اور انگریزوں کو بہ نظر حقارت دیکھتا تھا جس سے طبقہ بیرن میں اس کی طرف سے سخت نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ جان ان کا سرغنہ بن گیا۔ اس نے جس طرح اپنے باپ سے بے وفائی کی تھی اسی طرح اپنے بھائی سے بھی بے وفائی کی۔ طبقہ بیرن اور شاہِ فرانس کے ساتھ جان کی سازشوں کا انجام بالآخر علانیہ بغاوت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مگر نئے اسقف اعظم ہیوبرٹ والٹر کی قابلیت سے یہ بغاوت رک گئی اور ۱۱۹۴ء میں رچرڈ کے ورود کے بعد ہی اس کا بھائی کامل طور پر مطیع ہو گیا، لیکن اگر ایک طرف ہوبرٹ والٹر نے انگلستان میں امن قائم رکھا تو دوسری طرف سمندر پار رچرڈ کو ایسے خطرات سے رو در رو ہونا پڑا جنہیں وہ اپنی بالغ نظر کی وجہ سے خوب سمجھتا تھا کہ سرسری اور معمولی نہیں ہیں۔ رچرڈ اپنے باپ کی سی انتظامی قابلیت سے معرّا تھا اور سیاسی خیالات میں اپنے بھائی کی طرح زیرک نہ تھا مگر پھر بھی وہ محض ایک سپاہی نہیں تھا، اسے جان جوکھوں میں پڑ نے کا خاص شوق تھا، اپنی جسمانی طاقت پر غرور تھا کبھی کبھی ایسی فیاضیاں بھی اس سے ظہور پذیر ہو جاتی تھیں جو بالکل افسانہ معلوم ہوتی ہیں مگر ان صفات کے ساتھ اس میں

قومی عیاری، بے باکی اور شدت پائی جاتی تھی۔ وہ بالطبع ایک مدبر تھا اور جس طرح وہ اپنے منصوبوں کے سوچنے میں دلیر تھا اسی طرح ان کے عمل میں لانے میں سکون و ضبط سے کام لیتا تھا۔ اس کی رہائی کی خبر پاکر فلپ نے جان کو لکھا تھا کہ "شیطان چھوٹ گیا ہے، تم اپنی خبر لو"۔ شاہ فرانس کو جنگ صلیبی میں جو ذلت نصیب ہوئی تھی اس سے اس کی ملک گیری کی ہوس اور مشتعل ہوئی۔ رچرڈ کی قید سے فائدہ اُٹھا کر اس نے نارمنڈی پر حملہ کر دیا اور اکوٹین کے امرا بغاوت پر اُٹھ کھڑے ہوئے اجنبیوں کی حکومت کا حسد، آنجویوں کے اجرتی سپاہیوں کے شر و فساد، ان کے مالی انتظام کی حریصانہ زیادتی کی وجہ سے اُن کے دیگر صوبجات کے امرا اپنے آنجوی حکمرانوں سے قطع تعلق کرلینے پر آمادہ ہو گئے مگر ان اسباب میں وہ بےچینی بھی شامل تھی جو ان کی حکومت کی مضبوطی اور انصاف کی سختی سے پیدا ہو گئی تھی۔ رعایا میں کسی قسم کی وفاداری نہیں پائی جاتی تھی، یہاں تک کہ خود آنجو نے (جو ان حکمرانوں کا خاندانی وطن تھا) ایسی ہی آمادگی سے فلپ کا خیر مقدم کیا جیسے پائیٹو نے۔ مگر جنگی قابلیت میں فلپ، رچرڈ کی ہمسری نہیں کرسکتا تھا۔ رچرڈ نے اسے نارمنڈی کی سرحد پر روکے رکھا اور خود یکایک فرٹوال میں اس کے خزانے کو جا لیا، اور اس کے ساتھ ہی اکوٹین کے باغیوں کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔ انگلستان رچرڈ کے فدیہ کی ادائگی کی وجہ سے پہلے ہی تہی دست ہو چکا تھا اب ان جنگوں میں اجرتی فوج کے مزید اخراجات کی ضرورت سے جب ہوبرٹ والٹر نے اس پر ایک رقم خطیر کا نیا بار ڈالا تو مصیبت کی کوئی حد نہ رہی +

ناقابل برداشت محصولات نے انگلستان کی دولت کو سمیٹ کر پھر شاہی خزانے میں بھر دیا اور ایک مختصر عارضی صلح کے دوران میں رچرڈ نے رشوت دے کر فلینڈرز کو فرانسیسی اتحاد سے نکال لیا، اور چارٹرس، شامپین اور بولون کے کاؤنٹوں کو برٹینی کے ساتھ متحد کرکے فلپ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر دیا، رچرڈ کا بھتیجا اُوٹو جرمنی کا شہنشاہ منتخب ہو گیا تھا اس سے رچرڈ کو قابل قدر مدد ملی اور اس کے ایلچی ولیم لانگ شیمپ نے باہم اتحاد پیدا کرکے جرمن سواروں کو شاہ پیرس کے سر پر لا کھڑا کر دیا۔ مگر ان وسیع تجاویز کی کامیابی کے لئے نارمنڈی کی طرف سے اطمینان لازمی تھا، اور رچرڈ نے دیکھ لیا تھا کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے نارمن رعایا کی وفاداری پر بھروسہ نہیں کر سکتا اگرچہ اس کے باپ کا سلسلۂ نسب مٹلڈا کے واسطے سے رالف سے ملتا تھا مگر نارمن کے لئے آنجوی حکومت فی الواقع بالکل اجنبی تھی۔ ایک نارمن کے لئے یہ بالکل غیر ممکن تھا کہ وہ اس آنجوی شاہزادے کو اپنا ڈیوک سمجھے، جسے وہ بریبینکا کے اجرتی سپاہیوں کے سرگروہ کی حیثیت سے اپنی سرحد پر چکر لگاتے دیکھ چکا تھا، جس کے لشکرگاہ میں قدیم نارمن بیرنوں کے ناموں کا پتہ تک نہیں تھا اور جہاں پراونس کا ایک بد معاش مرکیڈی اعلیٰ سپہ سالاری پر فائز تھا۔ رچرڈ نے سرحد کی حفاظت کے لئے اپنے نئے قلعے کا جو خاص موقع تجویز کیا اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اس امر کو سمجھتا ہے کہ نارمنڈی پر اب صرف بزور شمشیر قبضہ قائم رہ سکتا ہے۔ اس کا قلعہ شیٹو گیلرڈ، اس کی جنگی قابلیت کی یادگار کے طور پر ازمنہ وسطیٰ کے قلعوں میں سب پر فائق ہے۔

پیرڈ نے اس کا موقع اس جگہ معین کیا تھا جہاں دریائے سین، گیلن کے قریب یکبارگی ایک بڑے نیم دائرے کی شکل میں شمال کو مڑجاتا ہے اور جہاں اس کے کنارے وادی لس انڈیلز کی کھڑیا چٹانوں سے ملے ہوئے ہیں۔ جنگلوں کے نیلگوں قطعات دور کی پہاڑیوں پر نظر آتے ہیں، دریا کے چکر کے اندر ایک وسیع قطعہ مسطح سبزہ زار کا واقع ہے، جس کے گرداگرد دریا چھوٹے چھوٹے سبز جزیروں سے ٹکراتا ہوا اور آسمان کے بھورے اور نیلے رنگوں کا عکس لیتا ہوا ایک طشت سیمین کی طرح رونین کی طرف رواں ہے رچرڈ اپنے نارمن دارالسلطنت کے محفوظ رکھنے کے لئے یہاں ایک محصور لشکرگاہ قائم کرنا چاہتا تھا اور یہ قلعہ فی الواقع اسی لشکرگاہ کا ایک حصہ تھا۔ دریا کی طرف کا راستہ اس طرح روک دیا گیا تھا کہ کاٹھ کی ایک فصیل اور کشتیوں کا ایک پل تیار کیا گیا اور دریا کی دھار کے بیچ میں ایک چھوٹے سے جزیرے پر ایک قلعہ بنایا گیا، اور وادی گیمبن میں (جو اس زمانے میں ایک ناقابل گذر جنگل تھا) بادشاہ نے حصار کے اندر ایک قصبہ آباد کیا اس وادی اور دریائے سین کے زاویہ کے اندر، کھڑیا کے پہاڑیوں کی ایک شاخ پر جو ایک تنگ خاکنائے کے ذریعے سے عام سطح مرتفع سے ملی ہوئی ہے دریا سے تین سو فٹ کی بلندی پہ سب قلعوں کا سرتاج قلعہ تعمیر ہوا۔ اس کی بیرونی تعمیر اور دیواریں جو شہر اور فصیل سے متصل تھیں زیادہ تر ضایع ہوگئی ہیں مگر انسان کے ہاتھوں اور مرور وہور سے خود اصل قلعے کو بہت کم نقصان پہنچا ہے۔ مضبوط چٹانوں میں گہری خندق، اطراف و جوانب کے تراشے ہوئے درے،

ارک خاص کی سوراخ دار دیواریں عظیم الشان وسطی برج (جہاں سے
بس انڈلیز کی بھوری بھوری چھتیں اور باہم ملی ہوئی دیواریں نظر آتی
ہیں) یہ سب اب تک برقرار ہیں۔ اب بھی اس ویران قلعے سے ہم
اس کے اوالعزم بانی کے اُن پُر فخر اور مسرت انگیز الفاظ کا اندازہ
کرسکتے ہیں جو اپنے قلعے کو آسمان سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر
بیساختہ اس کے منہ سے نکل گئے تھے کہ "میرا یہ بچہ کیسا حسین ہے اور
ابھی یہ صرف ایک (ہی) برس کا ہے"

بعد کے زمانے میں شیٹو گیلرڈ کے مسخر ہو جانے سے نارمنڈی جس
آسانی سے مطیع ہو گئی اس سے رچرڈ کی دور بینی ثابت ہوتی ہے مگر
اس دور بینی اور ہوشیاری کے ساتھ وحشیانہ تعدی اور ننگ وناموس کی
طرف سے سخت بے حسی پائی جاتی تھی۔ فلپ نے جب اس قلعے کو
بنتے دیکھا تو غصے کے لہجہ میں کہا کہ "میں اسے تسخیر کرونگا خواہ اس کی
دیواریں فولاد کی کیوں نہ ہوں" اس کے دشمن نے ترکی بہ ترکی جواب
دیا کہ "میں اسے کبھی مسخر نہ ہونے دونگا خواہ اس کی دیواریں مکھن کی
کیوں نہ ہوں" جس زمین پر یہ قلعہ بنا تھا وہ کلیسا کی زمین تھی اور
اس کے لینے کی وجہ سے روئیمن کے اسقف اعظم نے نارمنڈی کے خلاف
فتوای تعطل جاری کر دیا تھا مگر بادشاہ نے اس فتوے کا مضحکہ اڑایا
اور روم سے سازش کر کے اس فتوے کو بیکار کر دیا ایک خونی بارش کو
دیکھ کر اس کے درباری خوف زدہ و ہراساں ہو کر بھاگ گئے، مگر
اس پر مطلق کچھ اثر نہ ہوا۔ ایک حکیم منش شخص اس کی نسبت کہتا
ہے کہ وہ اگر آسمان سے فرشتہ بھی آکر اُسے اپنے کام کے چھوڑ دینے کا

حکم دیتا تو وہ اس پر بھی لعنت بھیجتا"۔ نارمنڈی کی سرحد کے محفوظ کرلینے
کے لئے رچرڈ کو بارہ ماہ تک سخت محنت کرنی پڑی۔ مگر اس کام کے
پورے ہو جانے پر اُسے موقع ملا کہ اپنے پرانے منصوبے کے موافق
فلپ پر ایک کاری ضرب لگائے۔ اب صرف روپئے کی ضرورت رہ گئی
تھی۔ یوں تو حرص اس خاندان کی عام خصلت تھی مگر رچرڈ نے اس
موقع پر غیر معمولی اشتیاق کے ساتھ اس افواہ کو سنا کہ لوسین کے
میدانوں میں کوئی خزانہ دستیاب ہوا ہے، جو کچھ وہاں ملا تھا وہ صرف
یہ تھاکہ سونے کی ایک میز تھی اور اس کے گرد سونے کے بارہ نائٹ
بیٹھے تھے، کہا جاتا ہے کہ یہ دفینہ لارڈ چیلس کا تھا۔ بہر حال دفینہ وہاں
ضرور تھا؛ رچرڈ اس کی دیواروں کے گرد چکر کاٹنے لگا مگر قلعہ والوں نے
استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا یہاں تک کہ بادشاہ کی حرص وحشیانہ تہدید
میں بدل گئی، اس نے قسم کھائی کہ وہ قلعے کے تمام آدمیوں کو پھانسی
دے دیگا۔ مرد، عورت یہاں تک کہ دودھ پیتے بچے بھی اس کے ہاتھ
سے نہ بچینگے۔ اسی اثنا میں قلعے کی دیوار سے ایک تیر آکر اسے لگا
اور وہ وہیں گر پڑا، اس کی موت بھی ایسی ہی ہوئی جیسی اس کی
زندگی تھی، اس وقت بھی اس کا وہ وحشتناک جوش قائم رہا جس نے
گذشتہ سات برس میں اسے گناہوں کے اقرار سے اس لئے روکے رکھا
تھا کہ اگر میں نے توبہ کرلی تو فلپ کو معاف کرنا پڑیگا مگر شاہانہ فیاضی
کے ساتھ اس نے اس تیر انداز کو معاف کر دیا جس کی تیر کا وہ نشانہ ہوا تھا۔

اس کے مرنے کے بعد آنجوی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ انگلستان
اور نارمنڈی نے جان کو بادشاہ تسلیم کیا اور اپنی ماں کی وجہ سے وہ

اکوئین پر بھی قابض ہو گیا۔ مگر آنجو، مین اور ٹورین نے آرتھر کی (جو جان کے بڑے بھائی جافری سابق ڈیوک نارمنڈی کا بیٹا تھا) اطاعت اختیار کی، فلپ، جان کا طرفدار تھا اور اس نے اپنی طمع کی وجہ سے آرتھر کا تختہ الٹ دیا۔ اس نے عملاً ملک کو اپنی حکومت میں ملحق کر لیا مگر اہل آنجو شاہ فرانس کی فوجوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوے اور بالآخر جان اپنے خاندان کی تمام مملکت کا مالک تسلیم کیا گیا، پائٹو میں ایک جدید جنگ کا پیش آجانا اس کے رقیب کے لئے مہلک ثابت ہوا، بادشاہ نے تیز یلغار کر کے آرتھر کو محاصرۂ مرابو کی حالت میں گھیر لیا اسے قید کر کے روئین میں لے گئے اور وہیں قتل کر دیا۔ لوگوں کا یقین ہے کہ وہ اپنے چچا کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس وحشیانہ ظلم نے فوراً ہی فرانسیسی صوبوں میں بغاوت برپا کر دی، اور شاہ فرانس نے فوراً نارمنڈی پر حملہ کر دیا، جس آسانی سے نارمنڈی کی فتح عمل میں آئی اس کی توجیہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ خود اہل نارمنڈی نے مطلق کسی قسم کی مخالفت نہیں کی۔ نصف صدی قبل اس سرزمین پر اگر کوئی فرانسیسی نظر آجاتا تو آورنچز سے لیکر ڈیپ تک ایک ایک کسان لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتا۔ مگر اب محض فلپ کے مطالبہ پر شہر پر شہر اطاعت قبول کرتے گئے، اور ابھی فتح کا کام تکمیل کو نہیں پہنچا تھا کہ نارمنڈی کا صوبہ فرانس کے صوبوں میں سب سے زیادہ وفادار ہو بن گیا، اس کا بہت بڑا سبب یہ بھی تھا کہ فلپ نے شہروں کی درخواست آزادی اور حکومتِ خود اختیاری کو عاقلانہ فیاضی کے ساتھ قبول کر لیا تھا، دوسرے یہ فتح ایک لشکر جرار اور جنگی قابلیت کے ساتھ

عمل میں آئی تھی۔ نارمنوں کے لئے جان کے تحت سے نکل کر فلپ کے تحت میں آجانا محض ایک غیر ملکی مالک کی حکومت سے دوسرے غیر ملکی مالک کی حکومت میں جانا تھا، اور ان دونوں غیر ملکیوں میں فلپ کم بیگانہ تھا، فرانس اور نارمنڈی کے مابین جتنے زمانے عداوت رہی تھی اتنے ہی زمانے تک موافقت بھی رہ چکی تھی، لیکن نارمنڈی اور آنجو کے مابین ایک صدی سے برابر شدید ترین نفرت قائم تھی۔ ان دونوں ملکوں میں موافقت کبھی ہوئی ہی نہیں تھی۔ علاوہ ازیں فرانس کا تابع ہو جانا فی الاصل اس اطاعت کا عملی اظہار تھا جو خیالات میں ہمیشہ سے موجود تھی۔ فلپ روئین میں اُمرائے نارمنڈی کے فرمانروا کی حیثیت سے داخل ہوا، برخلاف اس کے خاندان آنجو کی اطاعت تمام اطاعتوں میں ذلیل ترین اطاعت تھی کیونکہ یہ ایک اپنے ہی ہمسر کی اطاعت تھی +

جان اپنی نارمن رعایا کی اس طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا اور اسی وجہ سے جب فلپ کے حملے شروع ہوئے اور اسے شیٹو گیلرڈ کی خلاص میں ناکامیابی ہوئی تو اس نے مقاومت کی تمام امیدیں ترک کر دیں، جس دانشمندانہ تدبیر سے شیٹو گیلرڈ کی کمک کے لئے متحدہ نقل و حرکت تجویز ہوئی تھی۔ اس سے بادشاہ کی جنگی قابلیت کا ثبوت ملتا ہے، محاصرین کو دریائے سین کی وجہ سے دو گروہوں میں منقسم ہونا پڑا تھا۔ ان کی فوجوں کا بڑا حصہ دریا کے چکر کے اندر سطح زمین پر خیمہ زن تھا اور ایک مختصر حصہ وادی گیمبن پر قبضہ کرنے اور قرب و جوار کے ملک سے سامان رسد جمع کرنے کے لئے دریا پار اُتار دیا گیا تھا، جان کی تجویز یہ تھی کہ کشتیوں کے پل کو جو ان

دونوں کے درمیان ذریعۂ آمد و رفت تھا تباہ کر کے فرانسیسی فوج کے اس حصہ پر حملہ کر دے جو دریا کے چکر کے اندر والی زمین پر خیمہ زن تھا اس فوج کے لئے اس پل کے سوا کوئی اور راستہ نکلنے کا نہیں تھا، اگر حملہ اسی خوبی سے عمل میں آیا ہوتا جس خوبی سے اس کا منصوبہ سوچا گیا تھا تو اس کا انجام فلپ کی بربادی ہوتا مگر دونوں حملے ایک ساتھ شروع نہیں ہوئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ یکے بعد دیگرے مسترد کر دئے گئے۔ اس پسپائی سے اس تمام فوجی نظام کا شیرازہ بکھر گیا جس کے ذریعے سے اہل آنجو، نارمنڈی پر قابض تھے۔ جان کا خزانہ ختم ہو گیا اور اس کے اجرتی سپاہی اس کے دشمن سے جا ملے۔ بادشاہ نے مایوس ہو کر جب خود نارمنڈی سے مدد کی درخواست کی تو وقت نکل چکا تھا۔ نارمنڈی کے امرا پہلے ہی سے فلپ سے معاملات طے کر رہے تھے اور شہروں میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ فرانسیسیوں کے مسلسل محاصرات کی مدافعت کر سکیں۔ یہاں سے مایوس ہو کر جان سمندر پار گیا کہ انگلستان سے مدد حاصل کرے مگر وہاں بھی کچھ کار برآری نہ ہوئی اور ایک بہادرانہ مقابلے کے بعد شیٹو گیلرڈ کے مسخر ہو جانے سے صوبہ نارمنڈی بلا کسی قسم کی مزاحمت کے شاہِ فرانس کے ہاتھ میں چلا گیا، ۱۲۰۴ء میں فلپ جنوب کی طرف متوجہ ہوا اور ادھر بھی اسے ویسی ہی حیرت افزا کامیابی نصیب ہوئی۔ مین، آنجو، ٹورین خفیف سی مخالفت کے بعد اس کے قبضے میں آگئے اور الینر کے انتقال کر جانے سے اکوٹین کے بڑے حصے نے بھی اس کی اطاعت قبول کر لی، گیرون کے جنوبی ملک کے سوا

جان کے پاس برائے نام ہی کچھ باقی رہ گیا تھا، وہ ایک وسیع
شہنشاہی کا مالک تھا جو ٹائن سے پرینیز تک پھیلی ہوئی تھی مگر صرف
ایک معرکہ میں وہ محض انگلستان کا بادشاہ رہ گیا، درحقیقت شیٹو گیلارڈ
کے سقوط پر انگلستان کی قسمت معلق تھی، اور لس اینڈیلز کی بلندیوں
پر کے عظیم الشان ویرانے میں دلچسپی کی بات یہ ہے کہ وہ ایک
لشکرگاہ اور ایک نظام حکومت دونوں کی تباہی کی یادگار ہے۔
اس کے تاریک وسطی برج اور ٹوٹی ہوئی دیواروں سے نہ صرف
سین کی خوشنما وادی پر نظر پڑتی ہے بلکہ رونیمیڈ کے پر گیاہ میدان
بھی آنکھوں کے سامنے پھر جاتے ہیں +

باب سوم

منشورِ اعظم

۱۲۶۵-۱۲۰۴

جُزوِ اول

انگریزی علم ادب بعہد شاہان منڈی و آنجو

[اسناد۔ اس عہد کے عام علم ادب کے لئے مسٹر مارلی کی انگلش رائٹرس فرام دی کانکویسٹ ٹو چاسر (مصنفان انگلستان از زمانہ فتح تا چاسر English writers rom the conquest to Chaucer Vol. I. Pt. ii.) جلد اول حصہ دوم دیکھنا چاہئے۔ جیرلڈ ڈی بیری کے متعلق جو کچھ معلومات حاصل ہو سکتے ہیں وہ سلسلہ تصانیف میں مسٹر برووَر اور مسٹر ڈیماک کے جمع کردہ تصانیف کے دیباچوں میں ملینگے۔ والٹر میپ کی نظموں کو مسٹر رائٹ نے کیمڈن سوسائٹی کے لئے مرتب کیا ہے۔ اور لیامن کی نظمیں سر ایف۔ میڈن نے ترتیب دی ہیں]

جان کو نارمنڈی سے نکل کر جس نئی انگریزی قوم سے سابقہ پڑا، اس کے خصائل کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ہمیں انگلستان کے۔

اِس زمانے کے علم ادب پر نظر ڈالنا چاہئے، جس کے حالات اوپر بیان ہو چکے ہیں ۔ ایک خاموش انقلاب نے اب خالص علمی گروہ کو خالص مذہبی گروہ سے جدا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور بکٹ کے مناقشے میں ہنری ثانی کو اس سے بہت تقویت پہنچی تھی۔ ہم دکھا چکے ہیں کہ کس طرح تاریخ انگلستان کے اوائل زمانے میں علم ادب مذہبی مدارس میں پیدا ہوا اور زمانے کی جہالت اور زیادتی سے بچنے کے لئے مذہب کے دامنِ شفقت میں پناہ لیتا رہا۔ بیدا سے لیکر آنجوی زمانے تک تقریباً کل کے کل مصنفین پادری یا راہب تھے ۔فتح کے بعد علوم میں جان پڑ گئی جو ایک طرح کی خالص مذہبی روح تھی ۔ بیک نے نارمنڈی والوں کے دماغ میں ہل چل پیدا کر دی تھی، اور انگلستان کی بڑی بڑی خانقاہوں میں نارمن راہبوں کے تقرر سے یہ تحریک آبنائے انگلستان کے اس طرف بھی آگئی تھی ۔ اور اس زمانے سے "دارالانشا" ذی حیثیت مذہبی عمارت کا ایک لازمی و اہم حصہ ہو گیا تھا۔ ان کمروں میں لاطینی ادب کی کتابوں کی نقلیں ہوتی اور ان کی تزئین کی جاتی تھی ۔ یہ کتابیں عیسوی مذہب کی بھی ہوتی تھیں اور اس سے قبل زمانے کی بھی ۔ یہیں اولیا کی سوانح عمری مرتب ہوتی تھی، اور خانقاہ کے وقائع میں سب حالات درج کئے جاتے تھے۔ مگر اس طرح مذہب کی پناہ میں دینی علوم سے زیادہ دنیوی علوم کو فروغ ہوا ۔ باوجودیکہ اینسلم نے فلسفہ اور زہد و عبادت کا شوق پیدا کر دیا تھا ۔ اس پر بھی انگریزی زبان میں فقہ یا

علم الہیات کی کوئی کتاب نہ لکھی گئی۔ فتح کے بعد جس علمی ترقی کی تجدید ہوئی اس نے زیادہ تر تاریخ قدیم کا رنگ اختیار کیا۔ ڈرہم میں ٹرگاٹ اور سیمن نے ہنری اول کے زمانے تک قومی واقعات کو لاطینی زبان میں مرتب کیا اور اس میں شمال کے معاملات کو خصوصیت کے ساتھ زیادہ جگہ دی۔ عہد اسٹفن کے ابتدائی واقعات کو انگلستان و اسکاٹلینڈ کی درمیانی ویران سرحد کے اندر ہیکسیم کے رؤسائے خانقاہ نے ضبط کیا، مگر انہوں نے محض واقعات کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیان کیا تھا۔ ان کے بیان میں کسی قسم کی کوئی خاص رنگینی یا خوبی نہیں پائی جاتی۔ البتہ جب کینٹربری کے دارالانشا میں آئیڈمر نے اولیائے انگلستان کے سیر کو مرتب کیا اور اومر نے شاہ احمر اور اس کے جانشین کے مقابلے میں اینسلم کی جد و جہد کی تصویر دکھائی اس وقت اول اول یہ نظر آیا کہ نئے علم ادب پر انگریزی جذبات و خیالات کا کیسا بین و نمایاں اثر پڑ رہا ہے۔ ان کے بعد کے دو مورخوں میں قومی تحریک کا اثر اور بھی واضح طور پر نظر آتا ہے۔ برطانیہ کے انگریز فاتحین کے جنگی گیت یا رجز کلیسائے ہنٹگڈن کے ناظم اعلیٰ، ہنری کی وجہ سے محفوظ رہ گئے۔ اس نے بیڈا کی تصانیف اور وقائع انگریزی سے منتخب کر کے ایک تاریخ لکھی تھی، اس میں ان گیتوں کو جا بجا نقل کر دیا تھا۔ اسی طرح مامزبری کے محافظ کتب خانہ ولیم نے نہایت محنت سے ان تمام گیتوں اور نظموں کو جمع کیا، جن میں انگریزی بادشاہوں کے متعلق عام روایات کو نظم کر دیا تھا۔

ولیم ہی وہ شخص ہے جو اس جدید علم ادب کی طرف سب سے زیادہ راغب نظر آتا ہے۔جس طرح اس کی ذات میں فاتح و مفتوح کی آمیزش تھی، اسی طرح اس کی تصنیف میں بھی اس امتزاج کا اثر پایا جاتا ہے۔وہ از روئے نسب انگریزوں اور نارمنوں دونوں سے تعلق رکھتا تھا، اور جس طرح اس کا خون دونوں قوموں میں منقسم تھا اسی طرح اس کی ہمدردی بھی منقسم تھی۔ تمام ممالک عیسوی میں قدیم علم ادب کی از سر نو اشاعت ہو رہی تھی، اور اس کی تحریرات کے طرز ادا سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اس علم ادب کے مطالعے کا اس پر گہرا اثر پڑا تھا۔وہ اگرچہ ایک راہب تھا مگر اس نے قدیم مذہبی انداز اور واقعات نویسی کی طرز کو ترک کر دیا تھا۔ اُس نے واقعات کے جمع کرنے میں سنہ و تاریخ کی ترتیب کا زیادہ لحاظ نہیں کیا ہے، بلکہ بیان میں دلچسپی، روانی، اور سہولت مد نظر رکھی ہے۔ اور اپنے تسلسل بیان کو چھوڑ کر جا بجا یورپ و کلیسا کی عام تاریخ پر نظر ڈالتا جاتا ہے۔تاریخ نویسی کے اس جدید انداز کی وجہ سے ولیم مورخین کے اس طبقے میں سب سے اول ہے جس کا تعلق دربار سے تھا اور جو زیادہ فلسفیانہ و مدبرانہ طرز پر چلنا چاہتا تھا۔ اس فرقے میں ۔وقائع کا مصنف جسے عام طور پر بنیڈکٹ (پٹربرو) کہا جاتا ہے اور اس کا جاری رکھنے والا روجر (ہاؤڈن) سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔ یہ دونوں ہنری دوم کے زمانے میں عدالتی عہدوں پر فائز تھے اور اس درباری تعلق کی وجہ سے انہیں سلطنت کے اندرونی و بیرونی معاملات

کے متعلق بہت ہی مکمل اور صحیح واقفیت حاصل ہو گئی تھی۔ سرکاری
کاغذات کا نہایت ہی وافر ذخیرہ ان کے دسترس کے اندر تھا،
اور یہی تعلق اس امر کا باعث تھا کہ انہوں نے اپنے وقت کے
کلیسا اور سلطنت کے مناقشے کو محض سیاسی نظر سے دیکھا ہے۔
نیو برگ کے کینن ولیم کی تاریخ میں بھی مذہبی تعصب سے پوری
آزادی اور اس کے ساتھ ہی قابل قدر انتقادی قابلیت پائی جاتی
ہے، حالانکہ اس نے مرکز سلطنت سے بہت دور اپنے یارک شائر
کی خانقاہ میں یہ تاریخ لکھی تھی۔ بہرحال بادشاہ کا دربار ایک
خالص دنیاوی علم ادب کا مرکز بن گیا تھا۔ ہنری دوم کے
نائب السلطنت رنیلف ڈی گلینول کی کتاب انگریزی قانون پر
سب سے پہلی تصنیف ہے، اسی طرح شاہی خزانچی رچرڈ فزنیل کی
تصنیف "خزانہ" انگریزی حکومت کے متعلق سب سے پہلی کتاب ہے۔
غیر مذہبی رنگ میں ان سب سے زیادہ صاف تحریر جیرلڈ
ڈی بیری کی تحریریں ہیں، اگرچہ جیرلڈ ایک قسیس بلکہ اسقف تھا،
مگر جس طرح وہ سیاسی و مذہبی پمفلٹ نویسی کا بانی ہے، اسی طرح
انگلستان کے عام پسند علم ادب کا موجد بھی ہے۔ اس کے نام جیرلڈ
کیمبرنسس سے ظاہر ہے، کہ اس کی رگوں میں نارمن خون کے ساتھ
ویلزی خون بھی دوڑ رہا تھا، اور قوم کلٹک کی بے صبری اور ان کا
جوش اس کی تحریروں اور نیز اس کی حالات زندگی سے ہویدا
ہے۔ پیرس میں ایک مستعد طالب علم، ویلز میں ایک مصلح
آرچ ڈیکن (نقیب اعلیٰ) درباری پیش نمازوں میں سب سے زیادہ

ظریف الطبع اور اساقفہ میں سب سے زیادہ پریشان کن، ہونیکے ساتھ ہی وہ اپنے وقت کے تمام مصنفین میں سب سے زیادہ زندہ دل اور خوش طبع مصنف تھا' پر شکوہ زبان لاطینی اس کے ہاتھ میں پڑ کر گویوں کی جدت طبع و معاملہ نگاری کا نمونہ بن گئی تھی۔ باوجودیکہ اس نے قدیم علم ادب کی تعلیم پائی تھی' مگر فضیلت مآبی کو بالائے طاق رکھ کر اس نے اپنی جدت طرازی کی بابت ایک خاص انداز کی معذرت پیش کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "گونگا ہونا اس سے بہتر ہے کہ آدمی کی بات نہ سمجھی جا سکے' نئے زمانے نئی جدتوں کے خواہاں ہیں' اور اس لئے میں نے دوسرے مصنفین کا خشک و فرسودہ طریقہ بالکل ترک کر دیا ہے' اور کوشش یہ کی ہے کہ زبان کا وہ طرز اختیار کروں جو حقیقتاً آج کل مروج ہے"۔ جان اور اسقف اعظم بالڈون کے ساتھ اس نے آئرلینڈ اور ویلز کے سفر کئے تھے' ان دونوں سفروں کی کیفیتوں کے متعلق اس نے ایک رسالہ فتح آئرلینڈ اور ایک کتاب حالات ویلز لکھی ہے' اس سے اس کی مشاہدہ کی قوت اس کی مبادرت' اور اس کی معاملہ فہمی پوری طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ وہ بالکل اسی قسم کے دلپسند و دلیرانہ خطوط ہیں جیسے ان دنوں اخبارات کے صیغۂ مراسلت میں نظر آتے ہیں۔ اس کے سیاسی رسالوں میں بھی یہی لب و لہجہ موجود ہے' اس کے وفورِ ظرافت' کثرتِ لطیفہ گوئی' حاضر جوابی' طبعی تیز فہمی' نقادانہ تعمق اور صفائی و روانیٔ بیان کے ساتھ بیباکی و تند مزاجی بھی ایسی ملی ہوئی تھی کہ ہنری ثانی سا بادشاہ بھی اس کے حملے سے پر حذر رہتا تھا۔ تاریخ میں ہنری اور

اس کے بیٹوں کے خلاف جن ناگوار امور کا رواج ہو گیا ہے اس کا بڑا سبب جیرلڈ کے وہ لعن طعن ہیں جن سے اس نے آنجو والوں کے خلاف اپنے دل کا بخار نکالا تھا، سنٹ ڈیوڈ کی اسقفی حاصل کرنیکی لا حاصل کوشش میں اس کی زندگی خراب ہوئی، مگر اس کے قلم کی تیزی نے تاج کے مقابلے میں قوم کے جوش کو ابھارنے میں بڑا کام دیا +

افسانہ گویوں میں کلیسا سے علانیہ مخالفت کا انداز کم و بیش ابتدا ہی سے رو بہ ترقی تھا، اب سے بہت قبل ہنری اول کے دربار میں افسانہ گوئی کی بنیاد مستحکم ہو چکی تھی۔ بریٹنی کے اہل کلٹ میں آرتھر کے افسانے ایک مدت سے ہر دل عزیز ہو رہے تھے، اور خارج البلد رس ریپ ٹیوڈر کے ساتھ ساتھ ویلز میں پہنچ کر وہاں بھی شائع ہو گئے تھے، اب ملکہ ماڈ کی سرپرستی سے جافری (مانتھہ) کے ذریعے سے ان افسانوں کو اہل برطانیہ کی تاریخ میں جگہ مل گئی۔ اس افسانہ گو نے نہایت جسارت کے ساتھ موہومات، قصے، روایات، ادب القدماء کے رائج الوقت خیالات، اہل ویلز کی سیکسن پر آئندہ ظفریابی کی امیدیں، جنگہائے صلیبی کے تذکرے اور چارلس اعظم کی عالمگیر سلطنت کے حالات، ان سب کو ایک کتاب میں شامل کر لیا تھا، عوام میں اسے بہت جلد قبولِ عام حاصل ہو گیا، الفرڈ (بورلی) نے جافری کے افسانوں کو واقعی تاریخ کا جامہ پہنا دیا۔ اور دو نارمن داستان گو گیمر اور ویس نے فرانسیسی نظم میں اس کا ترجمہ کر ڈالا۔ ان افسانوں کی صحت کا

ایسا کامل اعتماد پیدا ہو گیا تھا کہ ہنری ثانی آرتھر کی قبر کی زیارت کے لئے گلیسٹنری گیا اور اس کے بیٹے جافری کے ہاں جب کانسٹینس آف بریٹنی کے بطن سے لڑکا ہوا تو اس بچے کا نام اسی کے نام پر رکھا گیا، جافری کے اس ایجاد فکر کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ راونڈ ٹیبل (مدور میز) کا قصہ پیدا ہو گیا۔ بریٹنی میں آرتھر کے قصے کے ساتھ ایک اور بھی زیادہ قدیم اور موہوم افسانہ ساحر مرلن کا ملا دیا گیا۔ اور اس میں لینسلاٹ کے قصے کا اضافہ کر کے اس وقت کے گشت کرنیوالے گویوں کو دے دیا گیا۔ وہ اسے ایک ایک امیر کے محل میں گاتے پھرتے تھے۔ اور آہستہ آہستہ اسے اس شکل میں ڈھال دیا کہ ایک عورت کی محبت میں نائٹ جادۂ وفاداری سے ہٹ گیا۔ ٹرسٹریم اور گوین کے قصے اولاً لینسلاٹ کے قصے کی طرح بالکل جداگانہ قصے تھے، مگر سب اسی آرتھر کے افسانے کے بھنور میں پھنس کر ایک ہو گئے۔ کلیسا کو سپہگری کے قصوں کی ایسی ہر دل عزیزی پر رشک ہوا اور اس نے اس کے اثر کا مقابلہ کرنیکے لئے ذہنی "پیالہ مقدس" یا سان گرال کی نظم تیار کی اس پیالے کی نسبت یہ خیال قائم کیا گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ کا صلیب سے بہا ہوا خون اس میں رکھا تھا، یہ پیالہ عام نگاہوں سے پوشیدہ تھا، اور صرف ان لوگوں کو نظر آتا تھا جن کے دل پاک و صاف تھے، مگر دربار کے ایک شاعر والٹر دی میپ کی طباعی نے ان دونوں رقیب افسانوں کو ایک کر دیا۔ اس نے آرتھر اور

اس کے نائٹوں کو اس "سان گرال" کی جستجو میں بحر و بر میں پھرایا اور بالآخر سر گیلھاڈ کو طبقہ نائٹ کا کامل نمونہ قرار دے کر کامیابی کا سہرا اس کے سر پر رکھا۔ اس تخلیط سے نہ اسے خود کچھ خوف ہوا اور نہ کسی اور نے اس بیباکی پر اسے ملامت کی۔

ہنری اول و دوم کے دربار میں افسانے کی ترقی اور تاریخ کے آزادانہ طرز تحریر کے پیدا ہو جانے سے علمی، و سیاسی، و مذہبی انتقاد کا ایک چشمہ ابل پڑا تھا۔ والٹر اسی دور کے نمائندے کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتا ہے۔ والٹر دی میپ، سرحد ویلز میں پیدا ہوا، پیرس میں طالب علمی کی، بادشاہ کا ندیم، پیش نماز، نائب السلطنت، اور سفیر رہا۔ اس کی ذہانت جس طرح مختلف حیثیات کی جامع تھی اسی طرح بنہایت وسیع بھی تھی، اُس نے اپنی کتاب "رشحات دربار" میں اس وقت کے چٹکلوں کو ویسی ہی آسانی سے جمع کر دیا ہے، جس آسانی سے سر گیلھاڈ کی تصویر بنا کھڑی کر دی ہے، مگر اُس کی انشا پردازی کا کمال اُس وقت ظاہر ہوتا ہے جب وہ افسانہ نویسی کے میدان سے نکل کر اصلاح کلیسا کی طرف متوجہ ہوا ہے، اور "اُسقف گولیتھ" کی شکل میں اس نے اپنے وقت کی مذہبی خرابیوں کا ایک مرقع پیش کیا ہے۔ اس خیالی مقتدائے مذہب کے اقرار و اعتراف میں بکٹ کے ساتھ ہنری اور اس کے دربار کی مخاصمت کی کیفیت اس طرح کھول کر دکھائی ہے کہ آنکھوں کے سامنے نقشہ پھر جاتا ہے۔ ازمنہ وسطیٰ کے کلیسا کی تباہ کاری

سہل انگاری، حرص و آز، خفیہ بدکاری ایک ایک شئے کی تصویر اُتار دی ہے۔ پوپ سے لیکر ایک دہاتی پادری تک تمام اہل کلیسا کا نقشہ کھینچ دیا ہے کہ کس طرح ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے نفع کے درپے رہتا ہے۔ اگر اسقف سے کچھ بچ رہتا ہے تو نقیب اعلیٰ (آرچ ڈیکن) اسے لیتا ہے، نقیب اعلیٰ سے کچھ بچ نکلتا ہے تو ڈین (منتظم مقیم) کا شکار ہوتا ہے۔ اور ان بڑے لیٹروں کے اردگرد چھوٹے چھوٹے عہدہ داروں کا ایک بھوکا غول چکر لگاتا رہتا ہے۔ اِن تصویروں سے اس ہجوگو کے صفحے کے صفحے بھرے ہوئے ہیں، ان میں وکار (شدیاق) بھی ہیں جو متعدد جاگیروں پر قابض ہیں، روسائے خانقاہ بھی ہیں جن کے چہرے اُن کی شراب کی طرح سُرخ ہیں، راہب بھی ہیں جو طوطوں کی طرح ٹیں ٹیں کرتے اور کھاتے ہوئے نظر آتے ہیں، مگر سب کی سرتاج فلسطینی اسقف گولیتھہ کی تصویر ہے۔ یہ سست عزم ایمان سے مبرا، شہوت پرستی میں غرق، بے عصمت اسقف ہے جس میں سب کے عیب ایک جگہ جمع ہیں +

لیکن اس قسم کی لاطینی و فرانسیسی تصانیف کا شمار انگریزی ادبیات میں صرف اسی حیثیت سے ہو سکتا ہے کہ وہ انگریزوں کی تحریریں ہیں۔ عام قوم کی زبان ہر زمانے میں انگریزی ہی رہی، خود ولیم نے اس زبان کے سیکھنے کی کوشش کی تھی تاکہ وہ خود اپنی رعایا کا انصاف کر سکے اور فتح کی ایک صدی بعد تک فاتحین کی زبان کے صرف چند الفاظ انگریزی میں داخل ہوئے

تھے۔ انگریزی علم ادب اجنبیوں کے دربار سے خارج اور لاطینی علما کی رقابت کا ہدف بنا ہوا تھا، پھر بھی نہ صرف مذہبی تصانیف اور انجیل و زبور کے منظوم ترجموں نے اسے برقرار رکھا، بلکہ انگریزی نثر کی یادگار عظیم "وقائع انگلستان" بھی اس کے قیام و دوام کا بڑا باعث ہوا۔ اسٹفن کے مصیبت ناک عہد میں پیٹر برو کی خانقاہ کے اندر اس وقائع کا سلسلہ ٹوٹ گیا مگر "الفرڈ کے مقولات" سے (جس میں ایک انگریزی بادشاہ کا مکمل نمونہ پیش کیا گیا ہے، اور عہد گزشتہ کی عظمت و احترام کو زندہ کیا گیا ہے)۔ ہنری ثانی کے عہد تک مسلسل ملکی علم ادب کا رواج رہا انگریزی نظم کی ایک بہت بڑی کتاب عین اس وقت تصنیف ہوئی ہے جب نارمنڈی ہاتھ سے نکل گئی تھی، اور جان اپنی جزیرہ کی سلطنت میں واپس آ گیا تھا۔ "اس ملک میں ایک قسیس تھا جس کا نام لدیامن تھا، وہ لیویتھ کا بیٹا تھا۔ خدا اس پر رحم کرے وہ اپنی حسب خواہش ریڈ اسٹون کے قریب سیورن کے کنارے ارنلی کے شاندار گرجے میں رہتا تھا، اس کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ وہ انگلستان کے شاندار کارناموں کو بیان کرے اور بتائے کہ لوگوں کے کیا نام تھے، وہ کہاں سے آئے تھے اور انگلستان کی زمین پر پہلے کون لوگ قابض تھے"۔ ملک میں دور و دراز سفر کر کے اس راہب نے بیڈا اور ویس کی تصانیف مہیا کیں۔ سنٹ آلبن اور سنٹ آسٹن سے بھی کتابیں حاصل کیں "اس نے ان کتابوں کی ورق گردانی

شروع کی، اور نہایت توجہ اور شوق سے ان کا مطالعہ کرتا رہا۔
اس پر رحم کرے، پھر اس نے خود قلم اٹھایا اور ایک دفتر لکھ ڈ
اور صحیح واقعات کو لیکر تینوں کتابوں کو ایک کر دیا۔" لیامن
گرجا اب ووسٹرشائر میں بیوڈلی کے قریب ایرلی کے نام سے مشہ
ہے، اس کی نظم فی الحقیقت ویس کی کتاب "برٹ" کی توسیع تھی
جس میں بیڈا کے اقتباسات شامل کر دئے گئے تھے۔ تاریخی حیثیت
سے وہ بیکار ہے مگر انگریزی زبان کی یادگار کے لحاظ سے وہ نہا
بیش بہا ہے۔ نارمن اور آنجوی عہد کے بعد انگریزی میں کوئی تغیر
نہیں ہوا تھا۔ تیس ہزار سے زیادہ مصرعوں میں پچاس سے
زیادہ نارمن الفاظ نہیں پائے جاتے۔ قدیم شاعرانہ روایت تک
بحال خود باقی ہے، عروض میں خفیف سا تغیر ہوا لیکن تشبیہات
وہی کیڈمن کی چند فطرتی تشبیہات ہیں، جنگلوں کی تصویریں
بھی ویسی ہی عامیانہ اور سادگی کے ساتھ کھینچی گئی ہیں۔ اسے
محض اتفاق نہیں قرار دیا جا سکتا کہ عین اس وقت جبکہ قوم
اور بادشاہ کے درمیان عظیم کشمکش شروع ہونیوالی تھی، انگریزی
زبان میں دوبارہ ادبی جوش پیدا ہو گیا۔ مصنوعی کیفیتیں جو
فتح کی وجہ سے پیش آگئیں تھیں وہ جس طرح علم ادب سے
زائل ہو رہی تھیں، اسی طرح قوم کے دلوں سے بھی ان کا
اثر زائل ہوتا جاتا تھا، اور ایک جدید انگلستان جس میں
ڈی میپ کی زندہ دلی اور جیرلڈ کی جسارت نے روح پھونک
دی تھی جان سے مصادرت کے لئے آمادہ ہوا تھا ٭

جُزو دُوم

جان

۱۲۰۴—۱۲۱۵

اسناد۔ ہمارا خاص ذریعہ معلومات وہ وقائع ہے جو والٹر (کونٹری) کے موریل (یادگار Memoriale) میں شامل ہے۔ اس کے سوا راجر (وینڈوور) کا وقائع ہے۔ سنٹ البنز کے تذکرہ نویسوں کی تصانیف میں سب سے پہلے یہی تصنیف شائع ہوئی ہے، اسی خانقاہ کے ایک دوسرے راہب متھیو پیرس نے بعد میں اس کتاب پر نظر ثانی کی تھی اور اسے اور بڑھایا تھا۔ اس کے بیان میں حب وطن کا جوش زیادہ ہے۔ ڈورلی، ڈنسٹیبل، اور برٹن کے اخبار اس عہد کے لئے نہایت اہم ہیں۔ شاہی صحائف (Royal Rolls) کا وسیع سلسلہ اس وقت سے نہایت ہی قابل قدر ہو گیا ہے۔ فرانسیسی مصنفین وہی ہیں جن کا ذکر جزو اول میں ہو چکا ہے۔ لینگٹن کے حالات کے لئے ہک کی لائوز آف دی آرچ بشپس (سوانح اساقفہ اعظم Lines of the Archbishops) دیکھنا چاہئے۔ جدید تصانیف میں اس عہد کا بہترین بیان پیرسن کی ہسٹری آف انگلینڈ (تاریخ انگلستان History of England) جلد دوم میں ملیگا۔

"دوزخ اگرچہ ناپاک ہے مگر جان کے ناپاک تر وجود سے اور بھی ناپاک ہو جائیگی"۔ بادشاہ کے ہمعصروں کی اس سخت رائے پر تاریخ نے اپنے سنجیدہ فیصلے کی مہر لگا دی ہے۔ ظاہرا جان میں تیزی، زندہ دلی، چالاکی، خوش طبعی، آداب مجلس کی دلاویزی کے وہ تمام صفات موجود تھے جو اس کے خاندان کے مایۂ امتیاز

تھے۔ اس کے بدترین دشمن بھی اس امر کے معترف تھے کہ انت
مملکت میں وہ نہایت مستعدی و توجہ سے کام لیتا تھا، وہ جیرلڈ
صاحبانِ علم کا قدر دان تھا، دوستوں کو اپنی طرف راغب کرنے
عورتوں کی محبت حاصل کر لینے کا اس میں عجیب ملکہ تھا۔ مگر با
طور پر وہ آنجویوں کے بدترین خصائل کا مجموعہ تھا۔ ان کی نخو
خودغرضی، بے لگام ہوا و ہوس، ظلم و ستم، بیحیائی، وہم پرستی، ع
و صداقت کی طرف سے بے حسی، یہ تمام معائب اس کے اندر مجت
تھے۔ اُس کے لڑکپن کا ذکر ہے کہ جب آئرلینڈ کے سردار اُ
اپنا آقا سمجھ کر اظہارِ وفاداری کے لئے آئے تو اس نے ایک
عجیب وحشیانہ حرکت کی کہ اُن کی ڈاڑھیاں نوچ لیں۔ اس
ناشکرگزاری و دغاکیشی کے غم میں اس کا باپ ہلاک ہو گیا، اپ
بھائی کے حق میں وہ بدترین غدار ثابت ہوا۔ تمام ممالک عیسو
یقین تھا کہ اس نے اپنے بھتیجے آرتھر (آف برٹینی) کو قتل کر ڈالا۔
اس نے ایک بیوی کو چھوڑ دیا اور دوسری سے بھی وفا نہ کی۔
سزائیں دینے میں طرح طرح کے ظلم و ستم ایجاد کرتا تھا۔ بچوں
بھوکوں مار ڈالتا، بڈھوں کے سروں پر جست کے ٹوپ رکھ رکھ
انہیں کچل ڈالتا، اس کا دربار ایک زنا خانہ تھا، جہاں کوئی عور
شاہی ہوس پرستی سے محفوظ نہیں تھی، اس پر طرہ یہ کہ بے غیر
کی وجہ سے وہ اس امر کو پسند کرتا تھا کہ اس کے ستم رسیدو
کی شرمناک خبریں اچھی طرح شائع ہوں، وہ جس قدر بدکاریو
میں دلیر تھا، اسی قدر توہمات کے معاملے میں بودا تھا۔ وہ قیسونک

ہنسی اڑاتا تھا یہاں تک کہ اپنے جشن تخت نشینی کی رسموں میں دعا کے وقت پیٹھ پھیر کر بیٹھ گیا مگر کسی سفر میں جاتے وقت جب تک گلے میں تعویذ نہ ڈال لیتا حرکت نہیں کرتا تھا۔ لیکن اپنے خاندان کی بد کرداری کے ساتھ اس نے خاندانی خوبیاں بھی ورثے میں پائی تھیں، شیتو گیلرڈ کے بچانیکے لئے اس نے جیسی اعلیٰ تجویز کی، مرابو پر جس تیزی کے ساتھ کوچ کر کے اس نے آرتھر کی امیدوں کا خاتمہ کر دیا، ان سے اس کی جنگ کی فطرتی قابلیت ظاہر ہوتی ہے۔ وسیع و عاجلانہ سیاسی اتحادات کے معاملے میں وہ اپنے وقت کے مدبرین سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ اس کے تمام عہد میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ نہایت تیزی کے ساتھ موقع کے مشکلات کو معلوم کر لیتا ہے، اور ان کے تدارک کے لئے لا محدود وسائل سے کام لیتا ہے۔ براعظم میں جب اس کی قوت کا خاتمہ ہو گیا تو اس نے ایک ایسے اتحاد عظیم کا ڈول ڈالا کہ جس کی وجہ سے فلپ خاک میں ملتے ملتے رہ گیا۔ تمام انگلستان جب یک بیک اس سے منحرف ہو گیا تو اس نے اس کے جواب میں یہ کیا کہ نہایت بے غیرتی کے ساتھ پوپ سے اتحاد کر لیا۔ جان کے زوال کو لوگ اس کی سستی اور نا قابلیت کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر جب اس کی سیرت پر گہری نظر ڈالی جاتی ہے تو یہ الزامات خود بخود رفع ہو جاتے ہیں۔ اس کی زندگی سے ہمیں یہ ہولناک سبق ملتا ہے کہ نارمنڈی کا کھو دینے والا، پوپ کی غلامی کو اختیار کرنے والا، اور انگریزی آزادی کے

خلاف مایوسانہ جد و جہد میں تباہ ہو جانیوالا کوئی کم زور بے پروا عیاش شخص نہیں تھا، بلکہ آنجویوں میں سب سے زیادہ قابل اور نڈر شخص تھا'

بادشاہ کی تمام قوت اس امر پر صرف ہو رہی تھی کہ برّاعظم کے کھوئے ہوئے ممالک کو دوبارہ حاصل کرلے۔ خاندان آنجو کے ان حامیتیوں کی مدد کے لئے جو اب تک پائٹو اور گینی میں فرانس کی فوجوں کا مقابلہ کر رہے تھے' وہ بے صبری کے ساتھ روپیہ اور آدمی جمع کر رہا تھا' اور ۱۲۰۵ء کے موسم گرما میں بہ مقام پورٹس ماؤتھ ایک فوج بھی جمع کر لی تھی مگر اسقف اعظم اور ولیم مارشل (ارل پمبروک) کی سخت مخالفت کی وجہ سے اس منصوبے میں یکایک مزاحمت پیش آگئی۔ اس کے باپ نے طبقۂ بیرن اور کلیسا دونوں کو کامل طور پر پست کر دیا تھا مگر ان کے قائم مقاموں میں اس روش سے قومی آزادی کی ایک نئی روح پیدا ہو رہی تھی۔ جان فوراً ہی اس کے دبانیکے لئے کمربستہ ہوگیا۔ ہیوبرٹ والٹر نے اس کی مخالفت کی مگر ایک ہفتہ بعد ہی اس کا انتقال ہوگیا' اور اس سے بظاہر اسباب جان کو یہ موقع مل گیا کہ اپنے ایک ہواخواہ کو کلیسا کا سرگروہ بناکر کلیسا کی مخالفت کو فرو کردے۔ چنانچہ اس کے حکم سے کینٹربری کے راہبوں نے ناروج کے اسقف جان ڈی گرے کو اسقف اعظم منتخب کر لیا۔ لیکن اس سے قبل اگرچہ باضابطہ طریق پر نہیں' تاہم اپنی ایک مجلس میں اہل خانقاہ اپنے نائب رئیس ریجینالڈ کو اسقف اعظم

منتخب کر چکے تھے، یہ دونوں رقیب اپنا قضیہ پیش کرنیکے لئے فوراً روم کو روانہ ہو گئے۔ مگر اس کارروائی کا جو نتیجہ ہوا اُس سے وہ اور بادشاہ دونوں ششدر رہ گئے۔ انوسنٹ ثالث جو اُس وقت مسند پاپائی پر متمکن تھا اُس نے عالم عیسائی میں اپنا اقتدار اس قدر بڑھا لیا تھا کہ اس سے پہلے کسی پوپ کو نصیب نہیں تھا، اُس نے غور سے جانچنے کے بعد ان دونوں انتخابات کو باطل کر دیا۔ یہ فیصلہ باغلب وجوہ ایک صحیح فیصلہ تھا، مگر انوسنٹ نے اسی پر قناعت نہیں کی، بلکہ جو راہب اس کے روبرو حاضر ہوئے تھے، انہیں حکم دیا کہ اس کے سامنے اسٹفن لینگٹن کو اسقف اعظم منتخب کریں۔ اس کارروائی کی وجہ خواہ اس کی حب جاہ قرار دی جائے یا صاف طور پر یہ کہا جائے کہ انگریزی حدود کے اندر اُسے آزادانہ انتخاب کی امید نہیں رہی تھی، مگر اس میں کلام نہیں کہ شخصی اعتبار سے اس سے بہتر انتخاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اسٹفن وہ شخص تھا جو خالص علمی اور متقیانہ زندگی کے زور سے کارڈنل کے درجے پر پہنچا تھا، حالات مابعد نے اسے انگریزی محبانِ وطن کی صف اول میں جگہ دی مگر بجائے خود یہ فعل ایسا تھا کہ اس سے کلیسا و بادشاہ دونوں کے حقوق غصب ہوئے جاتے تھے۔ بادشاہ نے فوراً ہی اس کی مخالفت کی اور پوپ نے جب یہ دھمکی دی کہ اگر لینگٹن کو اس منصب پر فائز ہونے سے روکا جائیگا تو وہ فتوائے تعطل جاری کر دیگا، تو

بادشاہ نے اس کے جواب میں یہ دھمکی دی کہ وہ تمام پادریوں کو ملک بدر کر دیگا، اور جن جن اطالیوں کو وہ اپنے ملک میں پکڑ پائیگا ان کے بھی ٹکرے ٹکرے کر ڈالیگا۔ لیکن انوسنٹ ایسا شخص نہ تھا جو اپنے عزم سے باز رہے۔ انجام کار فتوائے تعطل ملک پر صادر ہی ہوگیا۔ ملک کے تمام عرض و طول میں چند خاص فرقوں کے سوا، عبادات و اصطباغ کے اور تمام مذہبی فرائض و رسوم بند ہو گئے، گرجا کے گھنٹے خاموش ہو گئے اور مردے دفن ہوئے بغیر پڑے رہے۔ بادشاہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ جن پادریوں نے اس فتوائے تعطل پر عمل کیا ان کی زمینیں ضبط کرلیں، اور باوجود ان کے خاص حقوق کے انہیں شاہی عدالتوں کے تابع کر دیا، اور ان پر جو زیادتیاں ہوتی تھیں، اُن کی کوئی داد فریاد نہیں سنی جاتی تھی۔ ایک بار جب ویلز کے ایک شخص نے کسی قسیس کو مار ڈالا اور وہ جان کے روبرو لایا گیا تو کہا کہ "اسے چھوڑ دو اس نے میرے دشمن کو مارا ہے۔" ایک برس کا زمانہ اسی طرح گزر گیا، یہاں تک کہ پوپ نے جان کو خارج از ملت کرنیکی مزید کارروائی اختیار کی۔ جان اب حسب ضابطہ کلیسا کے حدود سے خارج ہو گیا تھا، مگر اس نے حکم کا بھی اسی خودسری کے ساتھ مقابلہ کئے گیا۔ اساقفہ میں پانچ اسقف سمندر پار بھاگ گئے، بد دلی ہر طرف اندر ہی اندر پھیلتی جاتی تھی۔ مگر لوگوں نے باوجود پوپ کے فتوے کے بادشاہ سے کسی قسم کا احتراز نہیں کیا۔ نارورچ کے ایک آرچ ڈیکن نے

اپنی خدمت انجام دینے سے انکار کیا تو وہ ٹوپ کے نیچے دبا کر مار ڈالا گیا، مقتدایان دین و امرا کے لئے اس قدر اشارہ کافی تھا تاکہ وہ ایسی حرکت کی جرأت نہ کرسکیں۔ امرا کی کشیدگی اور کلیسا کی مخالفت کی وجہ سے اگرچہ بادشاہ بالکل تنہا رہ گیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی قوت اور آن بان میں مطلق فرق نہ آیا۔ ابتدائے حکومت سے جان نے طبقۂ بیرن کی کبھی کچھ پروا نہیں کی تھی۔ تخت نشینی کے وقت اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کے گزشتہ عہد کے نقصانات کی تلافی کردیگا مگر یہ وعدہ وفا نہ ہوا، اور جب اس کا مکرر مطالبہ کیا گیا تو یہ جواب ملا کہ ان کے ایوانات پر قبضہ کرلیا اور ان کی وفاداری کی ضمانت میں ان کے بچوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس نے بارہا لڑائیوں کے تہیئے کئے، جن کو عمل میں نہ لا سکا مگر بار گراں اس کا ملک پر پڑا۔ کلیسا کے مناقشے اور امرا کی بغاوت کے خوف نے اس کے ظلم و ستم کو اور زیادہ کردیا۔ اس نے ڈی بروس کو (جو امرائے سرحد میں سے ایک نہایت طاقتور امیر تھا) ملک سے نکال دیا، وہ جلاوطنی ہی میں مرگیا، اور اس کی بیوی اور اس کے پوتے پوتیوں کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ شاہی قید خانوں میں فاقے کرکرکے مرگئے۔ جو پریشان حال اور خوف زدہ امرا اب تک دربار سے وابستہ تھے ان پر موت سے بدتر مظالم کئے گئے۔ خلاف قانون استحصال، گھر کی ضبطی، غیر ملکیوں کی ترجیح، یہ تمام باتیں انہیں نفرت دلا رہی

تھیں مگر پھر بھی وہ ان زیادتیوں کے مقابلے میں کچھ نہ تھیں، جو
ان کی بیبیوں اور لڑکیوں کی عزت و عصمت کے معاملے میں پیش
آئیں۔ مگر طبقہ بیرن اب بھی اطاعت پر قائم رہا، اور جان نے
جس سرعت کے ساتھ آئرلینڈ میں امرا کو سر اٹھاتے ہی کچل ڈالا،
اور اہل ویلز کی بغاوت کو فنا کر دیا، اس سے اس کی قوت کا
اندازہ ہو سکتا ہے۔ اگرچہ لوگ اس سے متنفر تھے، مگر ملک میں
عام طور پر سکون رہا۔ انوسنٹ کے ہاتھ میں اب صرف ایک
حربہ باقی رہ گیا تھا۔ چونکہ خارج از ملت ہونیکے بعد بادشاہ عیسائی
نہیں رہا تھا، اس لئے عیسائی رعایا سے طلب اعانت کا اسے
کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ ممالک عیسوی کے روحانی سرتاج ہونیکی
حیثیت سے پاپاؤں نے اس سے قبل بھی اس حق کا دعویٰ کیا
تھا، کہ وہ ایسے حکمراں کو تخت سے علیحدہ کر سکتے اور دوسرے
لائق شخص کو تخت دے سکتے ہیں، اب انوسنٹ بھی بالآخر
اس عزل و نصب پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے جان کے معزول کئے
جانیکا ایک فرمان شائع کیا، اور اس کے خلاف ایک جنگ مقدس کا
اعلان کر دیا، اور اپنے حکم کی تعمیل فلپ شاہ فرانس کے سپرد کی
جان نے اسے بھی حقارت سے دیکھا اور جس طرح پہلے حکموں کی
کچھ پروا نہ کی تھی اس کا بھی کچھ خیال نہ کیا۔ اس نے بے پروائی
اور حقارت کے ساتھ پوپ کے ایلچی، کارڈنل پینڈلف کو اجازت
دی کہ نارتھیمپٹن میں خود اس کے روبرو اس کی معزولی کا اعلان
پڑھ کر سنائے۔ اس کی طلب پر بارہم ڈاؤن میں ایک کثیر فوج

جان
معز
۲

جمع ہو گئی اور انگریزی بیڑے نے آبنائے کو عبور کر کے کتنے ہی فرانسیسی جہازوں کو گرفتار کرلیا اور ڈبی کو جلا دیا جس سے دشمن کے حملے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔

بادشاہ نے اپنی قوت و مستعدی کا اظہار صرف انگلستان ہی میں نہیں کیا، بلکہ فرانس کے خطرے کا جن مدبرانہ کوششوں سے اس نے مقابلہ کیا اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اس امر خاص میں اپنے باپ کا ہمپایہ تھا۔ وہ اگرچہ بدکار تھا مگر اس میں شک نہیں کہ اس کے خاندان کی سیاسی قابلیت اس میں کامل طور پر موجود تھی۔ فلپ پر جنوب سے حملہ کرنیکے لئے اس نے پائٹو کے بیرنوں کو ابھارا، اور اس کے شمالی سرحد پر اس نے روپیہ کے زور سے فلینڈرز کے کاونٹ کو اپنا مددگار بنا لیا۔ اٹو شاہ جرمنی سے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ جرمن سواروں سے حملہ فرانس میں مدد دیگا۔ مگر اپنی سیاسی چال کی عین کامیابی کے وقت جان نے یکایک ہمت ہار دی۔ اصل یہ ہے کہ اندرون ملک کے ایک خطرے کے ہویدا ہو جانے سے اس کی حقارت آمیز بے پروائی میں تزلزل آگیا۔ معزولی کے حکم سے جان کے ہر دشمن کو ایک نئی قوت حاصل ہو گئی تھی، شاہ اسکاٹلینڈ، انوسنٹ سے مراسلت کر رہا تھا، ویلز کے حکمران جنہوں نے ابھی اطاعت قبول کی تھی، پھر جنگ پر آمادہ ہو گئے تھے۔ جان نے ان کے ضامنوں کو پھانسی دے دی اور ویلز پر ایک نئے حملے کے لئے اپنی فوج کو جمع ہونیکا حکم دیا، فوج جمع تو ہو گئی مگر وہ بجائے خود ایک جدید

خطرے کا سبب بن گئی۔ علانیہ مقابلے سے بے بس ہو کر طبقہ بیرن کا
ایک ایک فرد خفیہ سازشوں میں لگا ہوا تھا، بہتوں نے فلپ
سے وعدہ کر لیا تھا، کہ اس کے ورود کے وقت وہ اسے مدد
دینگے۔ فوج کے مجتمع ہونے سے جان خود ان مخفی دشمنوں کے اندر
گھر گیا اور ان کے قابو میں آجانے سے وہ صرف اس طرح بچا
کہ اس نے فوج کو بعجلت تمام منتشر کر دیا اور خود قصر ناٹنگھم
میں پناہ لی۔ اس میں متہورانہ خود اعتمادی، تدابیر سیاسی کی مہارت
سب کچھ تھی مگر یہ راز اب اُس پر آشکارا ہو گیا کہ وہ تنہا ہے
جس وقت کہ وہ روم، فرانس، اسکاٹلینڈ اور ویلز سے بر سر جنگ
تھا، کلیسا سے اس کی مخاصمت تھی، اُس وقت دفعتا جب اُسے
یہ معلوم ہوا کہ صرف ایک قوت جو اُس کے پاس رہ گئی تھی
اُس نے بھی غداری کی تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے
جرمانوں کی معافی سے رعایا کو پھر اپنا بنا لینے کی کوشش کی۔
پوپ سے مضطربانہ مراسلت جاری کر دی، اسقف اعظم کے بلا لینے
پر آمادہ ہو گیا، اور کلیسا سے جبرًا جس قدر روپیہ لیا تھا اس کے
واپسی کا وعدہ کیا۔ بادشاہ کے مزاج کی بے غیرتی اور عیاری
اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ اس نے فورًا ہی یہ ارادہ کر لیا کہ
روم کو اپنا حلیف بنا لے اور مذہبی تہدیدات کو اپنے دشمنوں
کی طرف پھیر دے اور اپنے خلاف میں روم کی کارروائیوں کو
خود روم ہی کے ذریعے سے توڑ دے۔ ۱۵ مئی ۱۲۱۳ع کو پوپ
کے نائب پینڈلف کے سامنے اس نے اظہار اطاعت کیا، اپنی

بادشاہت پوپ کو تفویض کر کے ایک باج گزار ماتحت کے طور پر اسے واپس لیا، اور پوپ کی وفاداری و فرمانبرداری کا حلف اٹھایا انگلستان کو کبھی ایسی سخت قومی ذلت پیش نہیں آئی تھی۔ بعد کے زمانے میں لوگ یہ یقین کرتے تھے کہ اس خبر سے انگلستان میں ایک سنسنی پیدا ہو گئی ہوگی۔ سارا ملک یہ کہہ رہا ہوگا کہ "وہ پوپ کا تابع ہو گیا، اس نے بادشاہت کے نام تک کو ذلیل کر دیا، وہ ایک آزاد شخص کے بجائے غلام بن گیا"۔ مگر اس کے ہمعصر لوگوں کے بیان سے اس قسم کے احساس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ سیاسی کارروائی کے لحاظ سے اس اطاعت کے باعث جان کی کامیابی مکمل ہو گئی تھی۔ فرانسیسی فوج فوراً ہی بے فائدہ غصہ کرتی ہوئی منتشر ہو گئی، اور فلپ جب اس دشمن کی طرف متوجہ ہوا جسے جان نے اس کے خلاف فلینڈرز میں ابھار دیا تھا، تو ارل سالسبری کے تحت میں پانچسو انگریزی جہاز اس بیڑے پر جا گرے جو ساحل سے لگا ہوا اس کی فوج کے ساتھ تھا اور اسے بالکل تباہ کر دیا، اتنے زمانے تک جان نے جس اتحاد کو پختہ کیا تھا آخر وہ ظاہر ہوا۔ بادشاہ خود پائٹو میں اترا، وہاں کے امرا کو اپنے پاس جمع کیا، اور کامیابی کے ساتھ لوار کو عبور کر کے اپنے قومی وطن اینجرز کو فتح کر لیا۔ اسی اثنا میں آٹو نے اپنی جرمن فوج کو فلینڈرز اور بولون کے سواروں، نیز انگریزی فوج کے ایک دستے سے تقویت دے کر شمال کی جانب سے فرانس کو دھمکی دی۔ اس وقت یہ معلوم

ہوتا تھا کہ بس فلپ پر تباہی آگئی' اور حقیقت یہ ہے کہ فلپ کی
قسمت کے ساتھ انگلستان کی ازادی کی قسمت وابستہ تھی، مگر اس
قسمت آزما موقع میں فرانس خود اپنا اور اپنے بادشاہ کا سچا
جان نثار ثابت ہوا' قصبے قصبے سے لوگ فلپ کی مدد کے لئے
پہنچے۔ قسیس کلیسا کے جھنڈوں کے نیچے اپنے آدمیوں کو جمع
کرکے خود ان کے رہبر بنے' دونوں فوجیں للی اور بورنی کے
درمیان بودن کے پل کے قریب ایک دوسرے کے مقابل
ہوئیں۔ اول ہی سے جنگ کی رفتار اتحادیوں کے خلاف
ہو گئی۔ سب سے پہلے اہل فلینڈرز بھاگ نکلے۔ اس کے بعد
وسط فوج کے جرمن' فرانسیسیوں کی کثرت تعداد سے مغلوب
ہو گئے' آخر میں داہنی جانب کے انگریز اسقف بودن کے ایک
شدید حملے سے منتشر ہو گئے۔ اسقف نے جس وقت حملہ کیا اس کے
ہاتھ میں ایک عصا تھا اور اسی عصا سے اس نے ارل سالسبری
کو گرا دیا۔ اس کامل ہزیمت کی خبر جان کو اس وقت پہنچی
جب وہ خود جنوب میں کامیابیاں حاصل کر رہا تھا۔ اس خبر
سے اس کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ پائٹو کے امرانے
معاً اس کا ساتھ چھوڑ دیا' وہ فوراً وہاں سے واپس ہوا اور
پشیمانی اور ذلت کے ساتھ اپنے جزیرے میں پہنچا +

انگریزوں کو جو منشور اعظم' حاصل ہوا' اس کا باعث یہی فتح اسٹف
بودن ہوئی جان نے جس وقت پوپ کی اطاعت قبول کی تھی لینگ
اسی وقت سے وہ بیرنوں سے انتقام لینے کی فکر میں تھا انتظار

صرف اتنا تھا کہ فرانس کے میدان جنگ سے فتحیاب ہو کر لوٹے تو اس طرف متوجہ ہو۔ بیرنوں نے جب دیکھا کہ ان کی خیر نہیں تو اُن میں مقاومت کا خیال پیدا ہو گیا، انہوں نے غیر ملکی مہم میں ساتھ جانے سے تو اس لئے انکار کر دیا تھا کہ وہ خارج از ملت ہے، اور جب یہ عذر رفع ہو گیا تو انہوں نے یہ حجت نکالی کہ ملک سے باہر کی لڑائیوں میں وہ خدمت کرنے پر مجبور نہیں ہیں۔ اگرچہ مخالفت کی اس نئی وجہ پر جان بہت عضبناک ہوا، مگر اس نے ابھی انتقام لینے کا موقع نہیں پایا، اور ایک بڑی فتح کا خواب دیکھتا ہوا وہ پائٹو کو روانہ ہو گیا۔ اُسے یہ توقع تھی کہ اس فتح سے قلپ اور امرا دونوں اس کے قدموں پر گر پڑینگے۔ مگر جب وہ شکست کھا کر واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ امرا اب خفیہ سازش و ریشہ دوانی نہیں کرتے بلکہ علانیہ طور پر آزادی و قانون کے دعوے نے انہیں متحد کر دیا ہے۔ اس تغیر عظیم کا سرگردہ نیا اسقف اعظم تھا جسے انوسنٹ نے کینٹربری کی مسند پر متمکن کیا تھا۔ انگلستان میں وارد ہوتے ہی اسقف اعظم نے اپنا یہ منصبی فرض سمجھ لیا تھا کہ وہ بادشاہوں کی شخصی خود مختاری کے خلاف قدیم انگریزی رواج و قانون کی حفاظت کریگا۔ جس طرح اینسلم نے ولیم احمر کا مقابلہ کیا، جس طرح تھیوبالڈ نے اسٹفن کی بے ضابطگیوں سے ملک کو نجات دلائی، اسی طرح لینگٹن، جان کے ظلم و جور سے ملک کو پاک کرنے پر آمادہ ہو گیا، اس سے پہلے ہی وہ جان کو قسم

کھانے پر مجبور کر چکا تھا کہ نائب کے قانون پر عمل کریگا، اور یہ قانون ہر طرح کی قومی آزادی پر مشتمل تھا۔ جبکہ امرا نے پائٹو جانے سے انکار کیا تو اس نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ وہ ان کے خلاف ہتیار سے کام نہ لے بلکہ قانونی کارروائی پر عمل کرے۔ لیکن اسقف اعظم کا مقصد یہ نہ تھا کہ اس طرح پر فرداً فرداً مظالم روکے بلکہ وہ یہ چاہتا تھا کہ ملک کی قدیم آزادی کو قانون کی بنیاد پر قائم کردے ہنری اول کے وعدے مدت ہوئی فراموش ہو چکے تھے تاآنکہ جافری فنز پٹر نائب السلطنت نے سنٹ البنز کی مجلس میں انہیں پھر یاد دلایا۔ اسی مجلس میں بادشاہ کے نام سے نائب السلطنت نے آئندہ عمدہ حکومت کا وعدہ کیا، اور تمام شاہی عہدہ داروں کو حکم دیا کہ اگر وہ اپنے جسم و جان کی کچھ قدر کرتے ہیں تو جبر ستانی سے باز آئیں۔ جن لوگوں نے اس کے قبل بادشاہ کی مخالفت کی تھی ان سے بادشاہ کی جانب سے درگزر کرنے کا وعدہ کیا گیا، اور ہنری اول کے قانون کا اتباع ملک کے اندر سب پر لازم قرار دیا گیا۔ لینگٹن نے خوب سمجھ لیا تھا کہ اس قسم کی گزشتہ مثالیں بہت مفید مطلب ہوں گی۔ چنانچہ سنٹ پال کے گرجا میں بیرنوں کے ایک دوسرے جلسے کے موقع پر اس نے ہنری اول کا فرمان پیش کیا، اور لوگوں نے نہایت جوش کے ساتھ اسے اصلاحات مطلوبہ کی بنا قرار دیا، لیکن تمام امیدیں فرانسیسی مہم کے نتائج پہ معلق تھیں۔ بووِن کی فتح سے جان کے مخالفین میں قوت آگئی، اور بادشاہ کے انگلستان میں آنے کے بعد ہی بیرنوں نے

خفیہ طور پر سنٹ اڈمنزبری میں جمع ہو کر حلف اُٹھایا کہ وہ اسی شاہی فرمان کے ذریعے سے حصولِ آزادی کا مطالبہ کریں گے، اور بشرطِ ضرورت ہتیار سے کام لینے میں بھی پس و پیش نہیں کریں گے۔ ۱۲۱۵ء کی اوائل جنوری میں وہ مسلح ہو کر بادشاہ کے روبرو حاضر ہوے اور اپنا مطالبہ پیش کیا۔ چند ہی مہینوں میں جان کو معلوم ہو گیا کہ اس مطالبے کی مخالفت بے فائدہ ہے۔ امرا اور اہل کلیسا دونوں اس کے خلاف صف آرا تھے۔ اور اپنی طرف سے جن لوگوں کو اس نے اس معاملے کی وکالت کے لئے بھیجا تھا، انہوں نے واپس آکر یہ کہا کہ فرمان کے خلاف ایک شخص بھی اس کی امداد نہیں کریگا۔ ایسٹر کے موقع پر بیرن دوبارہ مسلح ہو کر بریکلے میں جمع ہوئے اور اپنے مطالبات کی تجدید کی۔ جان جوش میں آکر چلا اٹھا کہ "وہ مجھ سے میری سلطنت ہی کیوں نہیں مانگتے" مگر اس کے انکار پر سارا ملک ایک شخص واحد کی طرح اُٹھ کھڑا ہوا۔ بیرنوں کی فوجیں رابرٹ فزوالٹر کے تحت میں (جو خدا و کلیسائے مقدس کی فوج کا سپہ سالار تھا) مرتب ہوئیں۔ لندن نے اپنے دروازے کھول دئے، اکسٹر اور لنکن نے بھی پایۂ تخت کی مثال کی تقلید کی، اسکاٹلینڈ اور ویلز سے مدد کے وعدے آنے لگے، اور شمال کے بیرن اپنے لندن کے رفقا کے شریک ہونے کے لئے عجلت کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ جان کے ساتھ صرف سات نائٹ تھے اور اس کے مقابلے میں

ایک پوری کی پوری مسلح قوم تھی۔ اس نے اجرتی سپاہیوں
بلایا تھا اور اپنے آقا پوپ سے مدد کی التجا کی تھی، مگر طلب
التجا دونوں کا وقت گزر گیا تھا۔ غم و غصہ کی حالت میں
کو ضرورت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا اور اس نے بیرنوں
رونیمیڈ میں مشورے کے لئے بلایا *

جُزوِ سُوّم

منشورِ اعظم

۱۲۱۵ — ۱۲۱۷

اسناد۔ ڈاکٹر اسٹبز نے اپنے سلکٹ چارٹرز (فرامین منتخب
Select Charters میں قابل قدر توضیحات کے ساتھ منشور کی اصل
عبارت نقل کی ہے اور مسٹر پیرسن نے اس کا ایک مفید خلاصہ لکھ دیا ہے

اسٹینس اور ونڈسر کے مابین دریائے ٹیمز کے اندر ایک جزیر
بحث کرنیکے لئے منتخب ہوا تھا۔ ایک کنارے پر بادشاہ کا خیم
نصب ہوا اور دوسری طرف اس دلدل میں جو اب تک رونیم
کے نام سے مشہور ہے بیرنوں نے پڑاؤ ڈالا، دونوں طرف
کے وکلا درمیان کے جزیرے میں یکجا ہوئے مگر اس بحث سے جا
کے غیر مشروط انقیاد پر محض ایک پردہ ڈالنا مقصود تھا۔ منشور اعظ
پر ایک ہی دن کے اندر بحث بھی ہوئی، اتفاق بھی ہوا اور اس

دستخط بھی ہو گئے۔

اس کی ایک نقل ابتک برٹش عجائب خانے میں موجود ہے، اگرچہ مرور ایام اور آتشزدگی سے کاغذ خراب ہو گیا ہے مگر شاہی مہر اسس توڑے مڑوڑے ہوئے بد رنگ سے کاغذات پر صاف موجود ہے، انگریزی آزادی کی اس اولین یادگار پر (جسے ہم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے اور اپنے ہاتھوں سے چھو سکتے ہیں) ممکن نہیں کہ نظر پڑے اور اس کی عظمت کا خیال دل میں نہ پیدا ہو جائے۔ یہی منشور اعظم ہے جسے ہر عہد کے محبان وطن انگلستان کی آزادی کی بنا قرار دیتے رہے ہیں مگر بجائے خود اس فرمان میں کوئی خاص جدت نہیں تھی، نہ اس کے ذریعے سے نظام حکومت کے کسی نئے اصول کے قائم کرنیکا دعوی کیا گیا تھا۔ اس کی تمامتر بنا ہنری اول کے فرمان پر ہے، اور اس میں جو اضافہ ہوا ہے وہ زیادہ تر ہنری دوم کے جاری کردہ عدالتی و انتظامی تغیرات کا باضابطہ تسلیم کیا جانا ہے مگر قدیم فرامین کے مبہم بیانات اب معین و مشرح قواعد سے بدل دئے گئے تھے۔ غیر تحریری رسم و رواج جنہیں قدیم فرامین نے اجمالاً تسلیم کر لیا تھا آنجو یونکو پابند رکھنے کے لئے بہت کمزور ثابت ہوئے اور بیرنوں نے اب انہیں باطل کر کے تحریری قانون کی قیدیں عاید کر دیں۔ یہی تغیر منشور اعظم کا مابہ الامتیاز ہے اثبات حقوق کا وہ زمانہ جس کا انحصار محض حافظے اور زبانی روایتوں پر تھا اور اسقف اعظم سرکاری طور پر ان کا اعلان کر دیا کرتا تھا، اب تحریری آئین و قوانین

اور پارلیمنٹ کے زمانے سے بدل گیا۔ فتوائے تعطل کی کشمکش
دوران میں یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ کلیسا میں خود اپنی حفاظت
کس قدر قوت ہے اور جس دفعہ کے رو سے کلیسا کے حقوق تس
کئے گئے تھے صرف وہی دفعہ اپنی قدیم اور عام شکل میں ق
رہی مگر جب یہ فرمان عام انگریزوں کے حقوق کی بحث تک
پہنچتا ہے تو ہر قسم کا ابہام رفع ہو جاتا ہے، انہیں صاف ال
میں عدل و انصاف، حفاظت جان و مال اور شایستہ حکوم
کا استحقاق دیا گیا تھا، وہ قابل یادگار دفعہ جو انگلستان
تمام انتظام عدالت کی بنا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ "کو
آزاد شخص نہ گرفتار کیا جائیگا، نہ قید کیا جائیگا، نہ اپنی جائدا
سے محروم کیا جائے نہ محافظت قانون سے خارج کیا جائے
نہ کسی اور طرح سے تباہ کیا جائیگا۔ آئین ملک اور امرا
قانونی فیصلوں کے سوا ہم نہ خود کسی طرح پر کسی کے خلاف
کارروائی کرینگے نہ کسی اور کو ایسی کارروائی کرنیکی اجازت
دینگے" دوسری دفعہ یہ تھی کہ "کسی شخص کے حق و انصاف
نہ ہم فروخت کرینگے، نہ اس سے انکار کرینگے نہ اس میں تا
کرینگے" عہدہائے گزشتہ کی بڑی بڑی اصلاحیں اب حسب ضا
تسلیم کر لی گئی تھیں، ججوں کو سال میں چار مرتبہ گشت کرنا
تھا، اور شاہی عدالت اب ملک میں بادشاہ کے ساتھ سا
پڑی نہیں پھرتی تھی بلکہ ایک خاص مقام پر نشست کرتی تھی
مگر جان کے عہد میں نا انصافی کا اس قدر خطرہ نہیں تھا جس قد

خود اس کے اور اُس کے پیشتر کے عہد میں خلاف قانون استحصال کا خطرہ درپیش تھا۔ ہنری ثانی نے بدل خدمت کا جو طریقہ جاری کیا تھا رچرڈ نے اس کی مقدار بڑھا دی اور اپنی رہائی کے لئے روپیہ جمع کرنے میں اس سے کام لیا، اس نے (ہل کا محصول) نام رکھ کر بارہا کا منسوخ شدہ ڈین گلڈ (محصول اراضی) دوبارہ جاری کر دیا تھا، فرقہ سسٹرشین کے اون اور گرجاؤں کے برتنوں پر قبضہ کر لیا تھا، جائداد منقولہ و غیر منقولہ سب پر محصول لگا دیا تھا، جان نے بدل خدمت کی مقدار اور بڑھا دی، اور بیرنوں کی صلاح کے بغیر محض اپنی مرضی سے امداد، جرمانہ، رقم فدیہ، عاید کیا کرتا تھا، منشور اعظم نے ایک قاعدے کے ذریعے سے اس خرابی کو رفع کر دیا اور اسی قاعدے پر انگلستان کے نظام حکومت کی بنا قائم ہے۔ تین مروجہ حقوق جاگیرداری کی امداد علی حالہ بادشاہ کے لئے قائم رکھی گئی تھی، دوسری تمام قسم کے محاصل کے لئے صاف تحریر کیا گیا تھا کہ "بغیر ملک کے عام مشورے کے کسی قسم کا بدل خدمت یا مطالبہ امداد ملک پر عاید نہیں کیا جائیگا"۔ اس عظیم الشان مجلس کے لئے یہ قرار پایا تھا کہ مقتدایانِ دین اور بڑے بڑے بیرن خاص تحریر کے ذریعے سے بلائے جائینگے اور دوسرے تمام مستاجرین شیرف[1] اور بیلف[2] کے توسط سے طلب کئے جائینگے اور اس کی اطلاع کم از کم چالیس روز قبل دی جائیگی۔ اس قاعدے نے غالباً اس عام رواج کو منضبط کر دیا تھا جو ملک

---

[1] ضلع کا ناظم ۔ [2] محصّلِ شاہی ۔

میں پہلے سے جاری تھا مگر اس انضباط نے اسے ایک قومی حق کی شکل میں بدل دیا، اور حق بھی ایسا مہتم بالشان کہ اسی سے انگلستان کی تمام پارلیمنٹ میں جان پڑ گئی۔

بیرنوں نے جو حقوق اپنے لئے طلب کئے وہی حقوق انہوں نے عامۂ قوم کے لئے بھی طلب کئے۔ وضیع ہو کہ شریف انصاف کی نعمت سب کے لئے ایک عام نعمت تھی مگر خاص غریبوں کی حفاظت کے لئے ایک اور قاعدہ بھی بنایا گیا تھا یعنی جن جرائم میں ضبطی کی سزا دی جاتی تھی اس میں کسی آزاد شخص کا مکان سکونت یا کسی سوداگر کا اسباب، یا دیہات میں رہنے والوں کی گاڑی شامل نہیں تھی، حصول معاش کے آلات کی ضبطی سے ادنیٰ ترین اشخاص بھی مستثنیٰ تھے۔ اجیر اور کسانوں کو زمینداروں کے تشدد سے بچانیکے لئے وہی انتظام کیا گیا تھا جو انتظام زمینداروں کے لئے بادشاہ کے خلاف ضابطہ استحصال کے مقابلے میں کیا گیا تھا۔ قصبات کو اپنے حقوق مدنیت سے منتفع ہونے، بے قاعدہ محصول سے آزاد رہنے، انصاف و باہمی مشورہ و مباحثہ اور تنظیم تجارت کی طرف سے اطینان دلایا گیا تھا۔ "شہر لندن اپنی ہر طرح کی قدیم آزادی اور اپنی بری و بحری چنگی سے مستفید ہو، اس کے علاوہ ہماری مرضی ہے کہ تمام دوسرے شہر اور قصبے بھی اپنی ہر قسم کی آزادیوں اور محصولات چنگی سے فائدہ اٹھائیں۔ ہم ان سب کو یہ حقوق عطا کرتے ہیں" فرقۂ تجار کا اثر دوسرے دو قانونوں سے ظاہر ہوتا ہے

جن کے ذریعے سے غیر ملکی تاجروں کے لئے سفر و تجارت کی آزادی حاصل کی گئی تھی اور تمام ملک میں ایک وزن اور ایک پیمانیکے اجرا کا حکم دیا گیا تھا۔ صرف ایک مرحلہ باقی رہ گیا تھا اور وہی سب سے مشکل مرحلہ تھا یعنی منشور کے ان احکام کی ملک میں تعمیل کس طرح جاری ہو۔ نئی خرابیاں آسانی سے رفع کر دی گئیں۔ ضمانت کے طور پر جو لوگ بادشاہ کے ہاتھ میں تھے وہ اپنے گھروں کو واپس کر دئے گئے غیر ملکی اشخاص ملک سے خارج کر دئے گئے مگر ایک ایسے بادشاہ پر قابو رکھنے کا ذریعہ پیدا کرنا جس پر کسی کو اعتماد نہ ہو آسان نہ تھا۔ بیرنوں میں سے پچیس شخص منتخب کئے گئے کہ جان کو مجبور کریں کہ اس منشور پر عمل کرے اور انہیں یہ اختیار دیا گیا کہ اگر منشور کے قواعد سے تجاوز کیا جائے تو بادشاہ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیں، یہ منشور تمام ملک میں شائع کیا گیا؛ اور مجلس حلقہ اور مجلس شہر میں بادشاہ کے حکم سے اس پر حلف اٹھائی گئی؛

اس وقت غصے سے ازخود رفتہ ہو کر جان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ "انہوں نے مجھ پر پچیس شہنشاہ مقرر کئے ہیں" وہ فرش زمین پر گر پڑا اور فرط غضب سے لکڑی اور پیال کو دانتوں سے نوچنے لگا لیکن اس سے کچھ حاصل نہ ہوا اس کا غصہ فوراً عیارانہ حیلوں سے بدل گیا، چند روز بعد اس نے ونڈسر کو چھوڑ دیا اور کئی مہینے تک روم اور براعظم کی مدد کے انتظار میں جنوبی ساحل پر پڑا رہا۔ روم کا تابع

ہو جانا خاص بمقصد سے خالی نہیں تھا انوسنٹ اپنی جگہ پر یہ خواب دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنی سرگردگی میں ایک بڑی نصرانی شہنشاہی قائم کر دے اور شاہان ماتحت کو عدل و انصاف و دین و مذہب پر چلنے کے لئے مجبور کرے۔ جان اپنی جگہ یہ یقین کرتا تھا کہ پوپ کی سرپرستی میں وہ جس قدر خود مختارانہ طریقے سے چاہیگا حکومت کرسکیگا۔ پوپ کا رعب و داب ہر وقت اس کی کمک کے لئے موجود رہیگا۔ اس کے سفیر روم پہنچ چکے تھے۔ انوسنٹ نے اس امر سے غضبناک ہو کر کہ جو معاملہ بحیثیت شہنشاہ کے اس کی عدالت مرافعہ میں آنا چاہئے تھا اسے سلحشوری و بغاوت سے طے کیا جائے، منشور اعظم کو منسوخ اور اسٹفن لینگٹن کو اسقف اعظم کے فرائض ادا کرنے سے معطل کر دیا، موسم خزاں کے ساتھ ہی سمندر پار سے غیر ملکی سپاہیوں کی ایک بھیر لوائے شاہی کے نیچے جمع ہو گئی اور بیرنوں کی غیر منتظم فوجوں کے خلاف بڑھ کر اس نے اہل روچسٹر کو فاقہ کشی سے اطاعت پر مجبور کر دیا، اور وسطی صوبوں کو تباہ کرتی ہوئی شمال کی طرف روانہ ہو گئی۔ جان کی سپاہ اجیر تمام سطح ملک پر ٹڈی دل کی طرح پھیل گئی، بادشاہ مظفر و منصور بروگ سے پلٹا تاکہ لندن میں اپنے دشمنوں کو گھیر لے اور اس کے ساتھ ہی بیرنوں کو اور شہر لندن کو خارج از ملت کرنے کے لئے پوپ کے نئے فرمان نازل ہو گئے، مگر اہل شہر نے انوسنٹ کی کچھ

پروا نہ کی انہوں نے صاف صاف کہدیا کہ "دنیاوی معاملات کے انتظام سے پوپ کو کوئی سروکار نہیں ہے" ان الفاظ میں گویا آئندہ زمانے کے لولارڈی[1] خیالات کی خفیف سی جھلک پائی جاتی تھی اور اسقف اعظم کے بھائی سیمن لینگٹن کی صلاح سے بدستور سابق کلیساؤں میں جرس بجائے گئے اور نماز ادا کی گئی، دیہات و قصبات کی ناشایستہ فوج محافظ سے بادشاہ کی ترتیب یافتہ فوج کا مقابلہ کرنا غیر ممکن تھا مایوس ہوکر بیرنوں نے فرانس سے کمک طلب کی۔ جان سے بدلا لینے کے لئے فلپ مدت سے موقع ڈھونڈ رہا تھا، اور انوسنٹ کے فتوائے اخراج کے باوجود اس کے بیٹے لیوس نے فوراً انگلستان کا تاج قبول کر لیا اور ایک بڑی فوج ساتھ لئے ہوئے کنٹ میں آپہنچا۔ بیرنوں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ جان کی فوج میں جتنے فرانسیسی نوکر ہیں وہ شاہ فرانس کے خلاف لڑنے سے انکار کر دینگے اور ایسا ہی ہوا۔ تمام صورتِ معاملات یک بیک بدل گئی، فوج کے ایک بڑے حصے نے بادشاہ کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ مجبور ہوکر بعجلت تمام ویلز کی سرحد کی طرف پلٹ گیا ادھر اس کا حریف لندن میں داخل ہو گیا اور ملک کے اکثر صوبوں نے اس کی

---

[1] وکلف کے پیرو لولارڈ کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ اس فرقے کو اڈورڈ سوم کے زمانے میں عروج حاصل ہوا، اور انہیں کی تعلیمات کی وجہ سے ہنری ہشتم کے زمانے میں "اصلاح شدہ عقائد" کے اجرا میں آسانی ہوئی۔ یہ لوگ دولتمند اہل کلیسا کے خلاف تھے اور ان کا اخص الخاص عقیدہ یہ تھا کہ کتاب مقدس کو ہر شخص بطور خود سمجھنے کا حق رکھتا ہے ♦

اطاعت قبول کر لی صرف ڈاور سختی کے ساتھ لیوس کے خلاف قائم رہا۔ بار بار یلغار کر کے جان کو بیرنوں کا منصوبہ توڑنے اور لنکن کو رہائی دلانے میں کامیابی ہو گئی، بعد ازاں لِن میں کسی قدر ٹھہر کر شمال میں جدید کارروائیوں کے لئے اس نے دریائے ولنس کو عبور کیا، مگر اس عبور میں اچانک دریا کے چڑھ جانے سے اس کی فوج مضطر ہو گئی اور اس کا تمام سامان شاہی خزانے سمیت بہ گیا۔

خانقاہ سوائن ہیڈ میں اس آوارہ و پریشان ظالم کو بخار آگیا۔ عیاشی و پرخوری نے مرض کو اور بڑھا دیا، اور نیوارک میں موت اسے کھینچ کر لے گئی۔ مرتے ہی تمام معاملات کی صورت ہی بدل گئی اس کا بیٹا ہنری نو برس کا بچہ تھا تمام شاہی اختیارات ولیم مارشل کے ہاتھ میں چلے گئے۔ انگلستان کے محبان وطن میں اس شخص کا درجہ نہایت ہی بلند ہے، اس نو عمر بادشاہ کی تاجپوشی کے عمل میں آتے ہی ارل اور پوپ کے قائم مقام نے بیٹے کے نام سے وہی فرمان جاری کیا جسکے نیچے باپ نے جان دی تھی صرف انتظام محاصل اور پارلیمنٹ کے دفعات اب بھی معطل رکھے گئے امرا بہت جلد جلد فرانسیسی لشکرگاہ کو چھوڑ چھوڑ کر علحدہ ہونے لگے کیونکہ لیوس کے ساتھ قومی رقابت اور اس کی طرف سے بیوفائی کا اندیشہ دلوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہنری کی کم سنی دبے لبی سفارش کر رہی تھی کہ اس کے معاملے میں رحم سے کام لیا جائے اور

باپ کی برائیوں کا عوض بچے سے نہ لیا جائے۔ ولیم مارشل کے ایک دلیرانہ اقدام نے اس کشمکش کا فیصلہ کردیا کاؤنٹ پرچی اور رابرٹ فزوالٹر کی سرکردگی میں ایک متحدہ فرانسیسی و انگریزی فوج لنکن کا محاصرہ کئے ہوئے تھی کہ مارشل شاہی قلعوں کی فوجیں جمع کرکے اس محاصرہ کے توڑنے کو بجلی کی طرح جاگرا۔ تنگ کوچوں اور ڈھلوان سڑکوں میں گھر جانے اور ادھر سے مارشل اُدھر سے فوج قلعہ نشین کے ساتھ ہی حملہ کر دینے سے محاصرین مایوس و منتشر ہو کر بھاگ نکلے کاؤنٹ پرچی میدان میں کام آیا اور رابرٹ فزوالٹر قید ہو گیا۔ لیوس، ڈاور کو گھیرے ہوئے تھا، وہ بھی لنڈن کو واپس آ گیا اور فرانس سے کمک طلب کی، مگر ایک سخت شکست نے اس کی رہی سہی امیدوں کو بھی خاک میں ملا دیا۔ ایک چھوٹا سا انگریزی بیڑہ ہیوبرٹ ڈی برگ کے تحت میں ڈاور سے روانہ ہو کر ان فرانسیسی جہازوں پر حملہ آور ہوا جو آبنائے کے مشہور قزاق ایوسٹس راہب کی سرکردگی میں امدادی فوج لئے ہوئے آ رہا تھا، اس جنگ سے اس زمانے کا بحری طریق جنگ بہت خوبی سے واضح ہوتا ہے۔ انگریزی جہازوں کے عرشہ سے تیراندازوں نے بار برداری کے بڑے بڑے جہازوں پر تیر برسانے شروع کر دئے، اور دوسرے لوگوں نے دشمنوں کے منہ پر چونا پھینکنا شروع کیا، جو زیادہ بھرتیلے جہاز تھے وہ اپنے فولادی سر سے فرانسیسی جہازوں کے پہلوؤں میں ٹکر مارنے لگے، سنک پورٹز کے

لاحوں کی کاروانی کی وجہ سے مخالفین کی بڑھتی ہوئی تعداد پر بھی فتح انگریزوں کے ہاتھ رہی ۔ ایوسٹس کا بیڑہ بالکل ہی تباہ ہوگیا، شاہی فوج نے فوراً لندن کو گھیرلیا، مگر مقادمت درحقیقت ختم ہوچکی تھی ۔ لیمبتھ میں ایک معاہدہ ہوا اور اس کی رو سے یوس نے یہ وعدہ کیا کہ ایک رقم معینہ کے ادا ہو جانے پر (جس کا اس نے بطور قرض کے مطالبہ کیا تھا) وہ انگلستان سے چلا جائیگا، اس کے حامیوں کو ان کی جائدادیں واپس دے دی جائینگی، لندن اور دوسرے شہروں کی آزادی برقرار رہیگی اور جانبین کے قیدی رہا کر دئے جائینگے ۔ اب غیر قوم کے نکل جانے سے انگلستان کے مدبروں کو دوبارہ اصلاحی کاموں کے جاری کر دینے کی آزادی مل گئی اور (کسی قدر ترمیم کے ساتھ) منشور اعظم کی جدید اشاعت سے ارل مارشل کے مزاج و طرز عمل کا صاف اعلان ہو گیا +

جزو چہارم

یونیورسیٹیاں یعنی دار العلوم

میونیمنٹا اکیڈیمیکا (Munimenta Academica مرتبۂ

مسٹر اینٹی میں یونیورسٹی کے متعلق بہت کثیر مواد جمع کیا گیا ہے۔ "ابتدائی تاریخ آکسفورڈ" پر اپنے دو مضمون مطبوعہ میکمیلین میگزین سے بھی میں نے بہت کچھ اخذ کیا ہے۔ بیکن کے حالات کے لئے "سلسلۂ صحائف" میں اسی کی تصنیف اپیرا آینڈیٹا (Opera Inedita) دیکھنا چاہئے۔ اس میں ڈاکٹر برودر کا قابل قدر مقدمہ بھی شامل ہے۔ ڈاکٹر وہول نے اپنی ہسٹری آف دی انڈکٹو سائینسز (تاریخ علوم استقرامیہ History of the Inductive Sciences میں اس کی نسبت اظہار رائے کیا ہے'

ملکی سیاسیات کے شور و شغب سے نکل کر اب ہم اس خاموشانہ انقلاب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کی اہمیت کسی طرح ملکی سیاسیات سے کم نہیں ہے اور جس سے انگلستان کی قومی تعلیم کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ ہنری سوم کے عہد سے انگریزوں کے ذہنی نشو و نما میں دارالعلوم کا اثر قطعی طور پر نمایاں ہونے لگا تھا۔ کیمبرج کی ابتدائی تاریخ کا حال ہمیں اس قدر کم معلوم ہے کہ وہ بمنزلہ نہ معلوم ہونے کے ہے، مگر آکسفورڈ نے جس طرح تعلیمی عظمت حاصل کی اس کے ابتدائی واقعات کا پتہ چلانیکے لئے بہت کچھ مواد موجود ہے۔ جنگ صلیبی سے تمام ممالک عیسوی میں ایک نئی تحریک یہ پیدا ہو گئی تھی کہ یورپ میں ہر جگہ بڑے بڑے مدارس، دارالعلوم کے نام سے قائم ہونے لگے تھے، مشرق اس وقت یورپ سے تعلیم میں بہت بڑھا ہوا تھا، پس مشرق کے تعلقات کے باعث یورپ میں بھی تعلیم کا ایک نیا جوش پیدا ہو گیا تھا، ایڈلرڈ (باتھ) کے سے سیاح قرطبہ و بغداد کے مدارس سے علوم طبیعی و ریاضی کی

ابتدائی کتابیں یورپ میں لائے تھے - بارھویں صدی میں ادب القدما کی تجدید نے قیصر اور ورجل کو خانقاہوں کے نصاب تعلیم میں شامل کر دیا تھا اور اسی کا اثر تھا کہ اس زمانے کی تحریرات میں اظہار علم کا ایک انداز خاص پیدا ہو گیا تھا اور ولیم (مامزبری) اور جان (سالسبری) وغیرہ مصنفین نے اپنی کتابیں قدما کے اقتباسات سے بھر دی تھیں۔ پیرس کے مدارس میں منطقیانہ فلسفہ اسی سے پیدا ہوا۔ بولون کے علما نے اسی کی رہبری میں رومی قانون کو از سر نو زندہ کیا۔ جاگیرداروں کے زمانے کا ذہنی جمود اس طرح غائب ہو گیا جیسے آفتاب سے برف پگھل جائے۔ لینفرینک اور اینسلم کے سے گشت کرنیوالے مدرسین جدید علمی قوت کی اشاعت کے لئے بر و بحر کو قطع کرتے پھرتے تھے۔ جس طرح نوع انسان کے قدیم روایات نے ممالک یورپ کے آدھے باشندوں کا ایک سیلاب، اضطراب و اشتیاق و بیتابی کے ساتھ مسیح کی قبر کی طرف رواں کر دیا تھا۔ اسی طرح اب تمام راہیں ان ہزاروں نو جوان طلبہ سے بھر گئیں جو ایک عام جوش میں ان مشہور درس گاہوں کو جاتے نظر آتے تھے جہاں مدرسین کا مجمع ہوتا تھا جس دنیا میں اب تک محض بہیمی طاقت کا دور دورہ تھا اب اس میں ایک روحانیت جوشزن ہو گئی تھی، وہ علما جو ہر ایک عبادتگاہ میں درس دیتے پھرتے تھے سب کے سب غریب بلکہ ان میں سے اکثر غلاموں کی اولاد میں سے ہوتے تھے،

لیکن لوگ انبوہ در انبوہ ان کے قدم چومنے کے لئے جمع ہو جاتے اور انہیں ماسٹر (آقا - مولانا) کہ کر پکارتے۔ ایبلرڈ ایک ایسا دشمن تھا جس کے لئے مجالس ملکی کے تہدیدات اور کلیسا کی برق و رعد کی ضرورت تھی، صرف ایک باشندہ لمبارڈی کی تعلیم انگلستان میں اتنی پر خطر سمجھی گئی کہ اس کی ممانعت کے لئے ایک بادشاہ کو اپنی عنان توجہ ادھر پھیرنی پڑی۔ وکیریس نے جب بمقام آکسفورڈ قانون ملکی پر درس دینا شروع کیا تو اسٹفن نے اسے فوراً ہی روک دیا۔ مگر بیکٹ اور جان آف سالسبری ؟ پہلے ہی سے وہاں اس فن کے مطالعہ میں مشغول تھے۔ وکیریس غالباً اسقف اعظم تھیوبالڈ کا مہمان رہ چکا تھا۔ اسٹفن اس وقت کلیسا سے برسر جنگ تھا اور شاہی اقتدار کی تباہی کے باعث جس طرح طاقت و قوت تھیوبالڈ کے ہاتھ میں جا رہی تھی اس پر وہ حسد کرتا تھا +

وکیریس کی آمد کے وقت آکسفورڈ، انگلستان میں اول درجے کا شہر تھا۔ چرول اور بالائے ٹیمز کے چشموں سے ایک جزیرہ نما کے بلند و خشک طبقہ پر ایک سنگین فصیل کے اندر یہ شہر واقع تھا اور شہر کے مکانات کی گنجان آبادی میں سنٹ مارٹن کا کلیسا سب میں سربلند نظر آتا تھا۔ شہر کے مشرق و مغرب دونوں جانب کی زمینیں سراشیب ہوتی ہوئی سب دریا سے جا ملی تھیں۔ مگر جنوبی رخ کی زمین بالکل نشیب میں تھی اور دلدل کی چراگاہوں سے گزرتی ہوئی شہر کے

پل تک چلی گئی تھی آس پاس کے جنگل اور ویرانے کولی اور بلنگڈن
کی دلدل میں واقع تھے اور شاٹور اور بیگلی کے وسیع جنگل جنوب
و مشرق کے افق کو ڈھانکے ہوئے تھے۔ اگرچہ اس کے نارمن قلعے
کے دو عظیم الشان برجوں سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ دریا کی وادی
پر حاوی ہونیکے باعث آکسفورڈ کو فوجی مقام ہونے کی حیثیت
حاصل ہے (کیونکہ جنوبی انگلستان کی تمام تر تجارت اس راستے
سے گذرتی تھی) مگر اس کی شہرپناہ کی تعمیر میں فوج کے رکھنے کا
لحاظ شاید بہت ہی کم کیا گیا تھا، بلکہ شمال کے سوا اور
ہر طرف سے شہر کی حفاظت صرف چرول کی دلدل اور
سبزہ زار یا ان متعدد چشموں سے ہوتی تھی جو ٹیمز سے نکل کر
میدان اوسنی میں پھیلے ہوئے تھے، انہیں سبزہ زاروں کے
درمیان اسٹن گینٹس کی مثلث نما خانقاہ اور اس سے بھی قدیم تر
سنٹ فرڈسوائڈ کی خانقاہ واقع تھی اور ان دونوں خانقاہوں
سے شہر میں ایک گونہ عظمت و شان پیدا ہو گئی تھی، ڈی اُلس
کے نارمن خاندان کا قلعے کے اندر قیام تھا فصیل کے باہر والے
قصر شاہی میں شاہان انگلستان اکثر آتے رہتے تھے اور مجالس
سیاسی کے بار بار وہاں منعقد ہونے سے ظاہر ہوتا تھا کہ ملک
کے اندر آکسفورڈ کس قدر سیاسی عظمت رکھتا ہے۔ عین شہر کے
وسط میں دولتمند یہودیوں کے بس جانے سے شہر کے کاروبار
میں رونق بڑھ گئی تھی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ
خود یہ شہر تجارت کے لئے کس قدر موزوں ہے۔ فتح کے بعد

نارمن کے قبضۂ اقتدار میں آکر جس طرح دفعۃً صنعت و حرفت میں وسعت ہوئی، تجارت و دولت کو جس طرح فوری ترقی حاصل ہوئی، اس کا مشاہدہ آکسفورڈ سے بہتر کہیں اور نہیں ہو سکتا۔ شہر کے مغرب میں ایک بہت ہی شاندار و بلند قصر واقع تھا اور اس سے کچھ نیچے اتر کر سبزہ زاروں میں اوسنی کی خانقاہ تھی اور اس کی شان و زیبائش بھی قصر سے کسی طرح کم نہ تھی۔ شمال کے میدان میں آخری نارمن بادشاہ نے اپنا محل بوماٹ تعمیر کیا تھا، سنٹ فرڈسوائڈ کے پادریوں نے وہ گرجا تیار کیا تھا جو مستقر اسقفی کے کلیسائے خاص کے نام سے اب بھی موجود و برقرار ہے، مزید برآں نارمن حاکمانِ قصر نے دینداری کے خیال سے شہر کے تقریباً تمام محلوں کے گرجوں کو از سر نو بنا دیا تھا اور اپنے نئے قصر کی دیواروں کے اندر خادمانِ سینٹ جان کا گرجا تعمیر کر دیا تھا اس کی وجہ صاف نہیں معلوم ہوتی کہ طلبہ و مدرسین آکسفورڈ کی دیواروں کے اندر کیوں جمع ہوئے۔ ممکن ہے کہ اور مقامات کی طرح یہاں بھی کسی معلم نے قدیم تعلیمات میں جان ڈال دی ہو، اور اوسنی اور سینٹ فرڈسوائڈ کی خانقاہوں میں ایسے مدرسے موجود ہوں جن میں وکیریس کی تحریک سے وسعت پیدا ہوگئی ہو۔ مگر اس وقت تک پیرس کی آب و تاب کے سامنے یہاں کے دارالعلوم کی کوئی ہستی نہیں معلوم ہوتی تھی انگریزی طلبہ ہزاروں کی تعداد میں ولیم (چیمپو) اور ایبلرڈ کے درس میں

جمع ہوتے تھے اور دوسری قوموں کی طرح انگریزوں کی حیثیت بھی فرانس کے دارالعلوم میں ایک فرقہ کی سی تھی - جان (سالسبری) کی شہرت پیرس کے مدرس کے طور پر ہوئی، بکٹ کو اپنے مرٹن کے مدرسے سے پیرس کو جانا پڑا، مگر ہنری دوم کے پُر امن زمانے میں آکسفورڈ اپنے طلبہ کی تعداد اور اپنی علمی شہرت میں آہستہ آہستہ ترقی کرتا جاتا تھا، وکیریس کی آمد کے چالیس برس بعد آکسفورڈ کی علمی وقعت اچھی طرح قائم ہو گئی تھی، جیرلڈ (ویلزی) کا بیان ہے کہ جب اس نے آکسفورڈ کے طلبہ کے سامنے آئرلینڈ کے ارضی و موسمی کیفیات کا خاکہ پیش کیا ہے اس وقت اس کی دیواروں کے اندر فاضل ترین و مشہور ترین انگریزی پادری موجود تھے، تیرھویں صدی کے شروع میں ملک کے اندر آکسفورڈ کا کوئی مدمقابل نہیں تھا، یورپ کی نگاہوں میں اس کا درجہ معزز سے بڑے سے بڑے مدرسوں کے ہمپایہ تھا مگر اس وقت کے آکسفورڈ کے سمجھنے کے لئے ہمیں اپنے دل سے موجودہ آکسفورڈ کے تمام خیالات کو محو کر دینا چاہیئے - اُس زمانے کے نئے دارالعلوم میں اس قسم کی شان و شکوہ نہ تھی جسے دیکھ کر آج آکسفورڈ میں قدم رکھتے ہی ہر شخص محو حیرت ہو جاتا ہے، پُر عظمت کالجوں کے طویل سلسلے اور ناروں کے درختوں کی شاندار و سایہ دار روشوں کے بجائے ازمنہ وسطی کی ذلیل و غلیظ گلیاں تھیں اور ہزارہا طلبہ مبتذل اقامتگاہوں میں بھرے ہوتے تھے یہ طلبہ گرجا اور مکانات کے دروازوں کے اندر اپنے مدرسین کے گرد جمع ہوتے تھے اور مدرسین بھی غربت کے اعتبار سے

انہیں کے مثل تھے۔ یہ لوگ سڑکوں کے کنارے پانی پیتے، آپس میں جھگڑتے، گولیاں کھیلتے، خیرات مانگتے پھرتے تھے۔ یہی لوگ اس وقت کے طلبہ اور اساتذہ کے زرق برق مجمع کے پیشرو تھے۔ اس آتش افروز گروہ کے ہیجان و جوش کے فرو کرنے کی فکروں میں حاکم بلدہ اور رئیس دارالعلوم دونوں بیکار حیران و پریشان رہتے تھے۔ نوجوان امرا کے ساتھ جو خدام دارالعلوم میں آتے تھے وہ ان کی خاندانی نزاعوں کے باعث سڑکوں پر جھگڑتے تھے۔ کنٹ اور اسکاٹلینڈ کے طلبہ آپس میں اسی قسم کی لڑائیاں لڑتے تھے جو جنوب و شمال میں باہم ہوتی تھیں۔ راتوں کو فتنہ انگیز و عیاش طلبہ شعلیں ہاتھ میں لئے تنگ گلیوں میں گشت کرتے پھرتے، حاکمانِ شہر کا مقابلہ کر بیٹھتے۔ اور اہل شہر کو انہیں کے دروازوں پر کاٹ کر ڈال دیتے تھے۔ کبھی کبھی ان اہل علم کا کوئی غول یہود کے محلّہ میں گھس جاتا اور دو ایک مکانوں کو لوٹ کر بہی کھاتوں اور دستاویزوں کا نشان تک مٹا دیتا تھا، کبھی کبھی کسی طالبعلم اور اہل شہر کے درمیان کسی شرابخانے میں جھگڑا ہو پڑتا اور اس سے ایک عام ہنگامہ کی صورت پیدا ہو جاتی۔ ایک طرف دارالعلوم میں سینٹ میری کے گرجا کا اور دوسری طرف شہر میں سینٹ مارٹن کے گرجا کا گھنٹہ بجتا اور فریقین ہتیار سنبھال کر ایک دوسرے کے مقابلہ پر تل جاتے۔ اس فتنہ پرداز و خانہ بر انداز گروہ کے لئے ہر ایک مذہبی اختلاف

یا سیاسی مناقشہ کسی نہ کسی جھگڑے کے اُٹھنے کا پیش خیمہ ہو جاتا تھا، جس وقت انگلستان پوپ کے مطالبات سے چیں بہ جبیں ہو رہا تھا اس زمانے میں طلبہ نے اوسنی کے رئیس خانقاہ کے مکان میں پوپ کے ایک وکیل کو گھیر لیا۔ بیرنوں کی جنگ تو ابھی شروع بھی نہیں ہوئی تھی کہ یہاں اہل شہر اور طلباء دار العلوم میں جنگ کا آغاز ہو گیا تھا۔ پرانا مقولہ تھا کہ "جب آکسفورڈ چاقو نکالتا ہے انگلستان میں بہت جلد فساد برپا ہو جاتا ہے۔"

مگر یہی شورش و ہیجان زندگی قوم کی علامت تھی۔ علم کی شدید تشنگی، انہماک علمی کی حد سے بڑھی ہوئی تمنا ایک تازہ وارد عالم کے گرد ہزاروں شخصوں کو کھینچ لاتی اور با برہنہ خیر مقدم کیا جاتا اڈمنڈ رک، کنٹربری کا اسقف اعظم اور زمانہ مابعد کا ولی ایک چھوٹی سی گلی سے جو اب تک اینگڈن کے نام سے مشہور ہے بارہ برس کی عمر میں آکسفورڈ آیا تھا۔ اس نے اپنا مدرسہ خانقاہ الشیم سے متعلقہ سرائے میں قائم کیا تھا۔ اسی خانقاہ میں اس کا باپ ترک دنیا کر کے گوشہ گیر ہو گیا تھا، اس کی ماں اپنے وقت کی ایک نہایت پرہیزگار نادار عورت تھی۔ اپنے لڑکے کو وہ بالوں کے ایک قمیص کے سوا مال دنیا سے کچھ نہ دے سکی۔ اڈمنڈ نے ہر چہارشنبہ کو اس قمیص کے پہننے کا عہد کیا تھا۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اڈمنڈ دوسروں سے زیادہ غریب تھا، وہ یہاں آتے ہی اس جگہ کی شریفانہ وضع اسکے

علمی جوش اور اس کے پر اسرار توزُع میں ڈوب گیا تھا، ایک روز شام کے وقت جبکہ سینٹ میری کے گرجا پر سایہ پڑ رہا تھا اور مدرسین اور طلبہ وہاں سے نکل گئے تھے یہ لڑکا سب سے چھپکر مریم کی ایک تصویر کے پاس کھڑا ہوگیا اور ایک سونے کی انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا کر اُس کے ساتھ گویا منگنی کی رسم ادا کی۔ اس قسم کے بہت آباد اور گنجان مقاموں میں بخار کا زور ہوا کرتا ہے۔ اڈمنڈ کی تعلیم میں بھی اس سے بہت خلل پڑا مگر کئی برس تک یہاں رہنے کے بعد وہ تکمیل علوم کے لئے پیرس کو روانہ ہوا اور اپنے ایک بھائی رابرٹ کے ساتھ اس زمانہ کے طالبعلموں کی عادت کے موافق مانگتا کھاتا ہوا ممالک عیسوی کے اس بڑے مدرسے میں پہنچا، یہاں ایک لڑکی نے اس کی مذہبی وضع کی کچھ پروا نہ کرکے ایسے اصرار کے ساتھ اس سے شادی کی خواہش کی کہ بالآخر اسے رضامند ہونا پڑا۔ مگر جب وہ عقد کے لئے آیا تو مشتبن علما کی ایک جماعت اس کے ساتھ تھی اور اس لڑکی نے بوقت توبہ و استغفار یہ ظاہر کیا ان علما نے "فوراً ہی تکلیف دہ آسیب سے اسے نجات دلادی"۔ پیرس سے واپسی کے بعد بھی اڈمنڈ کو یہی خیال رہا کہ وہ اس تصویر کو اپنی بیوی بنا چکا ہے، آکسفورڈ پہنچ کر وہ وہاں کے مدرسین میں سب سے زیادہ ہر دلعزیز مدرس ہو گیا تھا اور وہاں منطق ارسطو کی تعلیم ابتداءً اسی کی ذات سے جاری ہوئی۔ اس نے معبد

مریم کے قریب ہی ایک چھوٹا سا کمرہ کرایہ پر لے لیا تھا۔ اسی کمرے میں وہ مرتاضانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ ساری ساری رات عبادت میں گذار دیتا اور اس وجہ سے اکثر درس کے وقت بے اختیار سو جاتا تھا، اس کی بھوری عبا قدموں تک لٹکتی رہتی تھی اور اس کے محبت آمیز و مسرت انگیز اخلاق سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اس پر فرانس کی تعلیم و تربیت کا اثر غالب ہے۔ شغف علمی اس میں عشق کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ اسکے طلبہ جو کچھ بھی چاہتے تھے اسے دے دیتے تھے۔ یہ نوجوان معلم کہا کرتا تھا کہ "راکھ راکھ سے اور خاک خاک سے مل جائیگی" مال دنیا سے نفرت کے ساتھ شاید ایک طرح کا عالمانہ استغنا بھی اس کی طبیعت میں تھا، کیونکہ طلبہ جو کچھ فیس لاتے تھے وہ اسے کھڑکی کے دروں میں ڈال دیا کرتا تھا اور کبھی کبھی کوئی چوٹا طالبعلم اسے اُڑا لیجاتا تھا۔ مگر علم بھی پریشانی اپنے ساتھ لاتا ہے، ایک مدت تک اس کے پاس صرف عہدنامہ قدیم اور فتاوئی پوپ یہی دو کتابیں تھیں یہ کتابیں تو علوم دنیاوی سے نفرت دلاتی تھیں مگر ان علوم کا ترک کرنا اڈمنڈ پر سخت شاق تھا۔ آخرکار اس مدرس نے خواب میں دیکھا کہ اس کی ماں اس کمرے میں پھر رہی ہے جہاں وہ اپنے ریاضی کے نقشے لئے کھڑا تھا۔ اڈمنڈ کو ایسا معلوم ہوا کہ اس کی ماں نے کہا کہ "یہ کیا ہیں" اور اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی ہتیلی پر تین ملے ہوئے حلقے بنائے جس میں سے ہر ایک کے

اندر اقانیم ثلثہ میں سے ایک ایک کا نام تھا، اور وہاں سے جاتے جاتے اس نے چلا کر کہا کہ " بیٹا آئندہ سے یہی تیرے نقشے ہونگے "۔

نئی تعلیم کی حقیقی خصوصیت اور دارالعلوم و کلیسا کی روش کا باطنی اختلاف ان حالات سے بہت خوبی کے ساتھ واضح ہو جاتا ہے۔ زمانہ قدیم کے ازمنہ وسطی میں جاگیرداروں کی حکومت اور مذہبی ریاست کے اندر یہ نئی طاقت عجیب و غریب طور سے پیدا ہوگئی تھی اور دونوں کو اس سے یکساں خطرہ تھا۔ جاگیرداری کی بنا مقامی تفرد پر تھی یعنی ریاست سے ریاست تعلقہ سے تعلقہ الگ رہے، خاندان و نسل کا امتیاز قایم رہے بہیمی طاقت کو غلبہ حاصل ہو، روابط اطاعت کا انحصار معاشرت و مقام کی حیثیت پر ہو۔ برعکس ازیں دارالعلوم اس امر کے خلاف تھا کہ اس طرح ہر ایک انسان کو دوسرے انسان سے امتیاز ہو، چھوٹے سے چھوٹا مدرسہ بھی کسی مقام خاص کے لئے مختص نہیں تھا بلکہ کل یورپ کے لئے عام تھا۔ نہ صرف فرانس کا ہر صوبہ بلکہ ملک عیسوی کی ہر قوم پیرس اور پیڈوا کے مدارس میں داخل ہوکر ایک فرقہ بن گئی تھی۔ تعلیمی حدود کے اندر ایک مشترک زبان یعنی لاطینی یورپ کی تمام مختلف زبانوں پر حاوی تھی ایک باہم ذہنی تعلق اور شوق مسابقت ان ذلیل جھگڑوں کے لئے قائم ہو گیا تھا جو صوبے کو صوبے سے ملک کو ملک سے جدا کرتے تھے۔ جس کے سلجھانیکے لئے کلیسا اور سلطنت

دونوں نے کوششیں کیں اور دونوں کو ناکامیابی ہوئی۔ چاہتے تھے کہ تمام عیسائی قوموں کو ایک وسیع "دولت عامہ" میں مربوط کر دیں، یہ بات فی الحقیقت کچھ دنوں کے لئے دارالعلوموں کے ذریعے سے حاصل ہو گئی۔ ڈینٹی کا کلام مانٹ سینٹ جینوی میں اسی شوق سے پڑھا جاتا تھا جیسے بولوگنا کی درسگاہوں میں۔ آکسفورڈ کے طلبہ وکلف کے تحریرات پریگو کے کتبخانوں میں گشت کرتے ہوئے پہنچاتے تھے۔ انگلستان میں صوبوں کے باہم ملا دینے کا کام اور جگہوں کی بہ نسبت کچھ ایسا مشکل یا بہت ضروری نہ تھا مگر یہاں بھی اس کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا تھا، شمالیوں اور جنوبیوں کے جھگڑوں نے ایک مدت تک آکسفورڈ کے نظم و انضباط کو خراب کر رکھا تھا مگر اس سے اتنا تو ہوا کہ شمالی و جنوبی، آکسفورڈ کی سڑکوں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے آگئے۔ دوسری جگہوں کے مانند یہاں بھی قومی امتیاز کا جوش دارالعلوم کی وسیع النظری کے مقابلے میں رکا رہا۔ تیرھویں صدی کے اُن اختلافات کے بعد جس سے پیرس کا فروغ خطرے میں پڑ گیا، آکسفورڈ کی درسگاہوں میں نارمن و گیسکونی انگریزوں کے ساتھ مخلوط ہو گئے۔ بعد کے زمانے میں اون گلنڈوور کی بغاوت کے وقت معلوم ہوا کہ سیکڑوں اہل ویلز بھی اس کے مدرسین کے گرد جمع ہیں۔ اس عجیب الاختلاط مجمعے میں معاشرت و حکومت کا نظام بالکل جمہوری اصول کے تابع تھا۔ آکسفورڈ کے طلبہ میں ایک امیر کا بیٹا ہر اعتبار سے ایک غریب ترین

درویش کے برابر سمجھا جاتا تھا، جن چیزوں پر جاگیردارانہ انتظام معاشرت کی بنا قائم تھی یعنی تمول، قوت جسمانی، مہارت سپہگری، آبا و اجداد اور نسل کا غرور، یہی چیزیں درس کے کمرے میں بے حقیقت محض تھیں۔ دارالعلوم ایک مقتدر حکومت تھی جس کی رکنیت کے لئے علمی پروانہ کی ضرورت تھی۔ علم ہی "ماسٹر" (استاد) بناتا تھا۔ مدرسے میں کسی طالب علم کے لئے حکمراں بننے کا صرف ایک استحقاق تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے زیادہ صاحب علم ہو اور اس علمی حکومت میں سب کا درجہ یکساں تھا۔ مدرسین کی آزاد حکومت کے ارکان جب کلیسائے سنٹ میری کے بغلی کمروں میں جمع ہوتے تھے، تو سب کو صلاح و مشورہ دینے کا یکساں حق ہوتا تھا اور آخری فیصلہ میں سب کی رائے برابر تھی۔ خزانہ و کتبخانہ مطلقاً ان کے اختیار میں تھا۔ ہر عہدہ دار انہیں کی رائے سے مقرر ہوتا تھا اور وہی ہر طرح کے قانون تجویز اور منظور کرتے تھے ان کا سرگروہ یعنی چانسلر پہلے اسقف کا ایک نامزد کردہ عہدہ دار ہوتا تھا مگر بعد میں وہ انہیں کا ایک منتخب کردہ عہدہ دار ہونے لگا۔

دارالعلوموں کی جمہوریت پسندی سے اگر جاگیرداروں کے اصول کو خطرہ تھا تو ان کے تفحص و تحقیق علمی سے کلیسا بھی اندیشہ مند تھا، تمام ظاہری اعتبارات سے اہل دارالعلوم خاص اہل کلیسا معلوم ہوتے تھے۔ "فرقہ مذہبی" کے لفظ نے ازمنہ وسطی میں جو وسیع معنی پیدا کر لئے تھے اس سے تمام تعلیم یافتہ لوگ پادریوں کی تعریف کے اندر آگئے تھے۔ طلبہ یا معلمین کی عمر یا لیاقت کچھ بھی ہو۔ سب کے سب

"پادری" کے لفظ میں شامل تھے، وہ ہر طرح کی دنیاوی ذمہ داری اور ملکی عدالتوں کی ماتحتی سے آزاد تھے اور صرف اپنے اسقف کے قواعد کے جوابدہ اور اُسی کی مذہبی عدالتوں کے حکم کے تابع تھے دارالعلوم کا یہ کلیسائی رنگ اس کے سرگروہ میں بھی صاف ہویدا تھا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ اولاً چانسلر دارالعلوم کا عہدہ دار نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ اس مذہبی گروہ میں سے ہوتا تھا جس کے سایہ میں دارالعلوم نے نشو و نما حاصل کی تھی۔ آکسفورڈ میں چانسلر اسقف لنکن کا (جس کے وسیع حدود اسقفی میں یہ دارالعلوم واقع تھا) ایک عہدہ دار ہوتا تھا مگر کلیسا کے ساتھ اس ظاہری یک رنگی نے اس کے باطنی اختلاف کو اور زیادہ نمایاں کر دیا۔ میدان تعلیم کے اس طرح یک بیک وسیع ہو جانے سے ان خالص کلیسائی و فقہی تعلیمات کی اہمیت گھٹ گئی تھی جنہوں نے اب تک بنی نوع انسان کی تمام ذہنی قوی کو مشغول کر رکھا تھا۔ ادب القدما کا جدید رواج، ایک قدیم تر و وسیع تر دنیا کے انکشافات، ذہنی، معاشرتی و سیاسی طور پر اس زمانے سے زیادہ فراخ اور زیادہ آزاد زندگی کے معلومات وہ امور تھے جن سے مسلمہ معتقدات میں شک و شبہ و انکار کا میلان پیدا ہوگیا تھا ابیلرڈ نے یہ دعوے کیا کہ عقل کو اعتقاد پر تفوق ہونا چاہئے۔ فلورنس کے شعرا بقائے روح کے متعلق تمسخر آمیز بحث کرتے تھے، ڈینٹی اگرچہ ان کو ملامت کرتا تھا مگر وہ بھی ورجل کو جرمیا کے مثل مقدس سمجھتا تھا۔ وہ شہنشاہ جس میں اس نئی

تربیت کا اثر سب سے نمایاں نظر آتا تھا اور وہ اپنے وقت کا "عجائب عالم" کہلاتا تھا یعنی فریڈرک ثانی' آدھا یورپ اسے ایک کافر سے بڑھ کر نہیں سمجھتا تھا۔ ذی اقتدار اہل کلیسا نے علم طبیعیات کو سحر قرار دے رکھا تھا' اب اس طبیعیات کے خفیف رواج سے عیسائیوں کا مسلمانوں اور یہودیوں کے ساتھ خطرناک تصادم پیدا ہو گیا۔ ربیوں کی کتابیں' روجر بیکن کی نظروں میں اب ایک ملعون شے نہیں تھیں۔ قرطبہ کے علما اڈیلارڈ کے خیال میں نجس اور ناپاک نہیں تھے روجر بیکن کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ کس آہستگی کے ساتھ اور کن مشکلات کے مقابلے میں علم نے اپنا راستہ نکالا' وہ لکھتا ہے کہ "فلسفہ ارسطو کے ایک ایک جزو نے نہایت آہستگی کے ساتھ علمائے لاطینی میں رواج پایا اس کی طبیعیات و الٰہیات کا ابن رشد وغیرہ کی شرحوں کے ساتھ میرے وقت میں ترجمہ ہوا ہے اور ۱۲۳۷ء تک پیرس میں اس کے خلاف فتویٰ جاری رہا کیونکہ ان میں قدم عالم و قدم زمان کا اعتراف کیا گیا ہے نیز ان میں ایک کتاب خواب میں الہامات کے بابت بھی شامل تھی۔ اور خود ترجمے کے نادرست ہونیکے باعث بھی اکثر غلط فہمی پیدا ہوئی ہے اس کی منطق تک کو بتدریج قبول عام اور شمول درس کی عزت حاصل ہوئی ہے۔ کیونکہ میرے وقت میں سنٹ اڈمنڈ اسقف اعظم کینٹربری پہلا شخص ہے جس نے اس کتاب کو آکسفورڈ میں پڑھا۔ میں (معلم) ہینگو سے بھی ملا ہوں جس نے اس کی کتاب انالوطیقا ثانیہ پہلے بار پڑھی تھی۔ اور

میں نے اس کے تحریرات بھی دیکھے ہیں پس لاطینیوں کی کثرت کے باوجود ان میں فلسفہ ارسطو کے جاننے والے چند ہی ایسے تھے جو کسی شمار میں تھے بلکہ اتنا بھی نہیں ہے۔ شاید ہی اس سال (۱۲۹۲ع) تک اس کا کوئی سمجھنے والا پیدا ہوا ہو۔"

بعد کے صفحات میں ہم دکھائیں گے کہ کلیسا نے اس مخالفانہ روش کا کس سختی کے ساتھ مقابلہ کیا اور کس طرح اس نے گداگر فرائروں کے ذریعے سے دوبارہ دارالعلوموں کو اپنے تابع کر لیا، مگر انہیں فرائروں میں وہ لوگ بھی تھے جو دارالعلوموں کی ذہنی ترقی کے بہترین نمایندے ثابت ہوئے؛ راجر بیکن کی عمر تقریباً پوری تیرھویں صدی کے مطابق ہے، اس کے والدین شاہی خاندان سے تھے جنہیں خانہ جنگیوں کی وجہ سے جلاوطن ہونا اور غربت میں دن کاٹنا پڑا تھا۔ آکسفورڈ میں اس نے اڈمنڈ (اینگڈن) سے تعلیم حاصل کی اور اسی کے توسط سے اولاً اسے ارسطو کی تصانیف سے واقفیت حاصل ہوئی۔ آکسفورڈ سے وہ پیرس کے دارالعلوم کو گیا جہاں اس کی موروثی دولت قیمتی تعلیمات و تجربات میں صرف ہو گئی۔ وہ لکھتا ہے کہ بچپن سے میں نے علوم و السنہ پر محنت کی ہے اور تمام مشہور علمائے لاطینی سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، میں نے نوجوانوں کو زبان، مساحت، حساب، نقشہ کشی، آلات کے بنانے اور بہت سے دوسرے کار آمد علوم کی تعلیم دلائی ہے" اس نے جس قسم کے علوم کے مطالعہ کا ارادہ کیا تھا ان کی راہ میں بے انتہا دشواریاں حائل تھیں۔ اس کے پاس نہ آلات تھے اور نہ تجربیات کا

موقع حاصل تھا۔ زمانہ مابعد میں اس نے شکایتہً لکھا ہے کہ "بلا آلات ریاضی کے کسی علم میں کمال نہیں حاصل ہو سکتا اور لاطینیوں میں یہ آلات موجود نہیں ہیں اور نہ دو تین سو پاؤنڈ میں وہ تیار ہو سکتے ہیں، علاوہ ازیں عمدہ نقشوں کی ازحد ضرورت ہے، نقشے ایسے ہونے چاہئیں جن سے بدو عالم سے آخر تک کے سماوی حرکات کی تحقیق روز روز کی محنت کئے بغیر ہو سکے مگر ان نقشوں کی قیمت ایک بادشاہ کے فدیہ کے برابر ہے اور بہت بڑے مصارف کے بغیر وہ تیار نہیں ہو سکتے، میں نے بارہا اس قسم کے نقشے مرتب کرنیکی کوشش کی ہے مگر ذرائع کے ناکافی ہونے اور کارکنوں کی نالائقی کی وجہ سے انہیں مکمل نہ کر سکا۔ کتابوں کا حصول مشکل بلکہ بسا اوقات غیر ممکن تھا۔ ارسطو، ابن سینا، سینکا، سیسرو اور دوسرے قدما کے فلسفیانہ تصانیف مصارف کثیر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے ان کے اہم تصانیف کا لاطینی میں ترجمہ نہیں ہوا ہے اور جن کا ترجمہ ہوا ہے ان کی نقلیں بھی معمولی کتبخانوں میں عام طور پر نہیں مل سکتیں۔ جہاں تک میں نے سنا ہے سیسرو کی قابل تعریف کتاب ڈی ریپلبکا کہیں بھی نہیں مل سکتی، میں نے دنیا کے مختلف اطراف میں اس کی جستجو کی اور بہت سے قاصد بھی بھیجے مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا یہی حال سنیکا کی کتابوں کا ہے۔ ہرچند کہ بیس برس سے زاید سے ان کی تلاش میں سرگرداں ہوں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ اور یہی کیفیت علم الاخلاق کی بہت سی نہایت ہی مفید کتابوں کی ہے"
خود اسی کے الفاظ سے ہمیں راجر بیکن کی تشنگی علم، صبر و محنت کا

پتہ چلتا ہے وہ ایک معلم کی حیثیت سے آکسفورڈ کو واپس آیا اور اپنے
متعلمین کے ساتھ اس کی توجہ و انہماک کا ایک واقعہ جان (لندن)
کے قصے میں موجود ہے' یہ ایک پندرہ برس کا لڑکا تھا جس کی قابلیت
نے اسے بیکن کے طلبہ کی عام سطح سے بلند کر دیا تھا بیکن نے
پوپ کے پاس اس کی سفارش کی اور لکھا کہ "جب وہ ایک غریب
لڑکے کی حالت میں میرے پاس آیا تو میں نے حسبتہً للہ اس کی
تعلیم و پرورش کا انتظام کیا خاص کر اس وجہ سے کہ طلب علم
اور پاکبازی میں میں نے کسی لڑکے کو اس سے بڑھ کر نہیں پایا'
پانچ برس پیشتر میں نے اسے السنہ مختلفہ' ریاضات اور علم المناظر میں
تعلیم دلائی اور جس وقت سے فرمان عالی صادر ہوا ہے میں نے
خود بلا معاوضہ اسے تعلیم دی ہے۔ اگرچہ ابھی نوعمر ہونے اور
تعلیم کا تجربہ نہ رکھنے کی وجہ سے اس کے جوہر ظاہر نہیں ہوئے
ہیں مگر پیرس میں کوئی شخص اس کے برابر فلسفے کی حقیقت کا
جاننے والا نہیں ہے۔ اگر وہ سن رشد کو پہنچا اور جس طرح اس نے
ابتدا کی ہے اسی طرح چلتا رہا تو اس میں وہ قابلیت موجود ہے کہ
وہ تمام علمائے لاطینی پر سبقت لے جائیگا"

جس نازش کے ساتھ اس نے اپنے طریقہ تعلیم کی طرف اشارہ کیا
ہے اس کی تصدیق تعلیم سائنس کی اس عظیم وسعت سے ہوتی ہے
جو اس کی وجہ سے آکسفورڈ کو حاصل ہوئی' اس نے ایک جگہ لکھا
ہے کہ "لاطینیوں میں علم المناظر کا درس اب تک بجز آکسفورڈ
کے پیرس یا کسی اور جگہ نہیں ہوا ہے اور آکسفورڈ میں بھی صرف

دو بار اس کا موقع آیا"۔ اس درس سے اس نے باغلب وجوہ خود اپنی طرف اشارہ کیا ہے یہ وہ علم تھا جس پر اس نے دس برس محنت کی تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تخم تعلیم شور زمین میں ڈالا تھا۔ جس وقت فرائر دارالعلوموں میں مقیم ہوئے ہیں تمام طلبہ کی ذہنی قوت مروجہ وقت تعلیم میں جذب ہو گئی تھی ۔ زمانے کا انداز سائنٹفک و فلسفی تعلیم کے خلاف تھا' طلب علم کا قدیمی جوش سرد ہوتا جاتا تھا' کلیسا و سلطنت دونوں میں صرف قانون کی تعلیم ترقی کا ذریعہ تھی ۔ فلسفے سے احتراز کیا جاتا تھا اور خالص علم ادب تقریباً مفقود ہو گیا تھا' چالیس برس کے مسلسل مطالبہ کے بعد بیکن کو معلوم ہوا کہ "کوئی اس کی نہیں سنتا اور وہ از باد رفتہ اور مردہ ہو گیا ہے" معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت میں وہ دولتمند تھا مگر اس کی دولت ضایع ہو چکی تھی' "اس بیس برس کے زمانے میں عام لوگوں کی روش ترک کر کے میں نے تحصیل علم میں خاص کوشش کی ہے' میں نے خرید کتب' تجربیات' آلات' نقشہ جات' تعلیم السنہ اور اس قسم کے اور کاموں کے معاوضات میں دو ہزار پاؤنڈ سے زاید صرف کئے ہیں ۔ اس میں ان تمام مصارف کا بھی اضافہ کرنا چاہئے جو میں نے علماء سے دوستی پیدا کرنے اور لائق مددگاروں کے حصول میں برداشت کئے ہیں" اس طرح اپنی امیدوں میں سرگرداں اور تباہ ہو کر اس نے اپنے دوست گروسیٹسٹ کے مشورے کے موافق دنیا کو ترک کر دیا اور سینٹ فرانسس کے فرقے کا ایک فرائر بن گیا' اس فرقے نے غربا میں وعظ کہنے کا

کام تخصیص کے ساتھ اپنے ذمے لیا تھا اور اس وجہ سے یہ لوگ کتب بینی اور مطالعہ کو اپنے کام میں خلل انداز سمجھتے تھے۔ بیکن نے اس وقت تک برائے نام ہی کچھ لکھا تھا، لکھنا اس کے لئے بہت دشوار تھا کیونکہ اس کے ان نئے پیشواؤں نے اسے یہ حکم دے کر رکھا تھا کہ اگر وہ کچھ لکھیگا تو اس کی کتاب ضبط ہوجائیگی اور اس کے کفارے میں اسے صرف روٹی و پانی پر زندگی بسر کرنی پڑیگی لیکن اپنے خیالات کو ضبط تحریر میں لانیکا دلی جذبہ اہل علم کا خاص تمغائے امتیاز ہے اور ہم بیکن کے اس جوش کا اندازہ اس سے کر سکتے ہیں کہ اتفاقاً ایک عجیب موقعے کے پیش آجانے سے اس نے کس مسرت سے اس سے فائدہ اٹھایا "دوستوں کی درخواست پر اس نے مختلف مضامین پر چند باب لکھے تھے" معلوم ہوتا ہے کہ کسی طرح یہ تحریر باہر پہنچ گئی اور کلمنٹ چہارم کے ایک چیپلین (پیش نماز) نے یہ تحریر اسے دکھائی۔ پوپ نے ان ابواب کو دیکھنے کے بعد ہی اس سے مزید تحریر کی خواہش کی لیکن مشکلات پھر اس کے سد راہ ہو گئے، جس تصنیف کا خاکہ اس نے مرتب کیا تھا، اس کے سامان، نقل، اور دوسرے اخراجات کے لئے کم از کم ساٹھ پاؤنڈ کی ضرورت تھی، اور پوپ نے ایک پیسہ بھی نہیں بھیجا تھا، اس نے اپنے اہل خاندان سے مدد کرنے کی درخواست کی مگر وہ بھی اسی کی طرح تباہ ہو چکے تھے، ایک درویش فرائر کو قرض کوئی دینا نہیں چاہتا تھا، اس کے دوستوں نے اس اُمید پر اپنا اسباب رہن رکھ کر روپیہ جمع کیا کہ اخراجات کلمنٹ

سے واپس مل جائینگے۔ صرف یہی دشواری نہیں تھی بلکہ پوپ کی توجہ حاصل کرنیکے لئے اس خشک اور سائنٹفک مضمون کو سلیس و عام پسند بنانا ضروری تھا، مگر جن مشکلات سے دوسرے ہمت ہار دیتے انہیں مشکلات نے راجر میں ایک طرح کی فوق العادۃ قوت پیدا کردی۔ ایک برس سے کچھ ہی زائد زمانے میں تصنیف مکمل ہوگئی اوپس میجس (کتاب بسیط) بجائے خود زمانہ حال کے باریک حرفوں میں بڑی تقطیع پرچھپی ہوئی ایک ضخیم کتاب ہے مگر بیکن نے اس کتاب کے ساتھ "کتاب وجیز" اور کتاب "ثالث" میں متعدد خلاصے اور ضمیمے بھی تیار کر کے پندرہ مہینے کے اندر اندر پوپ کے پاس روانہ کردئے۔ یہ آخرالذکر کتابیں بھی خاصے حجم کی ہیں۔

خود کتاب میں اس تیز رفتاری کا کچھ پتہ نہیں چلتا "کتاب بسیط" اپنی ترتیب و جزئیات دونوں میں یکساں طور پر تعجب انگیز ہے، ڈاکٹر وھوئل کے الفاظ میں بیکن کا خاص مقصد یہ تھا کہ وہ مباحث فلسفیانہ کی اصلاح کی ضرورت پر زور دے، ان وجوہ کو بیان کرے کہ کیوں علم نے اب تک حالت موجودہ سے زاید ترقی نہ کی علوم کے ان ماخذ کی طرف توجہ دلائے جن سے لاابالیانہ غفلت برتی گئی ہے اور ایسے دوسرے ذرائع کا پتہ چلائے جو اس وقت تک بالکل نامعلوم تھے اور ان سے جن فوائد عظیم کے حصول کی توقع تھی اس کی بنا پر لوگوں کو ان میں مشغول ہونے پر توجہ دلائے" اس نے اس خیال کو عملی طور پر نہایت ہی وسعت دی ہے، اس کے وقت میں جس قدر علوم موجود تھے

ان کے ہر ایک شعبے کے متعلق تمام معلومات جمع کئے ہیں اور تبصرے کے ساتھ ساتھ ہر ایک کی ترقی کی صورتیں بھی بتاتا جاتا ہے' اس میں مطلق شبہ نہیں کہ جو علمی تحقیقاتیں اس نے کیں وہ نہایت قابل قدر ہیں' لیکن جو محنت اس نے قواعد زبان اور علم اللسان کی چھان بین میں کی اور جس طرح اُس نے بار بار بیحد اصرار کیا ہے کہ کتابوں کی صحت' زبانوں کا صحیح علم' کلام کے معانی کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا لازم ہے' وہ بھی کچھ کم قابل قدر نہیں ہے۔ وہ صرف و نحو سے ریاضیات کی طرف اور ریاضیات سے علم تجربیات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے' ریاضیات کی تحت میں اس زمانے کے تمام طبعی علوم شامل کر لئے گئے تھے۔ بیکن جوش کے ساتھ یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ تیس چالیس برس کی بے توجہی نے لاطینی ممالکِ عیسوی میں ہر قسم کی تعلیم کو تقریباً تباہ کر دیا ہے' کیونکہ جو شخص ریاضیات سے واقف نہ ہو وہ اور علوم سے بھی واقف نہیں ہو سکتا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود اپنی جہالت کا احساس نہیں کر سکتا اور نہ اس کے رفع کرنے کی کوئی تدبیر کر سکتا ہے۔" جغرافیہ' وقائع نگاری' حساب' موسیقی' سب پر کچھ نہ کچھ سائنٹفک رنگ چڑھا دیا گیا ہے اور موسم' کیفیت بحر و بر' علم نجوم کے متعلق بھی ایسی ہی تیز نظری سے کام لیا گیا ہے۔ علم المناظر کو اس نے خاص طور پر مطالعہ کیا تھا' اس علم کو زیادہ وسعت سے بیان کیا گیا ہے' جو مسائل قطعاً علم المناظر کے اندر داخل ہیں ان پر بحث کرنے کے علاوہ اس نے آنکھ کی ساخت پر بھی گفتگو کی ہے' مختصر یہ کہ بقول ڈاکٹر

وہویل "کتاب بسیط" تیرھویں صدی کی دائرۃ المعارف اور قانون جدید Novem Organum دونوں ہے" راجر بیکن کی تمام مابعد کے تصانیف فی الاصل اسی بلند پایہ خیال کی تفصیل ہیں، جو اس نے کلمنٹ کے سامنے پیش کیا تھا، ان تصانیف کی کثرت کی کیفیت یہ ہے کہ انگلستان کے کتبخانوں سے کتاب پر کتاب برآمد ہوتی آتی ہے۔ اس قسم کی تصنیف خود اپنا بڑا انعام آپ ہے، اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے راجر بیکن کو اعتراف کی بہت کم توقع ہو سکتی تھی اور ہوا بھی ایسا ہی، معلوم ہوتا ہے کہ پوپ نے بھی کسی طرح پر اظہار قدردانی نہیں کیا۔ اگر بعد کے ایک قصے کو ہم صحیح سمجھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان تحریروں کی وجہ سے بیکن کو پوپ کے حکم سے صرف قید خانہ نصیب ہوا۔ یہ سن رسیدہ شخص جس طرح زندگی میں نامشہور ازیاد رفتہ اور گم نام رہا تھا، ویسی ہی اس کی موت بھی واقع ہوئی اور یہ کام ازمنہ مابعد کے لئے محفوظ رہا کہ راجر بیکن کو عالم گم نامی سے نکال کر علوم جدیدہ کے سلسلۂ عظیم میں سب سے مقدم جگہ دے۔

جزو پنجم

ہنری سوم

۱۲۱۶ — ۱۲۵۷

اس عہد کے دو خاص مستند مورخ و جغرافیہ نویس ہیں۔ ایک ان میں سے

سنٹ البنز کا روجر (ونڈ دور) ہے جس کی کتاب ۱۲۳۵ء پر ختم ہو جاتی ہے اور دوسرا اسی کتاب کا ذیل لکھنے والا میتھیو پیرس ہے۔ روجر کے بیانات تفصیلی ہیں مگر صحت سے بعید ہیں اور اس میں شاہی و مذہبی جانبداری نہایت سخت پائی جاتی ہے۔ میتھیو کے حالات میں نے اس جزو کے آخر میں بیان کئے ہیں۔ ڈنسٹیبل دیورلی اور برٹن کے وقائع سے بہت سے جزئیات معلوم ہوتے ہیں۔ یہ تمام وقائع مسٹر لوورڈ نے اینلس مونیسٹیسی (وقائع خانقاہ Annales Monastici) میں شائع کئے ہیں۔ رائل لٹرز شاہی مکاتبات Royal Letters جنہیں ڈاکٹر شرلی نے ایک قابل قدر دیباچے کے ساتھ مرتب کیا ہے پینٹ اور کلوز رولز کے مانند نہایت ہی بیش بہا ہیں۔ روم کی مخالفت کے متعلق گروسٹیسٹ کے خطوط Grossetetes Letters مرتبہ مسٹر لوورڈ دیکھنا چاہئے]

۱۲۱۹ء میں ارل مارشل کے انتقال سے پوپ کے ایک نئے وکیل پینڈلف، اسٹفن لینگٹن (جو روم سے عفو تقصیر کے بعد واپس آگیا تھا) اور نائب السلطنت ہیوبرٹ دی برگ کے ہاتھوں میں تمام معاملات آگئے۔ تغیر کا زمانہ تھا اور نائب السلطنت کا مزاج خاص طور پر تغیر پذیر تھا، اس نے ہنری دوم کی طرز حکومت میں تربیت پائی تھی اور اس وجہ سے قومی آزادی سے اسے بہت ہی کم ہمدردی تھی، اپنے آقا کی طرح وہ بھی عاقلانہ شخصی انتظام اور امن و قانون کے قائم رکھنے ہی کو حکومت کا بہترین مقصد سمجھتا تھا، مگر اس کے ساتھ ہی دوسرے انگریزوں کے مانند قومی آزادی کی کامل خواہش اس میں بھی موجود تھی غیر ملکیوں سے اسے نفرت تھی اور بر اعظم کے جھگڑوں میں وہ انگریزوں کے جان و مال کے اتلاف کو گوارا نہ کرتا تھا۔ اس کی قابلیت میں کوئی شک نہیں مگر اس کے کام کی دشواری معمولی دشواری نہیں تھی، روم کی مسلسل مداخلت سے اس کے

کھنوں میں رکاوٹ پیش آتی رہی، پوپ کا ایک وکیل انگریزی دربار میں رہتا تھا اور انگلستان کے حاکم اعلیٰ کے قائم مقام اور نو عمر بادشاہ کے ولی ہونے کے لحاظ سے ملک کے انتظامات میں دخل دینے کا دعویدار تھا، ایک غیر ملکی فریق بھی اب تک ملک کے اندر قدم جمائے ہوئے تھا، کیونکہ ولیم مارشل کو پٹرڈس راکس اور فاکس دی بروتی سے (جو لوئیس کے مقابلے میں بادشاہ کی جانبداری میں لڑے تھے) خلاص حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی تھی، فتح کے وقت سے انگلستان کا دسطی حصہ بڑے بڑے امرا کی جائداد سے گھرا ہوا تھا، جن کی تمنا یہ تھی کہ جاگیرداروں کی سی آزادی حاصل ہو جائے، ان کا جوش سرکشی و تمرد بادشاہوں کی سخت حکومت اور اہل دربار میں بیرنوں کے ایک نئے طبقے کے پیدا ہوجانے سے (جو زیادہ تر شمال میں آباد کئے گئے تھے) کسی قدر رکا رہا۔ جان کے مظالم نے حصول منشور کی جدوجہد میں ان پرانے اور نئے خاندانوں کو متفق کر دیا تھا، مگر ہر ایک کی خصوصیت بدستور غیر متبدل رہی، اور اس کشمکش کے اختتام کے ساتھ ہی جاگیرداروں کے گروہ میں اُن کی قدیم بے ضابطگیاں اور تاج کی مخاصمت پھر رونما ہوگئی۔ ایک زمانہ میں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسٹفن کے عہد کی طوائف الملوکی عود کر آئی ہے، مگر نائب السلطنت میں اس زور کے کچل دینے کی کافی قوت تھی اور اسٹفن لینگٹن کی مردانہ کوششیں اس کی معاون تھیں۔ جاگیردار بیرنوں کے سرگروہ ارل چسٹر نے اگرچہ بغاوت بزور شمشیر برپا کر دی مگر ہیوبرٹ کی

یورش اور اسقفِ اعظم کی طرف سے خارج از ملت کر دینے کی دھمکیوں
سے وہ دب گیا لیکن اس سے ایک زیادہ خطرناک دشمن فاکس ڈی بروٹی
(فرانسیسی) ابھی باقی رہ گیا تھا' یہ شخص چھ صوبوں کا ناظم تھا اور چھ
شاہی ایوانات اس کے قبضے میں تھے اور باغی بیرنوں اور ویلز کے لیولن
دونوں سے اسے اتحاد تھا' دو ماہ کے محاصرے کے بعد اس نے اپنا
قصر بڈفرڈ حوالہ کیا۔ ھیوبرٹ نے اس معاملے میں نہایت سخت گیری
کی چوبیس نائٹ اور ان کے ملازمین کو جو اس قصر کے محافظ تھے
قصر ہی کی دیواروں کے سامنے پھانسی دے دی' یہ ضرب کارگر ثابت
ہوئی' شاہی ایوانات بیرنوں نے حوالہ کر دئے اور ملک میں پھر ایکبار
امن و اماں ہو گیا' غیر ملکی سپاہ سے آزاد ہو کر' غیر ملکی وکیل کے دخل
سے بھی ملک کو آزادی حاصل ہو گئی۔ لینگٹن نے روم سے یہ وعدہ
لے لیا کہ جب تک وہ زندہ ہے آئندہ انگلستان میں پوپ کا
کوئی نائب نہیں بھیجا جائے گا اور ۱۲۲۱ع میں پنیڈلف کے استعفے
سے ملکی حکومت میں براہِ راست پوپ کی مداخلت کا خاتمہ ہو گیا۔
مگر اسقفِ اعظم نے انگلستان کی آزادی کے لئے جو کام کئے ان کے
مقابلے میں یہ خدمت کچھ بھی نہ تھی۔ اپنی زندگی بھر منشور کی
حفاظت پر سب سے زیادہ اس کا خیال رجوع رہا۔ ہنری کی
تخت نشینی کے وقت منشور کا جو اعلان ہوا اور جس میں وہ
دفعات حذف کر دئے گئے تھے جو اجرائے محصولات کے بابت بادشاہ
کے اختیارات کو محدود کرتے تھے' اس کا سبب بلاشک وشبہ یہی
تھا کہ اسقفِ اعظم انگلستان میں موجود نہ تھا بلکہ بہ حالت ذلت

روم میں پڑا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بد نظمیوں کے دب جانے سے
شاہی وزرا میں مقاومت کا قدیمی جوش پھر پیدا ہو گیا، جب لندن کی
پارلیمنٹ میں لینگٹن نے منشور کی جدید تصدیق کا مطالبہ کیا تو بادشاہ
کے مشیروں میں سے ولیم برو ور نے یہ اعتراض کیا کہ وہ منشور بزور
حاصل کیا گیا تھا، اور قانوناً جائز نہیں ہے۔ اسقف اعظم نے غصے
میں جواب دیا کہ "ولیم اگر تم بادشاہ سے محبت رکھتے ہو تو امن کے
راستے میں تمہیں سنگِ راہ نہ ہونا چاہئے"۔ بادشاہ اسقف اعظم کے
غصے سے دب گیا، اور منشور پر کاربند ہونے کا فوراً ہی وعدہ کر لیا،
دو برس بعد اسقف اعظم اور بیرنوں نے ایک رقم معاونت کے
معاوضے کے طور پر منشور کے باضابطہ اعلان کا مطالبہ کیا، اور
ہنری کے منظور کر لینے سے وہ اصول قائم ہو گیا جو اپنے آئنی نتائج
میں نہایت کارآمد ثابت ہوا یعنی بادشاہ کو رقم دینے کے قبل نقائص
کی اصلاح ہونی چاہئے۔

سنہ ۱۲۲۸ء میں اسٹفن لینگٹن کی موت انگلستان کی آزادی کیلئے
سخت مہلک ثابت ہوئی۔ سنہ ۱۲۲۷ء میں ہنری نے اپنے رشد کا
اعلان کیا اور اگرچہ ہیوبرٹ بدستور نائب السلطنت رہا مگر روم کے
جھگڑوں اور بادشاہ کی خواہشوں کے مقابلے میں وہ سال بسال
بے بس ہوتا گیا۔ ازمنۂ وسطی میں پوپ کے متعلق جو خیال قائم
ہو گیا تھا اس کی رو سے تمام ممالک عیسوی کا نظام ایک مذہبی
سلطنت کی حیثیت سے قائم ہو گیا تھا اور اس کی صورت دنیاوی
سلطنتوں کے جاگیردارانہ نظام کی سی ہو گئی تھی، یعنی پوپ بجائے

بادشاہ کے ہو گئے اساقفہ اس کے بیرن تھے اور عام پادری فرو تر
متبعین میں شامل تھے۔ جس طرح بادشاہ بوقت ضرورت اپنی رعایا
سے امداد و معاونت کی رقوم طلب کر سکتا تھا اسی طرح یقین کیا
جاتا تھا کہ کلیسا کا سرتاج پادریوں سے رقم طلب کر سکتا ہے۔
اس وقت پوپ فریڈرک ثانی کی کشمکش سے بالکل تہی دست
ہو گئے تھے اور وہ اپنے مطالبات میں آگے بڑھتے ہی چلے جا رہے
تھے، انگلستان کو وہ ایک ماتحت سلطنت سمجھتے تھے اور اس پر
اپنے شہنشاہ کی مدد کو واجب جانتے تھے۔ مگر بیرنوں نے اس امداد
کے لئے عوام سے مطالبہ کرنے کی تجویز نامنظور کی اور پوپ کو پادریوں
ہی پر انحصار کرنا پڑا۔ اس نے پادریوں سے ان کی کل املاک
غیر منقولہ کا دسواں حصہ طلب کیا اور خارج از ملت کر دینے کی
تہدید سے ان کی زبان شکایت کو بھی بند کر دیا۔ تحصیل پر تحصیل
جاری ہو گئی، ان مربیوں کے حقوق تک کی پروا نہ کی گئی جنہیں طبقہ
مذہبی سے تعلق نہیں تھا۔ اور "محفوظات" کے نام سے انگلستان کے
اوقاف کے تحائف پوپ کے بازار میں فروخت ہونے لگے۔ اس کے
ساتھ ہی جن کلیساؤں میں نذر و نیاز کی آمدنی بہت زیادہ تھی
وہاں اطالوی پادری مقرر کر دئے گئے بالآخر ہیجان عامہ نے ایک
وسیع سازش کی صورت اختیار کی، مسلح آدمیوں نے تمام ملک میں
خط تقسیم کئے۔ یہ خطوط" اس تمام جماعت کی طرف سے تھے جو
رومیوں کے ہاتھوں تباہ ہو جانے پر مرنے کو ترجیح دیتے تھے"۔
پوپ اور غیر ملکی پادریوں کے لئے جو عشر جمع کیا گیا تھا وہ چھین کر

غریبوں کو دے دیا گیا' پوپ کے گماشتوں کی زد و کوب کی گئی اور ان کے فرمان پاؤں سے روند ڈالے گئے۔ روم کے اعتراضات نے اس تحریک کی قومی خصوصیت کو اور ہویدا کردیا' مگر جب تحقیقات کی گئی تو اس کام میں خود نائب السلطنت کا ہاتھ نظر آیا۔ جس وقت یہ زیادتیاں ہو رہی تھیں تیرف چپ چاپ علیحدہ کھڑے دیکھتے رہے۔ اہل شورش نے اپنے فعل کی پسندیدگی کے لئے شاہی خطوط لوگوں کو دکھائے اور پوپ نے کھلم کھلا اس غداری کو ہیوبرٹ ڈی برگ کے خفیہ اشارے کی طرف منسوب کیا۔ یہ الزام اس وقت لگایا گیا جب بادشاہ و وزیر میں بھی نہایت مخالفت ہو گئی تھی۔ ہنری نے اوس پر یہ الزام رکھا تھا کہ محض اسی کے سبب سے نارمنڈی کا ملک موروثی جو انگلستان کے باہر ہے کوشش کرنے پر بھی قبضہ میں دوبارہ نہ آسکا۔ نارمنڈی کے بیرنوں نے خود ہی جو درخواست کی تھی وہ بھی ہیوبرٹ کے عذر بیجا کرنے سے نامنظور کردی گئی تھی اور جب پائٹو کی ایک مہم کے لئے ایک بڑی جمیعت پورٹسماؤتھ میں جمع ہوئی تو جہاز باربرداری و سامان کی کمی کی وجہ سے وہ منتشر کردی گئی۔ نوجوان بادشاہ نے تلوار کھینچ لی اور دیوانہ وار نائب السلطنت پر جا پڑا اس پر غدّاری اور فرانس کی رشوت خواری کا الزام لگایا۔ مگر یہ فتنہ فرو کردیا گیا اور مہم اس سال ملتوی ہو گئی۔ اگلے برس جب ہنری' برٹینی اور پائٹو کے میدان میں گیا اور مہم کو ناکامیابی ہوئی تو اس کا الزام بھی ہیوبرٹ پر لگایا گیا اور کہا گیا کہ اسی کی مخالفت کی وجہ سے جنگ رک گئی۔

پوپ کی الزام دہی نے ہنری کے پیمانہ غضب کو اور بھی لبریز کر دیا۔ برنٹوڈ کے گرجا میں ہیوبرٹ نے پناہ لی تھی وہاں سے کشاں کشاں نکالا گیا، اور ایک آہنگر کو حکم دیا گیا کہ بیڑیاں اس کے پاؤں میں ڈال دے مگر آہنگر نے جواب دیا کہ میں ہر طرح کی موت کے لئے تیار ہوں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ اس شخص کے پیر میں بیڑی ڈالوں جس نے اجنبیوں سے ملک کو آزاد کیا اور ڈاور کو فرانس سے بچایا۔" اسقف لندن کے معترض ہونے سے ہیوبرٹ گرجا میں پھر واپس کر دیا گیا، مگر فاقہ کشی نے اسے اطاعت پر مجبور کر دیا وہ ایک قیدی کی حیثیت سے قید خانے میں بھیج دیا گیا اور اگرچہ اسے جلد رہائی مل گئی مگر سلطنت میں کسی قسم کا اختیار اسے باقی نہیں رہا تھا، اس کے زوال نے انگلستان کو بے روک ٹوک ہنری کی شخصی حکومتوں کے حوالہ کر دیا ؛

ہنری کے مزاج میں کچھ ایسی شائستگی تھی کہ اس کے حکمرانی کے بدترین زمانے میں بھی لوگوں کو اس سے الفت رہی۔ تائیب کے معمولی گرجے کے بجائے اس نے وسٹ منسٹر میں جو خانقاہ بنائی تھی وہ اس کی صنعت پسند طبیعت کی ایک یادگار موجود ہے۔ اپنے باپ کے ظلم و جور، حرص و ناپرہیزگاری سے وہ بالکل مبرا تھا۔ وہ اہل صنعت و اہل علم کا دوست و قدر شناس تھا، اور اپنے زمانہ کی رزمیہ نظم گوئی میں خود بھی مہارت رکھتا تھا، مگر اپنے خاندان کی مختص سیاسی قابلیت کا اس میں کچھ اثر نہ تھا وہ ایک فضول خرچ، متلون مزاج، نیک و بد دونوں حالتوں میں

مشتعل ہو جانے والا، طبیعت اور زبان کا بے لگام، ہتک و ہرزگی
میں بے پروا شخص تھا، لا حاصل و مسرفانہ اظہار نمائش میں اسے
مسرت حاصل ہوتی تھی، حکومت کا ایک خیال اس کے ذہن میں
تھا کہ وہ مطلق العنان ہو جائے۔ بادشاہ کا مزاج اگرچہ نہایت
ہرزہ پسند تھا مگر وہ ایک کمزور شخص کی طرح ایک خاص طرز
عمل پر بجد تھا، اپنی سمندر پار والی مملکتہ موروثی کو واپس لینے کی
امید اس کے دل میں جاگزیں تھی، وہ بادشاہ کے حاکم مقتدر ہونے
پر یقین رکھتا تھا، منشور اعظم کے اقراروں کی نسبت یہ سمجھتا تھا کہ
یہ وعدے بزور بادشاہ سے حاصل کئے گئے ہیں اور وہ بزور پھر
مسترد ہو سکتے ہیں۔ سلاطین فرانس کو دیکھتا تھا کہ وہ سب اولوالعزم
و خودسر ہوتے جاتے ہیں۔ اس سے ہنری کے دل میں اس اختیار
مطلق کی صداقت کا نقش بیٹھ گیا تھا اور اسی پر اس کی مجلس
شوری والے بھی اب تک مصر تھے۔ لینگٹن کی موت اور
ہیوبرٹ ڈی برگ کے زوال سے اسے یہ آزادی مل گئی تھی کہ
وہ اپنے حلقے میں ایسے فرمان پذیر وزرا کو جمع کرلے جو محض
شاہی مرضی کے پورا کرنے والے ہوں۔ پائٹو اور بریٹنی کے لوگوں
کا ایک فاقہ مست گروہ فوراً طلب کیا گیا کہ وہ شاہی ایوانات
میں داخل ہوکر دربار سے متعلق عدالت کی خدمتوں اور انتظامی
عہدوں پر مامور کیا جائے، پراونس کی ایلنر سے عقد کرلینے کے بعد
ہی ملکہ کے سب چچا انگلستان میں آگئے۔ پیٹر (سیوائے) کا مکان
ی سیوائے" واقع اسٹرینڈ اب تک اس کی یادگار موجود ہے۔

یہ شخص پانچ برس بعد آیا تھا اور ایک زمانہ میں ہنری کے ارکانِ مجلس میں اسے سب پر فوقیت حاصل ہو گئی تھی۔ سیوائے کا دوسرا بھائی بانفیس اسقف اعظم اڈمنڈ کے انتقال کے بعد کینٹربری کا اسقف اعظم مقرر کیا گیا۔ ملک میں یہ وہ منصب اعلیٰ ہے جس کا درجہ صرف بادشاہت کے بعد ہے۔ اس نوجوان مقتدائے مذہب کے انداز و اطوار بھی اس کے بھائی کی طرح ایسے بیگانہ وار تھے جن سے انگریزی قوم بہت ہی غیر مانوس تھی۔ اس کے مسلح نوکر بازاروں کو لوٹ لیتے تھے، اس نے خود سنٹ بارتھولومیو بائی اسمتھفیلڈ کے رئیس خانقاہ کو (جس نے اس کی آمد کی مخالفت کی تھی) ایک گھونسا مار کر گرا دیا، سارا لندن اس بیہودگی سے برانگیختہ ہو گیا، اور بادشاہ نے جب اس کا انصاف کرنے سے انکار کیا تو اہل شہر کے ایک انبوہ کثیر نے انتقام انتقام کا شور مچا کر لیمبتھ میں اس کے مکان کو گھیر لیا اور یہ اسقف اعظم بہت خوش ہوا کہ اسے سمندر پار نکل جانے کا موقع مل گیا۔ پراونس کے اس غول کے بعد ۱۲۴۳ء میں جان کی ملکہ ازبیلا (اینگولیم) کے رشتہ داروں کی آمد پائٹو سے شروع ہوئی، ایمر، ونچسٹر کا اسقف بنایا گیا اور ولیم (ویلنس) کو پمبرک کی امارت دی گئی، شاہی دربار کا مسخرہ بھی پائٹو ہی کا ایک رہنے والا تھا۔ پائٹو کے امرا اپنے ہمراہ عورتوں کا ایک غول بھی لے آئے جو شوہروں کے تلاش میں تھیں اور بادشاہ نے تین انگریزی ارلوں کا (جو اس کی تولیت میں تھے) انہیں غیر ملکیوں سے عقد کر دیا۔ انتظام کی

تمام کل ان لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی جو انگریزی حکومت یا انگریزی قانون سے ناواقف و متنفر تھے۔ ان کی حکمرانی محض طوائف الملوکی تھی، خود شاہی محل کے ملازمین لٹیروں میں داخل تھے اور شاہی دربار کے حدود میں غیر ملکی سوداگروں کو لوٹ لیتے تھے، رشوت نے عدالت کے انتظام کو تباہ کر دیا تھا، ایک جج ہنری ڈی باتھ کی نسبت یہ ثابت ہو گیا تھا کہ اس نے کھلم کھلا رشوتیں لیں اور متنازع فیہ جائدادوں کا خود اپنے حق میں فیصلہ کر لیا ٭

شرائط منشور کے خلاف اس طرح کی بد انتظامی کا بلا روک ٹوک جاری رہنا انگریزی طبقہ بیرن کی سستی و نا اتفاقی ہی کی وجہ سے ہوا، غیر ملکیوں کی پہلی آمد کے موقع پر سابق نائب السلطنت کا بیٹا رچرڈ (ارل مارشل) بیرنوں کے سرگروہ کی حیثیت سے شاہی مجلس شوریٰ سے غیر ملکیوں کے اخراج کے مطالبے پر آمادہ ہوا اور اگرچہ امرا کے بڑے حصے نے اس کا ساتھ نہیں دیا پھر بھی اس نے ان غیر ملکی فوجوں کو جو اس کے مقابلے پر بھیجی گئی تھیں شکست دی اور بادشاہ کو صلح پر مجبور کیا، مگر عین اس موقع پر ارل مارشل کو پٹروس راکس کی سازش کی وجہ سے آئرلینڈ جانا پڑا، وہ ایک چھوٹی سی لڑائی میں مارا گیا، اور اس کے بعد بیرنوں کا کوئی سرگروہ باقی نہیں رہا۔ اڈمنڈ رک جسے ہم آکسفورڈ کی معلمی کی حالت میں دیکھ چکے ہیں اور جو کنٹربری کے اسقف اعظم ہونے کے مرتبے پر پہنچ گیا تھا، اس نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ پٹر د

دربار سے خارج کر دے مگر اس کا کچھ اثر نہیں ہوا اسقف اعظم اور رابرٹ گروسیٹسٹ (اسقف لنکن) کے تعرضات لا حاصل ثابت ہوئے۔ اس کے بعد بد انتظامی کا زمانہ دراز پیش آیا اس میں فینانس کی دشواریوں نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ جبرستانی پر جبرستانی کرتا جائے۔ "قوانین جنگل" استحصال کا ذریعہ بنائے گئے، اساقفہ اور خانقاہوں کے عہدے خالی رکھے گئے، امرا و مقتدیانِ دین سے بزور قرض حاصل کیا گیا، دربار شاہی خود جہاں جاتا بلا معاوضہ مکانات پر قبضہ کرلیتا۔ لیکن اس قسم کی آمدنیاں بادشاہ کی فضول خرچیوں کے پورا کرنے کے لئے بالکل ہی ناکافی تھیں، شاہی آمدنی کا چھٹا حصہ غیر ملکی لوگوں کے وظائف میں جو بہت مورد عنایت تھے صرف ہو جاتا تھا، تاج کے قرضے اس کی سالانہ آمدنی سے چہار چند ہو گئے تھے۔ ہنری ملک کی کونسل سے درخواست کرنے پر مجبور ہوا اور رقم اس شرط پر منظور کی گئی کہ بادشاہ منشور اعظم کی تصدیق کرے۔ اگرچہ اب منشور کی تصدیق کی گئی پھر بھی برابر اس سے بے پروائی برتی گئی، اور بیرنوں کے غصے کا اظہار اس وقت ہوا جب انہوں نے مزید رقم کے دئے جانے پر بالاستقلال اعتراض کیا اور اس سے انکار کر دیا مگر باوجود اس انکار کے ہنری نے کسی نہ کسی طرح اتنا روپیہ جمع کر لیا کہ پائٹو کے واپس لینے کی مہم میں زر خطیر خرچ کر ڈالا۔ اس کوشش کا خاتمہ ناکامی و ذلت پر ہوا۔ ٹیلبرگ میں ہنری کی فوجیں فرانسیسیوں کے سامنے سے ذلیل ہو کر اور ہزیمت اوٹھا کر سینٹس تک بھاگتی چلی گئیں

اور صرف ہنری نہم کے دفعتہً علیل ہو جانے اور بیماری کے باعث
اس کی قوم کے منتشر ہو جانے سے بارڈیو فاتحین کے ہاتھ میں
جاتے جاتے رہ گیا۔ خزانہ خالی ہوگیا تھا اور ہنری کو مجبوراً بیرنوں
سے پھر روپے کی درخواست کرنی پڑی۔ البتہ حکومت کے اجرا
کے لئے امرا کی الوالعزمی ان کے اس مطالبے سے ظاہر ہوتی ہے
کہ فرمان کی تصدیق کے بعد ہی مجلس ملکی میں جسٹیر (نائب السلطنت)
چانسلر اور وزیر خزانہ کے انتخابات عمل میں آئے اور یہ تجویز ہوئی
کہ ایک مستقل مجلس بادشاہ کے ساتھ رہے اور مزید اصطلاحات کو
جاری کرے' یہ تجویز ہنری کی مخالفت اور پوپ کے امتناع کی وجہ
سے شکست ہوگئی پوپ کے محصولات کا بار پادریوں پر بہت سخت
پڑ رہا تھا روم اور بادشاہ سے بیکار استدعائیں کرنے کے بعد اسقف اعظم
اڈمنڈ مایوس ہوکر ملک چھوڑ کر پانٹگنی کو چلا گیا اور پوپ کی جانب
سے محصل پر محصل بدنصیب پادریوں کے سر پر وارد ہوتے رہے
جنہیں معافیات' تعطل اور ملت سے خارج کردینے کے اختیارات
حاصل تھے۔ اس عام لوٹ سے مقاومت کا ایک شعلہ بھڑک اٹھا
اور اس معاملے میں آکسفورڈ نے سب پر سبقت کی۔ وہاں کے طلبہ کے
غول نے پوپ کے ایک وکیل پر "سود خوار" "بے دین" آوازے کس کر
اسے شہر سے باہر بھگا دیا فلک فزوارین نے بیرنوں کی جانب سے ایک
محصل کو انگلستان سے باہر نکل جانے کا حکم دیا اس کے ساتھ یہ بھی
کہہ دیا کہ "اگر تم تین دن سے زائد ٹھہروگے تو تم اور تمہارے ساتھی سب کے
ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے جائینگے" کچھ دیر کے لئے خود ہنری بھی اس قومی غصے کی رو میں

آگیا، بادشاہ و امرا و مقتدایانِ دین نے اپنے خطوط میں پوپ کے اس استحصال پر اعتراضات کئے اور حکم دے دیا گیا کہ کسی طرح کی رقم ملک سے باہر نہ بھیجی جائے مگر "فتوائے تعطل" کی تہدید سے پھر ہنری کو جبر ستانی کے طریقے پر عود کرنا پڑا اور وہ خود روم کا شتر بن گیا۔

اس عہد بدنظمی کی داستان ایک ایسے وقائع نگار نے ہمارے لئے محفوظ رکھی ہے جس کے صفحات اس جذبۂ حب الوطنی کے ایک نئے جوش سے چمک رہے ہیں جو عوام اور پادریوں پر اس عام ظلم کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔ میتھو پیرس جس طرح انگریزی خانقاہی مورخین میں سب سے آخری مورخ ہے اسی طرح وہ ان سب میں بڑا مورخ بھی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سنٹ البنز کا فرقہ اس کے بعد بہت دنوں تک قائم رہا مگر لکھنے والے محض واقعات کے ضبط کرنے والے رہ گئے تھے جن کی نظریں خانقاہ کی چار دیواری کے اندر محدود تھیں اور ان کی تصنیف بالکل بے مزہ و بے کار ہے۔ متھیو کے بیان کی وسعت وصحت، مسائل قومی و یورپی سے اس کی فراواں واقفیت، اس کی رایوں کی عام صفائی اور اسکے انصاف پر اگر کوئی شئے فائق ہے تو وہ صرف بہ حیثیت مجموعی اس کی حب الوطنی کا جذبہ و جوش ہے، وہ سنٹ البنز کے وقائع نگار کی حیثیت سے راجر (ونڈوور) کا جانشین ہوا تھا، اور وقائع کبیر (جو مدت تک متھیو کے نام سے مشہور رہا ہے) نیز انگریزی تاریخ اور قدیم رؤسائے خانقاہ کے حالات زندگی" اس کی کثیر تصانیف

میں صرف چند کتابیں ہیں۔ ان کتابوں کی کثرت سے ظاہر ہے کہ اس نے اس کام میں کس قدر زحمت کشی کی تھی۔ وہ جس مرتبے کا مورخ تھا اسی درجے کا مصور بھی تھا۔ اور بہت سے مسودات (جو اب تک محفوظ ہیں) خود اس کے ہاتھ کے منقش کئے ہوئے ہیں۔ اہل مراسلت کا وسیع حلقہ جس میں گردسیسٹ جیسے اساقفہ، ہیوبرٹ ڈی برگ جیسے وزرا، اور الگزنڈر دی سورفرڈ جیسے عہدہ دار شامل تھے، سیاسی و مذہبی کارروائیوں کے تفصیلی واقعات اس کے لئے مہیا کرتا تھا۔ مشرق کے زائرین اور پوپ کے گماشتے بیرون ملک کے واقعات کی خبریں سنٹ البنز کے تحریر کے کمرہ میں اس کے پاس لایا کرتے تھے۔ سلطنت کے توقیعات و فرامین اور خزانوں کی بہیوں سے اقتباسات کا اسے موقع حاصل تھا اور اس نے بہت کثرت سے ان کے انتخابات دئے ہیں۔ خانقاہ میں بادشاہ کا اکثر آتے رہنا، سیاسی خبروں کا ذخیرہ اپنے ساتھ لاتا تھا اور اس وقائع عظمیٰ کے لئے جس میں اس کی کمزوری و بدنظمی کی یادگار نہایت صداقت کے ساتھ محفوظ ہے، ہنری خود تحریریں بھیجا کرتا تھا، ایک بہت بڑی دعوت میں بادشاہ نے خود متھیو کو پہچان کر حکم دیا کہ سطح فرش اور تخت کے درمیانی زینے پر وہ بیٹھ جائے اور یہ خواہش کی کہ اس روز کی کارروائی کی داستان لکھ لے۔ جب وہ خود سینٹ البنز میں گیا تو اس نے متھیو کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کے لئے بلایا اپنے کمرے میں بیٹھ کر اس کی واقفیت کے لئے ڈھائی سو انگریزی بیرنوں کا نام بنام ذکر کیا، مگر ان شاہی نوازشوں کا اثر

متھیو کی تصنیف میں مطلق نظر نہیں آتا۔ وہ خود کہتا ہے کہ "تاریخ لکھنے والوں کا کام نہایت سخت ہے، کیونکہ اگر وہ سچ لکھتے ہیں تو لوگوں کو بر انگیختہ کرتے ہیں اور اگر غلط لکھتے ہیں تو خدا کو ناخوش کرتے ہیں۔" باوجودیکہ اس میں بنڈکٹ اور ہوئڈن کی طرح کے درباری مورخین کی سی پر گوئی پائی جاتی ہے مگر اس میں ایک ایسی آزادی اور حب الوطنی بھی موجود ہے جو ان کے صفحات میں بہت کم نظر آتی ہے، پوپ اور بادشاہ دونوں کے مظالم پر وہ یکساں طور پر بے روو رعایت سخت نفرت کا اظہار کرتا ہے وہ درباری و کلیسائی بن کر کسی شے کو نہیں دیکھتا بلکہ ایک انگریز کی نظر سے ہر شے کو دیکھتا ہے اور اس کے وقائع کا جدید قومی لہجہ اس قومی جذبے کی ایک آواز بازگشت ہے جس نے آخرکار امرا و عوام و اہل کلیسا کو بادشاہ کے مقابلے میں آزادی حاصل کرنیکے لئے یک زبان کردیا۔

جزو ششم

فرائر

فرائر کی آمد انگلستان کے متعلق اکلسٹن کا رسالہ اور ایڈم مارش کے خطوط کے علاوہ کتاب مانو منٹا فرنیسسکینا Monumenta Franciscana میں مسٹر برُوور کا قابل قدر دیباچہ بھی دیکھنا چاہئے۔ یہ کتاب سلسلہ رولز میں شائع ہوئی

۷۔ اس سلسلے میں مسٹر لوورڈ نے گروسٹیسٹ کے خطوط بھی ترتیب دے کر شامل کئے ہیں ۔ اس تمام تحریک کے عام حالات کے متعلق ملمین کی لیٹن کرسچینیٹی (لاطینی عیسائیت Latin Christianity) کی جلد چہارم کے بابہائے نہم و دہم دیکھنا چاہئے۔

ان ہم بد نظمی و سیاسی بد حالی کے چالیس برس بعد کے پر مصیبت میدان سے گزر چکے ہیں اور اب ہم اطمینان کے ساتھ فرائر کی داستان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ۔

ہم دکھا چکے ہیں کہ ممالک عیسوی پر پادری کبھی اس طرح کی سخت گرفت کے ساتھ مسلط نہیں ہوئے تھے، جیسے انوسنٹ سوم اور اس کے بعد کے جانشینوں کے وقت میں وہ حاوی ہو گئے تھے مگر عوام پر ان کی مذہبی گرفت روز بروز ڈھیلی ہوتی جاتی تھی ۔ پوپوں کے قدیم تقدس کا اعتقاد جو دلوں میں تھا وہ ان کی ریاست دنیاوی کی حرص و محض ہوس دنیا میں مبتلا ہو کر تعطل و اخراج کے بار بار عمل میں لانے اور مال وزر کے لئے مقدس احکام کی تذلیل کرنے سے گھٹا جاتا تھا اور ان کی طرف سے عام نفرت پیدا ہوتی جاتی تھی ۔ اطالیہ میں روم اور فریڈرک ثانی کے مابین جو کشمکش شروع ہو گئی تھی اس نے عقیدوں میں فساد پیدا کر دیا، جس کی وجہ سے ابیقورس کے متبعین شعرائے فلورنس، بقائے روح کے منکر ہو گئے اور خود اصل ایمان تک پر حملہ کرنے لگے، جنوبی گال میں صوبجات لینگیڈاک اور پراونس نے البیجینوں کا ارتداد اختیار کر لیا تھا، اور پوپ سے ہر طرح کے تعلقات منقطع کر دئے تھے ۔ انگلستان

میں اگرچہ اس وقت تک مذہبی انحراف کے آثار نہیں پیدا ہوئے تھے اور خود روم کی سیاسی کارروائیاں بھی بالعموم آزادی کی مانع نہ تھیں تاہم وہاں بھی قومی معاملات میں پوپ کی مداخلت کے روکنے کا ایک احساس پیدا ہو گیا تھا۔ جان کی کشمکش کے زمانے سے پوپ کو اس مداخلت کا موقع ملا مگر انوسنٹ کے فتوا تعطل کا لندن نے یہی جواب دیا کہ "پوپ کو دنیاوی معاملات میں کسی قسم کی دست اندازی کا کوئی حق نہیں ہے"۔ خود انگریزی کلیسا کے اندر بہت سے امور اصلاح طلب موجود تھے۔ حصول فرمان کے مناقشے میں کلیسا کے طرز عمل اور نیز مقتدائے اعظم کے بعد کے کاموں نے کلیسا کو بہ نسبت سابق کے زیادہ ہر دلعزیز بنا دیا تھا مگر اس کی روحانی قوت اس کی سیاسی قوت سے کم تھی۔ وعظوں کے کم ہو جانے خانقاہی فرقوں کے دولتمند امرا کے طرز و طور اختیار کر لینے دیہاتوں کے پادریوں کے دیہاتوں میں نہ رہنے اور ان کی جہالت نے طبقہ قسیس کو مذہبی اثر سے محروم کر دیا تھا۔ وقت کی خرابیوں نے لنکن کے اسقف گروسٹیسٹ کے سے زبردست شخص کو بھی عاجز کر دیا تھا۔ اس نے اپنے قوانین کی رو سے پادریوں کے لئے میخانوں میں جانا، جوا کھیلنا، شراب کے جلسوں میں شریک ہونا، بیرنوں کے شور و شغب اور عیاشی میں شامل ہونا ممنوع قرار دے دیا تھا، مگر اس قسم کے امتناعات بجائے خود ان خرابیوں کے باعث ہوتے ہیں جن کے روکنے کے لئے وہ وضع کئے جاتے ہیں۔ اساقفہ اور ڈین (ناظمان کلیسا) کو ان کے

مذہبی فرائض سے علٰحدہ کرکے وزرات، عدالت، سفارت کے کاموں پر متعین کرتے تھے۔ جان منسل کے سے پادریوں کو جو بادشاہ کے مورد عنایت تھے ایک ساتھ سیکڑوں اوقاف عطا کردئے جاتے تھے۔ دیہاتوں کے عشر خانقاہیں ہضم کرلیتی، اور نیم گرسنہ مقتداؤں کو ان کی مذہبی خدمات کے لئے مقرر کردیتی تھیں۔ روم سے "معافیاں" خرید لینے سے کینن اور رہبان کی بد اطواریاں عام مذہبی انضباط کے دائرے سے نکل جاتی تھیں۔ اور ان سب کے پیچھے پیچھے ایک گروہ دنیاوی مدبرین و اہل علم کا تھا یہ لوگ درحقیقت کلیسا سے کسی طرح کی علانیہ جنگ نہیں کرتے تھے مگر اس کی خرابیوں اور غلطیوں پر سخت تمسخر کے ساتھ نظر ڈالتے تھے۔

دنیا کو دوبارہ کلیسا کے تحت میں لانے کی غرض سے تیرھویں صدی کے شروع میں دو مذہبی فرقے یکایک پیدا ہو گئے۔ اسپین کے ڈومینک کا جوش ان مقتدایان دین کے امیرانہ انداز کو دیکھ کر حد سے گزر گیا جو آگ اور تلوار کے زور سے البیجنی مرتدوں کو عیسائی بنانا چاہتے تھے وہ فوراً پکار اٹھا کہ "جوش کا مقابلہ جوش سے" نرمی کا مقابلہ نرمی سے" جھوٹی پاکبازی کا مقابلہ سچی پاکبازی سے" اور دروغ گوئی کا مقابلہ راست گوئی سے کرنا چاہئے"۔ اس کے آتش انگیز جوش اور زہد خشک کو اسانسی والے فرانسس کی صوفیانہ پرہیزگاری اور جھوٹ موٹ کے فرضی جوش سے اور بھی تقویت حاصل ہو گئی تھی۔ فرانسس کے حالات سے اس زمانے کی تاریکی میں روشنی کی جھلک سی

معلوم ہوتی ہے۔ گیاٹو کی تصاویر یا ڈینٹی کی نظم میں ہم دیکھتے
ہیں کہ اس نے بے نوائی کو اپنی بیوی قرار دیا اور خود کو تمام
چیزوں سے جدا کر لیا تھا، اس نے اپنے کپڑے تک اپنے باپ
کے قدموں پر پھینک دئے تاکہ وہ فطرت و خدا کے ساتھ متحد
ہو جائے۔ اس کی ولولہ آمیز نظم چاندنی[1] کو اپنی بہن اور سورج کو
اپنا بھائی ظاہر کرتی ہے۔ وہ اپنی بہن "ہوا" اور اپنے بھائی پانی کو
بلاتا ہے اُس کا آخری کلمہ ضعیف آواز میں یہ تھا کہ "مرحبا اے بہن
موت"۔ ان دونوں شخصوں کے درمیان اگرچہ تعجب انگیز فرق تھا
مگر مقصد دونوں کا یہی تھا کہ کافروں کو دین دار بنائیں، ارتداد کو
بیخ و بُن سے اکھاڑ ڈالیں علم و مذہب میں موافقت پیدا کریں،
دعوت انجیل غریبوں تک پہنچا دیں۔ اس مقصد کا حصول اس طرح
سوچا گیا کہ قدیم خانقاہی طریقہ کلیتہً بدل دیا جائے۔ اپنے
ہمجنسوں کے نجات دلانے کی کوشش کو اپنی نجات کا وسیلہ
بنایا جائے، منبروں پر وعظ کہنے کے بجائے گرجا کے حجروں میں
عزلت گزینی اختیار کی جائے اور رہبانیت کو اخوت باہمی سے
بدل دیا جائے۔ نئے "بھائیوں" (فرائر) کو اس امر پر مجبور کرنا
چاہئے کہ وہ مطلقاً اُنہیں لوگوں سے ملنے پر انحصار کریں جن سے
کچھ تعلقات ہیں۔ اپنی بے نوائی کو حقیقی کر کے دکھا دیں۔ گداگر
فرائر کے لئے غریبوں کی خیرات پر بسر کرنا لازم قرار دیا گیا تھا
وہ نہ نقد اپنے پاس رکھ سکتے تھے اور نہ زمین لے سکتے تھے

---

[1] یورپ کی زبانوں میں چاند مونث استعمال ہے۔

ان کے مکان تک دوسروں کی امانت میں ہوتے تھے۔ ان کے میدانِ عمل میں آنے پر جس عام جوش کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا گیا، اس کی رو میں روم کی طرف سے کشیدگی، پرانے فرقوں کی باہمی رقابت، دیہاتی پادریوں کی مخالفت سب ہوا ہوگئی۔ چند ہی برس میں ہزاروں "براوران" فرانسس اور ڈومینک کے گرد جمع ہوگئے اور یہ گداگر واعظ اُون کے موٹے جبے پہنے اور کمر کو رسی سے باندھے ہوئے برہنہ پا، ایشیا میں وعظ کہتے اطالیہ و گال میں ارتداد کا مقابلہ کرتے، دارالعلوموں میں درس دیتے، اور غریبوں کو پند و موعظت سے نفع پہنچاتے، خود تکلیفیں اٹھاتے تھے۔

قصبات میں فرائر کا آنا خصوصیت کے ساتھ مذہبی انقلاب کا باعث ہوا زیادہ تر قصبے محض نماز پڑھانے والے جاہلترین و بدترین پادریوں کے ہاتھ میں پڑے ہوئے تھے، ان پادریوں کی گزران بالکل ان کے نذرانے پر تھی، اہل قصبہ اور پیشہ ور لوگ گرجا کی عبادت کے شاندار مراسم، انجیل کی تصاویر اور کلیسا کی دیواروں پر کھدے ہوئے نقش و نگار سے مذہب کی جو تعلیم چاہیں جاری کر دیں، کوئی ان کا پرساں نہیں تھا۔ پس ایسی حالت میں ان گشت لگانے والے واعظین کا جس جوش سے خیر مقدم کیا گیا اس پر ہمیں مطلق تعجب نہ کرنا چاہئے۔ یہی لوگ تھے جن کی پرجوش نصیحت اور عام فہم مذاق اور مانوس تمثیلوں نے مذہب کو میلوں اور بازاروں میں رائج کیا، ڈومینک کے فرائر تعود

اور فرانسس کے فرائر ابیض دونوں کا یکساں مسرت کے ساتھ
خیر مقدم ہوتا تھا۔ جس طرح قدیم فرقوں نے دیہاتوں کو پسند
کیا تھا اسی طرح فرائر نے قصبوں اور شہروں کو پسند کیا۔ ڈاور
میں اترتے ہی وہ سیدھے لندن اور آکسفورڈ کو روانہ ہو گئے۔
راستہ نہ جاننے کی وجہ سے فرقہ فرانسس کے شروع میں دو فرائر
آکسفورڈ اور بیلڈون کے درمیان جنگلوں میں راستہ بھول گئے
اور رات کی تاریکی اور سیلاب کے خوف سے ابنگڈن کے راہبوں
کی اقامتگاہ کی طرف مڑ گئے۔ انہوں نے جب مہمان نوازی کی
درخواست کی تو ان کے پھٹے پرانے کپڑے اور غیر ملکی انداز و اطوار
سے دربان نے انہیں مسخرہ و شعبدہ باز سمجھا۔ اس خبر کے سنتے
ہی اپنی تنہائی کے دفع کرنے اور تفریح کے خیال سے رئیس خانقاہ
تبرکات کا محافظ اور خزانہ دار سب ان کے خیر مقدم اور کھیل
دیکھنے کے لئے دروازے تک آئے مگر اصل حقیقت کے معلوم
ہونے سے جو مایوسی پیش آئی وہ ان راہبوں کے تحمل سے باہر
تھی اور فرائر بری طرح ٹھوکر مار کر دروازے سے نکال دئے
گئے اور انہیں درخت کے نیچے رات بسر کرنی پڑی، مگر شہریوں
کے خیر مقدم نے ہر جگہ پادریوں اور راہبوں کی بدسلوکی و مخالفت
کی تلافی کر دی، فرائر کا کام جسمانی و روحانی دونوں طرح کا تھا
قصبوں کے اندر آبادی کی روز افزوں ترقی ازمنہ وسطی کے
قوانین حفظ صحت سے باہر تھی اور بخار، وبا اور سب سے زیادہ
خطرناک بلا جذام نے، آس پاس کے غلیظ مکانات میں گھر بنا لیا تھا

فرانسس نے اپنے مریدوں کو ایسے ہی مقامات پر جانے کی ہدایت کی تھی۔ یہ فرائر فوراً ہی ہر قصبے کے ذلیل ترین و فلاکت زدہ محلے میں مقیم ہو گئے۔ انہوں نے اپنا کام تکلیف دہ بیمارستان سے شروع کیا۔ وہ عام طور پر جذامیوں کے درمیان قیام کرنے لگے، لندن میں نیوگیٹ کے گوشت کے بازار میں انہوں نے اقامت اختیار کی، آکسفورڈ میں انہوں نے اپنے لئے وہ مرطوب زمین تجویز کی جو شہر کی دیواروں اور ٹیمز کے چشموں کے درمیان واقع ہے، فرائر کے محلے بھدے احاطوں اور خندقوں سے گھرے ہوئے تھے اور اندر مٹی اور لکڑی کے دیسی وضع کے ذلیل جھونپڑے بنے ہوئے تھے جیسے ان کے آس پاس میں تھے۔ فرانسس کے فرقے نے پر تکلف عمارات اور کثرت اسباب تن آسانی کے خلاف (جو اس زمانے کا مذاق خاص تھا) سخت جنگ کی۔ انگلستان کے ایک صوبے کے سرگروہ پر جب دوسرے فرائروں نے ایک مکان کے لئے زور دیا تو اس نے اعتراضاً کہا کہ "میں مذہب میں دیواریں بنانے کے لئے داخل نہیں ہوا ہوں" پیسا کے رہنے والے البرٹ نے ایک سنگین حجرے کو جو ساوتھیمپٹن کے لوگوں نے ان کے لئے بنایا تھا زمین سے برابر کردینے کا حکم دیا۔ تکیوں کی خواہش پر اس نے حقارت کے ساتھ جواب دیا کہ "آسمان کی طرف سر اُٹھانے کے لئے تمہیں چھوٹے چھوٹے پہاڑوں کی ضرورت نہیں ہے" ان لوگوں میں سوا بیماروں کے اور کوئی جوتا نہیں

پہنتا تھا۔ آکسفورڈ کے ایک فرائر کو صبح کے وقت ایک جوڑا جوتوں کا مل گیا اور اس نے صبح کی نماز میں انہیں پہنا۔ رات کو اس نے خواب دیکھا کہ گلوسٹر اور آکسفورڈ کے درمیان ایک پرخطر راستے میں ڈاکو اس پر "مارو مارو" کی آواز کے ساتھ ٹوٹ پڑے ہیں خوف زدہ فرائر چلا اٹھا کہ "میں ایک فرائر ہوں" فوراً ہی جواب ملا کہ "تم جھوٹے ہو کیونکہ تم جوتا پہنکر چلتے ہو"۔ اسے غلط ثابت کرنے کے لئے فرائر نے اپنے پیر اٹھائے مگر پیروں میں جوتا موجود تھا۔ پریشانی و ندامت کے ساتھ وہ جاگ اٹھا اور جوتوں کو دریچے سے باہر پھینک دیا۔

فرائر دارال

جوش علم کے خلاف اس فرقے نے جو کوششیں کیں اس میں اسے نسبتاً کامیابی کم ہوئی، ان کی غربت کے عہد کی ان کے بانیوں نے جس سخت طریقے سے تعبیر کی تھی اس کی رو سے کتاب و سامانِ مطالعہ کا رکھنا بھی ان کے لئے ممنوع تھا، ایک امیدوار نے جب کتاب مزامیر کی درخواست کی تو فرانسس غصے سے چلا اٹھا کہ "میں ہی تمہارے اعمالِ روزانہ کی کتاب ہوں" پیرس میں جب ایک بڑے صاحب علم کے استقبال کی خبر اس کے پاس آئی تو اس کا چہرہ متغیر ہوگیا، اس نے جواب دیا کہ "اے میرے بیٹے مجھے خوف ہے کہ اس قسم کے علما میرے باغ کی تباہی کا باعث ہو جائیں گے۔ اصل عالم وہ ہیں جو عقل و نرمی کے ساتھ اپنے ہمسایوں کے بلند کرنے کے اچھے اچھے کام کر دکھا دیں"۔ ہم کہ چکے ہیں کہ

بعد کے زمانے میں راجر بیکن کو سیاہی - کاغذ - کتاب رکھنے کی اجازت نہیں تھی اور صرف پوپ کے حکم سے اُس کے لئے اِس قاعدے کا بشدت ملحوظ رکھنا ملتوی ہو سکا۔ مگر ان کے کام نے ایک خاص قسم کے علم کے حصول پر انہیں کم و بیش مجبور کر دیا - اپنے وعظ کو ہر دلعزیز بنانے کے لئے انہیں بہت جلد دینیات کے زیادہ گہرے مطالعے کی ضرورت پیش آئی - انگلستان میں ان کے قدم جمانے کے تھوڑے ہی زمانے کے اندر ہم دیکھتے ہیں کہ ہیرفرڈ، لیسسٹر، برسٹل اور دوسرے مقامات میں تیس بتیس فرائر معلم و مدرس مقرر ہو گئے تھے اور ہر دارالعلوم میں مدرسین کا ایک منضبط سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ آکسفورڈ کے ڈومنیکی فرائر اپنے نئے گرجا کے حصہ خاص میں دینیات کا درس دیتے تھے، اور فلسفہ کی تعلیم بغلی حجروں میں ہوتی تھی۔ فرنسیسی فرائر کے اول نگرانِ صوبہ نے بمقام آکسفورڈ اپنے فرائروں کے مکان کے اندر ایک مدرسہ بنایا اور گروسیٹسٹ کو وہاں درس دینے کی ترغیب دی، لنکن کی اسقفی پر ترقی یاب ہو کر وہ فرائروں میں تعلیم کے استحکام اور دارالعلوموں میں ان کے تقرر کے لئے مسلسل اپنے اثر کو کام میں لاتا رہا۔ اس کے شاگرد ایڈم مارشل (یعنی ڈی مارسکو) نے اس کام میں اسے بہت اچھی مدد دی، اور اسی کے تحت میں آکسفورڈ کے فرنسیسی مدرسے نے تمام ممالک عیسوی میں شہرت حاصل کی، لینز، پیرس اور کان نے وہاں سے معلم حاصل کئے اور درحقیقت اسی کا اثر تھا کہ اب علمی مرکز ہونے کے لحاظ سے آکسفورڈ کا درجہ پیرس سے

کسی طرح کم نہیں رہا تھا۔ تین نہایت ہی ممتاز اور مقدم صاحبانِ مدرسہ یعنے روجر بیکن ڈنس اسکوٹس اور آکیم اس مدرسے کے طلبہ میں تھے۔ اس کے بعد ہی ایک گروہ مدرسین کا پیدا ہوا جو اپنے وقت میں کسی طرح ان سے کم ممتاز نہیں تھا؎

مگر بہت جلد معلوم ہو گیا کہ اس قومی تحریک کا نتیجہ ان فلسفہ زیادہ وسیع دماغی کاموں کے لئے جو اب تک دارالعلوموں کی مدرا خصوصیت ہو رہے تھے مہلک ثابت ہو رہا ہے دینیات نے اپنی اس درسی صورت میں مدرسوں میں غلبہ حاصل کرلیا تھا اس کا با اثر رقیب اب صرف قانون تھا یا طب۔ فلسفۂ ارسطو اب تک ازمنہ وسطے کے اعتقاد کا سب سے زیادہ خطرناک دشمن متصور ہوتا تھا اور تعلیم میں اسے دخل نہیں ملتا تھا مگر اب مذہبی اصول کے بحث و تعین میں اس کے منطقی طریقے کے داخل ہو جانے کے باعث وہ ایک مغتنم رفیق بن گیا تھا۔ یہی وہ طریقہ تھا جس سے وہ بیکار کی نزاکت آفرینی و عجائب پرستی پیدا ہوئی جسے لارڈ بیکن اس تعلیم فلسفہ کی خرابی قرار دیتا ہے لیکن فرائر کے متعلق اس عالی دماغ روشن خیال کی رائے ہے کہ "اگر یہ صاحبانِ مدرسہ حصول صداقت کی سخت تمنا اور نہ تھکنے والے ذہن کے ساتھ مطالعہ و خیال کے انواعِ مختلفہ کو شامل کر لیتے تو یقیناً تعلیم و علم کی ہر قسم کی بیش بہا ترقیوں کے لئے بہت ہی اچھے ثابت ہوتے"۔ اس میں شک نہیں کہ تمام غلطیوں کے

باوجود انہوں نے دلائل کی قوت اور الفاظ کی صحت استعمال کی ضرورت پر زور دیا اور ہر طرح کے مسائل زیر بحث کے لئے ایک واضح و مرتب طریقہ جاری کیا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تحکم کی بلا چون و چرا اطاعت کے بجائے استدلال کی طرف توجہ دلائی۔ تحقیقات کے متعلق اس مدرسی کے طریقے نے نقادانہ میلان اور نئی صحت و صفائی نظر پیدا کی۔ یہی باعث تھا کہ باوجود اس کے کہ یہ مسائل مہتم بالشان نہ تھے جن میں یہ لوگ مصروف رہا کرتے تھے تاہم آئندہ دو صدیوں میں ذہن انسانی میں یہ صلاحیت پیدا ہو گئی کہ نشأۃ جدیدہ کے لوگ علم کے عظیم الشان ظہور سے فائدہ اٹھا سکے۔ نیز رعایا و بادشاہ کے درمیان آئندہ جو کشاکش پیدا ہوئی اس میں فرائر کا وسیع اثر بھی اس بے خطر تحقیقات علمی اور اس عام قومی ہمدردی کا نتیجہ تھا جو ان کے نظام ترکیبی ہی سے لازماً پیدا ہو گئی تھی ان کی یہ خصوصیت اون مناقشات کے زمانے میں صاف و غیر متزلزل نظر آتی ہے۔ آکسفورڈ کا دارالعلوم اب ان کے تعلیمی اثر کے تحت میں آگیا تھا اور وہ پوپ کے مطالبات کی مقاومت اور انگریزی آزادی کے مطالبے میں سب سے اول تھا۔ شہروں کے رہنے والے جن پر فرائر کا براہِ راست اثر پڑا تھا وہ جنگ بیرون کے تمام زمانے میں آزادی کے نہایت قوی حامی رہے۔ ایڈم مارش، گروسیٹسٹ اور سیمن (ارل مانٹفرٹ) دونوں کا نہایت گہرا دوست اور معتمد علیہ تھا؛

جزو ہفتم

بیرنوں کی جنگ

۱۲۵۸ — ۱۲۶۵

[اسناد۔ اس اہم زمانے کے شروع ہوتے ہی ہم متھیو پیرس کی بیش بہا امداد سے محروم ہو جاتے ہیں۔ مقتدر وقائع نگاروں کا یہ آخری شخص ہے سنٹ البنز میں اس کے جانشین رشنگر کا وقائع (جسے ماسٹر آف دی رولز نے شایع کیا ہے) متفرق اور بے لطف ٹکڑے ہیں البتہ اس عہد خاص کے متعلق اس نے جنگ بیرن کا ایک علٰحدہ حصہ لکھا ہے جس سے اس زمانے کے حالات ذرا زیادہ وسعت سے معلوم ہوتے ہیں (اس حصے کو کیمڈن سوسائٹی نے شایع کیا ہے) کچھ کچھ حالات برٹن، ملروز، ڈنسٹیبل، و ورلی، اوسنی اور لینر کاسٹ کے "اخبار" نیز شاہی خطوط (شاہ پرست) وائکز کے وقائع اور (خاص لندن کے متعلق) لیبرڈی اینٹیکس لیجبس (Liberde Antiquis Legilues) سے معلوم ہوتے ہیں مسٹر بلونے اپنی کتاب بیرنزوار (Baroms War) یعنے بیرنوں کی جنگ میں اس زمانے کا ایک مفید خلاصہ لکھ دیا ہے]

بادشاہ ایک بار ٹیمز میں کشتی پر جا رہا تھا کہ طوفان سے مجبور ہو کر اسے اسقف ڈرہم کے محل میں پناہ لینی پڑی، سیمن (ارل مانٹفرٹ) پہلے سے اسقف کا مہمان تھا وہ شاہی بجرے کے استقبال کو گیا اور بادشاہ کو اطمینان دلایا کہ طوفان گھٹ رہا ہے اور کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔ ہنری نے کج خلقی سے جواب دیا کہ "اگر میں دنیا میں کسی طوفان سے ڈرتا ہوں تو وہ طوفان

تم ہی ہو ۔

انگلستان کی آزادی کے جس مردِ میدان سے ہنری خائف تھا وہ خود ایک غیر ملکی شخص تھا اور اُس سیمن ڈی مانٹفرٹ کا بیٹا تھا جس کا نام جنوبی گال کے البنجنی مرتدوں کے خلاف سفاکانہ جنگ کی وجہ سے یادگار ہو گیا ہے، اگرچہ اسی مذہبی جنگجو کا چوتھا بیٹا تھا مگر وہ اپنی ماں کی وراثت کے واسطہ سے لیسٹر کا ارل ہو گیا اور بادشاہ کی بہن یعنے ولیم مارشل دوم کی بیوہ الینز سے خفیہ عقد کر لینے کی وجہ سے شاہی خاندان سے بھی اس نے تعلق پیدا کر لیا۔ ایک اجنبی سے اس طرح دفعتہً قرابت پیدا کر لینے سے غضبناک ہو کر بیرن بغاوت پر آمادہ ہو گئے اور اس میں انہیں ناکامی صرف اس وجہ سے ہوئی کہ ان کے سرگروہ رچرڈ (ارل کارنوال) نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ادھر کلیسا نے الینز پر یہ الزام لگایا کہ اس نے اپنے پہلے شوہر کے انتقال کے وقت تجرد کا جو عہد کیا تھا اسے توڑ دیا۔

سیمن نے اس الزام کے رفع کرنے کی غرض سے روم کا سفر کیا مگر کچھ نہ ہوا۔ واپس آیا تو دیکھا کہ متلون مزاج بادشاہ اس سے دفعتہً برداشتہ خاطر ہو گیا ہے اور شاہی غضب کے مشتعل ہو جانے سے اسے مجبوراً ملک سے باہر چلا جانا پڑا مگر بادشاہ اس پر پھر بہت جلد مہربان ہو گیا اور زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ وہ سربرآوردہ محبانِ وطن کی صف اول میں نظر آنے لگا؛ ۱۲۴۸ء میں وہ گیسکونی کا والی مقرر کیا گیا،

مگر وہاں اس کے سخت فیصلوں اور گراں محصولات کی وجہ سے (جو انتظام جاری رکھنے کے لئے ضروری تھا) سرکش امرا اس سے متنفر ہو گئے اور باشندگان گیسکونی کے شکایات کی وجہ سے بادشاہ سے علانیہ مخالفت ہو گئی۔ ارل سیمن نے یہ چاہا کہ اگر ہنری اپنے حسب وعدہ وہ روپیہ واپس دیدے جو ارل نے شاہی خدمت میں صرف کیا ہے تو وہ اپنی جگہ سے علٰحدہ ہو جائے گا مگر ہنری نے غصے کے ساتھ اس کا یہ جواب دیا کہ "ایک جھوٹے غدّار کے لئے وہ کسی وعدے کا پابند نہیں ہے" سیمن نے فوراً ترکی بہ ترکی اسے یہ جواب دیا "بس اگر تو بادشاہ کا لقب نہ رکھتا ہوتا تو جس وقت تونے یہ الفاظ زبان سے نکالے تھے وہ وقت تیرے لئے بُرا وقت ہوتا"۔ لیکن پھر دونوں میں ظاہرا مصالحت ہوگئی اور ارل گیسکونی کو واپس گیا مگر موسم سرما کے قبل ہی وہ مجبور ہو گیا کہ فرانس کو چلا جائے۔ اس کی نیکنامی کی عظمت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ امرائے فرانس نے شاہ لیوس کے جنگ صلیب میں جانے کے باعث اس کی عدم موجودگی میں سیمن کو اپنے ملک کا ولی بنانا چاہا مگر اس نے اس تجویز کو منظور نہیں کیا۔ ہنری نے خود گیسکونی کو ہموار کرنیکی کوشش کی مگر اس کی ناکامی نے اسے ۱۲۵۳ء کے اختتام کے قبل ہی بخوشی اس امر پر آمادہ کر دیا کہ اس صوبے کے سابق حکمراں کو واپس بلالے تاکہ وہ اس کام کو پورا کرے۔

سیمن کی طبیعت اب اچھی طرح پختہ ہو چکی تھی۔ اسے اپنے باپ کی شدید و سخت پرہیزگاری ورثے میں ملی تھی۔ رات ہو یا دن وہ مذہبی فرائض کی بجاآوری کا پابند تھا وہ گروسیٹ کا دوست اور فرائر کا مربی تھا۔ اس کے ایڈم مارش کے خطوط میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ گیسکونی کی پریشانیوں میں حضرت ایوبؑ کی کتاب پڑھ کر صبر حاصل کرتا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں پاکباز اور خصوصیت کے ساتھ اعتدال پسند تھا، کھانے، پینے، سونے میں بہت کم وقت صرف کرتا تھا۔ ملنے جلنے میں وہ ایک کشادہ پیشانی اور خوش گفتار شخص تھا مگر اس کی طبیعت فطرۃً تیز اور پُرجوش تھی۔ اس کو اپنی عزت کا خیال بہت بڑھا ہوا تھا اس کی گفتگو جلد جلد اور زوردار ہوتی تھی۔ اپنی بات کے کٹ جانے پر اسے صبر نہیں ہوتا تھا، اور مزاج بہت ہی تند تھا۔ یہ دونوں باتیں اس کی آئندہ زندگی کے لئے درحقیقت نہایت مضر ثابت ہوئیں، مگر ایک خصوصیت جو ان سب پر حاوی تھی اور جسے اس زمانے میں لوگ "استقلال" سے تعبیر کرتے تھے وہ اس کا مستحکم و غیر متزلزل عزم تھا۔ وہ حق کی طرفداری میں موت تک کی پروا نہیں کرتا تھا۔ اڈورڈ اول نے اس مقولہ کو کہ "صداقت پر قائم رہو" اپنا طغرا بنایا تھا مگر فی الحقیقت یہ مقولہ ارل سیمن کے طغرا کے لئے زیادہ موزوں تھا۔ اس کے خطوط میں ہم دیکھتے ہیں کہ تمام اندرونی و بیرونی مشکلات سے واقف

ہونے پر بھی اس نے اس بات کو اپنے شایاں نہ سمجھا کہ گیسکونی میں امن و اماں قائم کرنے میں جن خطرات کا سامنا تھا ان کی وجہ سے اس مہم عظیم کے اختیار کرنے سے انکار کردے۔ جب ایک بار اس نے اسے قبول کر لیا تو پھر ہر طرح کی مخالفت، انگلستان سے کسی قسم کی مدد اور روپیہ نہ ملنے، اور خود بادشاہ کے علٰحدہ ہو جانے پر بھی وہ اپنے عزم پر قائم رہا، یہاں تک کہ یہ کام پورا کرکے چھوڑا۔ اس کی حب الوطنی میں بھی یہی استواریٔ عزم پائی جاتی ہے۔ گروسیٹسٹ کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ روم کے ساتھ مقاومت میں وہ اسقف کا کس قدر جلد ہمدرد بن گیا تھا اور اس مناقشے کے نازک وقت میں اس نے کس طرح آپ کو اور اپنے ہمراہیوں کو مدد کے لئے پیش کیا تھا۔ اس نے ایڈم مارش کو گروسیٹسٹ کا ایک رسالہ بھیجا جس کا نام "سلطنت و ظلم کی حکمرانی" تھا اور اس پر خود اپنی مہر کردی تھی۔ وہ خانگی معاملات اور اپنی طبیعت کے متعلق اپنے دوستوں کی صلاح کو تحمل کے ساتھ سنتا تھا۔ صداقت شعار فرائر ایڈم نے اسے لکھا تھا کہ "ایک صابر آدمی ایک مضبوط آدمی سے بہتر ہے، اور جو شخص خود اپنی طبیعت پر حکمرانی کر سکے وہ اس سے بہتر ہے جو ایک شہر کو مسخر کرلے، اس کا کیا فائدہ ہے کہ تم اپنے ہم وطنوں کے لئے امن کا انتظام کرو اور خود اپنے گھر کے امن کی فکر نہ کرو"، مگر جس قدر بدنظمی بڑھتی جاتی تھی اسی قدر ارل اپنے

ہم وطنوں کے واسطے امن کو حاصل کرنے پر آمادہ ہوتا جاتا تھا اور جب نازک وقت آپڑا اس وقت اس کے عزم و جزم کا ثمرہ ظاہر ہو گیا۔ جس حال میں دوسرے لوگ مذبذب اور سست اور کنارہ کش ہوتے جاتے تھے عوام پر جوش محبت کے ساتھ اُس قوی و بارعب سپاہی کے گرد مجتمع ہو رہے تھے جو ہر طرح کے وعدے اور تہدید اور خوف موت کے مقابلہ میں ایک رکن رکین کے مانند اپنی قسم پر قائم تھا +

انگلستان میں معاملات بد سے بد تر ہوتے جاتے تھے، پوپ اب بھی کلیسا پر سخت بار ڈال رہا تھا" منشور" کی دو مرتبہ باوقار طور پر تصدیق کی گئی مگر کسی نوع سے اس کے بروئے کار لانے میں کامیابی بھی نہ ہو سکی۔ ۱۲۴۸ء، ۱۲۴۹ء اور پھر ۱۲۵۰ء میں مجلس اعظم نے پھر ایک باضابطہ وزارت کے لئے مطالبہ کیا جس کا نتیجہ کچھ نہ ہوا۔ اور ایک اچھی حکومت کے قائم کرنے کا عزم امرا میں جو ترقی کر رہا تھا اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ انہوں نے ایک رقم اس شرط سے منظور کی تھی کہ تاج کے خاص عہدہ دار مجلس کی طرف سے مقرر کئے جائیں، ہنری نے غضبناک ہو کر اس تجویز کو نامنظور کر دیا اور اپنے خانگی اخراجات کے لئے لندن کے شہریوں کے ہاتھ اپنے برتن فروخت کر ڈالے۔ بیرنوں نے سرکشی و سرتابی اختیار کی۔ نارفوک کے ارل بیگاڈ نے جب امداد سے انکار کیا تو ہنری نے اسے یہ دھمکی دی کہ

"میں کھیت کاٹنے والوں کو بھیجوں گا کہ تمہارا کھیت کاٹ کر ڈال دیں" ارل بھی حاضر جواب تھا اس نے لکھا کہ "میں ان کے سر آپ کی خدمت میں واپس بھیج دونگا"۔ دربار کی فضول خرچیوں اور زر امداد کے انکار کی وجہ سے ہنری بالکل تہیدست ہو گیا تھا، مگر باوجود اس کے اس نے اپنے دوسرے بیٹے اڈمنڈ کے لئے پوپ کی طرف سے سسلی کی بادشاہت قبول کر کے نئے اخراجات پیدا کر لئے۔ انگریزی فوجوں کو ذلت ہو چکی تھی اور بادشاہ کا بڑا بیٹا اڈورڈ سرحد ویلز پر لیون کے ہاتھوں بری طرح شکست کھا چکا تھا۔ ۱۲۵۸ء کے شروع ہوتے ہی ہنری اور روم دونوں کی طرف سے نئے مطالبات ہوئے۔ اس سے ایک طرح کی بیچینی پیدا ہو گئی اور مصیبت ناک قحط نے اسے اور بھی بڑھا دیا۔ آخر یہ بے اطمینانی حدِ برداشت سے تجاوز کر گئی اور لندن کی مجلسِ اعظم میں بیرن مسلح ہو کر آئے۔ گزشتہ نصف صدی میں "منشور" کی قوت و کمزوری دونوں ظاہر ہو گئی تھی۔ اس کی قوت یہ تھی کہ وہ بیرنوں کے مرکز اجتماع کا کام دیتا تھا اور حقوق کا ایک ایسا معین مطالبہ تھا کہ بادشاہ اس کے اقرار پر مجبور کیا جا سکتا تھا، کمزوری یہ تھی کہ خود اپنے معین کردہ قواعد کے جاری کرنے کے لئے اس نے کوئی ذریعہ نہیں مہیا کیا تھا۔ ہنری نے بار بار "منشور" پر کاربند ہونے کی قسم کھائی مگر قسم صرف اس لئے تھی کہ پھر بلا تامل توڑ ڈالی جائے۔ بیرنوں نے ملک کے لئے آزادی حاصل کر لی تھی اور ہنری کے عہد میں ان کے ایک عرصہ تک خاموش رہنے کا

روبرو پیش کیا کریں ۔ یہ بھی قرار پایا کہ کاونٹی (صوبہ) کے بڑے
متاجرین میں سے شیرف سال بسال مقرر ہوا کریں اور ان کی
عدالت میں داد خواہی کے لئے کسی غیر معمولی رقم کا مطالبہ نہ کیا جائے۔
انگریزی زبان کے ایک شاہی فرمان کے ذریعے سے قواعد پر
کاربند ہونے کا حکم دیا گیا۔ اس زبان کے فرامین جو ہم تک پہنچے
ہیں ان میں فتح کے بعد سے انگریزی زبان میں یہی پہلا فرمان ہے۔
اس کی مخالفت صرف بادشاہ کے غیر ملکی مقربین کی طرف سے ہوئی
مگر ایک مسلح مظاہرے نے انہیں سمندر پار بھگا دیا۔ اب درحقیقت
تمام شاہی اختیارات مجلس اعظم کی مقرر کردہ مجلسوں کے ہاتھ میں
آگئے تھے ۔ ان مجالس کی طرز عمل کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے
کہ روم کو دینی یا دنیوی حیثیت سے مال و زر کے دینے کی
ممانعت ہو گئی، سسلی سے باقاعدہ دست برداری اختیار کی گئی۔
ارل سیمن نے فرانس سے مراسلت کی اور اس کا آخری نتیجہ یہ ہوا
کہ کھوئے ہوئے صوبوں پر سے ہنری کا ہر طرح کا استحقاق
اُٹھا لیا گیا اور ویلز سے صلح ہو گئی اور یورشوں کا بالکل خاتمہ
ہو گیا۔ لیکن خود اندرونِ ملک میں بیرنوں کی کارروائیاں
کمزور اور خود غرضانہ تھیں ۔ سالِ مابعد میں انہوں عوام کی دباؤ
سے قواعد ویسٹ منسٹر متاجرین کے تحفظ حقوق اور انصاف کی
وسعت کے لئے شایع کئے مگر اس کا نتیجہ خاطر خواہ نہ ہوا۔ اور
محض جاگیرداروں کا امتیاز بڑھانے کے واسطے جو ان کا رجحان
تھا وہ اس سے ظاہر ہو گیا کہ امرا و مقتدایان دین شیرف کی

راز صرف یہ تھا کہ اس آزادی کا صحیح طور پر عمل میں لانا بہت مشکل تھا۔ اسی عقدۂ لاینحل کے حل کرنے کے لئے ارل سیمن آمادہ ہوا تھا۔ ارل گلوسٹر کے ہمراہ وہ اب پھر مسلح بیرنوں کا سرگروہ بن کر آیا اور اصلاح سلطنت کے قواعد معین کرنے کے لئے چوبیں شخصوں کی ایک مجلس کے تقرر کا مطالبہ کیا۔ اس مجلس کے نصف اراکین اگرچہ شاہی وزرا و ندما میں سے لئے گئے تھے مگر عام جذبات کا مقابلہ کرنا غیر ممکن تھا۔ قواعد آکسفورڈ کی رو سے یہ طے پایا کہ "مجلس اعظم" سال میں تین بار منعقد ہوا کرے خواہ بادشاہ اسے طلب کرے یا نہ کرے۔ اور اجتماع کے وقت عوام بارہ متدین اشخاص کو منتخب کریں اور وہ پارلیمنٹوں میں اور ایسے دوسرے موقعوں پر جب بادشاہ اور اس کی مجلس انہیں بلائے آیا کریں گے، تاکہ بادشاہ کے ضروریات اور معاملات سلطنت پر بحث کریں اور یہ بارہ اشخاص جو کچھ قرار دیں گے عوام اسے ایک طے شدہ امر سمجھیں گے"۔ تین مستقل کمیٹیاں مقرر کی گئی تھیں، ایک کلیسا کی اصلاح کے لئے ایک معاملات مال کے طے کرنے کے لئے۔ اور ایک پندرہ شخصوں کی مستقل کمیٹی حکومت کے عام کاموں میں بادشاہ کو صلاح دینے کے لئے۔ جسٹیسیر (نائب السلطنت) چانسلر (صاحب دیوان) اور شاہی استحکامات کے محافظین سے قسم لی گئی کہ وہ صرف مستقل کمیٹی کے حکم و منظوری کے بموجب کام کریں گے۔ اور ان دونوں عہدہ داروں اور نیز خزانچی پر لازم کیا گیا کہ اختتام سال پر اپنی کارروائیوں کی کیفیت مجلس کے

قواعد آکسفورڈ جولائی ۱۲۵۸ء

عدالتوں میں حاضری سے مستثنےٰ کر دئے گئے۔ ارل سیمن نے فرانس سے عہد و پیمان کر کے واپس آنے کے بعد اصلاح کی زیادہ صحیح کارروائیوں پر زور دیا' بادشاہ کا بیٹا اڈورڈ قواعد پر کاربند ہونے کے لئے اپنی قسم پر قائم رہا اور علانیہ ارل سیمن کی تائید کی مگر ان باتوں سے کچھ فائدہ نہ ہوا گلوسسٹر اور ہیوف بیگاڈ اصلاح کے کام میں بد عہد ثابت ہوئے اور جاگیرداروں کے ساتھ بادشاہ کے طرفدار ہو گئے۔ خود ہنری نے پوپ سے ایک فرمان حاصل کر لیا۔ اس فرمان نے قواعد کو منسوخ اور ہنری کو اُن پر کاربند ہونے کی قسم سے بری کر دیا' ہنری نے ٹاور (برج) اور دوسرے قلعوں پر قبضہ کر لیا' اور ایک نیا جسٹیسیر (نائب السلطنت) مقرر کیا اور تاج کا قدیمی اقتدار از سرنو قائم کر دیا۔

لوگوں نے جب ارل لیسٹر کا ساتھ چھوڑ دیا تو وہ مجبوراً اٹھارہ مہینے تک فرانس میں پڑا رہا اور ہنری انگلستان میں علانیہ "قواعد" کے خلاف حکومت کرتا رہا۔ ملک کی ابتری نے اس کی حکومت کی طرف سے پھر نفرت پیدا کر دی اور ارل گلوسسٹر کے انتقال سے اس کے مخالف کارروائیوں کی رکاوٹ رفع ہو گئی۔ ۱۲۶۳ء میں ارل سیمن پھر ملک میں داخل ہوا اور بے رد وکد فرقۂ بیرن کا سرگروہ ہو گیا۔ لیولن (ویلز) کے خلاف اڈورڈ کے شاہی فوج لیکر روانہ ہونے کو بیرن اپنی مخالفت کی تمہید سمجھے اور ارل سیمن فوراً ہی سرحد ویلز سے ہوتا ہوا ڈاور پر بڑھا اور بالآخر لندن کے سامنے

آموجود ہوا، شہروں کی طرز عمل سے اس کی طاقت بڑھ گئی۔ فرانس کا نیا جمہوری جذبہ اب خالص اہل حرفہ میں حرکت پیدا کر رہا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ شہر کے انتظامات میں (جو اب تک تجارت پیشہ جماعات کے زیادہ دولتمند اراکین کے اندر محدود تھا) اپنے حق کا مطالبہ کریں۔ لندن اور بعض دوسرے شہروں میں ایسا انقلاب ہو گیا تھا کہ شہر کی حکومت شہر کے ادنیٰ طبقہ والوں کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ اس انقلاب کا مفصل ذکر بعد کو ہوگا، سردست یہ دکھانا منظور ہے کہ نئی نئی شہری حکومتیں (جو کمیون (جماعت عوام) کہلانے لگی تھیں) ارل سیمن کے کام میں نہایت سرگرمی ظاہر کرنے لگیں، ایک حملہ آور مجمع نے ملکہ کو ٹاور (برج) سے بھاگنے میں روک لیا اور پتھروں سے اور سخت کلامی سے اسے پھر برج میں واپس جانے پر مجبور کردیا۔ ہنری نے جب چاہا کہ ارل لیسٹر پر اس کے ساتھ داروں کی قیامگاہ میں اچانک حملہ کردے تو اہل لندن نے شہر کے دروازوں کو (جنہیں دولتمند شہریوں نے مقفل کردیا تھا) توڑ ڈالا اور ارل کو شہر میں داخل کرکے اسے بچا لیا، پادری اور دارالعلوم بھی شہریوں کے ساتھ ہمدردی میں شریک ہو گئے، باوجودیکہ طرفداران شاہی نے ارل سیمن کو طعنہ دیا کہ وہ امرا کے برخلاف عوام کو اپنا شریکِ کار بناتا ہے، مگر عوام کے جوش سے اسے وہ طاقت حاصل ہو گئی تھی کہ وہ اس کام میں سخت ترین ٹکر کے برداشت کرنیکے قابل ہو گیا تھا امرا تمامتر بادشاہ کی طرف ہو گئے۔ خانہ جنگی کے خوف نے مصالحت کے مطالبہ کو قوی کردیا، اور اس پر اتفاق ہو گیا

کہ اس مناقشے کا فیصلہ لیوس نہم شاہِ فرانس کی تجویز پر چھوڑ دیا
جائے ۔ امینز کی پنچائت میں لیوس نے کلیۃً بادشاہ کے حق میں
فیصلہ صادر کردیا ۔ "قواعد آکسفورڈ" منسوخ کر دئے گئے ۔ صرف ان
فرامین کا عملدرآمد قائم رکھا گیا جو ان قواعد کے پیشتر عطا ہو چکے تھے؛
سلطنت کے تمام عمال کا عزل و نصب بالکل بادشاہ کے اختیار میں
دے دیا گیا؛ اور اپنی مجلسوں میں غیر ملکیوں کے بلانے کی اسے
اجازت مل گئی ۔ یہ بجائے خود ایک سخت ضرب تھی مگر جب
لیوس کے اس فیصلے کی پوپ کے جانب سے بھی فوراً تصدیق
کردی گئی تو اس کی قوت اور بڑھ گئی ۔ بیرنوں نے اپنے کو اس
تصفیہ کا پابند سمجھا ۔ صرف غیر ملکیوں کے اخراج کے بارے میں
انہوں نے اتفاق کرنے سے انکار کیا کیونکہ انہوں نے اس مسئلہ کو
تصفیہ کے لئے پیش ہی نہیں کیا تھا؛ مگر سیمن نے فوراً ہی اس
فیصلے کی مخالفت کا عزم کر لیا؛ خوش قسمتی سے فرانسیسی فیصلے نے
بریزوں کی اُن آزادیوں کو محفوظ رکھا تھا جو قواعد آکسفورڈ کے
پہلے انہیں حاصل ہو چکی تھیں اور سیمن کے لئے یہ ثابت کرنا
بہت آسان تھا کہ اس فیصلے میں جو علی الاطلاق طاقت بادشاہ
کو دی گئی ہے وہ جس طرح 'قواعد' کے خلاف ہے اسی طرح
منشور کے بھی خلاف ہے ۔ لندن نے سب سے پہلے اس فیصلے کو
مسترد کیا ۔ لندن کے باشندے سنٹ پال کے گھنٹے کی آواز پر
جمع ہو گئے؛ شاہی عمال کو گرفتار کر لیا اور شاہی باغات کو لوٹ لیا؛
بادشاہ کی طلب پر ایک بڑی طاقتور فوج جمع ہو چکی تھی اور

اور لیسٹر نے دیکھا کہ بیرن یکے بعد دیگرے اس کا ساتھ چھوڑتے جاتے ہیں۔ ہر روز ایک نہ ایک بری خبر آتی رہتی تھی۔ اسکاٹلینڈ کا ایک دستہ ہنری کی فوجوں کے ساتھ مل گیا۔ دی ماٹنفرٹ اصغر قید ہو گیا، نارتھمپٹن پر قبضہ ہو گیا بادشاہ نے روجسٹر کے محاصرے کو اٹھا دیا، اور اڈورڈ نے اچانک لندن کو بھی لے لیا ہوتا مگر صرف ارل سیمن کے پر زور یلغار نے اسے بچا لیا، ہرچند کہ لوگوں نے دغا دی مگر ارل اپنے مقصد پر جما رہا۔ اس نے کہا کہ اگر صرف وہ خود اور اس کے لڑکے جنگ کے لئے باقی رہ جائینگے تو بھی وہ آخر تک لڑیگا۔ اس کی فوج کو پندرہ ہزار اہل لندن سے تقویت حاصل ہو گئی تھی وہ اس فوج کو لے کر سنک پورٹز (پنج بندر) کو بچانے کے لئے (جنہیں بادشاہ کی طرف سے خطرہ تھا کوچ کیا، اس کوچ میں بھی بہت سے ہمراہی اس کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ اسکس میں بمقام فلیچنگ وہ ٹھہر گیا، یہ مقام لیوس سے جہاں شاہی فوج خیمہ زن تھی صرف چند میل پر تھا، ارل سیمن اور نوجوان ارل گلوسٹر نے بادشاہ سے یہ عرض کی کہ اگر وہ "قواعد" پر کاربند ہو تو تمام نقصانات کا معاوضہ اسے ادا کر دیا جائے گا۔ ہنری نے نخوت آمیز انکار کے ساتھ اس کا جواب دیا اور اگرچہ بہت سی سپاہ ارل کے خلاف تھی مگر اس نے جنگ کا ارادہ مصمم کر لیا، اس کی سپاہیانہ قابلیت نے فوج کی طاقت کو بڑھا دیا علی الصباح

جنگ لیوس ۱۴ مئی

ے سینڈوچ، ڈاور، ہائیتھ، رامنی، ہسٹنگز، یہ پانچ بندر فرانس کے بالمقابل سواحل انگلستان پر واقع تھے اور انہیں کو سنک پورٹز کہتے تھے۔

کوچ کر کے اس نے شہر کے شرقی جانب کی بلندیوں پر قبضہ کر لیا' اور انہیں بلندیوں کی ڈھال سے حملے کے لئے اترا اس کے آدمی جن کے پشت و سینہ پر سفید صلیبیں لگی ہوئی تھیں جنگ ہونے کے قبل دعا کے لئے زمین پر زانوؤں کے بل جھک گئے۔ اڈورڈ ارل نے جنگ کا آغاز کیا۔ اس کے تند حملے نے لیسٹر کے بائیں بازو کے لندنیوں کی صف کو توڑ دیا' اور اپنی سخت عداوت کی وجہ سے وہ چار میل تک ان کا تعاقب کرتا چلا گیا' اور ان کے تین ہزار آدمیوں کو قتل کر ڈالا مگر واپس آکر اس نے دیکھا کہ جنگ کا پانسہ پلٹ چکا ہے عقب میں دریا کے ہونے کی وجہ سے شاہی فوجیں تنگ جگہ میں گھر گئی تھیں اور ارل سیمن نے ان کے قلب و میسرے کو بالکل توڑ دیا تھا' ارل کارنوال جسے لوگ مزاحاً رومیوں کا بادشاہ کہتے تھے' قید ہو گیا' خود ہنری بھی ارل کے قبضے میں آگیا اڈورڈ نے خانقاہ تک اپنا راستہ نکالا مگر صرف اس لئے کہ اپنے باپ کی طرح خود کو بھی حوالے کر دے ۔

لیوس کی فتح سے زمام حکومت ارل سیمن کے ہاتھ میں آگئی اس وقت کے ایک شاعر نے لکھا ہے کہ اب انگلستان کو حصول آزادی کی امید پیدا ہو گئی ہے۔ پہلے انگریز کتوں کی طرح حقیر سمجھے جاتے تھے مگر اب وہ سربلند ہیں اور ان کے دشمن تباہ ہو گئے ہیں"۔ اس نظم نے محبان وطن کے خیال کو بہت ہی صحت کے ساتھ ظاہر کیا ہے "جو شخص فی الحقیقت بادشاہ ہونا چاہئے وہ اسی صورت میں ایک آزاد بادشاہ ہو سکتا ہے کہ وہ خود اپنے اوپر

اور اپنی مملکت کے اوپر خوبی کے ساتھ حکومت کرے ۔ اپنے ملک کی حکومت میں اسے تمام کام جائز ہیں مگر ملک کی تباہی کے لئے کوئی کام جائز نہیں ۔ ایک بادشاہ کے فرائض کے مطابق حکومت کرنا اور قانون کی مخالفت کرکے سلطنت کو تباہ کرنا اور ملک کے باشندوں کو صلاح دینے کا حق ہونا چاہئے اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ عوام (جو اپنے قوانین کو خود ہی خوب سمجھتے ہیں) کسی معاملے کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں جو لوگ قانون کے زیر اثر ہوتے ہیں وہی ان قوانین کے اثرات کو سب سے بہتر جانتے ہیں' جو لوگ روزمرہ ان قوانین سے کام لیتے ہیں وہ ان کی نسبت سب سے بہتر واقفیت رکھتے ہیں اور چونکہ ان قوانین سے انہیں کے معاملات معرض خطر میں آتے ہیں اس لئے وہ لازماً ان میں زیادہ احتیاط برتینگے اور اپنی آسائش کو مدنظر رکھ کر کام کریں گے' یہ قوم کا کام ہے کہ وہ دیکھے کہ ملک کے فائدے کے اعتبار سے کس قسم کے لوگوں کا انتخاب صحیح ہے''۔ شاہی اختیارات کے آئینی قیود' اپنے معاملات کے غور و فیصلہ کے لئے کل قوم کے حق اور کارکنان حکومت کے انتخاب میں ان کے اثر کے متعلق خیالات کا اظہار اس صفائی کے ساتھ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا مگر مصالحت لیوس کے معتدل شرائط سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیمن کو اپنی حالت کے مشکلات کا کیسا صحیح احساس تھا'' قواعد کا تصفیہ دوبارہ پنچایت کے سامنے پیش کیا جانا قرار پایا' ماہ جون میں ایک پارلیمنٹ جمع ہوئی جس میں ہر صوبے سے چار نائٹ بلائے گئے تھے ۔ اس نے پنچایت کی

تکمیل ہونے تک انتظام سلطنت نو شخصوں کی ایک نئی مجلس کے سپرد کر دیا، اس مجلس کے ارکان کا انتخاب ارل لیسٹر ارل گلوسٹر اور محب وطن اسقف چچسٹر کے سپرد ہوا۔ قوم کے سامنے ذمہ داری کا یہ انتظام کیا گیا کہ بیرن اور مقتدایان مذہبی کی ایک جماعت ان تین انتخاب کرنے والوں میں سے جسے چاہے علیحدہ کر دے اور انتخاب کنندے جسے چاہیں مجلس کی رکنیت سے خارج کر دیں اور جسے چاہیں مقرر کر دیں۔ یہ نظام حکومت ۱۲۵۸ء کی پیچیدہ اور حکومت خواص کی مجلسوں سے بالکل مختلف نوعیت کا تھا مگر پنچایت کی تجویز ٹوٹ گئی لیوس نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے سے انکار کر دیا اور پوپ نے بیرنوں کے کام پر باضابطہ نفرین کا اعلان کیا ارل کے مشکلات روز بروز سخت ہوتے جاتے تھے۔ ملکہ نے انگلستان پر حملہ کرنے کے لئے فرانس میں ایک فوج جمع کی اور ویلز کی سرحد پر بیرن اب تک ہتیار باندھے مستعد تھے، ایک محبوس بادشاہ سے ایسے شرائط کرنا جن کی پابندی اس پر لازم ہو غیر ممکن تھا، مگر ساتھ ہی اس کے ہنری کو بلا شرائط چھوڑ دینا جنگ کا ازسرنو جاری کرنا تھا۔ جنوری ۱۲۶۵ء میں وسٹمنسٹر میں ایک نئی پارلیمنٹ طلب کی گئی۔ مگر بیرنوں میں محب وطن فریق کی کمی اس امر سے ظاہر ہو گئی کہ ایک سو بیس مذہبی ارکان کے مقابلے میں صرف تیئیس ارل و بیرن آئے تھے۔ اپنی کمزوری کا یہی احساس تھا جس نے ارل سیمن کو انگریزی تاریخ میں ایک آئینی تغیر پر مجبور کیا۔ مثل سابق اس نے ہر صوبے سے

دو نائٹ طلب کئے، لیکن ان کے علاوہ ہر قصبے سے دو شخصوں کو جو اہل قصبہ میں سے تھے پارلیمنٹ میں داخل کرنے کے لئے بلا کر اس نے انگریزی سیاسیات میں ایک نیا دور پیدا کر دیا۔ جب اہل شہر کے اغراض کے متعلق کوئی امر زیر بحث ہوتا تھا تو صوبے کی عدالتوں میں شہروں کی طرف سے نائبین کا حاضر ہونا مدت سے رائج تھا مگر تمام ملک کی پارلیمنٹ میں ضلع کے نائٹ، بیرن، اور اسقف کے ساتھ اجلاس کرنے کے لئے سوداگروں اور تاجروں کی طلب اولاً ارل سیمن ہی کے حکم سے ہوئی ہے۔

یہی وہ عظیم الشان واقعہ ہے جس سے ہم ارل سیمن کے خیالات کی وسعت و دور بینی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ فتح لیوس کو چند ہی ماہ گزرے تھے، اور اہل شہر وسٹ منسٹر میں اپنی جگہوں پر متمکن ہو چکے تھے کہ ارل کی حکومت متزلزل ہو چلی۔ ارل نے بیرونی خطرات کا کامیاب مقابلہ کیا، ملکہ نے فلینڈرز میں اجرت پر سپاہی جمع کئے تھے اور حملہ کرنے کی تدبیریں ہو رہی تھیں کہ بارہم ڈاؤن میں قومی فوج کے عام اجتماع سے ان منصوبوں پر پانی پھر گیا۔ فرانس کی دھمکیاں رفتہ رفتہ نامہ و پیام کی صورت میں بدل گئیں۔ پوپ کا وکیل آبنائے کو عبور کرنے سے روک دیا گیا اور اس کے اخراج عن الملت کے فتاوے سمندر میں پھینک دئے گئے۔ مگر خود اندرون ملک کے مشکلات یوماً فیوماً خطرناک صورت اختیار کرتے جاتے تھے۔ قوم کے وفادار ہنری و اڈورڈ کا محبوس رہنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ انگریزوں کی

عام عادت ہے کہ وہ ہمیشہ کمزور کا ساتھ دیا کرتے ہیں وہ بالطبع کشیدہ خاطر ہوگئے تھے ۔ بیرنوں میں محب وطن فریق ہمیشہ سے کم تھا، اب فتح کی غنیمتوں میں اختلاف ہونے کے باعث اور بھی کم ہو گیا، ارل کا انصاف اور امن عام کی حفاظت کا عزم اس کے لئے سخت مضر ثابت ہوا، جان گفرڈ نے اس لئے اس کا ساتھ چھوڑ دیا کہ ارل اسے ایک قیدی سے خلاف معاہدۂ لیوس، تاوان وصول کرنے میں مانع ہوا تھا، گلوسٹر کا نوجوان ارل، گلبرٹ اگرچہ غیر ملکیوں کی جائدادوں سے دولتمند ہو گیا تھا مگر وہ اس وجہ سے لیسٹر سے نفرت کرنے لگا تھا کہ اس نے اس کے ایک فوجی کھیل تماشے کو روک دیا تھا، شاہی قلعوں کے محافظین خود اپنے اختیار سے مقرر کر دئے تھے اور سرحد ویلز پر اڈورڈ کے قلعوں میں خود اپنی فوج تعینات کر دی تھی ۔ گلوسٹر کی بعد کی کارروائی سے لیسٹر کی پیشبندیوں کی دانائی ظاہر ہو گئی ۔ ۱۲۶۵ء کی موسم بہار کی پارلیمنٹ میں اس نے علانیہ ارل پر الزام لگایا کہ اس نے اپنے مظالم کی وجہ سے لیوس کے معاہدہ کو توڑ ڈالا ہے اور خود تاج لے لینے کی فکر میں ہے ۔ پارلیمنٹ کے ختم ہونے کے قبل ہی وہ اپنے مغرب کے علاقوں میں چلا گیا اور راجر مارٹیمر اور سرحد کے بیرنوں سے خفیہ سازش شروع کر دی ارل سیمن بھی بہت جلد اس کے بعد ہی مغرب کو روانہ ہوا اور بادشاہ و اڈورڈ کو اپنے ساتھ لیتا گیا ۔ وہ دریائے سیورن کے کنارے کنارے

شہروں پر قبضہ کرتا ہوا ہیرفرڈ کی طرف بڑھا اور آخر جون میں گلبرٹ کے قلعہ واقع گلیمارگن پر حملہ کرنے کے لئے جنوبی ویلز میں دشوار گزار راستوں سے گذر رہا تھا کہ اڈورڈ کسی نہ کسی طرح یکایک نکل گیا اور لڈلو میں گلوسٹر سے جا ملا۔ یہ موقع بہت ہی ہوشیاری سے حاصل کیا گیا تھا اور ارل کی حالت سے فائدہ اٹھانے میں اڈورڈ نے شاطرانہ چالوں سے اپنی چالاکی ثابت کردی وہ سیورن کے کنارے کنارے سیلاب کی طرح بڑھا اور دریا پار ہوکر شہر گلوسٹر اور سب پلوں پر قبضہ کر لیا' ان جہازوں کو تباہ کر ڈالا جن کے ذریعے سے کیسٹر آبنائے سے پار ہوکر برسٹل کو نکل جانا چاہتا تھا اور اس طرح اسے انگلستان سے بھی کلیتہً منقطع کر دیا۔ اس نقل و حرکت سے یہ بھی ہوا کہ ارل اور اس کے بیٹے سیمن کے درمیان (جو مشرق سے اپنے باپ کی کمک کے لئے بڑھ رہا تھا) اڈورڈ حائل ہو گیا۔ پھر نہایت ہی پھرتی سے باگ پھیر کر بمقام کینلورتھ اِس دوسری فوج پر جا پڑا اور سخت شکست کے ساتھ اسے قلعے کے اندر بھگا دیا۔ مگر اس کی غیر حاضری سے ارل کو سیورن کی صف حائل کے توڑ دینے کا جو موقع مل گیا وہ اس کامیابی سے بڑھ گیا ادھر اس ناگہانی امر کے پیش آجانے اور بالکل تن تنہا رہ جانے کے باعث سیمن نے مجبور ہو کر لیولن سے حلفیہ عہد و پیمان کی بنا پر مدد مانگی اور اسی ویلز کی تازہ دم فوجوں کی مدد سے مشرق کی طرف پلٹ سکا مگر ذریلمائے سیورن کے پلوں اور ارل کے جہازوں پر اڈورڈ کے

قابض ہو جانے کے سبب سے سیمن ایک قیدی کی طرح اس کے بس میں آگیا تھا اور ایک سخت حملے نے اسے ایک شکستہ و فاقہ کش فوج کے ساتھ ویلز کی پہاڑیوں کی طرف پلٹنے پر مجبور کردیا سخت نا امیدی کی حالت میں اس نے شمال کی جانب ہیرفرڈ پر حملہ کیا اور اڈورڈ کے موجود نہ ہونے سے سیمن کو یہ موقع مل گیا کہ ۲ ؍ اگسٹ کو اس نے اپنی فوجوں کو کشتیوں میں سوار کر کے سیورن کے دوسری جانب ووسٹر کے نیچے اتار دیا، اس خبر سے اڈورڈ جوابی حملے کے لئے عاجلانہ دریا کی طرف واپس آیا مگر اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ ارل شباشب کوچ پر کوچ کرتا ہوا ۳ ؍ کی صبح کو ایوشیم میں جا پہنچا تھا۔ ادھر اڈورڈ کے اس جوابی حملے کی وجہ سے ارل کے بیٹے کو بھی مہلت مل گئی اور وہ بھی اسی رات کوچ کر کے السسٹر کے چھوٹے قصبے میں پہنچ گیا ان دونوں فوجوں میں اب صرف دس میل کا فاصلہ رہ گیا تھا اور ان کا مل جانا یقینی معلوم ہوتا تھا مگر طول و طویل کوچ سے دونوں فوجیں خستہ و درماندہ ہو گئی تھیں ارل بادشاہ کو اپنے ساتھ لئے ہوئے تھا اور اس کی خواہش کے موافق وہ بادل ناخواستہ نماز ادا کرنے اور کھانا کھانے کے لئے ایوشیم میں ٹھہر گیا اور سیمن اصغر کی فوج بھی اسی لئے السسٹر میں رک گئی ؂

بقول رابرٹ (گلوسٹر) "یہ دونوں کھانے ہی تمام رنج و مصیبت کا باعث ہوئے" کیونکہ اس یادگار رات میں اڈورڈ

دیہاتوں کے اندر ہی اندر راستہ کاٹتا ہوا بہت ہی جلد جلد سیورن
کو واپس آرہا تھا تاکہ اس میدان پر قابض ہو جائے جو باپ
بیٹوں کی فوجوں کے درمیان واقع تھا۔ یہ زمین ان دونوں کے
لئے مہلک ثابت ہوئی۔ صبح تک اس کی فوج اس سڑک پر
قابض ہو گئی جو ایوشیم سے شمال کی طرف السسٹر کو جاتی ہے۔
ایوشیم دریائے ایون کے اس چکر میں واقع ہے جہاں سے وہ
جنوب کی جانب مڑتا ہے۔ اڈورڈ نے ایک بلندی پر اپنی فوجیں
ڈال دیں اور اس وجہ سے اب دریا کو عبور کرنے کے سوا نکلنے
کا ایک بھی راستہ باقی نہیں رہا اور وہ اس طرح محصور بلد
ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی مارٹیمر کے تحت میں ایک فوج دریا پار
اتار دی گئی تاکہ پلوں پر قبضہ کرلے اب بازگشت کی تمام
صورتیں بالکل منقطع ہو گئیں اڈورڈ کی فوج کی آمد سے سیمن خود
آگے بڑھا اور اولاً وہ اس فوج کو اپنے بیٹے کی فوج سمجھا۔
اگرچہ یہ خیال غلط نکلا مگر اپنے دشمنوں کی باترتیب رفتار میں
جب اس نے خاص اپنی تربیت کا اثر دیکھا تو سپاہیانہ فخر کا
ایک فوری احساس اس میں پیدا ہوا۔ وہ چلا اٹھا کہ "قسم ہے
سنٹ جمیز کی کہ وہ عاقلانہ انداز سے آرہے ہیں مگر انہوں نے
یہ انداز سیکھا ہے مجھی سے" ایک نظر میں اوس پر نا امیدی
چھا گئی ایک مٹھی بھر سواروں اور ویلز کی ایک نیم مسلح
جمعیت سے شاہی فوج کے باترتیب سواروں کا مقابلہ کرنا ناممکن
تھا۔ سیمن نے اپنے گرد کے مختصر گروہ سے کہا کہ ہمیں اپنی روحیں

خدا کے سپرد کر دینا چاہئے کیونکہ ہمارے جسم تو اب دشمنوں کے ہو چکے ہیں۔" اس نے ہیوف، ڈسپنسر اور اپنے دوسرے ساتھیوں کو میدان سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اس کا شریفانہ جواب یہ ملا کہ " اگر وہ خود مارا گیا تو انہیں زندہ رہنے کی تمنا نہیں ہے۔" غرض تین گھنٹے میں بالکل قلع قمع ہو گیا، اہل ویلز اول ہی حملے میں بھیڑوں کی طرح بھاگ نکلے اور کھیتوں اور باغوں میں جہاں جہاں ملے بے رحمی سے کاٹ ڈالے گئے۔ سیمن کے آس پاس کے نائٹوں کے مختصر گروہ نے جانبازی و مردانگی کی داد دی ایک ایک کرکے وہ گرتے رہے تا آنکہ ارل بالکل تن تنہا رہ گیا مگر اس کی تلوار ایسی کاری پڑ رہی تھی کہ وہ پہاڑی کی چوٹی تک پہنچ ہی گیا تھا کہ ایک نیزے کی ضرب نے اس کے گھوڑے کو زمین پر گرا دیا۔ اس پر بھی سیمن نے دشمن کے قبضہ میں جانا منظور نہ کیا یہاں تک کہ پس پشت کی ایک کاری ضرب سے وہ زخمی ہوکر زمین پر گر پڑا اور "خدا کی رحمت" کی ایک آخری ندا کے ساتھ اس اعلیٰ محب وطن کی روح جسم سے پرواز کر گئی +

باب چہارم

تین اڈورڈ

۱۲۶۰ — ۱۲۶۵

جزو اوّل

فتح ویلز

۱۲۸۴ — ۱۲۶۵

[اسناد- ویلز کی عام حالت کے لئے گرلیڈس کیمبرنسس کی اٹینزیریم کیمبری Itinerariun Cambriæ اور اس کی عام تاریخ کے لئے ماسٹر آف رولز کے شایع کردہ Brutny Tywysogion اور اینلیز کیمبری Annales Cambriæ کریڈاک (لینکاروں) کا وقائع مترجمہ پاول اور ورنگٹن کی ہسٹری آف ویلز (تاریخ ویلز History of Wales دیکھنا چاہئے

اسٹفن کی کتاب لٹریچر آف دی سمری (سمری کا علم ادب iterature
of the Cymiry سے ویلز کی شاعری پر ایک عام نظر
یبینوجین کو لیڈی چارلوٹ گسٹ نے شایع کر دیا ہے۔ مسٹر متھیو آ
اپنے مضامین "دی اسٹڈی آف کلٹک لٹریچر" (کلٹی علم ادب پر
The Study oi Celtic Literature میں ویلز کی شاعری کے
بہت خوبی سے دکھائے ہیں۔ انگریزی حالات کے لئے انہیں "خانقا
کو دیکھنا چاہئے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور جن میں ٹریوٹ اور مر
کچھ بے لطف ضمیمے شامل کر دئے ہیں (برٹ اور میبینوجین کے نئے
پروفیسر رس اور مسٹر جے۔جی اوینز نے کتب ویلز کے سلسلے میں
۱۸۹۰ء میں شایع کئے ہیں ؛

ویلز کا علم ادب

جنگ بیرن کی وجہ سے انگلستان میں علوم و ادب
تھوڑے ہی زمانے کے بعد برباد ہو گئے تھے مگر ویلز میں
تجدید کے باعث معاشرت و ذہنی حالت اون کی بالکل
نظر آتی ہے۔ بظاہر حالات تیرھویں صدی میں ویلز ایک با
وحشی ملک معلوم ہوتا تھا، مدتوں کی سخت جنگ، خانگی منا
اور ممالک عیسوی کی عام تعلیم و تربیت سے مستفید نہ ہو
وجہ سے قدیم رومی تمدن کے تمام آثار محو ہو گئے تھے اور غیر
برطانویوں کی حالت وحشی گلہ بانوں کی سی ہو گئی تھی۔ وہ
مویشی کے دودھ پر اوقات بسر کرتے اور انہیں کا چمڑا
تھے۔ بے وفائی حرص کینہ توزی ان پر غالب تھی۔ قبیلہ
کے سوا کوئی اعلیٰ سیاسی نظم و نسق ان میں باقی نہیں
تھا، آپس کے وحشیانہ مناقشات نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر
تھا وہ صرف جنگ کے وقت یا اجنبیوں پر یورش کرنیکے

باہم متحد ہو جاتے تھے ورنہ اور کسی طرح کا اتحاد ان میں پایا نہ جاتا تھا۔ مگر اس وحشی قوم کے دل میں شاعری کی ایک چنگاری اب تک باقی تھی، یہی آگ تھی جس نے چار سو برس پیشتر اینورن اور لیورک ہن کے کلام میں ظاہر ہو کر سیکسن کے مقابلے کے لئے اہل ویلز کو قوی دل کر دیا تھا۔ اس پست ترین منزل پر پہنچ کر مغنیوں کے ایک گروہ نے ویلز کی ناموشی کو یک بیک توڑ دیا۔ بارھویں صدی کی زمزمہ سرائی ایک دو مغنیوں تک محدود نہیں رہی تھی بلکہ تمام قوم میں یہ جوش پھیل پڑا تھا، جیرلڈ دی بیری کہتا ہے کہ "جس گھر میں کوئی مسافر صبح کو آتا شام تک وہ عورتوں سے گفتگو کرنے اور ستار کی آواز سے محفوظ ہوتا رہتا"۔ قوم کے افسانہ دار علم ادب کو ویلز کی زبان میں اظہار خیال کا ایک قابل قدر ذریعہ ہاتھ آگیا جس طرح قیصر کے وقت کی لاطینی زبان کے نشو و نما سے دوسری رومانوی زبانیں پیدا ہوئیں اسی طرح ویلز کی اس وقت کی زبان اسی قدیم کلٹی زبان کی ایک ترقی یافتہ صورت تھی جو قیصر کے وقت میں بولی جاتی تھی، فرق صرف یہ تھا کہ ویلز کی زبان نے یورپ کی تمام رائج زبانوں سے بہت پہلے ایک بیّن اور معینہ علمی شکل اختیار کر لی تھی۔ ازمنہ وسطے کے کسی اور علم ادب کی ابتدائی حالت میں ایسی مفصل ترتیب نہیں پائی جاتی جیسی ویلز کے علم ادب میں ہے۔ اور اس معین ہیئت کے اندر کلٹی خیالات کی آزادانہ روانی تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے۔

دور موخر کی ایک نظم میں گیون شاعر خرگوش، مچھلی، چڑیا اور دانہ گندم بن جاتا ہے، مگر قصوں میں کلٹی خیالات کا جس طرح اظہار ہوتا ہے یہ محض اس کی ایک علامت ہے۔ یہ قصے آرتھر کے افسانوں میں اپنی انتہائی حد کو پہنچ گئے ہیں۔ ان قصوں کا دل آویز مبالغہ، واقعیت، روایت، امکان سب کو پس پشت ڈال کر ناممکن و غیرواقعی حالات کے بیان میں سرمست نظر آتا ہے۔ آرتھر جب نامعلوم دنیا کی طرف سفر کرتا ہے تو وہ ایک شیشہ کے جہاز میں روانہ ہوتا ہے، "نزول جہنم" کی جو تصویر ایک کلٹی شاعر نے کھینچی ہے وہ ازمنہ وسطے کے خوف و ازمنہ وسطے کے احترام سب کو بالائے طاق رکھ دیتی ہے اور جس نائٹ کو اس تلاش میں کامیابی ہوئی ہے وہ دوزخ کے اندر برسوں سیر و شکار راگ و رنگ اور حسین عورتوں سے گفتگو میں بسر کرتا ہے، قصے کی دنیا خالصتہً وہم و خیال کی دنیا ہے، وہ عجائبات اور سحر آفرینیوں کی ایک نئی زمین ہے، اس کے تاریک جنگلوں کی خاموشی میں صرف زہاد کی گھنٹی سے خلل پڑتا ہے، اور اس کے جنگلوں کے کھلے میدانوں میں روشنی ہیرو کی زرہ پر چمکتی ہے، ہر شکل جو شاعر کے تختہ تصویر پر حرکت کرتی ہے جگمگاتے ہوئے رنگ سے روشن نظر آتی ہے۔ دوشیزہ لڑکی شعلہ نما ریشمی پوشاک میں ملبوس تھی۔ اس کی گردن میں سرخ سونے کا ایک طوق تھا جس میں بھی زمرد و یاقوت جڑے ہوئے تھے، اس کا سر رتم کے سنہرے پھول سے زیادہ چمکدار تھا، اس کی جلد سمندر کے جھاگ سے زیادہ

سفید تھی، اس کے ہاتھ اور اس کی انگلیاں ان جنگلی شتائق کے پھولوں سے (جنہیں سبزہ زار کے چشموں نے سیراب کیا ہو) زیادہ پاکیزہ و خوشنما تھیں، سدھائے ہوئے باز کی آنکھ اور شاہین کی نظر اس کی نظر سے زیادہ تیز نہیں تھی۔ اس کا پہلو سفید بط کے سینے سے زیادہ شفاف تھا، اس کے رخسار سرخ ترین گلاب کے پھولوں سے زیادہ سرخ تھے" ہر جگہ پریشان تصویر ہائے خیالی کی بھی مشرقی شان نظر آتی ہے مگر اس انداز سے کہ تکلیف دہ نہ ثابت ہو۔ اہل کلٹ کی طبیعت میں ایک خاص طرح کا ذوق پایا جاتا ہے جو نظارگی حسن ہونے میں نہایت تیز اور زندگی کے جذبات اور واردات غم و خوشی پر نہایت ہی مفتون معلوم ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی ان میں ایک طرح کا پرزور تعقل بھی ہے جو ناممکنات سے روگرداں رہتا ہے، اعلیٰ و افضل چیزوں کی طرف میلان ان کی خاص فطرت اور نیچر کی سحر آفرینیوں کی قدردانی ان کا خمیر ہے۔ یہ خصائل ان کے ذوق صحیح سے مل کر ان کے خیالات میں ایک اعتدال پیدا کر دیتے ہیں۔ ان کے مبالغے ضرور نہایت بعید از قیاس ہوتے ہیں، مگر ان کی نازک خیالی، لطافت احساس اور حسن کی سحر نما مصوری سے یہ مبالغے بھی پر لطف ہو جاتے ہیں۔ کلیج کے شکاری کتوں کا اپنے آقا کے گھوڑے کے ادھر ادھر اچھلنا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "سمندر کے پرندے کھیل رہے ہیں" اس کا نیزہ اس پھرتی سے پڑتا ہے کہ جون کی کثرت شبنم

کے زمانے میں نرگل کی پتی سے شبنم کے قطرے بھی اس طرح سے
نہیں گرتے" فطرت اور فطرتی حسن کی نکتہ آفریں و نتیجہ خیز
محبت پر جوش انسانی جذبات کے اثر سے مل کر ایک نیا رنگ
اختیار کر لیتی ہے۔ فطرت کی محبت کا یہ جذبہ گواکمائی کی بلند
آہنگ صدا میں نہایت خوبی سے ظاہر ہوا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ
"میں چڑیوں کو اور ان کی سریلی آوازوں کو جنگل کے تمام دلنواز
نغموں کے مقابلے میں سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں"۔ یہی جذبہ
اسے رات کی خاموشی میں چشموں کے آس پاس ایک شاداب
سبزہ زار میں پہنچا دیتا ہے تاکہ وہاں وہ بلبل کے نغمے سنے اور
بحری موموکے کھیل دیکھے، حب وطن بھی یہی خیالی شکل اختیار
کر لیتی ہے ویلز کا شاعر سیکسن کی ہموار اور سہل انکاری پیدا
کرنے والی زمین کو ناپسند کرتا ہے جب وہ خود اپنی سرزمین کا
ذکر کرتا ہے تو وہ اس کے ساحل، اس کے پہاڑ اس کے
جنگل کے حاشیہ کے حصوں، اس کے خوشنما منظروں، اس کی
وادیوں، اس کے دریاؤں اور چشموں، اس کی گھاٹیوں، اسکے
سفید بحری مومو، اس کی حسین عورتوں، غرض اس کی ایک ایک
شے کی تعریف کرتا ہے۔ مگر اس کے بعد ہی پھر یہ نظم یکا یک
افسانہ وار خیالات کے عالم میں نکل جاتی ہے۔ "میں اس کے
ان میدانوں سے محبت کرتا ہوں جو نازک شندل کے پھولوں
کا لباس پہنے ہوئے ہیں، میں میریانھ کی ان دلدلوں سے
الفت رکھتا ہوں جہاں میرے سرنے برف کے سے سفید بازوؤں پر

تکیہ کیا تھا" عورتوں کے متعلق اہل کلٹ کی محبت میں ٹیوٹن کی سی دور رسی و صداقت مفقود ہے، البتہ ان میں نزاکت آمیز مسرت کا ایک طفلانہ جوش پایا جاتا ہے۔ ان کے جذبات کی یہ چمک ایسی معلوم ہوتی ہے کہ کسی پہاڑ کی یخ بستہ چوٹی پر شفق صبح کا ایک عکس پڑ جائے۔ اس سے انہیں صرف ایک کھیل کی سی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ "میری محبوبہ سیب کے پھول اور سمندر کے جھاگ کے مانند سفید ہے، اس کا چہرہ اس طرح چمکتا ہے جیسے ارائری (جگہ کا نام ہے) پر شبنم کے موتی چمکتے ہوں، اس کے رخسار کی چمک ایسی ہے جیسے غروب کے وقت آفتاب کی روشنی"۔ ویلز کے شاعروں نے فرانسیسی نغمہ سنجوں کے رندانہ و عیاشانہ انداز میں اپنے مہذب تر شاعرانہ جوش و خروش سے ایک طرح کا عارفانہ انداز پیدا کر دیا تھا۔ مذکورۂ بالا شاعر لکھتا ہے کہ، "جو شخص اسے دیکھتا تھا اس کی محبت کا دم بھرنے لگتا تھا، جہاں اس کا قدم پڑتا تھا وہاں شفدل کے تختے اُگ آتے تھے"۔ ویلز کا شاعر خالص تخیل کے اثر سے اپنی زیر بحث شے کو جذبات کی حد سے نکال کر مسرت و احترام کی حد میں پہنچا دیتا ہے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ ویلز کی واقعی تاریخ کے عالم سے گزر کر اس شاعری کے عالم میں آنا حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے مگر شاعری اور افسانے کی اس غیر منتظم و خیالی رو کے ساتھ ایک زیادہ عمیق نغمے کا سیل بھی رواں تھا۔ پرانے مغنیوں کے انداز میں جنگ کی مسرت، آزادی کی محبت، سیکسن کی نفرت

کے خیالات، نہایت کثرت کے ساتھ قطعوں اور گیتوں میں ظاہر کئے جاتے تھے۔ یہ گیت مبالغہ آمیز، بے لطف اور اکثر تو نثر معلوم ہوتے تھے مگر ان میں حب وطن کے جس جوش کی آگ مشتعل ہوتی تھی اس کی وجہ سے وہ بھی شاعری میں داخل کرلئے جاتے تھے۔ در حقیقت شاعری کے اس نئے جذبے کی ترقی سے ظاہر ہوتا تھا کہ انگریزی فاتح کے خلاف طولانی جدوجہد میں ایک نیا روز پیدا ہو گیا تھا ⁂

غیر مفتوح برطانیہ کا جتنا ملک باقی رہا تھا وہ ڈیورہم اور چسٹر کے فتوحات سے تین حصوں میں منقسم ہو گیا تھا، ان میں سے بھی دو حصوں کا مدتوں قبل خاتمہ ہو چکا تھا۔ دریا ہائے کلائڈ اور ڈی کا درمیانی ملک بتدریج نارتھمبریا کے فتوحات اور سلطنت اسکاٹلینڈ کی توسیع میں فنا ہو گیا تھا اور آبنائے برطانیہ و دہانہ سیورن کے درمیان کا مغربی ویلز اگبرٹ کی اولوالعزمی کی نذر ہو چکا تھا، مگر ان دونوں کے مابین جو وسیع حصہ واقع تھا اس نے سخت مقاومت سے ایک مدت مدید تک اپنی آزادی کو قائم رکھا۔ یہی حصہ اب ویلز کہلاتا ہے۔ برطانوی ریاستوں میں یہ سب سے بڑی اور سب سے قوی حکومت تھی اور اس کے مقابلے میں مرسیا انگریزی ریاستوں میں سب سے کم عمر اور سب سے کم طاقت ریاست تھی، حملہ آوروں کی کمزوری، نیز ان کے خانگی مناقشات (جن سے ان کی قوت اور بھی ٹوٹ گئی تھی) اہل ویلز کے معاون ہو گئے۔ مگر مرسیا نے

انگریزی ریاستوں پر تفوق حاصل کرتے ہی فتح کے کام کو آمادگی کے ساتھ شروع کر دیا' اوفا سیورن اور وائی کے درمیان کی سرحدی زمین اہل ویلز کے ہاتھ سے پہلے ہی نکال چکا تھا اب اس کے جانشین قصبوں و قریوں کو جلاتے اور باشندوں کو قتل کرتے ہوئے قلب ملک تک پہنچ گئے اور ویلز کے حکمرانوں سے مرسیا کی سیادت کا اقرار بزور شمشیر حاصل کر لیا' مرسیا کے زوال کے بعد یہ کام ویسٹ سیکسن بادشاہوں کی طرف منتقل ہو گیا' ہودل ڈا کے قوانین سے ظاہر ہے کہ "ایرفرا کا حکمراں" "لندن کے بادشاہ" کو سالانہ خراج دیتا تھا۔ ڈین کی ممتد جنگ و جدال سے انگلستان کمزور ہو گیا تھا اور اس سے برطانویوں میں آزادی کی امیدیں پھر زندہ ہو گئی تھیں مگر ڈینلا (ملک ڈین) کے زوال کے بعد حکمرانانِ ویلز دوبارہ مطیع ہو گئے اور جب "تائب" کے دوران سلطنت میں لیوفرک اور گاڈون کے خاندانوں کے جھگڑے کے باعث موقع پاکر اہل ویلز سرحد کو عبور کر کے خود انگلستان پر حملہ آور ہوئے تو ہیرلڈ کی فتوحات نے انہیں پھر انگریزی سیادت کے تابع کر دیا۔ اس کی سبک سلاح فوجیں ساحل پر اتر کر پہاڑوں کے اندر تک گھس گئیں اور ویلز کے حکمران گرفڈ کا سر اپنے نشان فیروزمندی کے طور پر لے آئیں اور گرفڈ کے جانشینوں نے قدیمی اطاعت پر کاربند ہونے اور شاہِ انگلستان کو حسب دستور خراج ادا کرنے کا حلف اٹھایا ؎

جب نارمنی فتح کا سیلاب سرحد ویلز کی طرف بڑھنا شروع
ہوا تو ایک بہت ہی جانبازانہ جنگ شروع ہو گئی۔ ولیم نے
تمام سرحد ویلز پر بڑے بڑے امرا کی جاگیروں کا ایک سلسلہ
پھیلا کر ویلز کی غارتگرانہ یورشوں کو روک دیا تھا۔ اپنے
صوبہ چسٹر کے صدر سے ہیوف دی ولف (گرگ) نے پیاپے
حملوں سے فلنٹشائر کو بالکل ویران کر دیا' ایک وقائع نگار لکھتا ہے
کہ "رابرٹ بلیمی نے اپنی سروشبری کی جاگیر میں اہل ویلز کو
بھیڑوں کی طرح قتل کر ڈالا' انہیں مغلوب و مقہور کر کے غلام
بنایا اور بہتوں کو لوہے کی سلاخین بھوک کر مار ڈالا"
ان بڑے بڑے بیرنوں کی حمایت و مدد سے بیشمار چھوٹے درجے
کے ترکتازوں نے بھی اہل ویلز کو فتح کرنے کے لئے شاہی
اجازت" حاصل کر لی۔ نارمن قلعہ داروں نے مانمتھ اور ابرگینی
پر قبضہ کر کے انہیں اپنی حفاظت میں لے لیا' برنرڈ (نیوتمارچی)
نے برکناک کی امارت حاصل کر لی۔ راجر نے (مانٹگو مری نے
وائس لینڈ میں ایک قصبہ و قلعہ تعمیر کیا جس سے اب تک
اس کا نام قائم ہے۔ ولیم ثانی کے عہد میں تمام قوم کی ایک
وسیع بغاوت نے بالآخر اس نارمن کا غارت کیا ہوا کچھ حصّہ
واپس لے لیا' مانٹگومیری کا نیا قلعہ جلا دیا گیا' برکناک اور کارڈیگن
حملہ آوروں سے صاف کر دئے گئے' اور اہل ویلز قتل و غارت
کرتے ہوئے انگریزی سرحد پر ٹوٹ پڑے۔ شاہ احمر ان دشمنوں
کے مقابلے میں دو مرتبہ اپنی فوجیں پہاڑوں کے اندر تک لے گیا

مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ دشمن اپنے ماسنوں میں پناہ گزیں ہو جاتے تھے تا آنکہ قحط و شدت تکالیف فوج کو خستہ و درماندہ کر کے مراجعت پر مجبور کر دیتی تھی۔ ہنری اول اپنے باپ کی حکمت علی پر چلا اور قدم بقدم فتح کا طریقہ اختیار کیا۔ اس نے فتح کا سلسلہ ساحل کی طرف سے شروع کیا کیونکہ ساحل کی زمین ہموار و فراخ تھی اور اس میں سمندر کی جانب سے آمد و رفت ہو سکتی تھی۔ ویلز کے اندرونی مناقشے سے اس حملہ کو مدد مل گئی۔ رابرٹ فزہیمو (لارڈ گلوسٹر) کو ویلز کے ایک سردار نے اپنی کمک کے لئے بلایا، اور جنوبی ویلز اپنے جس آخری حکمران رس ایب ٹوڈر کے تحت میں متحد تھا اس کی شکست سے طوائف الملوکی عام ہو گئی۔ اس سے رابرٹ کو موقع مل گیا اور وہ باطمینان گلیمارگن کے ساحل پر جا اترا اور گرد و نواح کے ملک کو فتح کر کے اسے اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ ارل کلیر جب ملفرڈ ہیون پر اترا تو اہل فلینڈرز اور انگریزوں کی ایک فوج اس کے ساتھ تھی اور اس نے برطانوی باشندوں کو ہٹا کر پمبروک شائر کے مقام پر "انگلستان خورد" آباد کیا۔ چند دلیر و جانباز اشخاص نارمن لارڈ کمیس کے ہمراہ کارڈیگن پہنچے اور یہاں جو شخص اہل ویلز سے لڑ کر زمین حاصل کرتا تھا وہی اس پر قابض ہو جاتا تھا۔

عین اس وقت میں جبکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ برطانوی نسل اہل ویلز بالکل مغلوب ہو جائے گی، اہل ویلز میں ایک نیا جوش موجزن نئی زند

ہو گیا۔ حملے کی رو پلٹ گئی۔ ویلز کے مختلف صوبے اس وقت تک علیحدہ علیحدہ مقاومت کرتے تھے اب قومی آزادی کے حاصل کرنے کے لیئے سب متفق ہو گئے۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ان میں ایک نئی شاعرانہ آگ بھڑک اٹھی تھی۔ ہر جنگ اور ہر جنگ آور کے لئے ایک نظم فی الفور تیار ہو جاتی تھی۔ پرانے مغنیوں کے ناموں کے زندہ کرنے میں دلیرانہ تدلیس کی گئی تاکہ قومی مقاومت میں نئی جان پڑ جائے اور ان کے ناموں سے فتح کی پیشینگوئی کی جاسکے۔ اس نئے ہیجان نظم کا سب سے زیادہ قوی اثر شمالی ویلز میں حب وطن کے جوش میں ظاہر ہوا۔ ہنری ثانی کو ان ناقابل تسخیر قلعوں سے بارہا مراجعت کرنی پڑی جہاں "سنوڈن کے امرا" یعنے گروفڈ ایب کینن کے خاندان کے حکمراں تمام ویلز پر اپنے تسلط کے دعویدار تھے ایک یہ شور مچ گیا کہ پادشاہ مارا گیا اور ہنری (اسکس) نے شاہی علم پھینک دیا اور صرف بادشاہ کی غایت پامردی کی وجہ سے فوج کامل ہزیمت سے بمشکل تمام بچ سکی۔ بعد کی ایک مہم میں حملہ آوروں کو طوفان بارش سے سابقہ پڑا اور اپنا ساز و سامان چھوڑ کر وہ بے سر و پا چسٹر کی جانب بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ گرے کے ترجمے میں انگریزی خوانوں کو ویلز کا جو سب سے بڑا قصیدہ ملتا ہے وہ فیروزمندی "اون" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ قصیدہ گو کمائی کا نغمہ فتح ہے جس میں ابرمینائی سے ایک انگریزی بیڑے کے پسپا ہونے کا

حال بیان کیا گیا ہے۔ جاروتھ اور گروفڈ دونوں کے بیٹوں کا
نام لیولن تھا۔ ان دونوں کا زمانۂ حکمرانی آزادی ویلز کے
آخری ایام میں قریب قریب پوری صدی پر حاوی ہے۔ ان کے
عہد میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ اہل ویلز کی تمناؤں کے پورے
ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہا ہے۔ ان میں سے پہلا
لیولن ویلز کے تمام سرداروں کو مطیع کرنے میں کامیاب ہو گیا اور
اس طرح وہ علانیہ اپنی تمام قوم کا سرتاج بن گیا اور شاہان
انگلستان کی جنگ میں ایک نئی صورت پیدا ہو گئی۔ خاص
اپنے حدود کے اندر اپنے اقتدار کے مستحکم کرنے اور قرب وجوار کے
حکمرانوں پر اپنی سیادت کے قائم کرنے میں لیولن ایپ جاروتھ کو
برابر یہی فکر رہی کہ کسی طرح سے سیکسن کا جوا وہ کاندھے سے
اُتار ڈالے۔ جان کی یہ کوشش کہ اس کی بیٹی جوہینا کے
عقد کے ذریعے سے وہ اس کی دوستی حاصل کرلیگا۔ بیکار ثابت
ہوئی۔ سرحد کی تازہ یورشوں نے بادشاہ کو ویلز میں داخل ہونے پر
مجبور کر دیا، لیکن اگرچہ اس کی فوج سوڈن تک پہنچ گئی۔ مگر
سابق کی فوجوں کی طرح اسے بھی فاقہ زدہ و شکستہ حال واپس
آنا پڑا کیونکہ دشمن تک کسی طرح رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔
البتہ دوسرے حملے میں کچھ کامیابی ہوئی، جنوب ویلز کے سردار
اپنی نئی فرمان پذیری کو ترک کرکے انگریزی فوجوں سے مل گئے
لیولن اپنے قلعے میں محصور اور آخرکار اطاعت پر مجبور ہو۔
مگر عہد نامے کی سیاہی ابھی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ ویلز میں

پھر آگ لگ گئی۔ انگریزوں کے خوفِ عام نے اکبار پھر اس کے
سرداروں کو متحد کر دیا اور جان اور اس کے بیرنوں کے درمیان
معرکہ آرائی شروع ہو جانے سے نئے حملے کا خوف بالکل جاتا رہا۔
ایک خارج الملت بادشاہ کی اطاعت سے بری ہو کر لیولن نے
فزوالٹر کے زیر اثر بیرنوں سے اتحاد پیدا کر لیا بیرن بھی اپنی جگہ
پر بہت خوش تھے کہ ایک ایسا حکمران ان کا شریک کار ہے
جو سرحد کے امرا کو (جہاں شاہی حمایت سب سے زیادہ قوی
ہے) روک سکتا ہے اِدھر لیولن نے موقع پاکر شروسبری کی
تسخیر اور پاؤس کا (جہاں انگریزی اثر ہمیشہ غالب رہا ہے الحاق
کر لیا کرمارتھن اور گارڈیگن کے قلعوں سے شاہی فوجوں کو
نکال دیا اور پمبروک کے اہل فلینڈرز تک کو اپنی اطاعت
پر مجبور کر دیا *

حکمرانِ وڈن (لارڈ آف سوڈن) کی ہر ظفر یابی سے ویلز کی
امیدیں بلند و بلند تر ہوتی جاتی تھیں۔ لیولن کا دربار صرف
شاعروں مطربوں مغنیوں سے بھرا ہوا تھا انہیں میں سے
ایک مطرب کہتا ہے کہ "وہ مغنیوں کے دامن میں سونا اسطرح
ٹپکتا ہے جیسے درختوں سے پکا ہوا پھل گرتا ہے مگر ان کے
فن کے برانگیختہ کرنے کے لئے سونے کی زیادہ ضرورت نہیں تھی۔
تمام شعرا اس کی مدح میں رطب اللسان ہیں۔ کوئی اسے
انگلستان کا عذاب قرار دیتا۔ کوئی اسے "آدمیوں کا عقاب"
کہتا ہے "جسے نہ لٹنے سے رغبت ہے نہ سونے سے" کوئی اسے

اُپنا سرخ نیزہ لئے ہوئے تمام آدمیوں سے سر بلند" کہتا ہے۔کوئی اس کی "جنگ کی سرخ خود کا ذکر کرتا ہے "جس پر گرگ خونخوار کا طرہ تھا۔اس کی آمد کی آواز ساحل سے ٹکرانے والی موج کی ٹکر ہے جسے نہ کوئی روک سکتا ہے نہ تھام سکتا ہے" کم درجے کے شعرا اس کے فتوحات کو متوازن فقروں میں جمع کر لیتے اور اسے خونریزی کی ترغیب دیتے تھے۔الیڈر کہتا ہے کہ "قتل میں ہمت کر' اپنے کام پر ثابت قدم رہ' انگلستان کو تباہ اور اسکی آبادی کو غارت کر دے"۔ شعرائے دربار کی پرجوش و پرغضب نظمیں خون کی پیاسی معلوم ہوتی ہیں۔ ایک فیروز مند شاعر بیساختہ کہتا ہے کہ "اس خاموش شہر سوئیسی کی اینٹ سے اینٹ بج گئی"۔ "درخشان سفید زینوں والے سنٹ کلیرز پر اب سیکسن کا قبضہ نہیں رہا"۔ لیگریا کی کلیسہ سوئیسی کی تمام عورتوں کو ہم نے بیوہ بنا دیا" "اس خوفناک عقاب کی عادت ہے کہ لاشوں کا انبار لگا دیتا ہے اور بھیڑیوں کے سردار اور گوشت سے شکم پر کوؤں کے ساتھ کھانا کھاتا ہے'یہ بھیڑئے اور کوے ایسے قصاب ہیں جو مردوں کے سراغ لگانے میں بہت تیز ہیں" نظم ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے کہ "قبر اس شخص کے لئے زندگی سے بہتر ہے جو اس وقت غمگین ہو۔جب قرنا کی آواز لوگوں کو میدان جنگ کی طرف بلاتی ہے"

باربدی نظموں میں بھی لیولن ان سرداروں کے عام گروہ سے بلند نظر آتا ہے جو غارتگری پر بسر کرتے ہیں اور جب الوان میں

لوگ یکے بعد دیگرے گاتے ہیں تو وہ اس امر پر فخر کرتے ہیں کہ "وہ نہ پناہ مانگتے ہیں اور نہ پناہ دیتے ہیں۔" لیولن نرم دل، عقلمند، خوش مذاق، طباع ہونے کے ساتھ "قیصر اعظم" بھی تھا جو کلٹی قوم کے منتشر اجزا کو اپنے تحت میں مجتمع کرنے والا تھا۔ ویلز کی آخری جد و جہد میں حملہ آوروں کے مقابلے میں اسے تقویت دینے کے لئے پر اسرار پیشینگویاں، جنہیں لیولن دانا کی پیشینگوئیاں کہا جاتا تھا، ہر شخص کی زبان پر جاری تھیں۔ مڈراڈ اور آرتھر ایکبار پھر دنیا میں آنے والے تھے تاکہ کیمکن کی مہلک جنگ کو انجام کو پہنچائیں، کلٹی قوم کا آخری فاتح کیڈ دین اپنی قوم کی طرف سے لڑنے کے لئے اب تک زندہ تھا، ٹالیسین کی مفروضہ نظمیں سمری کے استرداد کی امید ظاہر کرتی تھیں۔ "برینٹی سے ین تک تمام سرزمین ان کے (اہل ویلز کے) ہاتھوں میں ہوگی اور ایک افواہ اڑیگی کہ جرمن برطانیہ سے پھر اپنے ملک آبائی کو واپس جا رہے ہیں۔" جافری، مانمتھ کی عجیب و غریب تصنیف میں مجتمع ہو کر ان پیشینگویوں کا گہرا اثر نہ صرف اہل ویلز پر بلکہ ان کے فاتحین پر بھی پڑا۔ ایک ہنوز زندہ، آرتھر کے خوابوں کی تعبیر کے لئے ہنری نے اس افسانے کے ہیرو کی قبر کا گلیسٹنبری میں پتہ چلایا اور خود اس کی زیارت کو گیا۔ مگر اہل ویلز کو اپنی قوم کی آخری فتح کا جیسا مضبوط اعتقاد تھا اسے نہ اس قسم کی نیرنگ بازی سے متزلزل کر سکی اور نہ انگریزی فتوحات۔ ویلز کے ایک سردار

(جو ہنری کی فوج میں شامل ہو گیا تھا) ہنری نے کہا کہ "کیا تم
خیال کرتے ہو کہ تمہارے یہ غوغائی میری فوج کے حملے کی
تاب لاسکیں گے" سردار نے جواب دیا کہ "میری قوم آپ کے
پر زور ٹکر سے کمزور ہو جائے گی مگر، جب تک خدا کا غضب
بھی اس کے دشمنوں کے ساتھ شامل نہ ہوگا وہ ہرگز تباہ
نہیں ہوگی، نہ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ ویلز کی قوم وزبان
کے سوا کوئی اور قوم یا زبان بروزِ جزا اس گوشۂ دنیا
کے لئے احکم الحاکمین کے سامنے جوابدہ ہوگی" عام نظموں میں
کہا گیا تھا کہ "وہ اپنے خداوند کی حمد کریں گے اور اپنی
زبان کو قائم رکھیں گے مگر باستثنائے ویلز وہ اپنا سارا
ملک کھو دیں گے" برطانوی قوم کی روز افزوں قوت سے
یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ اعتقاد و پیشینگوئی سچ ہو کر رہے گی۔
ہنری سوم کے عہد کی کمزوری و اختلافات سے لیولن ایپ جاروتھ
کو موقع مل گیا کہ وہ اپنے آخر وقت تک جہاں تک ہوسکے
ویلز کی آزادی کو قائم رکھے۔ البتہ اس کے بعد اسقف اعظم
اڈمنڈ نے ویلز کو از سر نو انگریزی سیادت کے اعتراف پر
مجبور کیا، مگر گروفتہ کے بیٹے لیولن نے پھر اپنے ہمنام کی سی
لیول
۲۴۶
کامیابیوں کا نیا دور قائم کر دیا۔ اس نے عین چسٹر کے
دروازوں تک تمام سرحد کو غارت کر دیا اور کیلمارگن کے
فتح کرلینے سے معلوم ہوتا تھا کہ تمام قوم ایک ایسی طاقت
کے ساتھ متحد ہو جائے گی کہ ہر طرح کے بیرونی حملے کو

بخوبی روک سکے گی۔ بیرنوں کی جنگ کے تمام زمانے میں لیولن، ویلز کا مالک بنا رہا۔ اس جنگ کے خاتمہ پر متحدہ سلطنت کی جانب سے حملے کی تہدید سے صرف اس قدر ہوا کہ اپنے اقتدار شاہی کے تسلیم کر لئے جانے پر اس نے انگلستان کی اطاعت قبول کر لی، وہ سردار جسے اس وقت تک انگریزی بادشاہ صرف حکمران ابرفرا کہتے تھے اب وہ "حکمران ویلز" کے خطاب سے ملقب ہو گیا اور اس کا یہ حق تسلیم کیا گیا کہ وہ دوسرے سرداروں سے اپنے لئے حلف اطاعت حاصل کرے

لیولن اگرچہ اپنے انتہائی اغراض کے حاصل کر لینے کے قریب معلوم ہوتا تھا مگر پھر بھی وہ تاج انگلستان کا ایک ماتحت رئیس تھا، اور ایک نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد اس سے فوراً ہی اظہار اطاعت کا مطالبہ کیا گیا، اڈورڈ اول کے بچپن ہی میں ان اعلیٰ صفات کے آثار ظاہر ہو گئے تھے جنہوں نے اسے ایک عالی مرتبت انگریزی حکمران بنا دیا۔ پاس قانون کا جوش اور عمدہ حکومت کا احساس اس میں اول ہی سے پایا جاتا تھا اور انہیں خوبیوں نے اس کے عہد کو انگریزی تاریخ میں اس درجہ قابل یادگار بنا دیا، ہنری اور طبقہ بیرن کے درمیان جب کشمکش شروع ہوئی تو ابتدا میں اس نے بیرنوں کا ساتھ دیا اور کوشش کی کہ اپنے باپ کو "قواعد آکسفورڈ" کی پابندی پر قائم رکھے۔ بادشاہ کی

جانبداری اس نے صرف اس وقت اختیار کی جب اس نے
یہ دیکھ لیا کہ اقتدار شاہی کا بالکل خاتمہ ہوا چاہتا ہے۔
اس خطرے کے رفع ہو جانے کے بعد پھر اپنے سابق طریقے پر
آگیا، فتح کی پہلی جھلک جب نظر آئی اس وقت سیمن کی
قسمت کا حال نا معلوم تھا۔ تمام امرا اس کے خون کے پیاسے
تھے مگر ان سب کے خلاف صرف اڈورڈ کی یہ رائے تھی
کہ وہ زندہ گرفتار کر لیا جائے؛ جب جنگ کا ہر طرح پر
خاتمہ ہو گیا تو وہ خود اپنے ابن عم ہنری دی مانٹفرٹ کی
لاش پر رویا اور ارل کے جنازے کے ساتھ قبر تک گیا۔
جیسا کہ خود ارل نے اپنی موت سے قبل فخریہ کہا تھا، اڈورڈ
نے فن جنگ کا کمال اسی سے حاصل کیا تھا اور اسی
کمال نے اسے اپنے وقت کے تمام شہزادوں میں ممتاز کر دیا تھا
مگر اس فن جنگ سے زیادہ شریفانہ کمال اس نے حکومت
خود مختاری کا حاصل کیا تھا۔ جس نے اسے حکمرانی کی حیثیت
سے بلند مرتبے پر پہنچا دیا شاہی فریق کے وحشیانہ اظہار فیروزمندی
سے علیحدہ ہو کر اس نے مفتوحین کے لئے مناسب شرائط تجویز
کئے اور مقاومت کے آخری آثار کو مٹا دینے کے بعد اس نے
بادشاہ کی طرف سے وہ آئینی طریقہ حکومت جاری کیا جس کے لئے
بیرن لڑ رہے تھے۔ ملک میں اس قدر امن ہو گیا تھا کہ وہ
فلسطین کی ایک صلیبی جنگ میں بے خوف و خطر شریک ہو
سکا۔ جب اپنے باپ کے انتقال کی وجہ سے اسے وطن کو

واپس آنا پڑا تو آتے ہی ویلز کی مشکلات کا سامنا ہوا۔ بادشاہ کے متواتر مطالبہ کے باوجود لیولن اظہار اطاعت سے دو برس تک انکار کرتا رہا۔ آخر اڈورڈ کی طاقت صبر ختم ہو گئی اور شاہی فوج نے شمال ویلز کی طرف کوچ کر دیا۔ ویلز کی عظمت و شوکت کی عمارت ایک ہی ضرب میں ڈھہ گئی جنوبی و وسطی سردار جنھوں نے حال ہی میں لیولن کی وفاداری کی قسم کھائی تھی اسے چھوڑ کر اس کے دشمن انگریزوں سے آملے۔ ایک انگریزی بیڑے نے اینگلسی کو مسخر کر لیا، اور حکمرانِ ویلز ہر طرف سے اپنے قلعے میں گھر کر مجبور ہو گیا کہ بادشاہ سے رحم کا خواستگار ہو۔ اپنی طبعی اعتدال پسندی کی وجہ سے فاتح نے صرف یہ کیا کہ کانوے تک کا ساحلی علاقہ انگریزی مملکت میں شامل کر لیا اور یہ حکم دیا کہ لیولن کے انتقال کے بعد "حکمرانِ ویلز" کا خطاب موقوف ہو جائے۔ لیولن پر بڑا جرمانہ کیا گیا مگر پھر وہ بھی معاف ہو گیا۔ اور سیمن ڈی مانٹفرٹ کی جو لڑکی الینر اس سے عقد کرنے کو جا رہی تھی، اور راستے میں گرفتار ہو گئی تھی اس کا عقد بھی انگریزی دربار میں لیولن کے ساتھ کر دیا گیا۔ چار برس تک بالکل خاموشی رہی مگر لیولن کے بھائی ڈیوڈ نے اسے ترغیب دے کر پھر بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ سابق کی جنگ میں ڈیوڈ نے لیولن کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور اس صلے میں وہ انگریزی لارڈ بنا دیا گیا تھا۔ مرلن کی ایک

پیشینگوئی میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ جب انگریزی سکہ گول
ہو جائیگا تو لندن میں شہزادۂ ویلز کے سر پر تاج رکھا
جائیگا۔ اس زمانے میں تانبے کے نئے سکے مسکوک ہوئے
تھے اور یہ ممانعت ہو گئی تھی کہ آئندہ پنی کو توڑ کر
اس کا نصف و چہارم نہ بنایا جائے۔ اس سے یہ خیال
کیا گیا کہ پیشینگوئی پوری ہو گئی ہے۔ جو مہم پیش آئی
اس میں حکمران ویلز مایوسانہ استقلال کے ساتھ سوڈن پر
جما رہا اور آبنائے میناے اور انگلسی کے درمیان پل باندھتے ۱۲۸۲
وقت ایک انگریزی دستے کے تباہ ہو جانے سے جنگ موسم
سرما تک طول پکڑ گئی۔ انگریزی فوج کو اگرچہ نہایت مصیبتیں
تکلیفیں پیش آئیں مگر اڈورڈ کے استقلال میں فرق نہیں
آیا۔ مراجعت کی تمام تجاویز کو نامنظور کر کے اس نے احکام
جاری کر دئے کہ کرماتھن میں ایک نئی فوج تیار کی جائے
تا کہ لیولن کو پوری طرح سے گھیر لیا جائے۔ حکمران ویلز
اپنے کوہستانی مامن سے ریڈنرشائر پر یورش کرنیکے لئے
نکلا اور دریاے وائی کے کنارے ایک خفیف سی جنگ
میں ہلاک ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی قوم کی آزادی کا
بھی خاتمہ ہو گیا۔ چھ ماہ کے تعاقب کے بعد اس کا بھائی
ڈیوڈ گرفتار ہوا اور ایک کامل پارلیمنٹ نے اسے باغی
قرار دیکر اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ کانوے اور کیرنارون
میں مضبوط قلعوں کی تعمیر اور ضبط شدہ زمین پر انگریزی

بیرنوں کے آباد ہو جانے سے چھوٹے چھوٹے سردار مطیع ہو گ
حکمرانی کے عاقلانہ وصف نے اڈورڈ کو "قانون ویلز" کے نام
ویلز میں انگریزی قانون اور انگریزی انتظام کے اجرا پر مائل
کیا۔ مگر اس کوشش سے فائدہ بہت کم ہوا اور ہنری
ہشتم کے وقت سے قبل یہ کام نہ ہو سکا کہ یہ ملک فی الواق
انگلستان کا جزو بن جائے۔ اڈورڈ نے فی الحقیقت جو کچھ
کیا وہ یہ تھا کہ ویلز کی طاقتِ مقاومت کو توڑ دیا۔ اسکے
طریق عدل نے اس مقصد کو مکمل کر دیا اور زمانہ مابعد کی
دو بغاوتوں کے باوجود سو برس تک انگلستان کو ویلز کی
طرف سے کوئی شدید خطرہ پیش نہیں آیا۔ باریدوں کے
قتل عام کا جو الزام اڈورڈ پر لگایا جاتا ہے وہ محض فسانہ
ہے، اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے ٭

جزو دوم

انگریزی پارلیمنٹ

۱۲۸۳ — ۱۲۹۵

اسناد۔ نظام پارلیمنٹ کے متعلق ایک مختصر سی کتاب

موڈس ٹنڈی پارلیمنٹ Modus Tenendi Parliamenta سے
چودھویں صدی کی پارلیمنٹ کی واقعی حالت اور اس کے اختیارات کا
ایک حد تک صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر اسٹبز نے اپنے بیش بہا
مجموعہ اسناد میں اسے دوبارہ طبع کیا ہے۔ اس جزو کی بنا انہیں
اسناد پر ہے۔ سر فرینسس پالگریو نے اپنی ہسٹری آف دی انگلش کامن ولتھ
(تاریخ دولت عامہ انگلشیہ History of the English commonwealth
میں پارلیمنٹ کے اصلاحی پہلو کو بہت زور و توضیح کے ساتھ دکھایا ہے مگر
اس کے نتائج اکثر عاجلانہ و متعصبانہ ہیں۔ اڈورڈ اول کے عہد سے ہر طرح کے
آئینی ضروریات کے لئے ہم مسٹر ہیلم کے فیصلے و تحقیق پر اعتماد کر سکتے
ہیں ان کی کتاب مڈل ایجز (از منہ وسطی (ڈاکٹر اسٹبز کی کانسٹیٹوشنل ہسٹری
کی دوسری جلد اس وقت شائع ہوئی جبکہ یہ تاریخ لکھی جا چکی تھی اور فہرست اسناد
مرتب ہو چکی تھی) ان ضروریات کی کفیل ہے)

ویلز کی فتح کے بعد سے تاج کی ایک نئی روش اور انگلستان
نئی طرز عمل اختیار کرنے کا پتہ چلتا ہے۔ اپنی حکمرانی کی
ابتدا ہی سے اڈورڈ نے ان بیرونی ممالک کے واپس
لینے کا خواب دیکھنا چھوڑ دیا تھا جو اس کے دادا نے
ضائع کر دئے تھے۔ اس نے اپنی تمام تر توجہ خود انگلستان
کی استواری اور اس کی شائستہ حکومت پر قائم کر دی تھی۔
ویلز کے الحاق اور اسکاٹلینڈ کے الحاق کی کوشش کی نسبت
ہم صحیح رائے صرف اسی وقت قائم کر سکتے ہیں جب ہم
ان الحاقات کو اس قومی نظم و نسق کی تجویز کا ایک جزو
سمجھیں جس نے بالآخر اڈورڈ کے ہاتھ سے استحکام عدالت
و قانون و پارلیمنٹ کی صورت اختیار کی۔ بادشاہ کے انگریزی

نام کی طرح اس کا انگریزی طرز عمل بھی ایک نئے دور کی
علامت تھی۔ تمام باشندگانِ انگلستان کے ایک قوم بن جانے کے
لئے جس طول و طویل زمانے کی ضرورت تھی وہ عملاً ختم
ہو چکا تھا۔ اڈورڈ کے عہد سے انگلستان جدید (یعنی اس آئینی
انگلستان کا جو الحال موجود ہے) آغاز ہوتا ہے۔ اس کی
وجہ یہ نہیں ہے کہ جس طرح انقلاب سے تاریخ فرانس کے
دو علیحدہ علیحدہ دور قائم ہو گئے ہیں اسی طرح اس عہد کے
قبل و بعد کی تاریخ انگلستان میں کوئی انفصال پیدا
ہو گیا ہے (کیونکہ انگلستان کی آئینی حکومت کے آثار ہم
اس وقت سے دیکھتے آرہے ہیں جب کہ اول اول انگریزوں
نے برطانیہ میں سکونت اختیار کی تھی) بلکہ جو حال انگریزی
زبان کا ہے وہی اس کی آئینی حکومت کا ہے۔ الفرڈ کے
عہد کی زبان وہی زبان ہے جسے اس زمانے میں انگریز
بولتے ہیں مگر موجودہ انگریزی سے اس کے اس قدر متحد
ہونے کے باوجود اسے ایک اجنبی زبان کی طرح سیکھنا
پڑتا ہے، برخلاف ازیں چاسر کی انگریزی قومی زبان کی
پیدائش اور اس کے نشو و نما کا مطالعہ کر سکتا ہے مگر
موخر الذکر سے مدرسے کا ایک لڑکا بھی ٹرائلس اور کریسیڈا
کے قصے کا لطف اٹھا سکتا ہے اور کینٹربری کے زائرین کی
خوش طبعی کو سن سکتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح نہایت ابتدائی
قوانین کا علم مابعد کے وضع قوانین اور اس کی اصل و ارتقا

کے صحیح طور پر سمجھنے کے لئے لابد ہے، اور اسی طرح پارلیمنٹی
دستور کے اصول کے لئے فتح کے قبل کی مجلس عقلا اور اس کے
بیرنوں کی مجلس اعظم کے حالات کا مطالعہ کرنا لازمی ہے لیکن
اڈورڈ نے اپنے آخری عہد میں جو پارلیمنٹیں جمع کی تھیں
وہ بعد کی پارلیمنٹوں کے لئے محض توضیحی مثال کا کام نہیں
دیتیں بلکہ وہ ہر اعتبار سے ہو بہو ویسی ہی پارلیمنٹیں تھیں
جیسی اس وقت سنٹ اسٹفن میں جمع ہوتی ہیں اور
اڈورڈ کا کوئی قانون اگر منسوخ ہوا ہو تو وہ انگریزی عدالت
میں ویسی ہی باضابطہ قوت رکھتا ہے جیسے خود عہد وکٹوریا کا
قانون ۔ مختصر یہ کہ نظام حکومت کی قیام ہستی کے متعلق طویل
جد و جہد کا خاتمہ ہو گیا تھا ۔ اس کے بعد جو جد و جہد ہوئی
وہ مثل سابق کے سیاسی تنظیمات کے اساس واقعی پر اثر
نہیں ڈالتی بلکہ وہ حوادث زمانہ کے مدارج ہیں جن سے
انگلستان نے یہ سیکھا ہے (اور اب تک سیکھ رہا ہے) کہ کیونکر
وہ اپنی قومی زندگی کی محفوظ طاقتوں سے بہترین کام لے
اور کن عاقلانہ تدابیر سے انہیں ترقی دے، اپنی معاشرۃ
و سیاستہ کے دونوں پلّوں میں کس طرح توازن قائم کرے
اور کس طرح اپنی آئینی صورتوں کو زمانے کے تغیر پذیر
حالات کے موافق بنائے ۔ فی الحقیقت اڈورڈ کے عہد سے
ہم انگلستان جدید سے رو در رو ہوتے ہیں، بادشاہ، امرا،
دارالعلوم کے ارکان، عدالتہائے انصاف، نظم و نسق عامہ کی

شکلیں، مقامی تقسیم اور صوبہ دار حدود اختیارات، کلیسا وس
کے تعلقات ایک بڑی حد تک خود سوسائٹی کا قال
غرض ان تمام چیزوں نے اس زمانے میں وہ صور
اختیار کرلی تھیں جن پر وہ حقیقتہً اب تک برقرار ہیں

اصلاحات عدالت

اس میں شک نہیں کہ اس تغیر عظیم کا ایک بڑ
اس زمانے کے عام مذاق کی طرف منسوب کیا جاسکت
اس زمانے کا میلان ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ
میں جو جدید و پر زور اصول قائم ہو چکے تھے انہیں
شکل میں لائے ۔جس تیرھویں صدی کا آغاز بانیان
اور موجدوں اور دریافت کنندوں کا عہد تھا اسی ط
اس صدی کے خاتمہ میں مقننین کا دور دورہ ہوا۔
کے درخشاں ترین اشخاص اب بیکن، ارل سیمن یا
(اسپینی) نہیں رہے تھے بلکہ اب سنٹ لیوس (فرانس
الفانسو دانشمند وغیرہ سربرآوردگانِ عصر سمجھے جاتے ت
یہ لوگ مدبر، ناظم، اور قوانین تنظیمات کے بانی تھے۔ا
گروہ سے اڈورڈ کا بھی تعلق تھا۔ اس کی طبیعت میں حق
جدت یا سیاسی ندرت مطلق نہ تھی، مگر نظم و ترتیب کی ق
اس میں اعلیٰ درجہ کی تھی، اور قانون سے اس کی پرجو
محبت کبھی کبھی اسے قانونی حیلے اختیار کرنے تک پر ما
کر دیتی تھی۔ اصلاحات عدالت کی طرف اس کی توجہ
اس درجہ مصروف تھی کہ اگر اسے انگریزی جسٹینیں نہ کہیں

کم از کم اسے ایک ایسا صاف نظر، صاحب عمل شخص تو ضرور تسلیم کرنا پڑیگا جو اپنے سابقین کے تباہ کردہ کاموں کو ایک ترقی یافتہ، اصلاح شدہ، اور پائیدار شکل میں لانیوالا تھا۔ اسکی مقدم فکروں میں سے ایک فکر یہ تھی کہ ہنری ثانی نے جن اصلاحات کی بنا ڈالی تھی اونہیں تکمیل کرے دیوانی کے اختیارات کی سب سے زیادہ اہم عدالت، عدالتِ شیرف یعنی صوبہ کی عدالت تھی۔ عدالت کی وسعت اختیارات اور شیرف کا ایک شاہی افسر ہونا ہر طرح بحال خود برقرار رہا مگر اعلیٰ عدالتیں (یعنے کنگس بنچ (عدالت شاہی) عدالت خزانہ اور عدالت عامہ) جو فرمان اعظم کے بعد شاہی عدالت سے منقسم ہو کر بنی تھیں، ان میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ جج مقرر ہوئے۔ یہ تغیر فی الاصل تفریق عمل کی تکمیل تھی اور مدت سے اس کا سلسلہ جاری تھا۔ اس سے بہت زیادہ اہم کام یہ ہوا کہ قانون عامہ کے پہلو بہ پہلو ایک عدالت نصفت شعاری Equity..... قائم کی گئی۔ ہنری ثانی نے اپنی ۱۱۷۸ء کی اصلاح میں قدیم شاہی عدالت کو جو اس وقت تک آخری عدالت مرافعہ کا کام کرتی رہی تھی اس طرح منقسم کر دیا کہ خالص قانونی ججوں کو مشیروں کے عام گروہ سے علیحدہ کر دیا، مجلسِ شوری سے اسی طرح علیحدہ ہو کر ان ججوں نے "شاہی عدالت" کا نام اور اس کے معمولی فرائض برقرار رکھے، اور جن مقدمات میں

تین عام قانونی عدالتیں

وہ انصاف نہ کر سکتے تھے وہ خاص شاہی مجلس شوری
ملاحظہ کے لئے محفوظ رکھے جاتے تھے ۔"بادشاہ مع مجلس
کے اس آخری اختیار میں اڈورڈ نے وسیع ترقی پیدا
اس کی مجلس وزرا یعنے اعلی مستقل عمال اور تاج کے
عہدہ داروں نے پہلے بار اپنے عدالتی منصب کے لحاظ
ان تمام مظالم کی اصلاح اپنے لئے محفوظ کی جن کا فی
ماتحت عدالتیں اپنی کمزوری' پاسداری یا رشوت خواری
وجہ سے نہ کر سکی ہوں اور خاص کر زیادہ طاقتور بیرنوں
خلاف قانون فسادات کی اصلاح انہوں نے اپنے ہاتھ میں
کیونکہ یہ لوگ عام ججوں کے اختیار کی پروا نہیں کرتے
اگرچہ پارلیمنٹ نے اسے رقابت کی نظر سے دیکھا مگر آنیوا
دو صدیوں تک مجلس کا اختیار بظاہر مستعدی کے سا
عمل میں آتا رہا۔ ہنری ہفتم کے عہد میں اس نے کو
آف سٹار چیمبر (عدالت ستارہ منزل) کے نام سے قانونی
آئینی شکل اختیار کی' اور اس کے اختیارات اس وقت
پریوی کاؤنسل کی جوڈیشل کمیٹی (مجلس عدالت)
ذریعہ سے عمل میں آتے ہیں۔ مگر بادشاہ کا یہ بھی فر
تھا کہ جہاں اس کی عدالتیں انصاف سے قاصر رہیں
خود اس کا تدارک کرے' اس کا نتیجہ چانسلر (صاحب دیوا
کے اختیار کی صورت میں ظاہر ہوا' سلطنت کا یہ اع
عہدہ دار غالباً ابتدا میں مجلس کے فرائض عدل انجا

بادشاہ بمعیت مجلس شوری

دینے کے وقت اس کا صدر ہوا کرتا تھا مگر بہت ہی اوائل زمانے میں اس نے خود اسی نوعیت کے آزادانہ اختیاراتِ عدالت حاصل کرلئے تھے۔ اگر ہم عدالت جینسری کے آغاز کو یاد کریں تو ہماری سمجھ میں آجائیگا کہ کس طرح آہستہ آہستہ اس عدالت نے اپنے موجودہ اختیارات حاصل کیے۔ رعایا کے تمام شکایات خاص کر سرکاری عمال اور طاقتور ظالموں کی بد اعمالیوں کے متعلق جس طرح مجلس شاہی کے روبرو پیش ہوتے تھے اسی طرح عدالت جینسری کے روبرو بھی پیش ہوتے تھے۔ اور ان میں نابالغوں کی ولایت، جہیز، بیواؤں کا گزارہ کرایہ، اور عشر کے مقدمات بھی شامل ہو گئے تھے۔ اس "نصفت شعاری" کا اختیار عام قانون کی ناقص کیفیت اور اس کے اصلاحی و غیر قابل عمل قواعد کی وجہ سے پیدا ہوا، جس طرح مجلس شاہی ان حالات کا تدارک کیا کرتی تھی جہاں خود قانون ناانصافی بن جاتا تھا اسی طرح عدالت جینسری بلا لحاظ عام عدالتی ضوابط کے کسی فریق کی درخواست پر ان شکایات میں مداخلت کرتی تھی جن کا مناسب علاج قانون نے تجویز نہیں کیا تھا۔ چانسلر (صاحب دیوان) کے اختیارات کی مناسب توسیع نے اسے اس قابل کر دیا کہ دغا، غدر، حادثات اور بد عہدی کا تدارک کرسکے، اور اس کے اختیار کا یہ حصہ بعد کے زمانے میں مذہبی مجامع کے قانون قبضۂ اراضی کے اثر سے بہت زیادہ بڑھ گیا۔

چانسلر کے جداگانہ اختیارات کے اول عملدر آمد کی ابتدائی تاریخ کچھ بھی ہو، مگر وہ اڈورڈ اول کے زمانہ میں پوری طرح قائم ہو چکے تھے +

اپنے عدالتی اصلاحات کی طرح وضع قوانین میں بھی اڈورڈ نے انہیں اصولوں میں تجدید و استواری پیدا کی جنہیں ہنری ثانی عملی صورت میں لا چکا تھا۔ اس کے صاف و قطعی قوانین سے ظاہر ہو گیا کہ وہ کلیسا کے آزادانہ اختیارات عدالت کو محدود کرنے میں ہنری دوم کی کارروائی کو تکمیل کرنے کا عزم کر چکا ہے۔ وہ اس ارادے پر مستحکم تھا کہ عام قومی مصارف میں کلیسا کو اپنا مناسب حصہ لینے پر مجبور کرکے اسے کامل طور پر ایک قومی کلیسا بنا دے اور روم کے اوپر اس کے روز افزوں انحصار کو توڑ دے۔ مذہبی جماعت کی خودسرانہ مقاومت کا جواب ویسی ہی زوردار طریقے سے دیا گیا۔ کلیسا کی زمین کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ ایک مردے کے ہاتھ میں ہے" اس زمین سے شاہی خدمات کی بجا آوری ساقط ہو جاتی تھی، مگر اب قانون سورٹیمن (دست مردہ) کی رو سے یہ حکم ہو گیا کہ کوئی زمین اس طرح علیحدہ نہ کی جائے کہ اس پر سے شاہی خدمات کی انجام دہی ترک ہو جائے۔ یہ قید غالباً ملک کے لئے علی العموم مفید نہیں ہوئی کیونکہ اہل کلیسا ملک کے بہترین زمیندار تھے اور مذہبی مقننین نے اپنی

طبائی سے بہت جلد اس شرط سے بچنے کا پہلو نکال لیا، مگر اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس قسم کی کوششوں سے بدگمانی بڑھ رہی تھی کہ جو شئے قوم کی ہے اسے قوم کے عام ضروریات و فوائد کے کام میں لانے سے روکا جائے۔ اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ پادریوں میں سخت آزردگی پیدا ہو گئی مگر اڈورڈ اپنے ارادے پر مستقل رہا اور جب اساقفہ نے یہ تجویز کی کہ اوقاف کے مقدمات، یا جن امور کا اثر اہل کلیسا کے اشیا پر پڑتا ہو ان میں دخل دہی سے شاہی عدالتیں روک دی جائیں تو اسنے ان کی تجاویز پر فوری ممانعت جاری کردی۔ فرقۂ تجار کے متعلق اس کے فکر کا اظہار "قانون تاجران" سے ہوتا ہے اس قانون میں یہ قرار دیا گیا تھا کہ تاجروں کے قرضوں کی رجسٹری کی جائے اور ان کے وصول کرنے کے لئے قرضداروں کا اسباب قرق کر لیا جائے اور انہیں قید کیا جائے۔ نظم عامّہ کے اجرا کے لئے اڈورڈ کے کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ قانون ونچسٹر ۱۲۸۵ ہے۔ اس قانون نے قومی پولیس اور قومی محافظت کے قدیمی انتظامات کو دوبارہ زندہ کیا اور انہیں از سر نو ترتیب دیا، اس قانون میں حلقوں کی کارروائی، حفاظت و نگرانی کے فرائض، ملک کی فوج محافظ کے اجتماع کا طریقہ جس طرح ہنری ثانی نے "قانون اسلحہ" کے ذریعے سے مدون کیا تھا اسی طرح باترتیب قائم کیا گیا۔ حملے اور بغاوت کی صورت میں بادشاہ کی خدمت کے لئے اور بوقتِ شور و غل مجرموں کے

تعاقب کے واسطے ہر شخص کو تمام ہتیار تیار رکھنے کا حکم دیا گیا تھا، ہر ضلع اپنے اندرون حدود کے جرائم کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔ رات ہوتے ہی قصبے کے دروازے کا بند ہو جانا لازم تھا، اور تمام اجنبیوں کا فرض تھا کہ ناظمان شہر کے روبرو اپنی کیفیت پیش کریں۔ مسافروں کو قزاقوں کے ناگہانی حملے سے محفوظ رکھنے کے لئے عام شاہراہوں کے دونوں جانب دو دو سو فٹ تک تمام جھاڑیاں صاف کر دی گئی تھیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ملک کی معاشرۃ اور طبعی حالت کیا تھی، اس قانون کے عملدرآمد کے لئے ہر شائر (ضلع) میں کانسرویٹرز آف دی پیس" (محافظان امن) کے لقب سے نائٹ مقرر کئے گئے تھے جب ان مقامی محافظان امن سے زیادہ سہولت محسوس ہوئی اور ان کے اختیارات بہت بڑھ گئے تو ان کا لقب جسٹس آف دی پیس" ہو گیا اور یہی نام ابتک قائم ہے۔ وہ عظیم کارروائی جو عام طور پر قانون شہنشاہی (کومی اپسٹروز) کے نام سے مشہور ہے۔ وہ ان قانونی کوششوں کا نمونہ ہے ؎ جن سے تمام ملک میں ایک وسیع انقلاب معاشرۃ کے روبہ ترقی ہونے کا اظہار ہوتا ہے، بڑے بڑے بیرنوں کی تعداد یوماً فیوماً گھٹتی جاتی تھی، برخلاف ازیں دیہاتوں کے طبقہ متوسط اور زیادہ متمول عوام کی تعداد قومی دولت کے ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی تھی اس ترقی کے ساتھ صاحب جائداد بننے کی خواہش بھی ترقی پذیر ہو رہی تھی۔ بڑے بڑے بیرنوں کے مستاجر اپنے آقا کے لئے

جن شرائط کے پابند ہوتے تھے انہیں شرائط پر وہ اپنی زمینیں اپنے ماتحت متاجروں کو دیدیتے تھے۔ طبقۂ بیرن اگرچہ ان خدمات کو پوری طرح حاصل کرتا تھا جن کے معاوضہ میں اس نے ابتداً زمین دی تھی مگر نئے متاجرین کے فوائد جاگیرداری کو دوسرے ہاتھوں میں جاتے ہوے دیکھنا انہیں ناگوار تھا۔ یہ فوائد تولیت امداد اور اسی قبیل کے اور ذرائع سے حاصل ہوئے تھے، مختصر یہ کہ زمین کی تقسیم در تقسیم اور اس کی بہتر کاشت سے جائداد کی ترقی حیثیت کو وہ حاسدانہ نظر سے دیکھتے تھے۔ اس قانون کا مقصد یہ تھا کہ اس کارروائی کو اس طرح روکدے کہ زمین کی علیٰحدگی کی صورت میں متاجر ماتحت، دوسرے متاجر کا تابع نہ رہے بلکہ براہ راست مالک اول سے اس کا تعلق ہو جائے مگر اس قانون سے انتقال اراضی یا اس کی تقسیم زیر تقسیم کے رکھنے کے بجائے اس میں اور ترقی ہو گئی۔ قبل ازیں ہر متاجر مجبور تھا کہ کم از کم اس قدر زمین اپنے پاس رکھے کہ اپنے آقا کے خدمات کو انجام دے سکے مگر اب وہ آزادی کے ساتھ کل زمین مع خدمات کے نئے قابض کی طرف منتقل کر دیتا تھا۔ یہ کارروائی بالکل ویسی تھی جیسی اس زمانے میں "حق متاجرانہ" کی فروخت ہے۔ اس طرح جو جائدادیں بنیں وہ کیسی چھوٹی کیوں نہ ہوں مگر ان کا بیشتر حصہ براہ راست تاج سے وابستہ ہو گیا اور شرفا اور آزاد اراضی داروں کا

یہ فرو تر طبقہ اس وقت سے تعداد و اہمیت میں برابر بڑھتا گیا۔
انگلستان کی پارلیمنٹ اسی تمدنی انقلاب اور اڈورڈ اول
کے وسیع تدبیر کا نتیجہ ہے، فتح کے قبل کی مجلس عقلا اور اس کے
بعد بیرنوں کی "مجلس اعظم" کسی اعتبار سے مجلس نیابتہ نہیں
تھی، مقدم الذکر میں اصولاً کل آزاد مالکانِ اراضی شامل
سمجھے جاتے تھے مگر عملاً ابتدائی زمانے سے یہ مجلس اراکِ
اعلیٰ امرا، اساقفہ، اور محل شاہی کے عہدہ داران و خدام تک
محدود ہو گئی تھی، فتح سے اس مجلس کے اجزائے ترکیبی میں
کوئی فرق نہیں پیدا ہوا، کیونکہ نارمن بادشاہوں کی مجلسِ اعظم
میں بادشاہ کے تمام براہ راست مستاجرین، اساقفہ، بڑے بڑے
رؤسائے خانقاہ اور دربار کے اعلیٰ عہدہ دار شامل سمجھے جاتے
تھے مگر یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ اساقفہ اور رؤساءِ خانقاہ کی
رکنیت کی آزادانہ حیثیت روز بروز بیرن کی حیثیت سے
بدلتی جاتی تھی اور اگرچہ مجلس کی صورت ترکیبی بحال خود
قائم رہی مگر حقیقتہً اس کی حالت میں بہت بڑا تغیر پیدا
ہو گیا تھا، "عقلا" کے ایک آزاد مجمع سے تنزل کر کے
اب اس کی حیثیت جاگیرداروں کے شاہی دربار کی سی ہو گئی
تھی۔ اس کے فرائض بالکل ہی برائے نام رہ گئے تھے اور اس کے
اختیارات صرف اس قدر تھے کہ بے چون و چرا تاج کی طرف
سے امداد کے جملہ مطالبات کو منظور کر لے۔ تاہم کسی اہم مالی
و سیاسی انتظام کے قانوناً جائز ہونے کے لئے اس کا مشورہ اور

منظوری" ضروری تھی اور ہنری ثانی کے مقننین نے جب شہنشاہی نظریات پیدا کئے جن کا منشا یہ تھا کہ وضع قانون کا کلی اختیار خود بادشاہ کو حاصل ہے تو اس مجلس کی محض موجودگی ہی ان کے دعوے کے موثر طور پر باطل کرنے کے لئے کافی تھی۔ فی الحقیقت ہنری ہی کے تحت میں یہ مجلسیں زیادہ منتظم اور ان کے فرائض زیادہ اہم ہوگئے۔ جن اصلاحات کے لئے اس کا عہد ممتاز ہے وہ اسی مجلس اعظم سے شایع ہوتے تھے اور مالی معاملات تک پر مجلس میں بحث کی اجازت تھی۔ مگر فرمان اعظم کے عطا ہونیکے قبل تک محصولات کے متعلق اس کے اختیارات باضابطہ مسلم نہیں ہوئے تھے اور نہ اصول قرار پایا تھا کہ مروجہ جاگیرداروں کی امدادوں کے سوا اور کوئی محصول بلا ملک کی مجلس عام کی منظوری کے عایہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی فرمانِ اعظم نے اول اول اس مجلس کی ہیئت قطعی طور پر مشخص کی۔ ہم دکھا چکے ہیں کہ اصولاً اس مجلس میں وہ تمام لوگ شامل سمجھے جاتے تھے جن کی اراضی براہ راست تاج سے متعلق تھی۔ مگر جن اسباب سے "مجلس عقلا" کی شرکت بڑے بڑے امرا تک محدود ہو گئی تھی انہیں اسباب کا بیرنوں کی مجلس کی ترکیب واقعی پر بھی اثر پڑا، معمولی مستاجرین اور نائٹ (یعنے نیچے درجے کے بیرن) کی حاضری جس طرح خود انکے لئے اخراجات کی وجہ سے تکلیف دہ ثابت ہوتی تھی اسی طرح ان کا اجتماع ان کی کثرت تعداد اور اعلیٰ امرا پر ان کے انحصار کے

باعث تاج کے لئے بھی خالی از خطرہ نہ تھا اس لئے ہنری اول ہی کے عہد میں ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بیرنوں اور "چھوٹے بیرنوں" کے درمیان میں فرق مسلم ہو گیا تھا۔ مجلس بالعموم مقدم الذکر طبقہ پر مشتمل ہوتی تھی اور موخر الذکر سے بادشاہ کے مستاجرین کا حصہ کثیر مرتب تھا لیکن اگرچہ ان کی شمولیت کم ہو گئی تھی مگر ان کا حق شمولیت ہر طرح پر بحال تھا' منشور اعظم میں جس طرح یہ قاعدہ قرار پایا کہ مقتدایان دین اور بڑے بڑے بیرن خاص تحریر کے ذریعے سے طلب کئے جائیں گے اسی طرح یہ قاعدہ بھی یادگار ہے کہ تاج کے تمام براہ راست مستاجرین کے نام شیرف کے ذریعے سے عام طلبی کا حکم جاری کیا جائیگا۔ اس کا منشاء غالباً یہ تھا کہ نیچے درجے کے بیرنوں کو اپنے معطل شدہ حقوق کو کام میں لانے پر آمادہ کیا جائے۔ مگر چونکہ یہ فقرہ فرمان کی اشاعتہائے مابعد سے حذف کر دیا گیا ہے اس لئے یہ شک ہوتا ہے کہ اس اصول کا استعمال نہایت ہی محدود رہا۔ ہنری ثالث کے عہد کی بعض مجلسوں میں نیچے طبقہ کے چند نائٹوں کی شمولیت کا پتہ چلتا ہے شاید یہ اسی قرب و جوار کے لوگ تھے جہاں مجلس منعقد ہوتی تھی لیکن اس کے جانشین کے عہد میں بھی مجلس اعظم مدت تک محض بڑے بیرنوں' مقتدایانِ دین اور تاج کے عہدہ داروں کا مجمع بنی رہی۔ جس کے بدلنے میں منشورِ اعظم ناکام رہا تھا اسے اب زمانے کے تبدیلی حالات نے سرانجام دیا۔ ان میں

سب سے زیادہ قابل لحاظ امر یہ تھا کہ بڑے امرا کی تعداد برابر گھٹتی جاتی تھی۔ قابضین امارت کے خاندانوں کے فنا ہو جانے سے طبقہ ارل کی امارت زیادہ تر تاج کی طرف منتقل ہو گئی تھی۔ بڑے بیرنوں کی جاگیروں میں سے بہت سی جاگیریں عورت وارثوں میں نقسیم ہو کر عملاً معدوم ہو چکی تھیں اور بہتوں کا اس وجہ سے خاتمہ ہو گیا تھا کہ بہت سے کم ثروت بیرنوں نے خود انکار کر کے اس منصب سے اپنی جان چھڑائی تھی تاکہ وہ کثیر محصولات اور پارلیمنٹ کی شمولیت کے اخراجات سے بچ جائیں۔ یہ کمی کس حد تک پہنچ گئی تھی۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اڈورڈ کے عہد کی ابتدائی مجالس میں مشکل سے سو بیرن شریک ہوتے تھے۔ مگر جس تیزی کے ساتھ ان بیرنوں کی تعداد گھٹ رہی تھی جنہیں واقعی شرکت پارلیمنٹ کا اعزاز و امتیاز حاصل تھا اسی تیزی کے ساتھ ان چھوٹے بیرنوں کی تعداد بڑھ رہی تھی جن کا حق شمولیت محض ایک آئینی افسانہ ہو کر رہ گیا تھا ملک کا دائمی امن، اس کی تجارت کی وسعت اور اس کی کثرت برآمد سے دیہات کے طبقہ متوسط اور نیز آزاد اراضی داروں اور متمول عوام کی تعداد اور ان کی آمدنی بڑھ رہی تھی۔ ہم ابھی ابھی دکھا چکے ہیں کہ حصول اراضی کا شوق کس قدر ترقی پذیر تھا اور اسی وجہ سے یہ عہد انگلستان کے اراضی داروں کی تاریخ کا نہایت نازک زمانہ بن گیا تھا ایک حد تک یہ

میلان سو برس پہلے بھی رہ چکا تھا اور قصبات کے صاحبان جائداد کی اسی ترقی پذیر اہمیت کا احساس تھا جس کی وجہ سے بیرنوں کو حصول فرمان کے وقت یہ خیال ہوا کہ وہ انہیں مجلس اعظم کے مباحث میں حصہ لینے کی طرف راغب کریں مگر یہ کوشش بیکار ثابت ہوئی۔ بیرن ان کے اس وجہ سے خواہاں تھے کہ انہیں بادشاہ کے مقابلے میں اپنا معاون بناویں اور خود بادشاہ اس وجہ سے ان کی حاضری کو پسند کرتا تھا کہ اس ذریعے سے وہ محصولات کو زیادہ موثر کر دے، جب تک مجلس اعظم امرائے عظام کی مجلس رہی اس وقت تک بادشاہ کے وزرا کے لئے ضروری تھا کہ سلطنت کے دوسرے طبقات سے ان کے حصص محصولات کے لئے جداگانہ معاملت کریں۔ مجلس اعظم میں جو رقم طے پاتی تھی اس کی پابندی صرف انہیں بیرنوں اور مقتدایان دین پر عاید ہوتی تھی جنہوں نے اسے طے کیا تھا۔ قبل اس کے کہ قصبات، کلیسا اور اضلاع کے رقوم شاہی خزانہ میں پہنچیں اکسچکر (خزانہ) کے عہدہ داروں کو ہر قصبہ کے ناظم، ہر ضلع کے شیرف، اور عدالت شیرف، اور اسقفی کے آرک ڈیکن (شماس سے) جداگانہ مراسلت کرنا پڑتی تھی، اڈورڈ کے آخری زمانے میں جب تاج کے ضروریات بڑھ گئے تو اس قسم کی معاملت زیادہ تکلیف دہ و مایوس کن ثابت ہونے لگی اور مالی صوابدید اس میں نظر آئی کہ مجوزہ محصول کے لئے خود مجلس اعظم کے اندر ان تمام

طبقات کی رائیں لے لی جائیں +

چھوٹے درجے کے بیرنوں کی شخصی حاضری کا قدیم طریقہ شائرف
نصف صدی قبل ٹوٹ چکا تھا اب ایسے وقت میں کہ کے نا
ان کی تعداد سابق سے بدرجہا زیادہ ہو گئی تھی اس کی تجدید
دشوار تھی، مگر حسن اتفاق سے اس مشکل سے بچنے کی ایک
صورت خود اسی عدالت کی نوعیت سے پیدا ہو گئی۔جس کی
وساطت سے صاحب جائداد طبقہ نائٹ کو طلب کیا جاتا تھا
ہنری اور اڈورڈ کے متعدد اصلاحاتِ عدالت میں عدالت
شائر (ضلع) کے اندر کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔اس
عدالت کا اب تک کسی مشہور تودے یا کسی از باز رفتہ
زمانے کے شاہ بلوط کے نیچے جمع ہونا' اس زمانے کو یاد دلاتا
تھا۔جب آزاد سلطنت نے شائر (ضلع) کی اور اس کی
مجلس قبائلی نے کاؤنٹی کورٹ (عدالت صوبہ) کی حیثیت
نہیں اختیار کی تھی۔ اس عدالت میں آزاد اراضی داروں کا
اجتماع بدستور سابق ہوتا رہتا تھا۔ اگر کچھ فرق ہوا تھا تو
صرف اتنا کہ بادشاہ کی جگہ بادشاہ کے ناظم نے لے لی تھی
اور نارمن قانون نے اسقف کو ہٹا کر چار تفتیش کنندوں کو
شیرف کے ساتھ شامل کر دیا تھا' شیرف جب اپنے وردی پوش
خدام کے حلقے کے اندر سے بادشاہ کے احکام پڑھ کر سناتا تھا
اس کے مطالبہ امداد کا اعلان کرتا تھا۔ مجرمین اور مقامی پنچوں
کی تحقیقات اس کے سامنے پیش ہوتی تھی یا وہ ان لوگوں سے

دیوانی و فوجداری کے مرافعات سنتا تھا جنہیں عدالت حلقہ
کے فیصلے سے شکایت ہوتی تھی تو اس وقت اس کے گرد کے
مجمع میں مقامی نائٹ، عوام، اور صوبے کے کاشتکار سب کے
قائم مقام موجود ہوتے تھے۔ صرف عدالت صوبہ میں شیرف
چھوٹے درجے کے بیرنوں کو مجلس عظمیٰ کی شرکت کے لئے
قانوناً طلب کر سکتا تھا اور اسی مجلس کے عملی نظام میں
تاج کو اس مشکل کا حل مل گیا جس کا ابھی ہم نے ذکر کیا
ہے، کیونکہ اصول نیابت جس سے بالآخر یہ مشکل حل ہوئی خود
عدالت ضلع کے ساتھ لازم و ملزوم کا حکم رکھتا تھا، دیوانی
و فوجداری کے تمام مقدمات میں شیرف بارہ حلیفوں
(مشخصین) سے رائے لیتا تھا۔ یہ لوگ اگرچہ حسب ظاہر
خاص اس غرض کے لئے متعین نہیں ہوتے تھے مگر عملاً وہ
تمام صوبے کی رائے کا اظہار کرتے تھے۔ ہر حلقے سے
بارہ بارہ حلیف نائب ہو کر آتے تھے۔ یہی لوگ جوار
(صاحب حلیف) کہلاتے تھے، انہیں کے توسط سے ضلع کے
پیشکش عہدہ داران شاہی کو دیئے جاتے تھے اور عام محصول
میں ضلع کے حصے کا تعین انہیں سے طے پاتا تھا اس مجمع کے
حواشی پر اہل زراعت جمع ہوتے تھے جو آج کل کے گاڑیبانوں
اور بلوائموں کے مانند بھورے رنگ کے لمبے فروک پہنے
تھے یہ لوگ پانچ پانچ کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں
منقسم ہو جاتے تھے جن میں ایک سرپنچ اور چار اس کے

معاون ہوتے تھے اور یہی لوگ اہل زراعت کی قائم مقامی کرتے تھے۔ اگر درحقیقت شائر (ضلع) کی یہ عدالتیں ابتدائی انگریزی مجالس قبائل کی جانشیں سمجھی جائیں تو بجا طور پر یہ دعوے کیا جا سکتا ہے کہ پارلیمنٹی نیابت کا اصول انگریزوں کی قدیم ترین تنظیمات میں داخل تھا، مگر مجلس عظمیٰ کے نظام کے تغیر میں یہ اصول بہت ہی آہستگی اور احتیاط کے ساتھ عمل میں لایا گیا۔ جان کے اختتام عہد تک کے قریب زمانے میں ہر صوبہ سے چار ذی فہم "نائٹوں" کی طلبی آئندہ کے تغیرات کا پیش خیمہ معلوم ہوتی تھی۔ عہد مابعد کے مناقشے میں دونوں فریق کو مقامی امداد کی ضرورتیں محسوس ہوئیں اور ہنری اور طبقہ بیرن دونوں نے سلطنت کے عام معاملات کے انصرام کے لئے" ہر شائر سے نائٹوں کو طلب کیا، اس میں بھی شک نہیں کہ اسی ضرورت سے ارل سیمن نے اپنی ۱۲۶۴ء کی مشہور پارلیمنٹ کے لئے ہر ضلع سے نائٹوں کے انتخاب کا حکم دیا تھا، اڈورڈ کی تخت نشینی کے وقت سے مسلسل حاضری کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، مگر اس کے بعد بھی ایک مدت تک نائٹ تشخیص محصول کے لئے مقامی نائبین سے زیادہ نہیں سمجھے جاتے تھے اور مجلس عظمیٰ کے عام معاملات میں انہیں دخل نہیں حاصل تھا، چنانچہ حق شہنشاہی کا قانون نائٹوں کے آنے کے قبل ہی مجلس میں منظور ہو گیا، پارلیمنٹ کے

مباحث میں ان کی شرکت، اور ان کی باقاعدہ مسلسل حاضری صرف ۱۲۹۵ء کی پارلیمنٹ سے شروع ہوتی ہے مگر اس کے قبل ہی ان کی سیاسی حیثیت میں ایک بہت ہی بڑا اصولی تغیر اس وجہ سے ہو چکا تھا کہ حق انتخاب تمام آزاد اراضی داروں کو عطا کر دیا گیا تھا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ جس طبقہ کو مجلس عظمیٰ میں نشست کا حق تھا وہ نیچے درجے کے بیرنوں کا طبقہ تھا اور نائٹ اصولاً اس طبقے کے قائم مقام تھے۔ مگر چونکہ انتخاب کونٹی (صوبہ) کے مستقر میں ہوتا تھا اس لئے کسی ایسی قید کا لگانا کہ جس سے نائٹوں اور دوسروں میں امتیاز ہو سکے ناممکن تھا۔ اس مجمع میں کل آزاد اراضی دار شامل ہوتے تھے اور شیرف کے لئے عوام کی "ہاں ہاں" کو ان بیرنوں کی "ہاں ہاں" سے تمیز کرنا دشوار تھا اس لئے ان نائٹوں کی شمولیت کے اول وقت سے ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ وہ صرف طبقہ بیرن کے نہیں بلکہ کل ضلع کے قائم مقام سمجھے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس انقلاب سے تمام آزاد اراضی دار حکومت ملک میں شریک ہو گئے۔

تاج نے اپنے خزانہ مشکلات کی وجہ سے قصبات کے قائم مقاموں کو مجلس عظمیٰ میں داخل کر کے ایک بہت ہی بڑے انقلاب کا راستہ کھول دیا، ہر ضلع سے نائٹوں کی شمولیت کو قدیم حق قرار دیا جا سکتا تھا مگر قومی مشورت

میں اہل قصبات کی شرکت کا کوئی حق قدیم ثابت نہیں تھا؛ لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی دولت کی روز افزوں ترقی قومی محصولات میں ان کی اہمیت کو یوماً فیوماً بڑھاتی جاتی تھی۔ شہروں نے اب سے بہت قبل "قصبہ کی زمین" خرید کر خود کو بادشاہ کے جملہ مطالبات و تاوان سے آزاد کر لیا تھا، بالفاظ دیگر انہوں نے بادشاہ کو بہ حیثیت اس کے مالک اول ہونے کے غیر معین مطالبات کے عوض ایک معین سالانہ رقم ادا کرنا قبول کر لیا تھا اور اس رقم کو وہ خود اپنے حکام کے توسط سے آپس میں حصہ رسدی تقسیم کر لیتے تھے۔ ہر ایک بڑے صاحب جائداد کی طرح بادشاہ کا جو کچھ حق باقی رہ گیا تھا وہ صرف اس قدر تھا کہ جب مجلس عظمیٰ اسکے بیرنوں پر قومی ضروریات کے لئے کوئی رقم عاید کی جاتی تھی تو اسی کے مثل ایک رقم "اختیاری مدد" نام سے وہ اپنے دیگر مستاجرین اراضی پر بھی قائم کر دیتا تھا، مگر طبقہ تجارتی روز افزوں دولت سے فائدہ اٹھانے کی طمع قانونی پابندیوں سے زیادہ قوی ثابت ہوئی اور ہم دیکھتے ہیں ہنری سوم اور اس کے بیٹے دونوں نے بلا مجلس کی اجازت کے لندن تک پر محض اپنی مرضی سے محصول لگانے کا حق از خود اختیار کر لیا تھا۔ درحقیقت اہل قصبہ کو یہ حق تھا کہ وہ شاہی عمال کے مطالبے پر اس قسم کی "بے قاعدہ امداد" سے انکار کردیں، مگر تجارت کی ضرورتوں اور بازاروں کے

بند ہو جانے سے انہیں مجبور ہو جانا پڑتا تھا۔ لیکن اس قسم کی "امداد" کے حاصل کرنے کے لئے ہر بار عمال خزانہ اور قصبے کے درمیان ایک بڑی کشمکش ہوا کرتی تھی اور جب اہل قصبہ رقم مطلوبہ کو زیادہ سمجھتے تھے تو اکثر حیلہ و حوالہ اور تاخیر سے بادشاہ کو اپنے اصلی مطالبات کی کمی اور سمجھوتے پر مجبور کر دیتے تھے پس مجلس عظمیٰ میں قصبات کے نمائندوں کو شریک کرنے کی خواہش انہیں اسباب پر مبنی تھی جن کے سبب سے شائر کے نمائندے مجلس میں شامل کئے گئے تھے، مگر اس پرانے آئینی دستور کا توڑنا بھی آسان نہیں تھا۔ سب سے اول اول سیمن نے اپنی دور اندیشی سے اس کی جرأت کی اور ۱۲۶۵ء کی پارلیمنٹ میں ہر قصبہ سے دو دو شخصوں کو طلب کیا، لیکن اس بڑے محب وطن کے دور رس و مدبرانہ خیال کو حسن قبول حاصل ہونے کے لئے وقت درکار تھا، قصبوں کے قائم مقاموں کے داخل مجلس ہونے کی چند مثالیں ملتی ہیں مگر ان کی قلت تعداد اور ان کی حاضری کی بے ترتیبی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا بلانا زیادہ تر اس غرض سے تھا کہ مجلس عظمیٰ کو مال کے متعلق اطلاع حاصل ہو نہ یہ کہ وہ سلطنت کے ایک طبقہ کے قائم مقام سمجھے جائیں مگر سال بسال ان کے شمول کی ضرورت زیادہ قوی ہوتی جاتی تھی اور ۱۲۹۵ء کی پارلیمنٹ گویا ۱۲۶۵ء کی

پارلیمنٹ ہو گئی، ایوشیم میں جب اڈورڈ نے پیشقدمی کی تھی تو ارل سیمن نے اس کی فوجی قابلیت کو دیکھ کر کہا تھا کہ "مجھ ہی سے اس نے یہ فن سیکھا ہے" بادشاہ ہو کر جب اڈورڈ نے "اپنے ملک کے ہر شہر، قصبہ اور بڑے قریات سے" دو دو شخصوں کو بلایا تاکہ وہ مجلس عظمیٰ میں نائٹ، امرا، اور بیرنوں کے پہلو بہ پہلو بیٹھیں تو سیمن کی روح نے بیساختہ کہا ہوگا کہ "مجھ ہی سے اس نے یہ سیکھا ہے"۔ بادشاہ کے لئے یہ تغیر ابتدا ہی سے مفید تھا، پارلیمنٹ میں اہالیانِ قصبہ جو امداد منظور کرتے تھے وہ خزانہ کی سابقہ زبردستیوں سے بہت زیادہ نفع بخش تھی۔ دیگر طبقات سے ان کی رقم کا تناسب بالعموم دسواں حصہ زیادہ رہتا تھا، ان کے قائم مقام بھی بیرنوں اور شائر کے نائٹوں کی بہ نسبت تاج کے زیادہ مطیع رہتے تھے، اڈورڈ کے عہد میں صرف ایک موقع پر وہ حسب عادت تاج کی تائید کرنے سے ڈگمگا گئے تھے، درحقیقت ان کا قابو میں رکھنا آسان تھا کیونکہ قائم مقامی کے لئے قصبات کا انتخاب کلیتہً بادشاہ کے ہاتھ میں تھا اور بادشاہ اپنی مرضی سے ان کی تعداد گھٹا بڑھا سکتا تھا۔ ان کا تعین شیرف پر منحصر تھا اور مجلس شاہی کے ایک اشارے پر ولٹس کا شیرف انتخاب کنندگان قصبات کی تعداد گیارہ سے گھٹا کر تین کر دیتا تھا یا بکس کا شیرف یہ ظاہر کر دیتا کہ کاؤنٹی

(صوبہ) کے حدود کے اندر اسے صرف ایک قصبہ وائکوم کا ملا ہے؛ اس اختیار شاہی کے عملدرآمد میں قصبات کی طرف سے کسی طرح کی دقت نہیں پیدا کی جاتی تھی کیونکہ انہیں خود اپنی نیابت کی چنداں پروا نہیں تھی۔ اس وقت یہ گمان کرنا بھی مشکل تھا کہ جس طاقت کے سامنے بادشاہ کو بھی جھکنا پڑیگا وہ انہیں غریب تاجروں کے اندر مخفی ہے جو صرف اس لئے بلائے جاتے تھے کہ اپنے قصبات کے حصۂ محصول کی تشخیص کریں اور جس طرح ان کی حاضری خود ان کے لئے اور ان کے قصبات کے لئے بار تھی اسی طرح ان کا حاضر کرنا بادشاہ کے لئے بھی خالی از وقت نہ تھا۔ عام اہل قصبہ کو ان کے انتخاب سے بھی کچھ دلچسپی نہ تھی کیونکہ ان کا انتخاب چند خاص اہل قصبہ (جو اسی غرض کے لئے متعین کئے جاتے تھے)، صوبہ کی عدالت میں کیا کرتے تھے۔ مگر ان کے قیام کا خرچ ایک بار تھا جس سے نکلنے کے لئے قصبات نے جان توڑ کوششیں کیں؛ یہ خرچ اہل قصبہ کو دو شلنگ یومیہ کے حساب سے قصبہ کی طرف سے ملتا تھا اور نائٹ کو چار شلنگ کاؤنٹی (صوبہ) کی طرف سے؛ بعض قصبات پر مقرر تھا کہ شیرف کی طلب پر کسی کا انتخاب ہی نہ کریں، بعضوں نے اس تکلیف دہ حق سے معافی کے پروانے حاصل کرلئے تھے۔ اڈورڈ اول نے جن ایک سو پینسٹھ قصبات سے قائم مقام طلب کئے تھے،

اُس میں سے ایک تہائی سے زیادہ نے ایک بار فرمانِ شاہی
کی تعمیل کرنے کے بعد پھر اپنے طرف سے قائم مقام بھیجنا
چھوڑ دیا، اڈورڈ سوم کے عہد سے ہنری ششم کے عہد تک
لنکا شائر کا شیرف اس صوبہ سے "بوجہ اس کی غربت کے"
کسی ایک قصبہ کا نام بھیجنے سے بھی قاصر رہا۔خود قائم مقاموں
کو بھی حاضری کی اس سے زیادہ فکر نہیں تھی۔ جس قدر
ان کے قصبات کو ان کے بھیجنے کی فکر تھی۔ وسٹ منسٹر
تک کے سفر کی زحمت و خرچ برداشت کرنے سے دیہات
کے مشغول کار زمیندار اور کفایت شعار تاجر دونوں پہلوتہی
کرتے تھے۔ ان کی حاضری کے اطمینان کے لئے اکثر قانونی
کارروائیوں کی ضرورت پڑا کرتی تھی۔ اب بھی بکثرت ایسے
احکام موجود ہیں کہ والٹرلی روس "آنربیلوں اور چار گاڑی کے
گھوڑوں کی ضمانت دے کہ وہ پارلیمنٹ کی شرکت کے لئے
معینہ دن پر بادشاہ کے روبرو حاضر ہوگا"۔ مگر باوجود اس قسم کی
رکاوٹوں کے ۱۲۹۵ء کی پارلیمنٹ کے وقت سے قصبات کے
قائم مقاموں کی حاضری مسلسل خیال کی جا سکتی ہے۔جس طرح
نیچے طبقہ کے بیرنوں کی نیابت ایک تدریجی تغیر سے شائر کی
نیابت میں مبدل ہو گئی تھی، اسی طرح قصبات کی نیابت
(جو اصولاً شاہی جائداد تک محدود تھی) اڈورڈ کے وقت سے
عملاً ان تمام قصبات پر وسیع معلوم ہوتی ہے جو اپنے
قائم مقاموں کے خرچ ادا کرنے کی استطاعت رکھتے تھے۔

خود پارلیمنٹ کے اندر اسی طرح کے ایک تدریجی تغیر سے اہل قصبات جو ابتدًا صرف محصول کے معاملات میں شرکت کی غرض سے بلائے جاتے تھے، سلطنت کے دوسرے طبقات کے ساتھ مشورت و اختیارات میں تمام و کمال شریک ہو گئے +

۱۲۹۵ء کی مجالس میں اہل قصبات اور شائر کے نائبوں کے شمول سے انگلستان کی نیابت نظام حکومت کی عمارت مکمل ہو گئی تھی۔ بیرنوں کی مجلس عظمیٰ سلطنت کی پارلیمنٹ بن گئی تھی۔ اس پارلیمنٹ میں سلطنت کے ہر طبقہ کی نیابت موجود تھی اور منظوری محاصل، وضع قانون اور بالآخر نگرانی حکومت میں سب کو شرکت حاصل ہو گئی۔ لیکن اگرچہ تمام ضروری حیثیتوں میں پارلیمنٹ کی نوعیت اُس وقت سے اِس وقت تک یکساں رہی ہے پھر بھی بعض قابل لحاظ خصوصیات ایسے ہیں جن میں ۱۲۹۵ء کی مجلس سنٹ اسٹفن کی موجودہ پارلیمنٹ سے بہت ہی مختلف تھی، اس میں سے بعض اختلافات وہ ہیں جو خود مختلف طبقات کی زیادتی اختیارات اور تغیر تعلقات فیما بین سے پیدا ہوئے، ان پر غور کرنیکا ہمیں بعد کو موقع ملیگا، مگر ایک بہت ہی حیرت انگیز فرق پادریوں کی شرکت کا ہے، اڈورڈ اول کی پارلیمنٹ میں اگر کوئی امر ایسا ہے جسے اس کی خصوصیت خاص کہ سکتے ہیں تو وہ طبقہ کلیسا کی

نیابت کی تجویز ہے، ۱۲۹۵ء کے قبل بادشاہ نے کم از کم دو بار بار
مجلسِ عظمیٰ میں کلیسا کے پراکٹروں (وکلا) کو بلایا تھا مگر کلیسا کی
کی کامل نیابت کا قطعی انتظام ۱۲۹۵ء میں ہی ہوا۔ اسی
سال ان کی شرکت پارلیمنٹ کے لئے اساقفہ کے حکم احضار
میں یہ فقرہ بڑھایا گیا کہ تمام آرک ڈیکن (شماس) ڈین (ناظم
کلیسا) بذات خاص حاضر ہوں اور نانقاہی گرجوں کے صدر
ہر خانقاہی عبادت گاہ سے ایک وکیل، اور حدود اسقفی کے
تمام پادریوں کے طرف سے دو نائب بھیجے جائیں۔ احکام
احضار میں یہ فقرہ اب تک درج ہوتا رہتا ہے مگر ان
پادریوں کی مستحکم مخالفت نے اس کے علی اثر کو اول ہی سے
باطل کر دیا تھا۔ قصبات جس کام کے کرنے سے عاجز رہے
پادریوں نے اسے عملاً کر دکھایا معلوم ہوتا ہے کہ اڈورڈ کے
وقت میں حکم شاہی سے مجبور ہو کر انہیں پارلیمنٹ میں آنا پڑا
مگر اس طرح آنے پر بھی انہوں نے باصرار اپنی نشست
علیحدہ رکھی اور سوا اپنے صوبے کی مجالس یا کینٹربری و
یارک کے اجتماعات کے دوسری جگہ محاصلات کے لئے
رائے دینے سے انکار کر دیا، اس صورت میں بادشاہ کو بھی
ان کی مسلسل حاضری پر اصرار کرنے کی کوئی وجہ باقی
نہیں رہی۔ ان کی حاضری اگرچہ اب بھی کبھی کبھی اہم
موقعوں پر ہوتی رہتی ہے مگر وہ اس قدر محض برائے نام ہو گئی
ہے کہ پندرھویں ہی صدی کے آخر تک بالکل کالعدم

ہو گئی تھی۔ اپنی ہستی کو ایک متفرد و با امتیاز طبقہ کی حیثیت
سے قائم رکھنے کے جوش میں پادریوں نے اس اختیار کو
پس پشت ڈال دیا جس پر اگر وہ قائم رہتے تو سلطنت کی
شایستہ ترقی میں خطرناک رکاوٹ پیش آگئی ہوتی مثلاً اگر
دارالعوام کا نصف حصہ پادریوں سے بھرا ہوتا اور ان کی
اس تعداد کو ملک کی ایک تہائی جائداد کے مالک ہونے
سے بھی تقویت مل جاتی تو یہ خیال کرنا مشکل ہے کہ
"اصلاح" کے تغیرات عظیم کیونکر عمل میں آتے۔ یہ تغیر بھی
کچھ کم اہم نہیں ہے کہ پارلیمنٹ کے اجلاس بتدریج وسٹ منسٹر
میں محدود ہو گئے۔ قدیم قوانین کے ناموں سے ظاہر ہوتا
ہے کہ اس زمانے میں پارلیمنٹ کا اجتماع ونچسٹر، ایکٹن برنل
اور نارتھیمپٹن کے سے مختلف مقامات پر ہوا کرتا تھا۔ یہ زمانۂ
بعد کا واقعہ ہے کہ پارلیمنٹ جزیرہ تھارنز کی دلدل کے ایک
آباد قریہ میں جو ارٹیمز کے سربلند محل کے قریب اس بڑے
برجے کے پاس مستقلاً قائم ہو گئی جو نائٹ کے قدیم گرجا کی
جگہ پر اڈورڈ کے وقت میں زیر تعمیر تھا۔ ممکن ہے کہ پارلیمنٹ
کے اس جگہ کے دائمی قیام کی وجہ سے جس طرح اس کی
آئینی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہو اسی طرح اس کے
اعلیٰ عدالت مرافعہ کی حیثیت گھٹ گئی ہو، پارلیمنٹ جس
اعلان کے ذریعے سے طلب ہوتی تھی اس میں مندرج ہوتا تھا
کہ تمام لوگ جو بادشاہ سے بمعیتہ اجلاس پارلیمنٹ کسی رحم کے

خواستگار ہوں، یا جنہیں ایسے معاملات میں کوئی دعوی کرنا ہو جن کا مرافعہ یا تعین معمولی طریقہ قانون سے نہ ہوسکتا ہو یا جنہیں بادشاہ کے وزیروں، جسٹسوں، ناظموں یا محصلوں سے کسی قسم کی تکلیف پہنچی ہو یا جن پر غیر واجبی تشخیص ہوئی ہو یا امداد اعانت کی رقم یا محصول زائد لگایا ہو" وہ اپنی درخواستیں محل ویسٹ منسٹر کے دیوان میں پیشکاروں کے روبرو پیش کریں اس قسم کی درخواستیں بادشاہ کی مجلس شوری میں بھیجدی جاتی تھیں اور یہ غالباً اس بات کے حدود اختیار کی وسعت تھی۔ اور اسی سے بعد میں عدالت "نصفت شعاری" پیدا ہوئی جس سے ہر جدید پارلیمنٹ کے کھلنے پر بذریعۂ دارالامرا رعایا کی طرف سے "فیصلہ کنندگان عرائض" کا باضابطہ انتخاب عملاً معطل ہو گیا، اگرچہ رواجاً یہ انتخاب اب بھی ہوتا رہتا ہے مگر کسی زیادہ قدیم دستور کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ یا اس کے وزرا کے ہاتھ سے رعایا کو جو نقصان پہنچا ہو ان کے مرافعہ کے لئے وہ ہمیشہ پارلیمنٹ ہی پر نظر ڈالتی تھی +

جزو سوم
فتح اسکاٹلینڈ
۱۲۹۰ — ۱۳۰۵

[اسناد۔ اس عہد کی لکھی ہوئی خود اسکاٹلینڈ کی کوئی تاریخ

موجود نہیں ہے۔ نابنیا ہیری کی تافیہ پیائی اس کے ہیرو (ولیس) کے انتقال کے دو سو برس بعد کی ہے۔ خود انگلستان کے وقائع بھی بہت مختصر اور نادرست ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ ابسم اینلز اینگلی لٹ اسکاٹی (اخبار انگلستان و اسکاٹلینڈ Annales Anglicuet Scotial) اور اینلز رگنی اسکاٹی (اخبار حکومت اسکاٹلینڈ Annales Regni Scotiae) رشنگر کا وقائع اور اس کی جسٹا اڈورڈ ڈی پیرینی (تاریخ ڈورڈ اول Gestee Edwardi Prince) اور اخبار کے تین ٹکڑے ہیں (یہ سب سلسلہ صحائف میں شائع ہوے ہیں) دانسنگم کی تاریخ کا جو حصہ اس عہد سے تعلق رکھتا ہے اسے اس کے آخری اڈیٹر مسٹر رنی نے رشنگر کی طرف منسوب کیا ہے، گر ہماری واقفیت کا خاص ذریعہ وہ کثیر سرکاری کاغذات ہیں جو ریمر کی فیدرا (Faedra) اور روٹوبی اسکاٹی (Rotub Scotiae) اور سر فرینس پالگریو کے مرتبہ اسناد و کاغذات در بارۂ تاریخ اسکاٹلینڈ" Documents and Records illustrative of the History of Scotland میں محفوظ ہیں۔ مسٹر رابرٹس نے اپنی تصنیف اسکاٹلینڈ انڈر ہر ارلی کنگز (اسکاٹلینڈ زیر حکومت شاہان پیشین Scotland under her Early Kings) میں بہت خوبی سے مناقشات کے قبل کے زمانے کی تصویر کھینچی ہے۔ اور مسٹر برٹن نے اپنی ہسٹری آف اسکاٹلینڈ (تاریخ اسکاٹلینڈ History of Scotland) میں خود مناقشے کے حالات نہایت صحت و صفائی سے بیان کئے ہیں۔ اڈورڈ کی جانب سے سر فرینس پالگریو کی تصنیف کا دیباچہ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور مسٹر فریمین کا مضمون "تعلقات باہمی انگلستان و اسکاٹلینڈ" دیکھنا چاہئے]

جن آئینی تغیرات کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں ان میں خود اڈورڈ اول کی خصوصیات کا بہت بڑا حصہ ہے۔ مگر اس کے

عہد کے نصف آخری میں اسکاٹلینڈ سے جو جنگ جاری رہی اس میں اس کی خصوصیت اپنے انتہائی اوج پر پہنچ گئی تھی۔

اپنے وقت اور اپنی رعایا کے درمیان اڈورڈ بیحد ثنا و صفت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہ صحیح ترین مفہوم میں ایک قومی بادشاہ تھا۔ جبکہ بیرونی فتح کا آخری اثر بھی زائل ہو گیا تھا، سلاک کے فاتحین و مفتوحین کی اولاد ایک دوسرے میں مخلوط ہو کر ہمیشہ کے لئے ایک قوم انگریزی بن گئی تھی، اس وقت انگلستان کا حکمراں وہ شخص تھا جسے اہل ملک غیر نہیں بلکہ اپنا سمجھتے تھے۔ بادشاہ کے سنہلے بال اور قدیم بادشاہوں سے مماثلت پیدا کرنیوالے نام کے علاوہ اس میں اور بھی بہت سی باتیں ایسی تھیں جن میں قومی روایات کا نشان ملتا تھا۔ اڈورڈ کا مزاج تک بالکل انگریزوں کا سا تھا۔ وہ اچھائی اور برائی دونوں میں اپنی زیر حکومت قوم کے صفات کا آئینہ تھا۔ انہیں کے مانند وہ خود سر، متکبر، ضدی، پر استقلال، تخیلات میں سست، ہمدردی میں تنگ ظرف اپنے حقوق پر مصر اور اپنے غرور میں غیر مغلوب تھا مگر انہیں کے مانند وہ فی الجملہ منصف، خود غرضی سے مُبرا، جفاکش، ایماندار، صداقت و خود داری پر مغرورانہ کاربند، اعتدال پسند، اپنے فرض کی عزت کرنے والا اور مذہب کا پابند۔ اس میں شک نہیں کہ

آنجویوں کا پر غیظ و غضب غصہ اسے وراثت میں ملا تھا جب غصے میں آکر وہ سزا دیتا تھا تو اس کی سزا میں رحم کو دخل نہیں ہوتا تھا، ایک راہب نے کسی ایسے ہی طوفان غضب کے وقت میں اس کے سامنے کچھ عذر لیکر حاضر ہونیکی جرأت کی مگر محض اس کی غضبناک شکل کو دیکھ کر وہ مردہ ہو کر اس کے قدموں پر گر پڑا۔ لیکن زیادہ تر اس کے جذبات فیاضانہ، قابل اعتماد، بے رحمی سے متنفر، اور عفو و درگزر کی طرف مائل ہوتے تھے، اس نے اپنے بڑھاپے میں کہا تھا کہ "کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص نے مجھ سے رحم کی درخواست کی ہو اور میں نے اس سے انکار کیا ہو" اس کی سختی پسند سپاہیانہ شرافت اس انداز کی تھی کہ وہ فالکرک میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ خالی زمین پر بیٹھا اور مہم ویلز میں لیٹروں سے بچی ہوی شراب کے پیپے کو اپنے صرف میں لانے سے انکار کر دیا۔" اس نے اپنے ہمراہی سپاہیوں سے کہا کہ "میں ہی ہوں جس نے تمہیں اس حالت میں مبتلا کیا ہے، میں کھانے پینے میں تم پر کسی طرح کی فوقیت رکھنا نہیں چاہتا۔" اس کی ظاہری متکبرانہ اور تشدد آمیز وضع کے اندر فی الواقع ایک عجیب قسم کی نرمی و احساس محبت موجود تھا۔ رعایائے سلطنت کے ہر فرد کو اُس بادشاہ سے قرب حاصل ہو گیا تھا وہ اپنے باپ کے انتقال کی خبر سن کر زار زار روتا رہا، اگرچہ یہ خبر خود

اس کے بادشاہ ہونے کی نوید تھی۔ اوس کے انتقام کا سخت ترین
جوش اس وقت ظاہر ہوا جب اس کی ماں کی اہانت ہوئی،
اوس نے اپنے محبت و غم کے نشان کے طور پر جہاں جہاں
اس کی بیوی کا جنازہ ٹھہرا صلیب نصب کی۔ اڈورڈ نے
اپنے ویلز کے دوست کلنی کے رئیس خانقاہ کو لکھا تھا کہ "میں
زندگی میں اس سے مشفقانہ محبت رکھتا تھا، اور اب کہ وہ
اس دنیا سے گزر گئی ہے میں نے اس سے محبت کرنا ترک
نہیں کیا ہے" اس کی جو کیفیت ماں اور بیوی کے معاملے
میں تھی وہی کیفیت اپنی عام رعایا کے ساتھ تھی سابق انجویوں
کے خود ساختہ تفرد پسندی کا اثر اڈورڈ میں بالکل نہیں تھا
فتح کے بعد سے وہ پہلا انگریز بادشاہ تھا جو اپنی رعایا سے
ذاتی محبت رکھتا تھا اور ان کی طرف سے بھی اسی قسم کی
محبت کا متمنی تھا، رعایا پر اس کے اعتماد ہی کا نتیجہ تھا کہ
انگلستان کی پارلیمنٹ وجود میں آئی اور رعایا ہی کے فکر
بہبود کے نتیجے وہ اہم قوانین ہیں جنہیں انگریزی قوانین میں
سب پر تقدم حاصل ہے، رعایا سے اس کی جس قدر کشمکش
ہوئی اس میں بھی رعایا نے دیکھ لیا کہ اس کے انداز طبیعت
میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا، اس کے عہد میں رعایا اور
بادشاہ کے درمیان اگرچہ نہایت سخت تنازعات پیش آئے
مگر دونوں متخاصمین سے کسی نے بھی ایک لمحہ کے لئے دوسرے
کی قابلیت و محبت میں شک نہیں کیا، انگریزی تاریخ میں

شاید ہی کوئی اور منظر اس سے زیادہ دل پر اثر کرنے والا ہو کہ جب "منشور" کے متعلق طولانی جھگڑے کا خاتمہ ہوا تو اڈورڈ' وسٹ منسٹر ہال میں اپنی رعایا کے رو در رو کھڑا تھا اور یکایک اس کے آنسو جاری ہو گئے' اور اس نے صاف لفظوں میں یہ اقرار کیا کہ وہی اس معاملے میں غلطی پر تھا ÷

مگر اڈورڈ کی ایسی زود حسی' اور فراخ دلی نے اس میں بیرونی اثرات کے قبول کر لینے کی قابلیت پیدا کردی تھی' جن سے اس کی زندگی میں عجیب تقابل رو نما ہو گیا تھا' جس اول بادشاہ کی طبیعت میں صاف طور پر انگریزی اثر غالب تھا اسی بادشاہ کے عہد میں انگریزوں کے اطوار' ان کے علوم' ان کے ادبیات اور ان کے قومی خصائل پر نہایت مہلک طور پر غیر ملکی اثر پڑا۔ فلپ آگسٹن کے وقت سے فرانس کے ایک متحد و منتظم شاہی کی صورت اختیار کر لینے سے اب مغربی یورپ پر اس کا اثر حاوی ہوتا جاتا تھا' فرائسرٹ کی اس درجہ مشہور سپہگری درحقیقت بلند خیالی' شجاعت' محبت اور اخلاق کی ایسی نقالی تھی جس میں اصلی و حقیقی شرافت کی جگہ بدترین بدکاری' تنگ ترین خود پرستی' اور مصائب انسانی کی طرف سے وحشیانہ لاپروائی پیدا ہو گئی تھی۔ سپہگری میں یہ اوصاف بالتخصیص فرانسیسیوں کے پیدا کردہ

تھے، مگر اڈورڈ کی طبیعت ایسی شریفانہ واقع ہوئی تھی کہ اس قسم کی سپہگری، کی ذلیل خصلتیں اس میں نام کو نہ تھیں، اس کی زندگی پاک تھی، اس کی پرہیزگاری (بجز اس کے کہ اپنے وقت کے توہم پرستی سے متاثر ہو جائے) مردانہ اور سچی پرہیزگاری تھی، اور اپنے فرائض کے اعلیٰ احساس کی وجہ سے وہ اپنے جانشینوں کی سی مبتذل عیش پرستی سے بھی بچا رہا مگر زمانے کے رنگ سے بالکل ہی الگ ہو جانا بھی بہت مشکل تھا۔ اڈورڈ کی پرجوش خواہش یہ تھی کہ وہ اپنے وقت کی اعلیٰ "سپہگری" کا ایک نمونہ ہو، اس نے نوجوانی ہی کے زمانے میں ایک تجربہ کار سپہ سالار ہونے کی شہرت حاصل کرلی تھی، ایوشیم میں اس کی عاقلانہ پیش قدمی کی مدح خود ارل سیمن نے کی تھی، اور مہم ویلز میں اس نے ایسے استقلال وعزم کا اظہار کیا کہ شکست ہوتے ہوتے اس نے فتح حاصل کرلی۔ وہ لیوس میں سواروں کے پر زور حملہ کا وہی سپہ سالار تھا، رسد رسانی کا ایسا انتظام اوسی سے ہو سکا کہ لولینڈز کے سے دشوار گزار ملک میں فوجوں پر فوجیں بھیج سکتا تھا، بڑھاپے میں اس نے انگریزی تیراندازی کی قدر بہت جلد سمجھ لی اور فالکرک میں اسی کو فتح کا ذریعہ بنایا مگر اڈورڈ کو ایک نائیٹ کی حیثیت سے اپنی شہرت کے مقابلے میں اپنی سپہ سالاری کی شہرت ایک حقیر شے معلوم ہوتی تھی۔ اپنی رعایا کے مانند شدائد جنگ سے

اسے بھی پوری رغبت تھی۔ فی الحقیقت اس کا جسم بھی ایک پیدائشی سپاہی کا سا تھا، دراز قامت، کشادہ سینہ، اور قوی ہیکل ہونے کے ساتھ ہی ثابت قدمی و کاردانی دونوں اس میں موجود تھیں۔

جب ایوشیم کے بعد دیو قامت و شہرۂ آفاق نائٹ ایڈم گرڈن سے اس کا مقابلہ ہوا تو اس نے تن تنہا اوس سے دوہائی دلوا دی، اپنے ابتدائی عہد میں چیلن کے ٹورنامنٹ (مصادرت) میں اس نے محض اپنے زور بازو سے اپنی جان بچالی۔ مباورت کی یہی الفت تھی جس کی وجہ سے وہ اس زمانے کی بے اصل و متبذل "سپہگری" کی طرف راغب ہو گیا تھا۔ اس کی "کنلورتھ کی گول میز" پر امیر اور بیگمیں لباس فاخرہ پہنے ہوئے بیٹھتی تھیں، جس سے آرتھر کے دربار کی مٹی ہوئی شان و شوکت پھر تازہ ہو گئی تھی، افسانہ پسندی کے جھوٹے رنگ نے سنجیدہ ترین سیاسی عزائم میں جذبات پیدا کر دیے۔ چنانچہ شاہی میز سے اٹھتے اٹھتے اڈورڈ نے جوش میں آکر اپنے سامنے کی تشتری پر "بط کی قسم" کھائی کہ وہ اسکاٹلینڈ سے کامن کے قتل کا بدلا لیگا۔ اس "سپہگری" نے اس پر ایک اور بہت برا اثر یہ ڈالا کہ اس نے اپنی ہمدردی شرفا کے طبقے تک محدود کر دی تھی اور کسان اور اہل حرفہ کو رحم کا مستحق نہیں سمجھتا تھا۔ وہ اگرچہ بے عیب اور مسلم نائٹ تھا" مگر وہ خاموشی کے ساتھ

بروک کے باشندوں کے قتل عام کو دیکھتا رہا اور ولیم ویلیس
کو وہ ایک عام رہزن سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا؛

اڈورڈ کی طبیعت پر بادشاہت، جاگیرداری، اور قانون
کے نئے فرانسیسی خیال کا اثر کسی طرح "سپہگری" کے
فرانسیسی تخیل سے کم نہیں پڑا تھا، قانون پیشہ طبقے کی
ترقی ہر جگہ رواجی حقوق کو تحریری حقوق میں، وفا شعاری
کو اطاعت میں، سرپرستی جیسے کمزور رشتوں کو معین تابعداری
میں، بدلتی جا رہی تھی۔ مگر یہ امر بالتخصیص فرانسیسیوں یعنے
سنٹ لیوس اور اس کے جانشینوں کے اثر سے ہوا کہ رومی
قانون کے شہنشاہی اصول زمانے کے طبعی میلان پر حاوی
ہو گئے۔ جب قیصروں کی "مقدس جلالت" قانونی تاویلات
سے جاگیردار بیرنوں کے کسی تاجدار کی طرف منتقل کردی
جاتی تھی تو ہر طرح کے تعلقات باہمی میں فرق آجاتا تھا
کوئی ماتحت اگر اپنے آقا کی خدمت ترک کردیتا تو پہلے
وہ "سرکشی" تھی مگر اب "غداری" ہو جاتی تھی اور اس کے
بعد بھی اگر وہ مقاومت کرتا تو یہ امر خاص "تقدس
شاہی کے خلاف" سمجھا جاتا تھا۔ اڈورڈ نے عدالت اور
پارلیمنٹ میں جس قسم کی اصلاحات کیں ان سے ظاہر ہے
کہ وہ اپنے گرد و پیش کے قانونی خیالات میں صحیح اور
کار آمد اجزا کو بخوبی پرکھ سکتا تھا، مگر قانون کی قطعیت،
سخت گیری، اور تنگی حدود، میں ضرور کوئی شے ایسی تھی

جو اس کے دل کے موافق تھی۔ وہ کبھی بالارادہ نا انصافی نہیں کرتا تھا، مگر خود انصاف کرنے میں وہ اکثر سخت گیر ہو جاتا تھا، وہ قانونی حیلوں کو پسند کرتا اور قانون کے لفظ سے فائدہ اٹھانے پر بہت آمادہ رہتا تھا۔ شاہی کا جو اعلیٰ خیال اس نے سنٹ لیوس سے حاصل کیا تھا، وہ اس کے اس قانونی رجحان طبیعت سے مل کر اس عہد کے بدترین واقعات کا باعث ہوا۔ حقوق و آزادی اگر کسی فرمان یا کتاب میں مندرج نہ ہوں تو اڈورڈ انہیں ہرگز تسلیم نہیں کرتا تھا، اور خود اس کی شرافت طبعی اپنے تاج کے خیال عظمت کے مقابلہ میں مغلوب ہو جاتی تھی۔ اس کی سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ اسکاٹلینڈ کیونکر اس قانونی معاملت سے سرتابی کر سکتا ہے جس کی رو سے اس کی قومی آزادی کا انحصار ان شرائط پر ہو گیا تھا جو اس کے تخت کے ایک دعویدار سے بزور حاصل کئے گئے تھے، اور نہ وہ خود اپنے بیرنوں کے ان محصولات سے (جنہیں ان کے آبا و اجداد ادا کرتے رہے تھے) انکار کو غداری کے سوا کچھ اور سمجھ سکتا تھا۔ اڈورڈ کی اسی متضاد طبائع میں، اس کی غلط انکاری و معذلت پسندی اور اس کی شرافت و رذالت کے اسی عجیب و غریب اتحاد میں ہمیں ان الزامات کی وجہ تلاش کرنا چاہئے جو اُس زمانے سے اس وقت تک سختی کے ساتھ اس پر

عائد کئے گئے ہیں +

اہل اسکاٹلینڈ سے اڈورڈ کے تنازع کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ہمیں ان تمام معانی سے قطع نظر کرنا چاہئے جو "اسکاٹلینڈ" اور "اسکاٹ قوم" کے لفظوں سے اب ہم سمجھتے ہیں۔ چودھویں صدی کے شروع میں اہل اسکاٹلینڈ کی سلطنت چار ضلعوں پر مشتمل تھی، جن میں سے ہر ایک کی قومیت، زبان (یا کم از کم اس خاص شعبہ) اور تاریخ ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ ان میں سب سے اول لولینڈ (نشیب) کا ضلع تھا، یہ ضلع کسی وقت میں سیکسنی کہلاتا تھا، اور اب لوتھین اور مرس (علاقہ سرحدی) کے نام سے مشہور ہے، سرسری طور پر اسے فورتھ اور ٹویڈ کی درمیانی سرزمین سمجھ لینا چاہئے۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ انگریزوں کی فتح برطانیہ کے اختتام پر سلطنت نارتھمبریا، ہمبر سے فرتھ آف فورتھ تک پھیلی ہوئی تھی، لولینڈز اسی سلطنت کا شمالی حصّہ تھا، انگریزی فتح اور انگریزی آبادی یہاں بھی ویسی ہی مکمل تھی جیسی برطانیہ کے باقی حصے میں تھی، دریاؤں اور پہاڑیوں کے نام بیشک کلٹی زبان کے رہ گئے تھے مگر تمام ملک میں شہروں کے نام سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہاں اہل ٹیوٹن آباد تھے، لونگ اور ڈاڈنگ کے نام لولنگسٹن اور ڈڈنگسٹن میں باقی ہیں، الفسٹن، دالفسٹن اڈمنسٹن کے ناموں میں انگریزی الفن، ڈالفن اور اڈمنڈ، کی یاد قائم ہے کہ

یہ لوگ ٹیوٹ اور ٹویڈ کے پار آباد ہوے تھے، اس نارتھمبریا
کی سرزمین کے شمال و مغرب میں مفتوحین کی سلطنتیں واقع
تھیں۔ ڈربی شائر سے چیویٹ تک بنجر دلدلوں کا ایک سلسلہ
پھیلا ہوا تھا، اس "ویرانہ یا بیابان" کے پار اہل برطانیہ نے
کلائڈ اور ڈی کے درمیان دریا کنارے کی زمین کو اپنی
جائے پناہ بنایا تھا۔ یہی حصہ قدیمی کمبریا تھا، اس سلطنت کے
خلاف نارتھمبریا کے حکمرانوں کی کوششیں برابر جاری رہیں
اور چسٹر کی فتح نے اسے جنوب کی ویلزی سلطنتوں سے
جدا کر دیا۔ لینکا شائر، وسٹ مورلینڈ، اور کمبرلینڈ، اگفرتھ ہی کے
وقت میں مطیع ہو چکے تھے، اور سالوے اور کلائڈ کے درمیان
کا غیر مفتوح حصہ بھی انگریزوں کا مطیع ہو گیا تھا اور بعد میں
کمبریا کا نام اس حصے پر محدود ہو گیا تھا۔ ساتویں صدی
کے اختتام پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگریزوں کا غلبہ شمال
کے رہنے والے کلٹی قبائل تک وسیع ہو جائے گا۔ کلائڈ اور
فورتھ سے شمال کے ضلع میں ابتداً زیادہ تر پکٹ آباد تھے،
یہ لوگ خود اپنے کو کروہتنی کہتے تھے اور پکٹ ان کا
لاطینی نام ہے۔ ان ہائلنڈرز (بالائی حصہ ملک کے باشندوں)
کے لئے فورتھ سے جنوب کا ملک ایک اجنبی ملک تھا، اور
ان کے نا مربوط وقائع میں صاف اندراجات موجود ہیں کہ
"پکٹ" نے اپنی لوٹ مار میں "سکسنی پر یورش کی" مگر
نارتھمبریا کے عروج کے زمانے میں وہ کم از کم سرحدوں پر

اس کے بادشاہوں کی کچھ نہ کچھ اطاعت قبول کرنے لگے تھے۔ اڈون نے ڈیونڈن پر ایک قلعہ تعمیر کیا تھا، یہی قلعہ بعد کو اڈنبرا ہو گیا اور دریائے فورتھ پر اس کا اثر پڑتا تھا، اور اسی کے قریب ابرکارن میں ایک انگریزی مقتدائے دین متعین کیا گیا اور وہ پکٹ کا اسقف کہلاتا تھا۔ اگفرتھ (جس کے تحت میں نارتھمبریا کی قوت اپنے انتہائے کمال کو پہنچ گئی تھی،) اس غرض سے فورتھ کے پار گیا کہ اس سیادت کے بجائے ان ضلعوں پر براہ راست اپنی حکومت قائم کر کے انگریزی فتوحات کا سلسلہ انجام کو پہنچا دے۔ اس کی فوج آگ لگاتی اور لوٹتی ہوئی دریا کے پار ہو گئی۔ اور گریمپنیز کی وادی سے مڑ کر نکٹینسمیر کے میدان تک پہنچ گئی۔ یہاں شاہ برو ڈی، پکٹ کو کئے ہوئے ان کے انتظار میں موجود تھا۔ جنگ نہایت سخت ہوئی اور اس جنگ عظیم نے شمال کی تاریخ کا صفحہ الٹ دیا، تمام حملہ آور مارے گئے، خود اگفرتھ بھی مقتولوں میں تھا اور نارتھمبریا کی قوت ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گئی۔ دوسری طرف اس فتح عظیم سے پکٹ کی سلطنت میں نئی جان پڑ گئی اور مابعد کے سو برس میں مغرب، مشرق، جنوب میں اسے وسعت حاصل ہوتی رہی یہاں تک کہ فورتھ اور کلائڈ کے شمال کے تمام ملک پر اس کا تسلط ہو گیا مگر پکٹ کی اس عظمت کے وقت مقدر میں تھا کہ پکٹ کا نام تک فنا

ہو جائے ۔ صدیوں قبل انگریز برطانیہ کے جنوبی ساحل کو پریشان کر رہے تھے، اس زمانے میں اسکاٹ کا ایک قبیلہ بنی ہوئی کشتیوں میں اینٹرم کی سیاہ چٹانوں سے چل کر جنوبی ارگائل کے پتھریلے ساحل پر وارد ہوا تھا (اسکاٹ اس زمانے میں باشندگان آئرلینڈ کا نام تھا) یہاں ان لوگوں نے اسکاٹلینڈ (ملک اسکاٹ) کے نام سے ایک چھوٹی سی سلطنت قائم کر لی ۔ یہ سلطنت لاک لِن کے جنوب میں پہاڑوں اور غدیروں کے درمیان گمنامی کی حالت میں پڑی رہی، کبھی وہ نارتھمبریا کی سیادت قبول کر لیتی تھی، کبھی پکٹ کی، یہاں تک کہ شاہان پکٹ کے صلبی سلسلے کے منقطع ہو جانے سے اسکاٹلینڈ کا بادشاہ کنتھ میک الپن (جو ان سے قریب ترین رشتہ رکھتا تھا) خالی تخت کا مالک ہو گیا، اسکاٹ نسل کے یہ حکمراں پچاس برس تک خود کو "شاہان پکٹ" ہی کہتے رہے، مگر دسویں صدی کے شروع ہوتے ہی پکٹ کا نام تک باقی نہ رہا، جس قبیلے نے مشترک تخت کے لئے اپنا سردار دیا تھا اسی نے مشترک ملک کے لئے اپنا نام بھی دیا، اور وقائع نگاروں اور تاریخ نویسوں کے صفحات سے پکٹ لینڈ (ملک پکٹ) کا نام خارج ہو کر اس کے بجائے اسکاٹلینڈ (ملک اسکاٹ) کا نام قائم ہو گیا۔

خود عوام میں اس تغیر کے اثر پذیر ہونے کے لئے اور زیادہ زمانہ درکار ہوا، اور ان بادشاہوں کے ساتھ قوم کا

حقیقی اتحاد ڈین کی لڑائیوں کے عام مصائب کی وجہ سے
پیدا ہوا' برطانیہ کے جنوب کے مانند اس کے شمال میں بھی
ڈین کے حملوں کے باعث سے سیاسی اتحاد پیدا ہو گیا تھا'
نہ صرف پکٹ اور اسکاٹ کامل طور پر ایک دوسرے
میں مل گئے تھے بلکہ کمبریا اور لولینڈ کے الحاق سے یہ
بادشاہ اس تمام مملکت پر حکمراں ہو گئے تھے جسے اب ہم
اسکاٹلینڈ کہتے ہیں۔ یہ الحاق انگریز بادشاہوں کے نئے
طرز عمل کی وجہ سے پیش آیا' شمالیوں کے ساتھ انگلستان
کی مدتوں کی مخاصمت کے بعد ان کا خیال یہ نہیں رہا
تھا کہ فورتھ کے پار کی سلطنت کو برباد کر دیں بلکہ اب
وہ یہ چاہتے تھے کہ شمالیوں کے خلاف (جو اب تک کیتھنس
اور آرکنیز میں موجود تھے اور جن کے حملوں کے لئے اسکاٹلینڈ
ایک قدرتی راستہ تھا') اس ملک کو سپر بنا دیں۔ معہذا
آرکنیز اور کیتھنس کے ان شمالیوں کے مقابلے میں
شاہان اسکاٹ بھی اپنے تخت کو صرف انگریزوں ہی کی
مدد سے قائم رکھ سکتے تھے۔ غالباً ایک مشترک دشمن کی
مشترک مخالفت ہی کی وجہ سے یہ ہوا کہ ماوراء فورتھ
کے اسکاٹ' نیز اسٹرتھیکلائڈ کے اہل ویلز نے قدردانی کی
راہ سے انگریزی بادشاہ اڈورڈ اکبر کو اپنا "باپ اور مالک"
بنانا پسند کیا' واقعات مابعد نے اس "پسندیدگی" کو جو کچھ
بھی درزن دے دیا ہو مگر اس وقت تو اس کی اصلیت

اس سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی کہ مارتھمبریا کے زمانہ عروج میں
شمال کے قبائل پر جو ایک خفیف سی انگریزی فوقیت قائم
تھی وہ پھر تازہ ہو جائے، اور بالیقین اس کا مفہوم اس
سے زائد نہیں تھا کہ جانبین کو ایک دوسرے سے فوجی
امداد کا حق حاصل ہو جائے، البتہ اس امداد کا پورا کرا
ازخود معاہدے کے قوی تر فریق کے اختیار میں آگیا تھا
اور جب خود متعاہد فریق میں جنگ ہو پڑے تو اس قسم
تعلق لازماً ٹوٹ جاتا ہے۔ در اصل یہ تعلق کسی اعتبار
سے زمانۂ مابعد کے جاگیرداروں کی سی ماتحتی نہیں بلکہ ا
فوجی معاہدہ تھا، لیکن ان دونوں ملکوں کو باہم ملانیوا
رشتہ اگرچہ کمزور تھا، مگر اسکاٹلینڈ کے بادشاہ کو ایک زیا
قریبی رشتے نے بہت جلد اپنے انگریزی "حاکم اعلیٰ" سے مرب
کر دیا۔ اسٹرتھکلائد جس نے شکست بکننبرگ کے بعد انگریزوا
کا جوا کندھے سے ڈال دیا تھا، اور بعد کو اسکاٹ کی سیا
تسلیم کر لی تھی، اس نے اب خود مختاری حاصل کر لی تھ
مگر یہ خود مختاری محض عارضی ثابت ہوئی اور اس کے
بعد ہی انگریزی بادشاہ اڈمنڈ نے اسے فتح کر لیا، اس ۔
یہ سرزمین میلکم شاہ اسکاٹلینڈ کو اس شرط سے دے دی گ
کہ وہ خشکی و تری دونوں میں اس کا "شریک کار" بن جا
اس وقت سے یہ ملک اسکاٹلینڈ کے بادشاہ کے سب سے
بڑے لڑکے کی جاگیر ہو گیا۔ کچھ زمانے کے بعد اڈگار یا کینڈ

شاہ اسکاٹلینڈ کو اسٹرتھکلائد کا عطا ہونا۔

کے عہد میں تمام شمالی نارتھمبریا (جسے اب لوتھین کہتے ہیں) شاہان اسکاٹلینڈ کو تفویض کر دی گئی، مگر اس امر کی تحقیق کرنیکا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ یہ تفویض نظام جاگیر کے شرائط پر ہوئی تھی یا "سفارش" کے ان کمزور شرائط پر جو نورتھ سے جانب شمال کی اراضی کے لئے پہلے ہی سے موجود تھے۔ مگر شمال کی بہت بڑی انگریزی اسقفی یعنے سنٹ کتھبرٹ کے دائرہ اثر کے جنوب کی طرف پنٹلمیڈ کی پہاڑیوں تک پہنچ جانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مفوضہ علاقہ کی سیاسی حالت میں نظام جاگیر کے اصول سے بہت زائد تغیر ہو گیا تھا۔

ان تفویضات سے انگریز اور اسکاٹ بادشاہوں کے تعلق فیمابین میں جو کچھ تغیر ہوا ہو، مگر اس قدر یقینی ہے کہ ان تفویضات سے انگلستان اور خود اپنے ملک کے ساتھ شاہان اسکاٹ کے تعلقات میں بہت نمایاں فرق پیدا ہو گیا تھا۔ لولینڈز کے حصول کا ایک نتیجہ تو یہ ہوا کہ بالآخر شاہان اسکاٹلینڈ نے اپنے جنوبی ملک کے شہر اڈنبرا کو اپنا مستقر بنا لیا اور یہاں جس انگریزی تمدن میں وہ گھرے ہوئے تھے اس کی وجہ سے دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نسلاً تو بیشک اسکاٹ رہے مگر عادات و اطوار میں بالکل انگریز ہو گئے۔ بہت ہی جلد خود تاج انگلستان کے استحقاق کے لئے بھی اس طرح پر راہ کھل گئی کہ میلکم نے اڈگار اتھلنگ کی بہن مارگیرٹ سے عقد کر لیا۔ انگلستان کے اندر ایک بہت بڑا

فریق ان کی اولاد کو قدیم شاہی نسل کا قائم مقام اور تخت کا حقدار سمجھتا تھا، ولیم کے شمال کو تباہ کر دینے سے یہ خطرہ اور بھی بڑھ گیا، کیونکہ نہ صرف انگریزوں کے نئے گروہ کے گروہ لولینڈز میں جاکر آباد ہو گئے بلکہ اسکاٹلینڈ کا دربار شاہی بھی انگلستان کے پناہ گزیں امرا سے بھر گیا، درحقیقت شاہان اسکاٹلینڈ کے دعاوی نے اس قدر خوفناک صورت اختیار کی کہ انگلستان کے نارمن بادشاہوں میں قابل ترین بادشاہ کو اسکاٹلینڈ کے متعلق اپنا طرز عمل بالکل بدلنا پڑا۔ فاتح اور ولیم احمر نے شاہان اسکاٹلینڈ کی دھمکیوں کا جواب حملوں سے دیا جس کا خاتمہ بار بار چند روزہ تجدید اطاعت پر ہوتا رہا۔ مگر ہنری اول نے اسکاٹلینڈ کی مٹلڈا کے ساتھ عقد کرکے نہ صرف ان کے پُر زور دعووں کو کمزور کر دیا بلکہ اس طرح پر ہنری نے شاہان اسکاٹلینڈ کے سلسلے سے نارمن تخت کے تعلقات کو زیادہ قریب کر دیا۔ شاہ ڈیوڈ نے نہ صرف اپنے پیشرؤں کے خواب و خیال کو ترک کرکے اپنی بھانجی مٹلڈا کے فریق کا سرگروہ بن کر اسٹفن سے مقابلہ کیا بلکہ ہنری کے برادر نسبتی ہونے کے اعتبار سے انگریزی دربار میں سب سے مقدم امیر بن گیا اور خود اپنی مملکت کے انتظام کو انگلستان کی مدد سے انگریزی طرز پر منضبط کرنیکی کوشش کی۔ جس طرح مارگیرٹ کے عقد نے میلکم کو ایک کلٹی سردار کے بجائے ایک انگریزی بادشاہ بنا دیا تھا، اسی طرح

۱۱۰۰

ڈیوڈ
۱۱۵۴-۱۱۲

ا کے عقد نے ڈیوڈ کو ایک نارمن امیر و ماتحت بادشاہ
دیا۔ اس کا دربار جنوب کے نارمن امرا سے بھر گیا تھا،
ں میں بیلیل اور بروس بھی تھے، جو ازمنہ مابعد میں
ٹلینڈ کے اندر بڑے بڑے اہم کام انجام دینے والے
، مگر اس نئے ملک میں ڈیوڈ ہی کے عہد میں پہلی بار
ں جاگیریں ملی تھیں۔ انگریزی نمونہ پر ایک نظام جاگیر
ی لولینڈز میں جاری کیا گیا۔ شاہان اسکاٹلینڈ اور
ی کے بیٹوں کو انگلستان میں امارت کے عطا کئے جانے
دونوں ملکوں کے درمیان ایک اور تازہ تعلق پیدا
گیا، خواہ انہیں امارت کے لئے یا لولینڈ کے لئے یا تمام
ت کے لئے اظہار اطاعت وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا تھا مگر
یزی بیرنوں کی بغاوت کے دوران میں ولیم دی لائن
ر) کے گرفتار ہو جانے سے ہنری ثانی کو خیال پیدا ہوا
ر انگریزی بادشاہ کے ساتھ اسکاٹلینڈ کا تعلق زیادہ تر
حکم ہونا چاہئے۔ اپنی رہائی کے لئے ولیم اس امر پر راضی
گیا کہ ہنری اور اس کے وارثوں کے "ماتحت بادشاہ" کی
ثیت سے وہ اسکاٹلینڈ پر حکومت کرے، اس کے ساتھ
ی سلطنت اسکاٹلینڈ کے مقتدایان دین اور امرانے براہ
ست ہنری کو اپنا آقا و مالک تسلیم کیا، اور اسکاٹلینڈ کے
م معاملات میں انگریزی بادشاہ کی عدالت اعلیٰ میں
فعہ کا حق تسلیم کیا گیا، لیکن رچرڈ کے اسراف کی وجہ

سے اسکاٹلینڈ نے بہت جلد اس قید و بند سے آزاد
حاصل کرلی، رچرڈ نے اسے یہ اجازت دے دی کہ
اپنی ضبط شدہ آزادی کو دو بارہ خرید کرے۔ اور اس وقت
سے قدیم حق کے مشکلات سے بچنے کے لئے قانونی مصالح
کے پہلو نکلتے رہے، شاہان اسکاٹلینڈ نے متواتر انگریز
بادشاہوں کی اطاعت کا اظہار کیا مگر اس اطاعت میں
کچھ حقوق مستثنیٰ رہے اور نہایت دانشمندی سے انہیں
غیر منضبط چھوڑ دیا گیا تھا۔ انگریزی بادشاہ اس اطاعت
میں خیال کے ساتھ قبول کرتے تھے کہ وہ سلطنت
مالک اعلیٰ تسلیم کئے جاتے ہیں اور دوسری جانب
اس خیال کا نہ اقرار کیا جاتا تھا نہ انکار۔ اس طرح
تقریباً سو برس تک دونوں ملکوں کے تعلقات صلح
و دوستانہ رہے، اور معلوم ہوتا تھا کہ الکزنڈر سوم
۱۲۸۶ موت سے دونوں سلطنتوں میں زیادہ قریبی اتحاد
ہوکر تعرضات کی ضرورت بھی باقی نہیں رہیگی۔ اس
تفصیل یہ ہے کہ الکزنڈر نے اپنی اکلوتی بیٹی کا عقد
ناروے سے کر دیا تھا، اور ایک طولانی گفت و شنید
کے بعد اسکاٹلینڈ کی پارلیمنٹ نے الکزنڈر کی نواسی
۱۲۹۰ عقد اڈورڈ اول کے بیٹے سے کرنا منظور کیا تھا، مگر
کے معاہدہ عقد میں احتیاطاً یہ طے کر دیا گیا تھا کہ اس
ایک جدا اور آزاد سلطنت رہے گا۔ اور اس —

ین و رسوم بلا تغیر محفوظ رہیں گے' انگریزی بادشاہ کسی قسم
فوجی امداد کا حقدار نہیں ہوگا۔ نہ اسکاٹلینڈ کا کوئی
و انگریزی عدالت میں جائیگا۔ مگر اسکاٹلینڈ کو آتے ہوے
ں لڑکی کا سمندر میں انتقال ہو گیا اور یہ تمام منصوبہ
تہً نقش بر آب ہو گیا۔ خالی شدہ تخت کے لئے
ے بعد دیگرے دعویداروں کے پیدا ہونے سے اڈورڈ
سلطنت اسکاٹلینڈ کی طرف کچھ دوسرے ہی خیالات
ے ساتھ متوجہ ہونا پڑا +

فتح اول ۱۲۹۰-۱۲۹۶

تخت اسکاٹلینڈ کے تیرہ دعویداروں میں سے صرف
ن شخصوں کے دعوے قوی خیال کئے جا سکتے تھے۔
لم (شیر) کے سلسلے کے منقطع ہو جانے سے جانشینی کا
ں اس کے بھائی ڈیوڈ کی لڑکیوں کی طرف منتقل
و گیا تھا' جان بیلیل (لارڈ گیلوے) کا دعوے ان میں
ے سب سے بڑی لڑکی کی اولاد میں ہونے کی بنا پر
ھا' رابرٹ بردس (لارڈ انینڈیل) کا دعوے' دوسری لڑکی
ے اور جان ہینگز (لارڈ ابرگیونی) کا دعوی تیسری لڑکی
ں اولاد میں ہونے کے سبب تھا' اس نازک موقع پر
اہ ناروے' سنٹ اینڈرو کے اسقف اعظم اور اسکاٹلینڈ
ے سات امیروں Earls نے مارگیرٹ کے انتقال
ے قبل ہی اڈورڈ سے مداخلت کی التجا کی تھی۔ اور
س کے انتقال کے بعد مجلس تولیت اور دعویداران تخت

دونوں نے مسئلہ جانشینی کو نارہیم کی ایک پارلیمنٹ
اسی کے فیصلے پر چھوڑ دینا منظور کیا مگر اس مجلس مشو
مئی ۱۲۹۱ء کے افتتاح کے ساتھ ہی اڈورڈ نے جس قسم کی قطعی
سیادت کا دعویٰ کیا اہل اسکاٹلینڈ کو اس کا خیال
نہیں تھا۔ اس کے دعوے کی تائید میں انگریزی خا
وقائع کے اقتباسات پیش کئے گئے اور ایک انگریزی
نے آہستگی کے ساتھ بڑھنا شروع کر دیا۔ امرائے اسکاٹل
یکایک مشکل میں پھنس گئے، اور جو مہلت انہیں ملی
سے انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچا۔ ناچار انہوں نے اور تیرہ
سے نو دعویداروں نے اڈورڈ کی براہ راست شاہی
باضابطہ تسلیم کیا۔ امرا کو فی الحقیقت اس پستئ منزلت کا
بہت محسوس نہ ہوا ہوگا، کیونکہ خاص خاص دعویدارو
مانند وہ بھی زیادہ تر نارمن نسل کے تھے۔ دونوں ملکو
میں ان کی جاگیریں تھیں، اور انگریزی دربار سے انہ
اعزاز و وظائف کی توقع تھی۔ لیکن نارہیم کی پارلیمنٹ
امرا کے ساتھ جو عام اراکین جمع ہوئے تھے وہ اڈورڈ
دعوے کو تسلیم نہ کرا سکے۔ مگر اسکاٹلینڈ میں ڈیوڈ نظ
جاگیر کو رائج کر چکا تھا، اور اس وجہ سے عوام کا
کچھ وزن نہیں تھا اس لئے ان کی مخالفت بے تو
کے ساتھ نظر انداز کر دی گئی۔ اڈورڈ نے مالک اعلیٰ
تمام حقوق فوراً ہی اختیار کر لئے۔ اس نے ملک پر اس

قبضہ کرلیا جس طرح کسی تنازع فیہ جاگیر پر اس کا مالک اعلیٰ تا تصفیہ قابض ہو جائے۔ سارے ملک میں اس کے امن کا حلف اٹھایا گیا، تمام قلعے اس کے حوالے کردئے گئے۔ اور اساقفہ اور امرا نے اپنے مالک اعلیٰ کی حیثیت سے براہِ راست اس کی اطاعت کی قسم کھائی، اس طرح اسکاٹلینڈ اسی انقیاد کی حالت میں آگیا جس کا تجربہ اسے ہنری دوم کے عہد میں ہو چکا تھا، مگر تخت کے مختلف دعوؤں کی بابت کامل بحث نے یہ ظاہر کردیا کہ اڈورڈ نے اگرچہ اپنے یقین کردہ حق کو بتمامہ حاصل کرنے میں تشدد سے کام لیا تھا مگر خود ملک کے ساتھ وہ انصاف کرنے کا خواہشمند تھا جن اشخاص کو اس نے دعاویِ تاج کی تحقیق کے لئے متعین کیا وہ زیادہ تر اسکاٹ ہی تھے۔ دعویداروں کے درمیان ملک کے تقسیم کردینے کی تجویز اسکاٹلینڈ کے قانون کے خلاف قرار دے کر مسترد کردی گئی، اور بالآخر بلیل کے حق کو بہ حیثیت قائم مقام فریق اعلیٰ کے دوسرے پر ترجیح دی گئی۔

تمام قلعے فوراً اس نئے بادشاہ کے حوالہ کردئے گئے۔ بلیل نے اڈورڈ کی اطاعت اور سلطنت اسکاٹلینڈ سے جن خدمات کا اسے (اڈورڈ کو) حق تھا ان کا کامل اعتراف کیا، ایک وقت تک امن قائم رہا۔ فی الواقع اڈورڈ کی یہ خواہش نہیں معلوم ہوتی تھی کہ اپنا تسلط اور زیادہ کرے

اور اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ اسکاٹلینڈ ایک تابع
سلطنت تھی تو بھی اس کی حیثیت تاج انگلستان کی ایک
معمولی جاگیر کی سی نہیں ہو سکتی تھی، نظام جاگیر کے
موافق ایک تابع بادشاہ اور اس کے شہنشاہ کے تعلقات
اور ایک بادشاہ اور اس کے عام ماتحت امرا کے تعلقات
میں ہمیشہ امتیاز قائم رکھا گیا تھا، بیلیل کے اظہار اطاعت
کے بعد اڈورڈ نے برگھیم کے معاہدہ عقد کے موافق اسکاٹلینڈ
کے ساتھ ایک جاگیر کے روزانہ معاملات یعنے تولیت و
عقد کے اختیارات سے اپنے قطع تعلق کا اعلان کردیا تھا
مگر اسی قبیل کے سلطنت اسکاٹلینڈ کے اور بھی بہت سے
نا قابل بحث رواج تھے، مثلاً شاہ اسکاٹلینڈ کبھی اس کا
پابند نہیں کیا گیا کہ وہ انگریزی بیرنوں کی مجلس شورے
میں شریک ہو۔ انگریزی جنگ میں خدمات انجام دے
سلطنت اسکاٹلینڈ کی طرف سے کوئی رقم انگلستان کو ادا
کرے۔ ان حقوق کے متعلق کسی قسم کا اظہار اڈورڈ کی طرف
سے نہیں ہوا تھا، مگر ایک زمانے تک ان پر عمل ہوتا رہا
معاملات عدالت میں خودمختار ہونے کا حق زیادہ تر مشکوک
ہے کیونکہ دوسرے حقوق کی نسبت یہی زیادہ اہمیت رکھتا
ہے، یہ متیقن ہے کہ ولیم (شیر) کے وقت سے شاہ اسکاٹلینڈ
کی عدالت سے کوئی مرافعہ اس کے اس نئے حاکم اعلیٰ کی
عدالت میں نہیں بھیجا گیا تھا اور معاہدہ عقد میں تو

عدالتِ اسکاٹلینڈ کی آزادی صاف طور پر محفوظ رکھی گئی تھی، مگر جاگیروں کے آئین معدلت میں آخری مرافعہ کا حق ہی اقتدار شاہی کا معیار تھا۔ اڈورڈ نے اب اس حق کو عمل میں لانے کا عزم کیا بیلیل اولاً دب گیا، مگر بعد میں اس نے یہ عذر کیا کہ وہ اپنے بیرنوں اور رعایا کی نارضامندی کے باعث اس کی مخالفت پر مجبور ہے، اور اگرچہ ضابطہ کے لحاظ سے وہ وسٹ منسٹر میں موجود تھا مگر بغیر اپنی مجلس شوریٰ کی صلاح کے ایک مرافعہ کے متعلق جواب دینے سے اس نے انکار کر دیا، فی الحقیقت اس کی نگاہ فرانس پر لگی ہوئی تھی، کیونکہ (جیسا کہ بعد کو معلوم ہوگا) فرانس اس وقت اڈورڈ کی کارروائیوں کو حاسدانہ نظر سے دیکھ رہا تھا، اور اسے جنگ پر مجبور کرنے کے لئے تیار تھا۔ اڈورڈ نے رواجی قانون کے خلاف دوسری کارروائی یہ کی کہ اسکاٹلینڈ کے امرا کو اس بیرونی دشمن کے مقابلے میں اپنے ہمراہ رکاب چلنے کے لئے طلب کیا، مگر اس مطالبہ پر التفات نہیں کیا گیا، جب اڈورڈ نے دوبارہ حکم دیا تو امداد سے باضابطہ انکار کر دیا گیا اور اس کے بعد ہی فرانس سے خفیہ اتحاد ہو گیا، اور پوپ نے بیلیل کو وفاداری کے حلف سے جو اڈورڈ کے ساتھ اوس نے کیا تھا بری کر دیا۔

اڈورڈ اب بھی جنگ سے گریز کرتا تھا مگر جب

بلیل نے نیوکیسل کی انگریزی پارلیمنٹ میں آنے سے
کر دیا، انگریزی فوج کا ایک چھوٹا سا دستہ تباہ کر دیا
اور اہل اسکاٹلینڈ نے کارلائل کا محاصرہ کر لیا، تو تصفیہ
۱۲۹۶ کی تمام امیدیں منقطع ہوگئیں اور فوراً ہی بروک پر
حکم صادر ہو گیا، اس کے شہریوں کے طعن و طنز نے با
اور برانگیختہ کر دیا۔ مگر اس حصار چوبین کے توڑنے میں
ایک نائٹ کا نقصان ہوا اور تقریباً آٹھ ہزار باشندو
لاشوں کا پشتہ لگا دیا گیا، فلینڈرز کے چند تاجر مضبوط
ساتھ ٹادن ہال کو روکے ہوئے تھے، وہ اسی کے اندر
جلا دئے گئے۔ یہ قتل عام اس وقت ختم ہوا جب
ایک جم غفیر نان مقدس لیکر بادشاہ کے سامنے حاض
اور رحم کی درخواست کی۔ اس وقت اڈورڈ بے اخ
رونے لگا اور اپنی فوج کو واپسی کا حکم دیا، مگر شہ
کے لئے تباہ ہو گیا، اور شمال کی یہ بڑی تجارتگاہ ا
معمولی بندرگاہ ہوکر رہ گئی۔ بروک میں اڈورڈ
بیلیل کی سرتابی کا حال سنا تو غرور و تحقیر کے لہجہ میں
اُٹھا کہ" اس بے وقوف نے یہ حرکت کی ہے۔ وہ ہمار
پاس نہیں آتا تو ہم خود اس کے پاس آتے ہیں"
یہ خوفناک قتل عام اپنا اثر دکھا چکا تھا، اڈورڈ کا
ایک طرح کا شاندار جلوس ہو گیا تھا۔ اڈنبرا، اور
نے اپنے دروازے کھول دئے، بروس انگریزی فوج

شریک ہو گیا، اور بیلیل خود بھی مطیع ہو گیا اور بے جنگ وجدل وہ اپنے تخت سے انگریزی قید خانے میں پہنچ گیا۔ مگر اس مفتوح ملک کو اس سے زیادہ کوئی اور سزا نہیں دی گئی اڈورڈ نے اس کے ساتھ محض ایک جاگیر کا سا معاملہ کیا، اور بیلیل کی غداری کے باعث حسب قانون اس جاگیر (ملک) کو ضبط کیا۔ ملک فی الواقع اپنے مالک اعلیٰ کے قبضے میں اب آگیا، اور ملک کے تمام ارل اور بیرن اور امرا نے بروک کی پارلیمنٹ میں اڈورڈ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر کے اطاعت کی قسم کھائی۔ وہ مستطیل مقدس پتھر جس پر زمانہ قدیم سے اسکاٹلینڈ کے بادشاہوں کی تخت نشینی کی رسم ادا ہوتی رہی ہے اور جس کی نسبت یہ افسانہ مشہور تھا کہ یعقوبؑ کے پاس جب فرشتے آتے جاتے تھے اسوقت اس پتھر پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے تھے۔ اس پتھر کو اڈورڈ اسکون سے اٹھا لے گیا، اور وسٹ منسٹر میں "تائب" کے مزار کے پاس رکھ دیا۔ اڈورڈ کے حکم سے یہ پتھر ایک شاندار کرسی کے اندر رکھا گیا اور یہی کرسی اس وقت سے انگریزوں کا تخت شاہی ہو گئی +

خود بادشاہ کو یہ تمام کارروائی ایسی ہی معلوم ہوئی ہوگی گویا اس نے ویلز کو دو بارہ آسانی کے ساتھ فتح کر لیا ہے۔ اس کی پہلی کامیابی کے بعد جس قسم کے رحم اور انصاف کے ساتھ حکومت کا اظہار ہوا تھا ویسا ہی

فتح د[illegible]
۱۲۹۷ء

اس دوسری کامیابی میں بھی ہوا، اس نئے ماتحت ملک کی حکومت ایک انگریزی مجلس تولیت کے صدر کی حیثیت سے وارین (ارل سرے) کو تفویض کی گئی، جن لوگوں نے حملہ کو روکا تھا ان سب کو بلا تامل معافی دیدی گئی اور انتظام و امن عامہ کا حکم سختی کے ساتھ نافذ کیا گیا مگر نئی حکومت کا انصاف اور عدم انصاف دونوں اس کیلئے مہلک ثابت ہوئے، اسکاٹلینڈ کے اوقاف پر انگریزی قسیسوں کے تقرر اور انگریزی بیرنوں کو سرحد پار جاگیریں عطا کئے جانے سے اہل اسکاٹلینڈ کا غصہ پہلے ہی بھڑک اوٹھا تھا، اب قانون کے نفاذ میں سختی اور آپس کے جھگڑوں اور مویشی چرانے کی روک تھام نے اس آگ کو اور بھی مشتعل کر دیا۔ شاہی خزانہ کی ناداری کی وجہ سے جو لوگ فوجوں سے برطرف کئے گئے انہوں نے باقیماندہ سپاہیوں کے ساتھ مل کر زیادتیاں شروع کردیں اور اس طرح قومی مظلومیت کا احساس اور بھی بڑھ گیا، اپنے سرگروہوں کے اس ذلت کے ساتھ اطاعت قبول کرلینے سے عام لوگ خود آگے بڑھے۔ سو برس کے امن کے باوجود، لولینڈز کے کسان اور اس کے شہروں کے اہل حرفہ اب تک دستور سابق پر راسخ نارتھمبریا والے انگریز تھے، وہ اڈورڈ کی سیادت پر کبھی رضامند نہیں ہوئے تھے، اور اجنبیوں کی اس متکبرانہ حکومت کے

خلاف ان کے خون میں جوش آگیا، ایک بائی نائٹ ولیم ولیس نے اپنی دور بینی سے یہ سمجھ لیا کہ ہیجان قوم کی اسی دبی ہوئی آگ سے ملک کے خلاصی پانے کی امید ہو سکتی ہے، اور اس خیال کے ساتھ ہی اس نے انگریزی سپاہ کی دور افتادہ جماعتوں پر دلیرانہ یورشیں شروع کردیں اور انجام کار تمام ملک کو بغاوت پر آمادہ کردیا خود ولیس کے حالات زندگی اور اس کی طبیعت کے متعلق ہمیں بہت ہی کم بلکہ کچھ بھی علم نہیں ہے، اس کے دیو ہیکل قد و قامت اور زور و قوت کے روایات بھی مشکوک اور غیر تاریخی ہیں، مگر ولیس کو اپنا قومی ہیرو انتخاب کرنے میں اسکاٹ قوم کی قوت امتیاز نے بہت ہی صحیح روش اختیار کی ہے، وہ پہلا شخص تھا جس نے قومی اور فطرتی حق کے طور پر آزادی کا دعوی کیا، اور امرا اور قسیسیوں کے نا امید ہو جانے کی حالت میں خود قوم کو ہتیار اٹھانے پر آمادہ کیا، ولیس ستمبر ۱۲۹۷ء میں ایک فوج جمع کرکے شمال و جنوب کے راستہ میں بمقام اسٹرلنگ انگریزی فوج کی آمد کے انتظار میں خیمہ زن ہو گیا، اس فوج میں زیادہ تر شمال ٹے کے ساحلی اضلاع کے لوگ تھے، ان اضلاع میں اسی نسل کے لوگ آباد تھے جس نسل کے لوگ لولینڈز میں تھے اسکاٹلینڈ کے اس سردار نے یہ کہ کر کہ ہم صلح کرنیکے لئے

نہیں بلکہ اپنے ملک کو آزاد کرنے کے لئے آئے ہیں" جان (وارین) کے تجاویز حقارت کے ساتھ مسترد کرا دئے اور فورتھ کے ایک موڑ پر پہاڑی کی بلندی پر اس نے کامل ہوشیاری کے ساتھ اپنا مورچہ تجویز کیا' دریا کو عبور کرنے کے لئے ایک ہی پل تھا اور وہ بس اتنا چوڑا تھا کہ اس پر دو سوار ایک ساتھ چل سکتے تھے۔ اور اگرچہ انگریزی فوج صبح سے گزر رہی تھی مگر دو پہر تک اس کا صرف آدھا لشکر پار اتر سکا تھا' کہ ولیس نے انھیں گھیر کر تھوڑی ہی دیر کے اندر اندر ان کے دوسرے ساتھیوں کی نظروں کے سامنے انہیں کاٹ کر رکھ دیا۔ ارل سرے کے سرحد پار منہزم جانے سے ولیس اپنے آزاد کردہ ملک کا سردار ہو گیا' اور ایک وقت تک اس نے بہ حیثیت "محافظ ملک" بیلیل کے نام سے حکومت کے کام انجام دئے۔ نارتھمبرلینڈ پر ایک سخت غارتگرانہ ترکتازی کی' ولیس نے جب قلعۂ اسٹرلنگ کو مسخر کر لیا تو بالآخر اڈورڈ کو بہ نفس نفیس میدان میں آنا پڑا' اس کوچ میں جس قدر فوج بادشاہی علم کے نیچے تھی اس کے قبل کبھی اتنی فوج اس کے ساتھ نہیں چلی تھی' ولیس مقابلے سے ہٹ گیا' مگر بادشاہ فریب سے اس پر یکایک جا پڑا اور فالکرک کے قریب اسے لڑنے پر مجبور کر دیا۔ اہل اسکاٹلینڈ کی قریب قریب

جنگ اسٹرلنگ
ستمبر ۱۲۹۷ء

تمام فوج پیادہ تھی، ویلس نے اپنے نیزہ بازوں کو چار
بڑے بڑے خالی حلقوں اور مربعوں میں ترتیب دیا،
بیرونی صفیں گھٹنوں کے بل کھڑی تھیں اور اندرونی حلقے
کے تیر انداز اُن کی کمک پر تھے، سواروں کی مختصر جماعت
عقب میں بہ حیثیت فوج محفوظ کے جمائی گئی تھی۔ یہ ترتیب
واٹرلو کی سی ترتیب تھی، جنگ سنلیک کے بعد سے
انگریزوں کی تاریخ میں ناقابل فتح برطانوی "پیادہ سپاہ"
کا یہ پہلا معرکہ تھا جس کے سامنے سواروں کے رسالے
مغلوب ہو جانے والے تھے۔ کچھ دیر کے لئے یہ معلوم ہوتا
تھا کہ اس کی کامیابی بھی واٹرلو کی سی کامیابی ہوگی،
"میں نے تمہارے لئے حلقہ تو بنا دیا ہے۔ بس اب ہو سکے تو
کھیل شروع کردو"۔ ان پر لطف الفاظ میں اس محب وطن
سردار نے گویا اپنی جان نکال کر رکھ دی تھی، اور اس کی
قواعد دان صفوں نے اس کی درخواست کا بہت ہی خوب
جواب دیا، اسقف ڈرہم انگریزی ہراول کا رہبر تھا وہ ان
حلقہ بند صفوں کو دیکھ کر دانشمندی سے رک گیا مگر
بے پروا نائٹ چلانے لگے، کہ اسقف صاحب، آپ اپنے
گرجا کو واپس جائیے"۔ لیکن برچھیوں کی آہنی دیواروں سے
ان سواروں کا ٹکرانا محض بیکار ثابت ہوا، انگریزی فوج پر
خوف چھا گیا، اور اس کے معاونین کل کے کل میدان سے
ہٹ گئے۔ مگر ویلس کی سپہ سالاری کا بادشاہ نے جواب دیا،

جنگ
جولا

اپنے تیر اندازوں کو سامنے کرکے اڈورڈ نے اہل اسکاٹلینڈ کی
صفوں میں رخنہ ڈال دیا اور اس کے بعد اس متزلزل صف
پر اپنے سواروں کو حملے کا حکم دیا۔ ایک آن واحد میں
کام تمام ہو گیا، اور سوار ٹوٹی ہوئی صفوں کے اندر باہر
دیوانہ وار دوڑتے پھرتے اور بے رحمی سے اپنے دشمنوں کو قتل
کر رہے تھے۔ ہزاروں آدمیوں کا رن پڑا خود ویلس معدودے
چند رفیقوں کے ساتھ بہ مشکل اپنی جان سلامت لیکر نکل گیا،
اس شکست سے اگرچہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ آزادی کی قوت
فنا ہو گئی ہے، مگر فی الحقیقت ویلس اپنا کام پورا کرچکا تھا۔
اس نے اسکاٹلینڈ میں جان ڈالدی تھی، اور فالکرک کی سی
شکست سے بھی اسکاٹلینڈ مفتوح نہ ہو سکا۔ اڈورڈ صرف اسی قدر
زمین کا مالک تھا جس پر وہ کھڑا تھا، رسد کی کمی نے اسے
مراجعت پر مجبور کردیا اور دوسرے سال امرائے اسکاٹلینڈ نے
ایک مجلس تولیت قائم کرکے بروس اور کامن کے تحت میں
آزادی کے لئے جد و جہد جاری رکھی۔ اندرون ملک کے مشکلات
اور بیرون ملک کے خطرات نے اڈورڈ کے ہاتھ باندھ دئے تھے
۱۳۰۰ بیرنوں کی جانب سے اپنے شکایات کے مرافعے اور جنگ کے
گرانبار محصولوں کی برطرفی کے لئے یوماً فیوماً دباؤ پڑتا جاتا
تھا، فرانس کی طرف سے خطرہ بدستور موجود تھا، اور فرانس
۱۳۰۲ ہی کے اشارے سے پوپ بانیفیس ہشتم نے اسکاٹلینڈ پر
اپنے بڑے جاگیردار ہونیکا دعوے پیش کر دیا، اس سے

بادشاہ کی تازہ پیش قدمی رک گئی۔ مگر حسن اتفاق سے
فلپ لی بل اور پوپ کے درمیان ایک مناقشہ پیدا ہو گیا
اور تمام مزاحمتیں رفع ہو جانے سے اڈورڈ کو موقع مل گیا کہ
وہ بانیفیس کی پروا نہ کرے اور فرانس کو ایک ایسے
معاہدے پر مجبور کر دے جس میں اسکاٹلینڈ سے اس کو
کچھ واسطہ نہ رہے۔ ۱۳۰۴ء میں اس نے حملہ کی کارروائی
از سر نو شروع کی اور جب اس نے شمال کو کوچ کیا تو
پھر امرا نے ہتیار ڈال دیئے۔ کاہن نے سرگردگی مجلس
تولیت کی حیثیت سے اس کی شاہی کا اعتراف کیا، اور
اسٹرلنگ کے قبضہ میں آجانے سے اسکاٹلینڈ کی فتح مکمل
ہو گئی۔ دونوں ملکوں کو نرمی و دانشمندی سے ایک کر دینے
کے لئے اڈورڈ کے منصوبوں کے لئے یہ ظفریابی محض تمہید
تھی، اس کارروائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تدبر کیسا
وسیع اور دور رس تھا، جن لوگوں نے بغاوت میں حصہ
لیا تھا انہیں عام معافی دے دی گئی۔ ولیس نے اڈورڈ
کے رحم سے فائدہ اٹھانے سے انکار کر دیا، وہ گرفتار ہوا
اور غداری، و بے حرمتی، و قزاقی کے الزامات میں
وسٹ منسٹر میں اس پر موت کا حکم صادر ہو گیا، اس
بڑے محب وطن کے سر پر مذاقاً برگ صنوبر کا ایک تاج
رکھ کر اسے لندن کے پل پر آویزاں کر دیا گیا، لیکن
ولیس کے قتل کا اڈورڈ کے دامن رحم و کرم پر دھبا

رہ گیا، شاہانہ جرأت کے ساتھ اڈورڈ نے ملک کی حکومت امرائے اسکاٹلینڈ کی ایک مجلس کے سپرد کردی، جن میں بہت سے ایسے تھے جنہیں جنگ میں معین ہونے کے باعث سے حال ہی میں معافی عطا ہوئی تھی اور اپنے ملک کی عام پارلیمنٹ میں اسکاٹلینڈ کے دس قائم مقاموں کو شریک کرکے اس نے گویا کرامول کی حکمت عملی پر تقدم حاصل کرلیا، ان قائم مقاموں کے انتخاب کے لئے مقام برتھ میں ایک جلسہ بنا کیا گیا، اس جلسے میں ایک وسیع انتظام عدالت کی ترتیب کی گئی، شاہ ڈیونڈ کے قوانین میں ترمیم کرکے انہیں کو جدید وضع قانون کی بنا ٹھیرایا گیا اور ملک کی عدالت کو چار اضلاع لوتھین گیلوے ہائی لینڈ اور ملک مابین ہائی لینڈ و فورتھ میں تقسیم کیا گیا، اور ان میں سے ہر ایک کے لئے دو جسٹیسیر مقرر کئے گئے جن میں سے ایک انگریز اور دوسرا اسکاٹ ہوتا تھا ؛

جزو چہارم

انگلستان کے شہر اور قصبے

لندن کی عام تاریخ کے لئے سلسلہ صحائف (رولز) میں لائبر البس (Liber Albus) اور لائبر کسٹومیرم (Liber Custumarum) اس شہر کے

انقلابات کے لئے لائبر ڈی اینٹکس لجیبس (Liber de Antiquis Legibus) تالیف مسٹر اسٹیپلٹن (برائے کیمڈن سوسائٹی) اور ولیم لانگ بیرڈ کی شورش کے متعلق ولیم (ینوبرگ) کا قصہ دیکھنا چاہئے۔ مسٹر ٹامسن نے اپنے مضمون "انگلستان کی تاریخ بلدی" (۱۸۶۷ء) میں پیٹر اور اس کے ارل کے تعلقات کا مفید بیان کیا ہے۔ آکرڈ کمیشن کے مشتہرہ سلسلۂ فرامین (Charter Rolls) بریڈی کی تصنیف "قصبات انگلشیہ" اور محض معاملات پارلیمنٹ پر اسٹفن اور میرودور کی ہسٹری آف بارز اینڈ کارپوریشنز (تاریخ قصبات و جماعات (History of Boroughs and Corporations) میں کاغذات و اسناد کا ایک بڑا ذخیرہ ملے گا۔ لیکن انگلستان کی قدیم بلدی تاریخ کے (کم از کم ایک پہلو) کے متعلق مکمل و عالمانہ بحث صرف ڈاکٹر برنٹینو کے دیباچۂ متضمن "آرڈینینسز آف انگلش گلڈس (احکام متعلقہ جماعات تاجران انگلستان Ordinances of English Gilds میں ملے گی جسے "مجلس اشاعت کتب قدیم" نے شایع کیا ہے

قبل ازیں جن حالات کا نقشہ پیش نظر تھا، اور جن غیر ملکی فتوحات کے ظلم و خونریزی کا ذکر ہو رہا تھا ان سے گزر کر اب ہم انگلستان کی با امن زندگی اور اس کے دور ترقی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

ان تین اڈورڈوں کے زمانے میں انگلستان کے اندر دو طرح کے انقلاب ایسے ہوئے جن کے حالات مورخین نے تقریباً نظر انداز کر دئے ہیں مگر ان انقلابات نے چپکے چپکے انگریزی نظم معاشرت کی ساری ہیئت

بدل دی تھی - ان میں سے پہلا انقلاب مستاجر کاشتکارو
کے ایک طبقہ جدید کا پیدا ہونا تھا، اس کا ذکر ہم بع
میں کاشتکاروں کی اس شورش عظیم کے ضمن میں کری
جس میں واٹ ٹائلر کو نمود حاصل ہوئی، دوسرا انقلا
انگریزی شہروں اور قصبوں کے اندر اہل حرفت کی تر
اور قدیم شہریوں سے کشمکش کے بعد ان کا قوت او
غلبہ حاصل کر لینا تھا، یہ انقلاب انگلستان کی قومی تاری
کے اس عہد کا جس میں ہم اب داخل ہوئے ہیں
سب سے زیادہ قابل ذکر واقعہ ہے۔

قدیم انگریزی قصبات

انگریزی قصبے اولاً محض قریے یا چند قریوں کا مجموع
تھے، ان کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ وہاں تجارت یا
حفاظت باہمی کی غرض سے اور جگہ کی بہ نسبت لوگوں کی
زیادہ گنجان آبادی ہوتی تھی۔ انگلستان کے قصبات کی
یہی خصوصیت تھی جو بیک نظر انہیں اطالیہ اور پراونس
کے ان شہروں سے ممتاز کرتی ہے جہاں گزشتہ رو
عہد کے بلدی تنظیمات قائم تھے، یہی خصوصیت انہیں جر
کے ان قصبات سے علیحدہ کرتی ہے جنہیں ہنری دی
(صیاد) نے خاص اسی غرض سے آباد کیا تھا کہ گردونو
کے جاگیرداروں کے ظلم و تعدی سے اہل حرفت کو محفوظ
رکھے شمالی فرانس کے شہروں سے ان میں یہ فرق تھا کہ
فرانس کے شہروں نے اپنے حدود کے جاگیرداروں کی زیادتیو

تنگ آکر سرکشی اختیار کی اور باشندوں نے کمیوں کے نام سے اپنی ہیئۃ اجتماعی قائم کرلی ۔ لیکن انگلستان میں روم کا اثر بالکل ہی نابود ہو چکا تھا' اور جاگیرداروں کی زیادتیوں کو بادشاہوں نے بخوبی روک رکھا تھا۔ اس لئے ابتداً انگریزی قصبہ عموماً ملک کا محض ایک ٹکڑا ہوتا تھا' اس کا نظم و نسق بالکل ویسا ہی ہوتا تھا جیسا اس کے قرب و جوار کے قریوں کا قصبہ معمولی گاؤں کی بہ نسبت غالباً زیادہ محفوظ جگہ تھی ۔ اکثر اس کے گرد قربایت کی جھاڑی کے بجائے خندق یا پشتہ بنا ہوتا تھا' مگر اس کا آئین حکومت بالکل وہی تھا جو ہر ایک جگہ کا تھا۔ اس کے اندر کے رہنے والوں کی ذمہ داریاں وہی تھیں جو آس پاس کے قریوں کے رہنے والوں کی تھیں یعنے وہ جھاڑی یا خندق کی اچھی طرح مرمت کرتے رہیں ۔ فوج میں ایک دستہ اور عدالت حلقہ اور عدالت ضلع میں ایک سرگروہ اور چار دیگر اشخاص کو بھیجیں ۔ قصبے کی اندرونی حکومت گرد و نواح کے قریوں کے مانند خود اس کے آزاد اشخاص کے ہاتھ میں تھی جو "مجلس قصبہ" یا مجلس بندرگاہ' میں جمع ہوتے تھے ۔ مگر ڈین کی لڑائیوں اور اس قانونی ضرورت کی وجہ سے کہ ہر شخص کا ایک آقا کے تابع ہونا لازم ہے' جو انقلاب معاشرت واقع ہوا اس کا اثر قصبات پر بھی ویسا ہی ہوا' جیسا باقی تمام ملک پہ پڑا تھا' بعض قصبے

اپنے قرب و جوار کے بڑے بڑے امرائے دربار کے ہاتھوں میں
چلے گئے اور زیادہ تر بادشاہ کی ملک خاص کے تحت میں
آگئے۔ اس انقلاب کی نشانی ایک نیا عہدہ دار ہے
"ریو" یا بادشاہ کا ناظم تھا' اب یہی ناظم قضایاے تنازع
کو طلب کرتا اور فصل خصومات کرتا تھا' وہی شخص مالک
قصبہ کے محاصل اور قصبہ کا سالانہ لگان وصول کرتا اور
مالک کے جو حقوق خدمتہ اہل قصبہ پر ہیں اون کی نگرانی
کرتا تھا' اس زمانہ کے لوگوں کو یہ خدمتیں محکومیتہ محض
مرادف معلوم ہوں گی مثلاً جب قصبۂ لیسٹر فاتح کے ہاتھ
سے نکل کر مختلف جاگیرداروں (ارلوں) کے قبضے میں آ
تو اس کے باشندوں کا یہ فرض قرار پایا کہ وہ اپنے مالک
کے کھیت کاٹیں' اس کی چکی پیسیں اپنے آوارہ مویشی اس
باڑے سے محصول دے کر چھڑائیں" گرد و نواح کا وسیع
جنگل جاگیردار (ارل) کی ملک ہو گیا' اور یہ محض جاگیرد
کی مرحمت تھی کہ اس چھوٹے سے قصبے کے لوگ اپنے
سور جنگل میں چھوڑ سکتے اور اپنے مویشی جنگل کی کھلی
زمینوں پر چرا سکتے تھے۔ قصبہ کی عدالت و حکومت بالکل
اس کے مالک کے ہاتھ میں تھی۔ وہی اس کے لئے گماشتے
مقرر کرتا' اپنے متاجرین کے جرمانے اور ضبطیاں اور
ان کے میلوں' اور بازاروں' اور راہداری کے محصول وصول
کرتا تھا' مگر جب ایک بار یہ مطالبات ادا ہو جاتے اور

یہ خدمتیں انجام پا جاتیں تو اہل قصبہ ہر طرح سے آزاد رہتے تھے۔ جس طرح از روئے رواج مالک کے حقوق متعین تھے اسی سختی کے ساتھ اہل قصبہ کے حقوق بھی متعین تھے۔ بیوجہ گرفتاری سے ان کی ذات و جائداد دونوں محفوظ تھیں۔ وہ ہر قسم کے الزام کے لئے عدل و انصاف کا مطالبہ کر سکتے تھے، اور انصاف اُن کا خواہ ان کے مالک کے ناظم ہی کے ہاتھ سے ہو، مگر وہ اہل قصبہ ہی کے سامنے اور انہیں کی منظوری سے عمل میں آتا تھا۔ قصبہ کے مینار سے جب گھنٹہ بجتا تو اہل قصبہ عام مجلس کے لئے جمع ہو جاتے تھے، اور یہاں وہ اپنے معاملات میں آزادانہ بحث و تقریر کر سکتے تھے، ان کی مجلس تجار اپنی ضیافت کے موقع پر تجارت کے انتظام کے لئے قوانین بناتی قصبہ پر جو رقمیں واجب ہوتیں انہیں اہل قصبہ کے درمیان تعقسیم کرتی۔ اور قصبہ کے دروازے اور دیوار کی ضروری مرمت پر نظر کرتی، فی الحقیقت یہ مجلس بہت کچھ وہی کام انجام دیتی جو اندنوں کی مجلس قصبہ انجام دیتی ہے۔ یہ حقوق نہ صرف رواجاً اول ہی سے محفوظ تھے بلکہ جس قدر زمانہ گزرتا جاتا تھا وہ برابر وسیع ہوتے جاتے تھے۔ جب کبھی ہمیں کسی انگریزی قصبہ کی اندرونی کیفیت نظر آجاتی ہے تو ہم ہر جگہ ایک ہی طرح سے پُر امن انقلاب اور ترقی دیکھتے ہیں۔ مثلاً خدمت گزاری عدم تعمیل اور ترک کی وجہ سے غائب ہوتی جاتی تھی، اور

اور نئے حقوق اور معافیاں زرِ نقد کے عوض حاصل کی جاتی
تھیں ۔ قصبے کا مالک بادشاہ ہو یا کوئی بیرن، یا رئیس خانقاہ
وہ سب عام طور پر مُسرف اور تہیدست ہوتے تھے، کوئی
امیر گرفتار ہو جاتا، کسی بادشاہ کو کوئی مہم پیش ہوتی، یا کسی
رئیس خانقاہ کو کوئی نیا گرجا بنانا ہوتا تو ان سب موقعوں
پر کفایت شعار اہل قصبہ ہی سے روپیہ کی درخواست
کی جاتی تھی، اور ایک ٹکڑے کاغذ کے عوض میں جس سے
انہیں تجارت، عدالت، و حکومت کی آزادی ملتی ہو، وہ
اپنے مالک کے خزانہ کو دوبارہ معمور کر دینے کے لئے آمادہ رہتے
تھے کہیں کوئی اتفاقیہ قصّہ مل جاتا ہے تو اس سے آزادی
کے اس طرح ترقی کرنے کی کچھ کچھ کیفیت معلوم ہو جاتی
ہے ۔ لیسٹر کے اہل قصبہ کی ایک خاص کوشش یہ تھی کہ
مقدمات میں جُوری کا قدیم انگریزی طریقہ دوبارہ جاری ہو
اس کی بجائے وہاں کے امیروں (ارلوں) نے غیر ملکی طریقہ
ڈوئل (یلیکی)، قائم کر دیا تھا ۔ اس مقام کے ایک فرمان سے
معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار ایسا اتفاق پیش آیا کہ دو قرابتدار
نکولس ولد ایکن اور جافری ولد نکولس میں کسی متنازعہ فیہ
زمین کے متعلق جنگ ڈوئل ہوئی، وہ نو گھنٹے تک لڑتے
رہے اور باری باری سے ایک دوسرے پر غالب آتے رہے
پھر ان میں سے ایک شخص دوسرے سے دبتا ہوا ایک
غار تک پہنچ گیا، وہ عین غار کے منہ پر کھڑا تھا اور قریب

کہ اس میں گر پڑے کہ اس کے رشتہ دار نے اس سے
کہا کہ ”غار سے ہٹ جاؤ ایسا نہ ہو کہ اس میں گر پڑو“
اس پر وہاں کے بیٹھنے والوں اور آس پاس کے لوگوں نے
اتنا شور و غل مچایا کہ رئیس قصبہ نے بہت دور سے اپنے
قلعے میں اس شور کو سنا سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا
کہ دو رشتہ دار کسی قطعہ زمین کے لئے لڑ رہے ہیں ایک
ان میں سے بھاگتا ہوا کسی غار پر جا پہنچا اور جب وہ
غار پر کھڑا تھا اور قریب تھا کہ اس میں گر پڑے تو
دوسرے نے اسے متنبہ کر دیا۔ اس پر اہل قصبہ کو رحم
آیا اور انہوں نے رئیس سے یہ معاہدہ کیا کہ وہ ہائی اسٹریٹ
کے ہر گھر پیچھے جس میں پرچھتی ہو سالانہ تین پینی اس
شرط سے دیں گے کہ چوبیں بینچ جو قدیم سے لیسٹر میں قائم
ہیں وہ آئندہ ان کے آپس کے تمام تنازعات پر غور کر کے
ان کا فیصلہ کر دیا کریں“۔ انگلستان کے قصبات کی آزادی
زیادہ تر اسی طرح محض زر نقد کے ذریعہ سے حاصل کی گئی
لندن کے فرامین کے سوا قدیم ترین انگریزی فرامین اُس وقت
کے ہیں جب ہنری اول کا خزانہ نارمن کی لڑائیوں میں
خالی ہو گیا تھا' اور آنجویوں نے اس کثرت سے جو شہروں
اور قصبات کو آزادی عطا کی تو اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی
ہے کہ انہیں اجرتی فوجوں کے مصارف کے لئے ہمیشہ روپیہ
کی ضرورت رہتی تھی۔ بہر نوع تیرھویں صدی کے اختتام تک

آزادی کی یہ جد و جہد قریب قریب ختم ہو چکی تھی۔ بڑے بڑے قصبات نے اپنی قصباتی عدالتوں کے ذریعہ سے انصاف کا شیوع حکومت خود مختاری کے حقوق اور اپنی خاص تجارت کی نگرانی حاصل کر لی تھی، اور ان کی آزادی اور فرامین میں ان چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے لئے جو ابھی اپنی ہستی کے لئے جد و جہد کر رہی تھیں نمونے کا کام دیتے تھے۔ اور ہمت بڑھاتے تھے۔

تھ گلد (امن) اس بیرونی ترقی کے دوران ہی میں قصبات کی اندرونی حالت میں بھی ایک قسم کی نامعلوم و غیر محسوس ترقی ہو رہی تھی جس سے گرد و پیش کے مقابلہ میں قصبات کی حالت میں ایک خاص امتیاز پیدا ہو رہا تھا۔ قصبے کے قدیم حدود خندق یا حصار چوبین کے اندر اور باہر دونوں جگہ ابتدا سے آزادی کا معیار قبضۂ اراضی تھا، اور اسی قبضہ کی وجہ سے اہل قصبہ ہونے کا حق حاصل ہوتا تھا۔ غالباً ایک غیر ملکی مثال انگلستان کی تاریخ بلدان کے اس اہم مبحث کی تشریح کے لئے زیادہ مناسب ہوگی برٹھولڈ (ڈیوک فریبرگ) نے فریبرگ (قصبۂ آزاد) کے قائم کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے اس کا طور یہ قرار دیا کہ تاجروں کے ایک گروہ کو جمع کیا اور اس نئے مقام کے تجویز شدہ بازار کے قریب ان میں سے ہر شخص کو زمین کے ایک ٹکڑے پر مالکانہ قبضہ عطا کیا، انگلستان میں قصبے میں کسی شخص کو جو قصبے کے اندر رہتا ہو اور اس کے پاس زمین نہ ہو قصبے کی اجتماعی

ہیئت میں کوئی دخل نہ تھا، حکومت اور ملک کے اغراض کے لئے قصبے کا مفہوم محض اس کے اندر رہنے والے مالکان اراضی کی جماعت تھی۔ قدیم حالات کے لحاظ سے اس میں کوئی خصوصیت یا نئی بات نہیں تھی۔ انگلستان کے قصبے کا نظام حکومت بعد کو خواہ کتنا ہی بدل گیا ہو مگر اولاً اس کا نظام حکومت وہی تھا جو عام ملک کا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جرمن نسلوں میں سوسائٹی کی بنا خاندان پر ہوتی تھی، خاندان ہی ایک دوسرے کے ساتھ ہو کر لڑتے اور ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو آباد ہوتے تھے، دوسری بنا قبیلہ تھا اور اس کے ارکان اپنے باہمی روابط کی وجہ سے ایک دوسرے کے افعال کے قانوناً جوابدہ ہوتے تھے۔ جب نظم معاشرت کی پیچیدگیاں بڑھ گئیں اور اس کا جمود کم ہو گیا تو لازماً اس معمولی خاندانی بندشوں سے وہ باہر نکل گئی اور بظاہر انگلستان میں یہ خاندانی بندش اس وقت ٹوٹی جب ڈین کے حملوں اور امرا میں نظام جاگیر کی ترقی نے آزاد اشخاص کے لئے تنہا رہنا بہت ہی خطرناک کر دیا تھا، اس صورت میں آزاد اشخاص کے لئے صرف ایک ہی چارہ کار تھا کہ اپنے ہی مثل کے دوسرے آزاد اشخاص کے ساتھ مل کر پناہ لیں اور قبیلے کی قدیم برادری کے بجائے اپنے ہمسایوں کے خاطر خواہ اجتماع سے اپنے لئے امن و حفاظت کا بندوبست کریں۔ اس قسم کی

"مجلس امن" میں متحد ہونے کا میلان نویں اور دسویں
صدی کے اندر تمام یورپ میں عام ہو گیا تھا، مگر براعظم
میں ان "مجالس امن" کے ساتھ سختی برتی گئی اور دبا دیا گیا۔
چارلس اعظم کے جانشینوں نے اس قسم کے متحدانہ اجتماع کے
خلاف کوڑے مارنے، ناک کاٹنے، اور ملک بدر کرنے کی
سزائیں جاری کی تھیں، شمالیوں کی یورشوں کے روکنے کو
گال کے غریب کسانوں کے ایک معمولی اتحاد کو فرینک
امرا نے تلواروں سے فنا کیا۔ مگر انگلستان کے بادشاہوں کا
انداز اس معاملے میں بالکل دوسرا تھا، وہ طریقہ جو زمانۂ
مابعد میں معاہدۂ آزادانہ کہلایا اور جس کا منشا یہ تھا کہ
ایک ہمسایہ اپنے دوسرے ہمسایے کی حفاظت کے لئے
اپنی خوشی سے معاہدہ کرے، ڈین کی جنگوں کے بعد یہی
طریقہ نظام معاشرت کی بنیاد قرار پا گیا۔ الفرڈ نے مجلس
امن" کی مشترک ذمہ داری کو قبیلے کی ذمہ داری کے
پہلو بہ پہلو تسلیم کیا، اور اتھلسٹین نے احکام لندن میں
"مجالس امن" کو قصبہ کی معاشرت کا جزو لازمی قرار دیا۔
غرض قدیم انگریزی قصبات کی "مجالس امن" بالکل
انہیں "مجالس امن" کے مثل تھیں جو زیادہ تر ملک
کے نظام معاشرت کی بنیاد کا باعث ہوئیں۔ اب ایئں
اتحاد و وفاداری کے لئے رشتہ قرابت کی شرط نہ تھی بلکہ
بجائے اس کے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا تھا اور پہلے

عزیز و اقارب خاندان کے آتشدان کے گرد جمع ہوتے تھے اب بجائے اس کے قصبہ یا شہر کے ایوان عام میں ہر مہینے جمع ہوتے اور دعوتیں کھاتے تھے۔ اس نئے خاندان کے حدود کے اندر "مجلس امن" کی کوششیں یہی تھیں کہ جہاں تک ہو سکے مثل قدیم کے باہمی ذمہ داری کا قریبی تعلق پیدا کیا جائے۔ اس کا قانون کہتا تھا کہ "سب کی ایک سی حالت ہونا چاہئے" اس کا ہر رکن اپنے شرکائے مجلس سے اپنی اتفاقیہ لغزش کے تدارک کی توقع کر سکتا تھا۔ ظلم و زیادتی کی حالت میں وہ انہیں مدد کے لئے بلا سکتا تھا، اگر اس پر غلط الزام لگایا جاتا تو وہ لوگ عدالت میں اس کے گواہ صفائی کی حیثیت سے حاضر ہوتے تھے۔ اگر وہ غریب ہوتا تو دوسرے لوگ اس کی امداد کرتے تھے۔ اور جب وہ مرتا تو یہی لوگ اسے دفن کرتے تھے۔ دوسری جانب اطاعت قانون اور قیام امن کے لئے جس طرح وہ لوگ مجموعتہً سلطنت کے ذمہ دار تھے، اسی طرح ان کا ہر فرد دوسرے لوگوں کا ذمہ دار تھا، ایک بھائی کا دوسرے بھائی پر زیادتی کرنا مجلس کی عام جماعت پر زیادتی سمجھی جاتی اور اس کے لئے جرمانے کی سزا دی جاتی تھی۔ آخری چارہ کار اخراج تھا جس سے مجرم حقوق قانون سے محروم اور گروہ سے خارج ہو جاتا تھا۔ قصبہ و دیہات کی ان مجالس کے درمیان ایک فرق یہ تھا کہ قصبے میں قریبی ہمسائگی کی وجہ سے ان میں لازماً

ایک ساتھ ترقی کرنے کا میلان پیدا ہو گیا تھا۔ اتھلسٹین کے زمانے میں لندن کی عام مجالس اپنے مشترک اغراض کو زیادہ قوت کے ساتھ چلانے کی غرض سے باہم متحد ہو کر ایک ہو گئی تھیں۔ اور بعد کے زمانے میں بروک کی مجالس کی یہ تجویز ملتی ہے کہ "جہاں ایک ہی مقام میں پہلو بہ پہلو متعدد جماعتیں ہوں تو وہ سب مل کر ایک ہو سکتی اور اپنی ایک غرض قائم کر سکتی اور ایک دوسرے کے ساتھ معاملات میں قوی اور دلی محبت پیدا کر سکتی ہیں"۔ مگر بہ ظن غالب یہ کارروائی دیر طلب اور مشکل تھی، کیونکہ یہ برادریاں رسم و رواج معاشرۃ میں لازماً ایک دوسرے سے بہت مختلف تھیں، اور اتحاد کے عمل میں آجانے کے بعد بھی ہم دیکھتے ہیں کہ زیادہ متمول اور امیرانہ مجالس ایک حد تک اپنی جداگانہ ہستی کو قائم کئے ہوئے تھیں۔ مثلاً لندن میں ایک مجلس نٹن تھی جو دیگر مجالس پر غالب معلوم ہوتی ہے، اس نے ایک مدت تک اپنی جداگانہ ملکیت قائم رکھی اور اس کا آلڈرمن (صدر) تمام شہر کی مجلس اتحاد کا صدر ہو گیا، اسی طرح کینٹربری میں امرائے شاہی کی ایک مجلس تھی اور شہر کے بڑے بڑے عہدہ دار بالعموم اسی مجلس میں سے منتخب ہوتے تھے۔ لیکن یہ اتحاد کیسا ہی غیر مکمل کیوں نہ ہو جب ایک بار عمل میں آجاتا تو قصبہ محض برادریوں کے مجموعہ سے گزر کر ایک طاقت ور اور منتظم جماعت بن جاتا تھا۔

مگر ہر جماعت کی خصوصیت اس کے مخصوص ابتدائی حالات سے قائم ہوتی تھی۔ انگلستان کے قصبات اولاً زیادہ تر زراعت پیشہ لوگوں کے اجتماع سے بنے تھے۔ لندن کے ابتدائی احکام میں تخصیص کے ساتھ اہل شہر کے مویشیوں کی واپسی کیلئے قانون بنایا گیا تھا، مگر ملک کے ترقی پذیر امن کا اقتضا یہ تھا کہ صاحب زراعت یا چھوٹے چھوٹے زمیندار قصبوں سے الگ خود اپنے کھیتوں میں رہنے لگیں۔ مختلف طبقات اور تجارت کی ترقی نے خود قصبات پر بھی اثر ڈالا اور قصبے اور دیہات کا فرق زیادہ قطعی طور پر نمایاں ہونے لگا مدنیت کے اس نئے ارتقا میں لندن نے بنظر حالات وقت سب کی رہبری کی، اتھلسٹین کے سے قدیم زمانے میں بھی لندن کا ہر ایک سوداگر جس نے اپنے طور پر تین بڑے بڑے بحری سفر کئے ہوں" امرائے دربار" کے درجے میں شمار ہونے لگتا تھا، شہر کی "مجلس جہاز ران" نے ہارتھا کینوٹ کے زمانے میں اتنی اہمیت حاصل کرلی تھی کہ بادشاہ کے انتخاب میں شریک ہو سکتی تھی اور اس کی خاص سڑک چیپ سائڈ (جائے کاروبار) کے نام سے اس کی روز افزوں ترقی کو اب تک ظاہر کرتی ہے۔ لیکن فتح نارمن کے وقت تک تجارتی میلان عام ہو چکا تھا؛ متحدہ برادری کا نام اب تقریباً ہر جگہ "مجلس تجار" رکھا جانے لگا؛

ٹ گلڈ
(اس حرفت)

اہل قصبہ کی حالت میں اس ترقی معاشرۃ نے ان کے بلدی انتظامات پر بھی بہت اثر ڈالا "مجلس تجار" میں تبدیلی ہو جانے سے باشندوں کی اس جماعت نے جس سے قصبہ مراد ہوتا تھا اپنے قانون سازی کے اختیار کو اندرونی تجارت کی نگرانی پر بھی وسیع کر دیا تھا۔ ان کا خاص کام یہ ہوگیا کہ وہ بادشاہ سے یا اپنے دوسرے مالکوں سے زیادہ تر تاجرانہ رعایتیں سکہ سازی کے حقوق، بازاروں کے اجرا اور محصول راہداری سے آزادی کے پروانے حاصل کریں۔ اور خود اندرون شہر کے لئے وہ اشیا کی فروخت اور شناخت اور بازاروں کی نگرانی، اور قرضوں کے وصول کرنے کے لئے قواعد مرتب کریں۔ دولت و حرفت کی ترقی سے جب آبادی میں زیادتی ہوئی تو اس سے اور ایک اہم نتیجہ ظہور پذیر ہوا، نئے آباد ہونے والوں کا زیادہ حصہ چونکہ بھاگے ہوئے نیم غلاموں، غیر اراضی دار تاجروں، اور بالعموم اہل حرفہ اور غریبوں اور اُن لوگوں پر مشتمل تھا، جو اپنی خاندانی زمینوں کو کھو بیٹھے تھے اس لئے اپنے قصبہ کے انتظامی کاموں میں انہیں کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ تجارت اور انتظام تجارت کا حق بہ شمول دیگر اختیارات ان زمینداروں کے ہاتھوں میں تھا جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں نیز "مجلس تجار" کے ارکان کی زیادتی تمول کے باعث ان میں اور ان کے گرد کے بے سروسامان

عوام میں از خود ایک تازہ تفریق پیدا ہو گئی تھی، جس تغیر نے فلورنس میں سات بڑی تجارتوں کو چودہ چھوٹی تجارتوں سے جدا کر دیا تھا اور جس نے ساہوکاری، پارچہ بافی اور صباغی کو ان سات مخصوص پیشوں کے اندر بھی فوقیت دے دی تھی، اسی تغیر نے ایک حد تک انگریزی قصبات پر بھی اثر کیا: "مجلس تجار" کے ارکان نے رفتہ رفتہ اپنی توجہ تجارت کے ان بڑے کاموں کی طرف منعطف کر دی جن میں زیادہ سرمایہ کی ضرورت تھی، اور معمولی سوداگری کا کم حیثیت کام اپنے غریب تر ہمسایوں کے لئے چھوڑ دیا۔ تقسیم محنت کی یہ ترقی تیرھویں صدی میں اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ بزاز، خیاط سے اور دبّاغ، قصاب سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ یہ تفریق اپنے نتیجہ کے لحاظ سے انگریزی قصبات کے نظام حکومت کے لئے نہایت ہی اہم ثابت ہوئی۔ جن تجارت پیشہ لوگوں کو زیادہ متمول اہل قصبات نے اپنے حلقہ سے خارج رکھا تھا انہوں نے باہم شریک ہو کر اہل حرفہ کی مجلسیں الگ بنا لیں، اور یہ مجلسیں بہت جلد شہر کی قدیم "مجلس تجار" کی خطرناک رقیب بن گئیں۔ کسی تجارتی مجلس کی کامل رکنیت کے قبل سات برس کی ملازمت کی شرط لازمی تھی، ان کے ضوابط نہایت درجہ جزئیات کے درپے رہتے تھے۔ کام کی نوعیت و حیثیت سختی کے ساتھ متعین تھی، "کام کا وقت دن نکلنے سے شام کی گھنٹی بجنے تک مقرر تھا"، اور کام

میں مقابلے کے خلاف سخت قاعدہ معین تھے۔ ان مجلسوں کے ہر جلسے میں اس کے اراکین "صندوق حرفت" کے گرد جمع ہوتے جس میں ان کی جماعت کے قواعد رکھے رہتے تھے۔ اور جب وہ صندوق کھولا جاتا تھا تو سب لوگ تعظیماً ٹوپی اتار کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ محافظ صندوق اور براوران مجلس کی ایک معینہ تعداد کی ایک کارکن جماعت ہوتی تھی جو مجلس کے احکام نافذ کرتی' اپنے ارکان کے تمام کاموں کا معائنہ کرتی' ناجائز اوزار اور ناقص سامان کو ضبط کر لیتی تھی' عدول حکمی کی صورت میں جرمانے کی سزا دی جاتی اور آخری چارہ کار اخراج تھا جس سے حق تجارت ہی جاتا رہتا تھا۔ اراکین کے چندے سے ایک عام سرمایہ جمع کیا جاتا تھا' جس سے نہ صرف مجلس کے تجارتی اغراض سرانجام پاتے تھے' بلکہ یہ سرمایہ نماز پڑھانے والوں اور دعا کرنے والوں کے وظائف اور سرپرست ولی کے گرجے میں منقش گھڑیاں لگانے کے لئے بھی کافی ہوتا تھا' اس وقت بھی مجالس اہل حرفہ کے طغرے مقتدیان دین اور بادشاہوں کے طغروں کے پہلو بہ پہلو درخشاں نظر آتے ہیں۔ مگر یہ مجلسیں اس بلند رتبے پر بہت ہی آہستگی کے ساتھ مدارج مختلفہ کو طے کرتی ہوئی پہنچی تھیں' ان کی ہستی کے ابتدائی مراحل نہایت ہی دشوار تھے' کیونکہ کسی مجلس تجارت کے لئے کامیابی کے ساتھ

اپنے اغراض کو پورا کرنے کے لئے مقدم ضرورت یہ تھی کہ تمام اہل حرفہ جن کا اس تجارت سے تعلق ہو اس میں شرکت کے لئے مجبور کئے جا سکیں اور دوسرے یہ کہ خود اس تجارت پر ایک حد تک قانونی نگرانی اسے حاصل ہو، ان اغراض کے لئے شاہی فرمان کا ہونا لابد تھا، اور انہیں فرامین کے حصول کے متعلق مجلس تجار سے ان کی پہلی کشمکش شروع ہوئی، کیونکہ اس وقت تک "مجلس تجار" ہی قصبات کے اندر ہر قسم کی تجارت کی بلا شرکت غیرے مالک و مختار تھی۔ ان مجالس تجارت میں جولاہوں کی مجلس نے سب سے پہلے ہنری اول کے عہد میں اپنے قیام کے لئے شاہی منظوری حاصل کی تھی لیکن وہ اپنی ہستی قائم رکھنے کے لئے جان کے عہد تک "مجلس تجار" سے جدوجہد کرتی رہی تا آنکہ اہل لندن نے روپیہ دے کر جولاہوں کی مجلس کے توڑ دینے کی منظوری حاصل کر لی اور ایک زمانے کے لئے یہ مجلس ٹوٹ گئی۔ یہاں تک کہ خاندان لنکسٹر کے وقت میں ہم دیکھتے ہیں کہ شہر اکسٹر میں درزی اپنی ایک جماعت قائم کرنا چاہتے تھے مگر نہیں ہونے پائی۔ تاہم گیارھویں صدی سے یہ جماعتیں برابر بڑھتی گئیں، اور تجارت کی نگرانی مجالس تجار سے نکل کر "مجالس حرفت" کے قبضے میں آ گئی +

جماعتہا
عام وخ

اس زمانے میں "عوام" یعنے قصبہ کے عام باشندوں

اور" خواص" یعنے چند سر برآوردہ اور قابو یافتہ اشخاص کے درمیان
تجارت کے متعلق کشمکش جاری تھی مگر جب تجارت کے نظم و
نسق سے گزر کر قصبے کی تمام حکومت میں اس کشمکش کا اثر
پڑنے لگا تو صورت معاملات بالکل دگرگوں ہوگئی اور اس
سے تیرھویں اور چودھویں صدی کا عظیم الشان انقلاب تمدن
ظہور پذیر ہوا۔ برّاعظم میں اور خاص کر رائن کے کناروں
پر قدیم اہل قصبہ کا غلبہ جیسا کامل تھا، کشمکش بھی ویسی ہی
سخت ہوئی۔ کان میں اہل حرفہ بالکل ہی غلامی کی حالت
کو پہنچ گئے تھے اور بروسلز کے سوداگر جب چاہیں ہر ایک
"بے حمیت و بزدل محنت پیشہ شخص" کو بے آبرو کر سکتے تھے۔
ایک طبقے کی دوسرے طبقے پر اس طرح کے تمدنی جور و ستم کی
وجہ سے جرمنی کے قصبوں میں ایک صدی تک خونریزی کا
بازار گرم رہا۔ مگر انگلستان میں اس قسم کے جور و ستم کو
قانون کے اثر عام نے روک دیا تھا، اور بیشتر یہ انقلاب
بہت آسانی سے گزر گیا۔ حسب توقع سب سے طویل اور
سب سے سخت مناقشہ لندن میں پیش آیا۔ کسی دوسری جگہ
زمیندارانہ نظام حکومت نے ایسی مضبوط جڑ نہیں پکڑی تھی
اور نہ کسی دوسری جگہ اراضی دار حکمران طبقہ نے دولت و
اثر میں یہ وقعت و منزلت حاصل کی تھی۔ شہر مختلف حلقوں
میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ہر طبقہ ایک الڈرمین (صدر) کے
تحت حکومت میں ہوتا تھا اور یہ الڈرمین حکمران جماعت

سے مقرر کیا جاتا تھا، بعض حلقوں میں تو فی الحقیقت یہ عہدہ موروثی سا ہو گیا تھا۔ مجلس تجار کے "اکابر" یا "بیرن" ہی بلدی حکومت کے معاملات کے متعلق صلاح دے سکتے تھے، اور وہی اپنی مرضی سے شہر کی آمدنی اور اس کے بار کو تقسیم یا تشخیص کرتے تھے۔ اسی صورت معاملات نے نہایت ہی تکلیف دہ قسم کی خرابیوں اور زیادتیوں کا راستہ کھولدیا اور معلوم ہوتا ہے کہ غریبوں پر نامناسب تشخیص اور غیر ذی اختیار طبقات پر ناواجب بار ڈالنے سے جو اثر پڑا وہی اول اول سخت بد دلی کا باعث ہوا۔ ولیم (دی لانگ بیرڈ۔ دراز ریش) جو خود حکمران جماعت میں سے تھا ایک سازش کا سرغنہ بن گیا، جسے خوف زدہ حکمرانوں نے اپنے وہم میں پچاس ہزار اہل حرفہ کی سازش سمجھی اس قدر ضرور تھا کہ ولیم کی طلاقت لسانی اور مجلس شہر میں اکابر سے دلیرانہ مقابلہ کے باعث اسے نہایت ہردلعزیزی حاصل ہو گئی تھی اور اس کے گرد کا مجمع اسے "غریبوں کا نجات دہندہ" کہ کر پکارتا تھا۔ ہماری خوش قسمتی سے اس کی ایک تقریر ایک سننے والے کے ذریعہ سے محفوظ رہ گئی ہے۔ ازمنہ وسطی کی طرز کے موافق اس نے اول لاطینی میں "کتاب مقدس" کی یہ عبارت پڑھی کہ "نجات دہندے کے چشمے سے تم خوشی کے ساتھ پانی نکالوگے" پھر اپنی تقریر شروع کی کہ "میں غریبوں کا نجات دہندہ ہوں۔ اے امرا کے ستائے ہوئے غریبو! تم میرے چشمے سے خوشی کے ساتھ

صحت بخش تعلیم کا پانی حاصل کرو، کیونکہ تمہیں عوض ملنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ میں پانی کو پانی سے جدا کر دوں گا۔ انسان ہی یہ پانی ہے اور میں مسکین اور دین دار جماعت کو مغرور اور بے دین جماعت سے علیٰحدہ کر دونگا، میں مقبول کو مردود سے اس طرح علیٰحدہ کر دونگا جیسے روشنی تاریکی سے علیٰحدہ ہوتی ہے"۔ مگر بادشاہ سے درخواستیں کر کے مقصد عامہ کے لئے شاہی عنایت حاصل کرنے میں اس کی کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔فلپ شاہ فرانس کی کثیر المصارف لڑائیوں کے واسطے رچرڈ کو متمول طبقات کی اعانت ازبس ضروری تھی اور نائب السلطنت (یعنے اسقف اعظم ہیوبرٹ) نے ایک لمحہ کے پس و پیش کے بعد اس کی گرفتاری کے احکام جاری کر دئے پہلا سپاہی جو اسے پکڑنے کے لئے بڑھا اسے ولیم نے تیر سے مار کر گرا دیا۔ اور اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ سنٹ میری لی بو کے برج میں پناہ گزیں ہو کر اپنے طرف داروں کو بغاوت کرنے پر ابھارتا رہا۔ لیکن ہیوبرٹ نے پہلے ہی شہر کو فوجوں سے بھر دیا تھا، اور اس مقدس جگہ کا کچھ پاس ولحاظ نہ کیا اور بڑی دلیری اور نفرت کے ساتھ اس نے برج میں آگ لگا دی، جس سے ولیم مجبور ہوگیا اور اس نے اپنے تئیں حوالہ کر دیا۔ ایک شہری نے (جس کے باپ کو اس نے مار ڈالا تھا) باہر نکلتے ہی اُس کے خنجر بھونک دیا، اور اس کی موت سے اس جھگڑے کا کم سے کم پچاس برس کے لئے خاتمہ ہوگیا۔

اس کے بعد جنگ بیرن کے شروع ہونے تک کوئی نئی عوا
تحریک رو نما نہیں ہوئی مگر اس اثنا میں شہر میں غیظ و غضب
کی آگ سلگتی رہی۔ غیر ذی اختیار اہل فرقہ امن قائم
رکھنے کے بہانے سے خفیہ "مجالس امن" میں متحد ہو گئے تھے
اور گاہ بگاہ عام غوغائی، غیر ملکی اور زیادہ متمول اہل شہر
کے مکانوں کو لوٹتے رہتے تھے، مگر مذکورۂ بالا خانہ جنگی کے
شروع ہونے تک کھلی کھلی مخاصمت دوبارہ نہیں ہوئی تھی
اب پھر علانیہ مخاصمت ہونے لگی۔ اہل حرفہ "مجلس شہر" میں
بزور گھس گئے اور اعاظم و اکابر شہر کو علیحدہ کر کے ٹامس فرٹا میں
کو اپنا "میر" (رئیس شہر) منتخب کیا، اور اگرچہ اڈورڈ دوم
کے زمانے تک اختلافات میں کمی نہیں ہوئی، مگر ہم اس
انتخاب کو "مجالس اہل حرفہ" کی آخری فتح کا نشان سمجھ سکتے
ہیں، اس کے جانشین کے وقت میں بظاہر تمام مخاصمت
ختم ہو گئی۔ ہر تجارت کو فرمان شاہی عطا کئے گئے۔ ان کے
قواعد و ضوابط رئیس شہر کی عدالت میں باضابطہ درج
ہونے لگے۔ اور ہر ایک کے لئے خاص وردیاں منتخب
کی گئیں، جس کی وجہ سے وہ "وردی پوش جماعتیں" کہلائیں
اور اب تک یہ نام قائم ہے۔ زیادہ دولتمند شہریوں نے
جب دیکھا کہ ان کی قدیم طاقت ٹوٹ گئی ہے تو انہوں
نے "مجالس سوداگراں" میں داخل ہو کر دوبارہ اثر حاصل
کر لیا، اور خود اڈورڈ سوم اس عام اثر میں پڑ کر مزاجاً

زرہ سازوں کی مجلس کا رکن بن گیا۔ یہ واقعہ اس وقت کا پتہ دیتا ہے جب انگلستان کے قصبوں کی حکومت حقیقۃً اس درجہ عوام کے ہاتھوں میں آگئی کہ اس سے پہلے کبھی یہ بات نصیب نہیں ہوئی تھی۔ البتہ جب موجودہ زمانہ میں میونسپل ریفارم ایکٹ (قانون اصلاح بلدیہ) کے قبل تک نافذ ہوا تو حالت ہی بدل گئی۔ یہ حکومت ایک محدود طبقہ امرا کے ہاتھوں سے نکل کر متوسط طبقوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تھی اور کون کہ سکتا تھا کہ ایک وقت ایسا آئیگا جب کہ خود ان مجالس میں امرا کی سی خو بو پیدا ہو جائے گی اور یہ بالکل ویسی ہی تنگ خیال جماعتیں بن جائیں گی جو ان سے پہلے تھیں اور جن کو انھوں نے معزول کیا تھا +

جزو پنجم

بادشاہ و بیرن

۱۲۲۷ ۱۲۹۰

[اسناد۔ اڈورڈ اول کے حالات مثل سابق۔ اڈورڈ دوم کے حالات کے لئے اس کے تین اہم ہمعصر موجود ہیں۔ بادشاہ کی جانب داری میں ٹامس دی لاہور ہے {کیمڈن سوسائٹی کے اینگلیکا (انگلستان) و برٹینیکا (برطانیہ) وغیرہ (Anglica, Brittanica, etc.) اسی ضمن میں ہیں} بیرنوں کی جانب ٹروکلو کا اینلز (اخبار (Annals) ہے (جیسے ماسٹر آف دی رولز

نے شایع کیا ہے) اور دوسرے مانزبری کے ایک راہب کی سوانح عمری ہے جسے ہیرن نے طبع کیا ہے۔ مریتھو کا مختصر وقائع بھی اسی زمانے کا ہے۔ ہیلم نے اپنی کتاب مڈل ایجز (ازمنہ وسطی (Middle ages) میں دستور ملک کے پہلو کو خوب ہی روشن کیا ہے

اگر ہم اڈورڈ اول کی تخت نشینی کے وقت سے دوبارہ دستور انگلستان کی تاریخ کی طرف لوٹیں تو اس میں بھی قصبوں کی ترقی کی بہ نسبت کچھ کم حقیقی ترقی نظر نہیں آئیگی مگر اس ترقی کا سلسلہ ناموافق حوادث کے باعث جا بجا سے شکست ہو گیا "منشور" کی طویل جد و جہد، ارل سیمن کے اصلاحات، اور خود اڈورڈ کے ابتدائی قوانین سے حکمران طاقت میں ایک بڑا تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ اڈورڈ کا بادشاہت کا خیال وہی تھا جو منصف مزاج اور مذہب پرست ہنری دوم کا تھا مگر اس کا انگلستان ہنری کے انگلستان سے ایسا ہی تھا جیسے اس کی پارلیمنٹ ہنری کی "مجلس اعظم" سے مختلف تھی۔ رابرٹ (گلوسٹر) نے اپنی ایک بھدی سی نظم میں اس زمانے کا سیاسی خیال یہ ظاہر کیا ہے کہ "جب خدا کی عنایت سے امن قائم ہو گیا تو ذی اقتدار اشخاص کو قدیم قوانین کی بحالی کی طرف توجہ ہوئی چنانچہ عمدہ قوانین کے اجرا کے لئے بادشاہ نے منشور تیار کیا اور بخوشی خاطر یہ منشور عطا کیا" مگر منشور نے جو طاقت بادشاہ کے ہاتھ سے نکالی وہ عوام کے قبضے میں نہیں آئی بلکہ بیرنوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ اہل زراعت و اہل حرفہ اگرچہ آزادی کے کسی خاص خطرے کے موقع پر

لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے لیکن ابھی تک حکومت کے عام کام میں دخل دینے کی خواہش ان میں نہیں پیدا ہوئی تھی وہ فروغ صنعت و حرفت جو ہنری سوم ہی کے عہد میں پیدا ہوچکا تھا اور اس کے بیٹے کے عہد میں بڑے زوروں پر تھا، اس لئے طبقہ تجارت کی جان فشانی و دلچسپی کو بالکل ہی اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ زراعت کی طرف نظر کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اراضی شاملات کی احاطہ بندی پھر بڑے بڑے مالکان اراضی کی طرف سے پٹہ کے طریقِ اجرا، اور جائداروں کی تقسیم در تقسیم کی وجہ سے (جس میں اڈورڈ کے قانون نے خاص آسانی پیدا کردی تھی) دیہات کے عملۂ اراضی میں آہستہ آہستہ متاجر کاشتکاروں کا ایک نیا طبقہ پیدا ہو رہا تھا، جس کی تمام تر قوت خود اپنی آزادانہ معاشرت کی ترقی میں نہایت منہمک تھی۔ وہی اسباب جنھوں نے آزادی بلدیہ کی ترقی اس قدر مشکل کردی تھی شہروں کی دولت کے بڑھانے کا باعث ہوئے، ناروے اور شمالی جرمنی کے ہنس شہروں سے ہر طرح کا لین دین، فلینڈرز سے اون اور گیسکونی سے شراب کا کاروبار پہلے ہی سے جاری تھا، ان میں اب اطالیہ و ہسپانیہ کے ساتھ روز افزوں تجارت کا اضافہ ہوگیا۔ تاجران وینس کے بڑے بڑے اُتھل جہاز انگریزی ساحل پر آنے لگے، فلورنس کے سوداگر جنوبی بندرگاہوں پر آباد ہو گئے۔ کیہورس کے ساہوکار، یہودیوں کی سود خواری پر پہلے ہی ایک مہلک

ضرب لگا چکے تھے، اب ان کے پیچھے پیچھے فلورنس اور لیوکا کے ساہوکار بھی آ گئے۔ مگر ملک کی دولت اور اس کی صناعی کا اظہار محض ایک سرمایہ دار طبقہ کے پیدا ہو جانے ہی سے نہیں ہوا بلکہ اس عہد کی ملکی و مذہبی عمارتوں کی کثرت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ممالک عیسوی کا فن تعمیر اڈورڈ کے اوائل عہد میں انتہا کی خوبصورتی کو پہنچ گیا تھا، اڈورڈ ہی کے عہد کو وسٹ منسٹر کے خانقاہی گرجے اور سالسبری کے نادر کلیسا کی تکمیل کا فخر حاصل ہوا۔ اس زمانے کے کسی انگریزی امیر کو اگر بے مثل (معمار) کہتے تو وہ اس پر ناز کرتا تھا۔ کوہستان آلپس کے اُس پار جو فن تعمیر پیدا ہو رہا تھا اس کے کچھ آثار شاید اطالیہ کے ان مذہبی عمال کے ساتھ آگئے تھے جنہیں پوپ انگریزی گرجوں پر بزور متعین کر رہے تھے۔ خانقاہ وسٹ منسٹر میں تائب کا مزار اس کا پچیکاری کا فرش، خانقاہ کی عبادتگاہ اور مجلس کے کمرے کے نقش و نگار ان طریقوں کی یاد دلاتے ہیں جو گنٹوؔ کے اور اہل پیسا کے زیر اثر پیدا ہو رہا تھا۔

لیکن گروہ تجار کی توجہ اگر حرفت و صنعت کی طرف اس قدر منعطف نہ بھی ہوتی تو بھی انہیں انتظام ملک میں براہ راست دخل دینے کا کچھ خیال ہی نہیں تھا، اس زمانے کے خیالات کے موافق بادشاہ کی غفلت و کوتاہی کی حالت میں یہ کام (حکمرانی) لامحالہ طبقہ بیرن پر عاید ہوتا تھا۔ آئینی طور پر اب انگلستان میں امرا کی ایک حیثیت قائم ہو چکی تھی

کوئی بادشاہ ان کی منظوری بغیر نہ قوانین بنا سکتا تھا نہ محصول لگا سکتا تھا اور نہ کسی جنگ کا اعلان کر سکتا تھا۔ طبقۂ بیرن پر قوم کو بڑا اعتماد پیدا ہو گیا تھا۔ انگلستان کے امرا اب وہ غیر ملکی درندے نہیں رہے تھے جن کے پنجۂ ظلم سے رعایا کو بچانے کے لئے کسی نارمن حکمراں کے قوی ہاتھوں کی ضرورت ہو۔ وہ اب ویسے ہی انگریز تھے جیسے ایک معمولی کسان یا تاجر۔ انہوں نے انگلستان کی ازادی اپنی تلوار کے زور سے حاصل کی تھی اور ان کے فرقہ کے روایات انہیں مجبور کرتے تھے کہ وہ خود کو اس آزادی کا فطری محافظ تصور کریں جس مسئلہ نے اب تک ملک کو پریشان کر رکھا تھا یعنے منشور کے موافق حکمرانی کا انتظام کس طرح ہو، وہ جنگ بیرن کے ختم ہونے کے بعد اس طرح حل کیا گیا کہ عملی انتظامات ایک مستقل کمیٹی (مجلس) کے سپرد کئے گئے جسمیں بڑے بڑے مقتدایان دین اور بیرن شامل تھے۔ یہی لوگ بادشاہ کے خاص خاص وزرا کے ساتھ سلطنت کے کارفرما قرار پائے اور یہی جماعت "مجلس مستقل" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور ہنری سوم کے انتقال سے لے کر اُس کے بیٹے کے واپس آنے تک جو طویل زمانہ گزرا اُس میں اس مجلس نے جس امن و سکون کے ساتھ حکومت کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امرا کی یہ حکمرانی کس درجہ با اثر تھی۔ اپنے اور تاج کے درمیان جس نئے تعلق کے پیدا کرنے کی

انہیں فکر تھی وہ اڈورڈ کی تخت نشینی کے اعلان سے نہایت
نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ نیا بادشاہ "اپنے ہمسروں (امرا)
کی رضامندی سے تخت نشیں ہوا ہے۔" نئی پارلیمنٹ کی حالت
یہ تھی کہ شائر (ضلع) کے نائٹ زیادہ تر انہیں بیرنوں کے
اثر سے منتخب ہوئے تھے اور شہروں کے قائم مقام بھی بیرنوں
کی جنگ کی روایات پر اب تک ثابت قدم تھے۔ لامحالہ یہ
دونوں گروہ بیرنوں کی پشت پناہی کرتے تھے۔ پارلیمنٹ کے
اجلاس بکثرت ہونے لگے تھے جس سے مشورت باہمی فریقانہ
انتظامات اور ایک واضح سیاسی بنیاد پر کام کرنے کا موقع ملتا
تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اجرائے محصول کا اختیار
بیرنوں کے قبضہ میں آگیا تھا اور وہ اس نئی قوت کا دباؤ
بادشاہ پر ڈال سکتے تھے، ان تمام امور نے بالآخر امرا کی حکومت
کو ایسی قوی بنیاد پر قائم کر دیا کہ خود اڈورڈ کی انتہائی کوشش
سے بھی وہ ہل نہ سکی۔

اس زبردست اثر کے مقابلہ میں اول ہی سے بادشاہ
کی کوششیں بیکار ثابت ہوئیں اور اس کے خیالات میں
براعظم کے انقلاب سے بھی ہیجان پیدا ہوا ہوگا کیونکہ آبنائے
کے دوسری جانب شاہانِ فرانس جاگیردار بیرنوں کی طاقت
کو پامال کر کے شاہی مطلق العنانی کی بنا قائم کر رہے تھے۔
تاج نے اس وقت تک امرا سے جو کچھ بھی حاصل کر لیا
تھا۔ اڈورڈ نے بہت ہی حریصانہ طور پر اس کی نگہداشت

کی۔ ہنری دوم کے طرز عمل کی تقلید میں اس نے اپنے عہد کے شروع ہوتے ہی اوس وقت کے تمام اقتدارات عدالت کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر گیا اور اس کی اطلاع پر دورہ کرنے والے حکام کو یہ دریافت کرنے کے لئے روانہ کیا کہ یہ اختیارات انہیں کن حقوق کی بنا پر حاصل ہیں۔ جو احکام ثبوت استحقاق کے لئے جاری ہوئے تھے ان کی بڑی تحقیر اور تذلیل کی گئی۔ ارل وارین نے ایک زنگ آلود تلوار میان سے نکال کر حکام کے میز پر رکھ دی اور کہا کہ "یہ ہے جناب میرا پروانہ" ہمارے آباد اجداد جب فاتح کے ساتھ یہاں آئے تھے تو انہوں نے تلوار کے زور سے اپنی زمین حاصل کی اور تلوار ہی کے زور سے ہم اسے قائم رکھیں گے مگر بادشاہ صرف ہنری دوم کی تجویز تک محدود رہنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے مزید کوشش یہ کی کہ تمام زمینداروں کو ایک درجہ پر لاکر امرا کی قوت کو بے اثر کردے چنانچہ ایک شاہی فرمان کے ذریعہ سے یہ حکم دیا گیا کہ تمام آزاد اراضی دار جن کی زمین کی مالیت بیس پاؤنڈ کی ہو خود بادشاہ کے ہاتھ منصب نائٹ حاصل کریں۔ مگر اصل یہ ہے کہ قوم میں ایک پیشرو گروہ کی حیثیت سے جس قدر طبقہ بیرن کا اثر بڑھتا گیا اسی قدر ان کے ہر فرد کا شخصی و خالص جاگیردارانہ اثر اپنی جائداد پر سے گھٹتا گیا۔ ہر امیر خاندان کی تولیت و عقد کا اختیار بادشاہ کے ہاتھ میں ہوا

شاہی ججوں کا دورہ، بیرنوں کے اختیارات عدالت کا برابر گھٹتے رہنا، بدل الخدمت کی وجہ سے ان کی فوجی قوت کو نقصان پہنچنا، ان کے آپس کے مناقشات میں مجلس کی فوری مداخلت، یہ سب وہ اسباب تھے جن سے امرا یوماً فیوماً عام رعایا کی سطح کی طرف تنزل کرتے جاتے تھے۔ لیکن ابھی بہت کچھ کرنا باقی تھا، بہ ہیئت مجموعی اگرچہ انگریزی طبقہ امرا، جرمن یا فرانس کے سے جاگیردار امرا کے بالکل متماثل نہ تھا مگر پھر بھی ہر فوجی طبقہ میں زیادتی و بے قاعدگی کا ایک فطرتی میلان ہوا کرتا ہے، اور اڈورڈ کے سے سخت انصاف پسند بادشاہ کے لئے بھی اسے بتمامہ رفع کر دینا مشکل تھا۔ ان جنگجو امرا میں انتظام قائم رکھنے کے لئے اسے اپنے تمام عہد میں اپنی پوری قوت سے کام لینا پڑا۔ گلوسٹر اور ہیرفرڈ کے سے بڑے بڑے امیر خانگی جنگ جاری رکھتے تھے۔ شراپ شائر میں امیر ارنڈل نے فلک فزاوارین سے جنگ کر کے جھگڑا چکا لیا۔ چھوٹے درجے کے اور نسبتہً غریب امرا کے لئے تاجروں کی دولت اور شاہراہوں سے گزرنیوالی اسباب کی گاڑیوں کی لمبی لمبی قطاریں، بہت ہی لالچ دلانیوالے شکار تھے، ایک مرتبہ راہب اور کینن Canon کی مصنوعی لڑائی کے کھیل کا بھیس بنا کر دیہات کے متوسط الحال زمینداروں کا ایک گروہ بوسٹن کے سوداگروں کے بڑے میلے میں داخل ہو گیا رات ہوتے ہی ہر قیامگاہ میں آگ لگ گئی، سوداگر لوٹے گئے قتل کئے گئے، اور لوٹ کا

مال ان جہازوں پر پہنچ گیا جو بندرگاہ میں اسی غرض سے تیار کھڑے تھے۔ اس مصیبت عام کے قصہ میں بیان کیا گیا ہے کہ پگھلے ہوئے سونے چاندی کے چشمے نالیوں سے بہ کر سمندر میں جا گرے تھے۔ انگلستان کا تمام روپیہ بھی مشکل سے اس نقصان کی تلافی کر سکتا ہے۔" اڈورڈ کے عہد کے اختتام کے قریب تک "لٹھ بند" لوگوں کے یہ قانون شکن گروہ عام لوٹ مار سے بسر کرتے۔ دیہات کے امرا کو ان کی لڑائیوں میں مدد دیتے۔ اور بڑے بڑے تاجروں سے ڈرا دھمکا کر روپیہ اور سامان وصول کرتے تھے۔ لیکن بادشاہ میں ابھی اتنی قوت تھی کہ امرا کو جرمانے اور قید کی سزا دے۔ بوسٹن کے غارتگروں کے سردار کو پھانسی پر لٹکائے اور قانون خلاف ورزی کو سخت تشدد سے روکے۔ اڈورڈ کی تین برس کی غیر حاضری میں، خود جج (جو فرو تر طبقہ بیرن سے مقرر کئے جاتے تھے) زیادتی و رشوت خواری سے ملوث پائے گئے۔ کامل تحقیقات کے بعد عدالت کی خرابیاں تسلیم کی گئیں اور ان میں ترمیم کی گئی۔ دو چیف جسٹس ملک بدر کر دئے گئے اور ان کے ساتھ دوسرے جج قید ہوئے اور ان پر جرمانے کئے گئے۔

۱۲۸۰

وَرڈ

یہود

دوسرے سال ایک ایسی کارروائی ہوئی جس سے اڈورڈ کے عہد حکومت پر ایک بڑا دھبہ لگ گیا۔ آنجویوں کے زمانہ میں یہود کے خلاف عام نفرت کی شدت بہت تیزی سے بڑھ گئی تھی

مگر ان کی شاہی حفاظت میں کسی قسم کا تزلزل نہیں آیا تھا۔
جن جن شہروں میں وہ رہتے تھے وہاں حدود شہر سے باہر
ہنری دوم نے انہیں قبرستان بنانے کی اجازت دی تھی رچرڈ
نے اہل یارک کو یہود کے ایک قتل عام کی بہت سخت
سزا دی تھی، اور یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک مشترکہ
عدالت ان کے معاہدات کے اندراج کے لئے قائم کی تھی۔
جان خود جو کچھ بھی ہو سکتا ان سے وصول کر لیتا تھا۔
یہاں تک ایک بار اس نے ان سے اتنی رقم وصول کی جو
اس کی مملکت کے ایک سال کی آمد کے برابر ہو گئی مگر
وہ اس کا روادار نہیں تھا کہ کوئی اور شخص یہودیوں کو
نقصان پہنچائے۔ دوسرے عہد حکومت کی پریشانیوں میں یہود
سے اتنا نفع ہوا کہ شاہی حرص سے بھی متجاوز ہو گیا۔ اس
عام پریشانی میں یہود اس قدر دولتمند ہو گئے تھے کہ انہوں
نے جائدادیں پیدا کر لیں اور صرف عام جذبات کے اشتعال
نے اس قانونی فیصلہ کو روکا کہ وہ زمین کے آزادانہ مالک
ہو جائیں۔ عیسائیوں کے جلوس جب یہودیوں کی آبادی
کے پاس سے گزرتے تو وہ اپنے غرور اور آس پاس کی
توہم پرستی سے نفرت کرنے کی وجہ سے ان پر آوازے کستے
اور بعض وقت (جیسا کہ آکسفورڈ میں ہوا) ان پر واقعی حملہ
کر بیٹھتے تھے۔ بہت سے وحشتناک قصے لوگوں میں شایع تھے
کہ یہودی بچوں کو اپنے گھر میں مرا ہوا پایا گیا اسے

عوام نے خوش عقیدگی سے "سنٹ ہونف" کے نام سے ولی بنادیا۔ فرائر کا پہلا کام یہ تھا کہ وہ عبرانی محلوں میں قیام کرنے اور یہودیوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کرتے تھے مگر عام غصہ کی موج ان نرم ذرائع آشتی سے بہت بلند ہو چکی تھی۔ جب بعض پیروان فرانسس نے ہنری سوم سے التجا کرکے ستر یہودیوں کی جان بچالی تو عوام نے غصہ کی وجہ سے ان "بھائیوں" کو خیرات دینے سے انکار کر دیا۔ جنگ بیرن کے دوران میں یہودیوں کی ایک آبادی کے بعد دوسری آبادی کا غارت ہونا عام نفرت کی علامت تھی۔ اس جنگ کے ختم ہونے کے بعد یہودیوں پر قانون کا زیادہ مصیبتناک ستم ڈھایا گیا، ان کے حقوق کے محدود کرنے کے لئے پیہم قانون نافذ ہونے لگے۔ جائداد غیر منقولہ کا قبضہ، عیسائی ملازمین کا رکھنا، اپنے سینوں پر دو سفید اونی پٹیاں لگائے بغیر (جس سے ان کی قوم کی تمیز ہو) سڑکوں پر چلنا، ان کے لئے ممنوع قرار دیا گیا۔ نئے صوامع کے بنانے، عیسائیوں کے ساتھ کھانا کھانے اور ان کا معالجہ کرنے سے وہ روکدئے گئے۔ ان کی تجارت کیہوس کے ساہوکاروں کی رقابت کی وجہ سے پہلے ہی محدود ہو چکی تھی، لیکن جب یہ شاہی حکم نافذ ہوا کہ وہ سود لینا چھوڑ دیں ورنہ سزائے موت کے مستوجب ہونگے تو رہے سہے اور بھی تباہ ہوگئے۔ آخر ظلم و جبر کی حد ہو گئی اور اس ذریعہ سے یہودیوں سے کچھ حاصل ہونا ناممکن ہو گیا۔ جنگ چھڑنیکے

۱۲۹

قبل اڈورڈ کو روپیہ کی ضرورت تھی اور اس پر عام مذہبی جنون کا اثر بھی پڑ چکا تھا اس لئے وہ اس امر پر آمادہ ہو گیا کہ پادری اور عوام اپنی آمدنی کا پندرھواں حصہ اُسے دے دیں تو وہ یہودیوں کو ملک سے نکال دیگا۔ سولہ ہزار یہودیوں نے تبدیل مذہب پر جلا وطنی کو ترجیح دی، مگر ان میں سے چند ہی سواحل فرانس پر پہنچ سکے، بہتوں کی کشتیاں تباہ ہو گئیں بہت سے لوٹ لئے گئے اور جہازوں کے اوپر سے سمندر میں پھینک دئے گئے ایک مالک جہاز نے اپنے جہاز کے دولتمند سوداگروں کو ایک ریتیلے ساحل پر اتار دیا اور کہا کہ اب سمندر سے بچنے کیلئے وہ کسی نئے موسیٰ کو بلائیں۔ اڈورڈ کے وقت سے کرامول کے وقت تک ایک یہودی نے بھی جزیرۂ انگلستان پر قدم نہیں رکھا +

یہودیوں کے اخراج کے بعد ان پر جو زیادتیاں ہوئیں اُن کا الزام کسی طرح بھی اڈورڈ پر عاید نہیں ہو سکتا کیونکہ اس نے نہ صرف ملک سے باہر جانیوالوں کو اپنی دولت اپنے ساتھ لیجانے کی اجازت دے دی تھی بلکہ جن لوگوں نے انہیں سمندر میں لوٹا تھا انہیں قتل کی سزائیں دیں، مگر خود اخراج ہی فی نفسہ کوئی کم ظلم نہیں تھا۔ شکرگزار پارلیمنٹ کی جانب سے پندرھویں حصہ کی امداد خزانہ شاہی کے نقصان کی نہایت حقیر تلافی تھی۔ اسکاٹلینڈ کی لڑائیوں میں پارلیمنٹ نے جو رقمی امداد دی تھی اس سے زیادہ صرف

ہو گیا، خزانہ بالکل خالی ہو گیا۔ گیسکنی میں فرانسیسیوں سے
بڑی جنگ ہو رہی تھی اور اس کے لئے روپیہ کی ضرورت
تھی، اس کے ساتھ ہی بادشاہ اہل فلینڈرز کی اعانت سے
فرانس کے شمال میں حملہ کرنیکے لئے اس سے بھی زیادہ مصارف
تجویز کر رہا تھا، اسی سخت احتیاج نے اڈورڈ کو ظالمانہ و
۱۲۹۴ غاصبانہ حرکتوں پر مجبور کر دیا۔ اس کی پہلی ضرب کلیسا پر
پڑی، وہ پادریوں سے ان کی نصف سالانہ آمدنی کا پہلے ہی
مطالبہ کر چکا تھا، اور ان کے لیت و لعل پر وہ اس قدر
بر افروختہ ہوا کہ سنٹ پال کا ڈین جب عذر کرنے کھڑا ہوا تو
وہ محض اس کی وحشتناک صورت سے خوف زدہ ہو کر اس کے
قدموں پر گر پڑا۔ بادشاہ کے وکیل نے مجلس مذہبی میں یہ کہا
کہ "جو شخص بادشاہ کے مطالبہ کا مخالف ہو وہ کھڑا ہو جائے
تاکہ شاہی امن کے دشمنوں میں اس کا شمار کر لیا جائے"
ستم رسیدہ اہل کلیسا نے ایک ناقابل سماعت عذر یہ پیش کیا
کہ ان کی امداد صرف روم کے لئے مخصوص ہے، اور مزید
محصول سے انکار کی توجیہ میں پوپ بائیفیس ہشتم کا ایک
فرمان حجتہً پیش کیا۔ اڈورڈ نے ان کے انکار کا جواب دیا کہ
۱۲۹۷ تمام گروہ کلیسا سے قانون کی حفاظت اٹھا لی، شاہی عدالتیں
ان کے لئے بند ہو گئیں اور جنہوں نے بادشاہ کی امداد سے انکار
کیا تھا ان کے لئے حصول انصاف کی کوئی سبیل باقی نہیں
رہی۔ پادریوں کا عذر واقعی ضابطہ کی رو سے غلط تھا اور

قانونی حفاظت اٹھ جانے سے انہیں بہت جلد اطاعت پر مجبور ہونا پڑا۔ مگر ان کی امداد خالی خزانہ کے پُر کرنے میں کچھ زیادہ کام نہ آئی اور اس کے ساتھ ہی جنگ کا اثر برابر بڑھتا گیا۔ اڈورڈ بذات خاص فلینڈرز میں جو مہم لیجانا چاہتا تھا اسکے لئے بے روک ٹوک روپیہ وصول کرنے کی نہایت ہی وسیع کارروائیوں کی ضرورت تھی۔ دیہاتوں کے متوسط الحال طبقہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ نائٹ کا منصب حاصل کریں یا اس بیش بہا عزت سے مستثنیٰ ہونیکا معاوضہ دیں۔ صوبوں سے مویشی اور غلہ کی شرکت کا بجبر مطالبہ کیا گیا' اور ملک کی خاص پیداواروں کا محصول برآمد سابق کی بہ نسبت چھ گنا بڑھا دیا گیا۔ اڈورڈ نے اگرچہ کسی قطعی فرمان یا قانون کی خلاف ورزی نہیں کی مگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ منشور اعظم اور جنگ بیرن کے تمام نتائج دفعتہً الٹ گئے ہیں مگر اس ضرب کا پڑنا ہی تھا کہ اڈورڈ نے خود اپنی مملکت کے اندر اپنے کو بے بس پایا' طبقہ بیرن مخالفت پر آمادہ ہوگیا اور انگریزی امرا میں دو سب سے بڑے امیر بوہن (ارل ہیرفرڈ) اور بیگاڈ (ارل نارفوک) اس مخالفت کے سرگروہ بن گئے۔ اس جنگ اور اس کے مصارف کے خلاف انہوں نے صرف اعتراض ہی پر بس نہیں کیا بلکہ عملاً یہ کیا کہ اڈورڈ جب خود فلینڈرز کو روانہ ہو گیا تو انہوں نے اس کے مددگار کی حیثیت سے گیسکنی میں فوج لیجانے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے حیلہ یہ کیا کہ سوا بادشاہ کی ہمراہی کے

وہ غیر ملکی خدمت پر مجبور نہیں ہیں۔ بادشاہ نے بیگاڈ سے کہا کہ
قسم ہے خدا کی کہ جناب ارل یا تو اب روانہ ہونا پڑیگا یا پھانسی
پر چڑھنا پڑیگا" ارل نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا کہ "حضور عالی
قسم ہے خدا کی نہ میں روانہ ہونگا اور نہ پھانسی پر چڑھوں گا"۔
قبل ازیں کہ اس کی طلب کردہ پارلیمنٹ جمع ہو سکے اڈورڈ کو خود
اپنی بے بسی معلوم ہوگئی اور بمقتضائے طبیعت اس کے خیال میں
ایک فوری تغیر پیدا ہو گیا وہ ایوان وسٹ منسٹر میں اپنی رعایا
کے سامنے کھڑا ہوا اور جوش گریہ کے ساتھ یہ اعتراف کیا کہ اسنے
لوگوں کا مال جائز قانونی مطالبہ کے بغیر لے لیا ہے۔ لوگوں نے جب
دیکھا کہ وہ ان کی وفاداری سے ایسی پرجوش التجا کر رہا ہے تو
انہوں نے بادل ناخواستہ جنگ کے جاری رہنے کی منظوری تو دیدی
مگر اس نازک مرحلہ سے یہ سبق ملا کہ شاہی طاقت کے مقابلہ
میں مزید طمانیت کی ضرورت ہے۔ اڈورڈ ابھی فلینڈرز میں مبتلائے
کشمکس ہی تھا کہ مقتدائے اعظم ونچلسی بھی مزید رقم کے وصول
کے روکنے میں ارل کا اور باشندگان شہر لنڈن کا شریک ہو گیا
یہاں تک کہ اڈورڈ کو نہ صرف بمقام گنٹ منشور کی تصدیق
کرنی پڑتی۔ بلکہ اس میں ان جدید واقعات کا بھی اضافہ کیا گیا
کہ ملک کی عام مرضی کے بغیر بادشاہ کو کسی قسم کا محصول عاید کرنیکا
اختیار نہیں ہے۔ بیرنوں کے مطالبہ پر اس نے ۱۲۹۹ء میں اس
تصدیق کی تجدید کی مگر ساتھ ہی یہ کوشش کی کہ ایک مبہم فقرہ
"حقوق تاج کو محفوظ رکھتے ہوئے" بڑھا دیا جائے۔ اس اضافہ ہی کی

۱۲۹۷

کوشش سے بیرنوں کی بے اعتمادی حق بجانب ثابت ہوگئی دو سال
بعد مسلح بیرنوں کے ایک جدید اجتماع نے اس سے فرمان جنگلات کا ۱۳۰۱
پورا عملدرآمد حاصل کیا۔ اس ذلت کی تلخی نے اسے بیتاب کر رکھا
تھا۔ مالِ تجارت پر نئے محصولات عاید نہ کرنیکا اس نے جو وعدہ
کیا تھا اسے بیکار کر دینے کی اس نے یہ صورت نکالی کہ تاجروں کے
ہاتھ خاص خاص حقوق تجارت فروخت کرنے لگا، اور جب اس نے
اپنے وعدوں سے بری کر دئے جانیکے لئے پوپ سے باضابطہ اجازت ۱۳۰۵
حاصل کی تو اس کا منشا صاف ظاہر ہوگیا کہ جن امور کو وہ تسلیم
کرچکا ہے انہیں وہ از سر نو معرض بحث میں لانا چاہتا ہے۔ مگر رابرٹ
بروس کی بغاوت کی وجہ سے اسکاٹلینڈ سے خطرناک کشمکش شروع
ہوگئی اور اس طرح اس کے ہاتھ بندھ گئے۔ اس اثنا میں بادشاہ
کا انتقال ہوگیا اور یہ مناقشہ اس کے نا اہل بیٹے کے ورثے میں آیا۔ ۱۳۰۷

اڈورڈ دوم ۱۳۰۷-

اڈورڈ دوم اخلاقاً نالائق ہو لیکن وہ اس دماغی قابلیت سے
معرا نہ تھا جو گویا اس کے خاندان میں موروثی چلی آرہی تھی قطعی
مقصد یہ تھا کہ طبقہ بیرن کے جوے کو اپنے کندھے سے اتار پھینکے
اور اس مقصد کے حاصل کرنیکے لئے وہ ایک ایسے وزیر کا انتخاب
کرنا چاہتا تھا جو کلیتہً تاج کے زیر اثر ہو۔ خود مختار نارمن اور
انجوئی حکومتوں کے دوراں میں "عبادتگاہ شاہی کے پادری" وزرا
کا کام انجام دیا کرتے تھے مگر ہم دیکھ چکے ہیں کہ "مستقل مجلس"
کے مقتدایان دین اور امرا نے خاموشی کے ساتھ پھر ان عہدوں
پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے باپ کے اختتام عہد کے قریب بیرنوں

کی جانب سے یہ مطالبہ ہوا تھا کہ سلطنت کے بڑے بڑے عہدہ داروں کا
تقرر ان کے ہاتھ میں دے دیا جائے مگر اڈورڈ نے اگرچہ نہایت سختی
کے ساتھ اس سے انکار کر دیا مگر عملاً بادشاہ کو وزراء کا انتخاب
مقتدایان دین اور امرا کے طبقے تک محدود رکھنا پڑتا تھا اور ذات
شاہی سے انہیں کیسا ہی قریبی تعلق کیوں نہ ہو یہ عہدہ دار ہمیشہ
ایک بڑی حد تک اپنے فرقہ کے جذبات کے شریک ہوتے تھے۔
نوجوان بادشاہ کی کوشش یہ تھی کہ اس تغیر کو جو اس طرح
آہستہ آہستہ پیدا ہو گیا تھا پلٹ دے اور اپنے ہمعصر شاہان
فرانس کے مانند وزرا کا انتخاب نیچ حیثیت کے ایسے لوگوں میں سے
کرے جو ہر حالت میں بادشاہ کے محتاج ہوں اور اپنے مالک کی
حکمت عملی اور اغراض کے سوا اور کسی شے سے انہیں غرض نہ ہو
پائرز گوسٹن، گنی کے کسی خاندان کا ایک غیر ملکی شخص تھا اور وہ
اڈورڈ اول کے عہد میں شہزادہ اڈورڈ کا دوست و ندیم تھا مگر سابق
عہد کے اختتام کے قریب وہ ان سازشوں میں ملوث ہونے کے
سبب جس سے باپ بیٹے کے درمیان تفرقہ پڑ گیا تھا ملک بدر
کر دیا گیا تھا۔ نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد ہی وہ فوراً واپس
بلا لیا گیا اور اسے ارل کارنوال کا لقب دے کر تمام انتظامات
ملکی کا افسر اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔ گوسٹن اگرچہ ایک خوش طبع، نرم
مزاج اور مسرف شخص تھا مگر اپنے ابتدائی کاموں میں اس نے
جنوب فرانس کے باشندوں کے مانند چالاکی و جرأت ظاہر کی سابق ۱۳۰۷
کے وزرا برطرف کر دئے گئے، تخت نشینی کے وقت عہدوں کی تقسیم

میں قدامت و وراثت کے حقوق کا مطلق لحاظ نہیں کیا گیا۔ ساتھ ہی اس کے طنز آمیز فقروں اور تمرد نے مغرور بیرنوں کے آتش غیظ کو اور بھڑکا دیا۔ بادشاہ کا یہ مورد عنایت شخص سپہگری میں طاق تھا، اور اس کے نیزے نے مخالفین کو مصنوعی مقابلوں کے وقت بار بار گھوڑوں سے گرا دیا تھا۔ وہ اپنی بیباک طباعی کی وجہ سے دربار میں لوگوں کے لئے نئے حقارت آمیز نام تجویز کیا کرتا تھا۔ اس نے ارل لینکیسٹر کا نام ''ایکٹر'' (نقال) پمبروک کا ''یہودی'' اور وارک کا نام ''کالا کتا'' رکھا تھا۔ مگر یہ تمام طعن و تشنیع بیرنوں کے آہنی گرز کی ضرب سے ریزہ ریزہ ہو گئی۔ چند ماہ کے اقتدار کے بعد جب پارلیمنٹ نے اس کی برطرفی کا مطالبہ کیا تو اسے منظور کرنیکے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا۔ اور وہ باضابطہ ملک سے خارج کر دیا گیا۔ اگلے سال اسکاٹلینڈ کی جنگ کے لئے اڈورڈ کو روپیہ صرف اس طرح حاصل ہو سکا کہ اس نے ان حقوق سے دست برداری کی جنہیں اس کے باپ نے قائم کرنا چاہا تھا یعنے یہ کہ تاجروں پر صرف انہیں کی منظوری سے محصول درآمد لگایا جائے۔ جب اڈمنڈ کراؤچ بیک کا بیٹا ارل لینکیسٹر بیرنوں کا سرگروہ ہو گیا تو ان کا استقلال اور بڑھ گیا۔ لینکیسٹر کے رعب و اثر کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ پارلیمنٹ کے اختتام پر جب اڈورڈ نے گیوسٹن کو واپس بلا لیا تو لینکیسٹر شاہی مجلس سے چلا گیا اور سنہ ۱۳۱۰ء میں پارلیمنٹ کے ایک اجلاس میں یہ تجویز ہوئی کہ ملک کے انتظامات ایک برس کے لئے اکیس ''منتظمین'' کی ایک

جماعت کے حوالہ کر دئے جائیں +

لارڈز آرڈینرز (امرائے منتظمین) ۱۳۱۱

ان اکیس منتظمین نے ایک طول طویل فرد احکام تیا
کی اور اسکاٹلینڈ کی بیکار جنگ سے واپس آنے کے بعد یہ
فرد اڈورڈ کے سامنے پیش ہوئی۔ اس طویل اور اہم قانو
کی رو سے گوسٹن جلا وطن کیا گیا، دوسرے مشیر بھی مجلس شور
سے نکال دئے گئے، اور فلورنس کے ساہوکار بھی (جن کے قرض
نے اڈورڈ کو اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ بیرنوں کا مقابلہ کرسک
ملک سے خارج کر دئے گئے۔ اڈورڈ اول کے جاری کردہ میز
(پرمٹ) کے محصولات خلاف قانون قرار دئے گئے اور یہ
پایا کہ پارلیمنٹ ہر سال طلب کی جایا کرے، بشرط ضرورت
شاہی عہدہ دار جوابدہی کے لئے پارلیمنٹ میں بلائے جاسکیں
سلطنت کے بڑے بڑے عہدہ دار بیرنوں کے مشورے او
منظوری سے مقرر کئے جائیں اور اپنے عہدے کے لئے پارلیمنٹ
میں حلف اٹھائیں۔ بادشاہ اگر جنگ کا اعلان کرنا چاہے
خود ملک سے باہر جانا چاہے تو اس کے واسطے بھی بیرنوں
کی منظوری لازم ہو۔ ان احکام سے ظاہر ہوتا ہے کہ طبقہ
بیرن اس وقت تک پارلیمنٹ کو ملک کے ہر سہ طبقات
کی نمائندہ ہونے کے بجائے محض امرا کی ایک سیاسی جماعت
سمجھتا تھا، نیچے درجے کے پادریوں کا کچھ خیال نہیں کیا جا
تھا۔ "عوام" محض محصول دہندہ سمجھے جاتے تھے جن کا ابھی تک
صرف اتنا ہی کام تھا کہ شکایات کی عرضداشت پیش کری

کی قسم سے کسی طرح کا سامان خوراک ساتھ لیکر نہیں چلتے کیونکہ جنگ کے وقت ان کا ضبط و صبر اس درجہ کا ہوتا ہے کہ وہ مدت تک نیم پخت گوشت پر بغیر روٹی کے اور دریا کے پانی پر بغیر شراب کے بسر کر سکتے ہیں اس لئے انہیں دیگچوں اور برتنوں کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ مویشیوں کا گوشت انہیں کی کھال میں رکھ کر پکا لیتے ہیں اور چونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ جس ملک پر وہ حملے کے لئے جا رہے ہیں اس میں انہیں مویشی بکثرت مل جائیں گے، اس لئے وہ کسی قسم کے مویشی بھی اپنے ساتھ نہیں لاتے، ہر شخص اپنے زین کے لٹکن میں دھات کا ایک چوڑا برتن اور زین کے پیچھے جو کے آٹے کا ایک تھیلا رکھ لیتا ہے، جب وہ نیم پخت گوشت بہت کھا چکتے ہیں اور ان کا معدہ کمزور اور خالی معلوم ہوتا ہے تو وہ اس رکابی کو آگ پر رکھ دیتے ہیں آٹے کو پانی سے گوندھتے ہیں اور جب رکابی گرم ہو جاتی ہے تو اس پلیتھن کی ایک باریک ٹکیا اس پر ڈال دیتے ہیں اور اسی کو کھا کر اپنا معدہ گرم کر لیتے ہیں، اسلئے کوئی تعجب نہیں کہ وہ دوسرے سپاہیوں کی بہ نسبت زیادہ دور تک کوچ کرتے ہیں۔" ایسے دشمن کے مقابلہ میں انگریزی فوج جو اپنے نوعمر بادشاہ کے تحت میں سرحد کی حفاظت کے لئے روانہ ہوئی تھی بالکل بے بس تھی۔ ایک

موقع پر سرحد کے وسیع ویرانے میں یہ فوج راستہ بھول گئی
دوسرے موقع پر دشمن کے تمام نشانات ہی ناپید تھے۔اور
فوج اسکاٹ کے جائے قیام کا پتہ دینے والے کے لئے
منصب نائٹ اور سو مارک کے انعام کا وعدہ کیا گیا۔
مگر جب وہ ملے تو دیر کے عقب میں ہونیکے باعث
ان پر حملہ کرنا ناممکن تھا، مگر ڈگلس نے انگریزی لشکرگاہ
پر ایک دلیرانہ یورش کردی اور ہوشیاری سے مراجعت
کرکے اپنی فوج سے منقطع ہونے سے بھی بچ نکلا۔ انگریزی
سپاہ مایوسانہ طور پر ٹوٹ گئی اور نارتھمبرلینڈ پر جدید تاخت
و تاراج نے انگریزی دربار کو درخواست صلح پر مجبور کردیا
نارتھمپٹن کے معاہدے میں اسکاٹلینڈ کی آزادی کا باقاعدہ
اعتراف کرنا پڑا، اور بروس کو اس کا بادشاہ تسلیم کیا گیا،
مگر اس کشمکش سے انگلستان کے غرور کو ایسی ٹھیس
لگی تھی کہ وہ اپنی شکست کو آسانی سے برداشت کرنے
پر آمادہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس معاہدے کا پہلا نتیجہ یہ
ہوا کہ معاہدہ کرنے والے برسر اقتدار نہ رہے۔ علاوہ اسکے
دوسری وجہ ان کے برسر حکومت نہ رہنے کی یہ ہوئی کہ
راجر مارٹیمر جو ان سب کا سرکردہ تھا بہت مغرور تھا اور
اس نے تمام دیگر امرا کو انتظام سلطنت سے بیدخل کر رکھا
تھا۔ راجر کی قوت کو متزلزل کرنے کی پہلی کوششیں ناکام
رہیں، اس کے خلاف ارل لینکسٹر نے ایک جتھا بنایا تھا

مگر وہ بغیر کسی نتیجے کے ٹوٹ گیا۔ اور قبل ازیں کہ بادشاہ خود اس کشمکش میں مداخلت کرے اس کا چچا ارل کنٹ قتل گاہ میں پہنچ چکا تھا۔ قصر ناٹنگھیم جس چٹان پر واقع ہے اس کے ایک خفیہ راستہ کے ذریعے سے اڈورڈ نے اپنے سپاہی قلعے کے اندر پہنچا دئے اور اسی سپاہ کے ساتھ کمرۂ مجلس میں داخل ہوکر مارٹیمر کو خود اپنے ہاتھ سے گرفتار کیا اور بہ عجلت اس کا کام تمام کرکے انتظامات کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کی پہلی فکر یہ تھی کہ سابق حکومت کی برہمی رفع ہو کر تمام ملک میں پوری طرح امن و اماں ہو جائے اور فرانس سے صلح کرکے شمال میں الوالعزمی دکھانے کے لئے اسے آزادی مل جائے۔ فی الحقیقت اب یہ معلوم ہوا کہ قسمت نے پھر انگریزوں کی جانب پلٹا کھایا ہے، معاہدہ ناٹنگھیم کے ایک ہی برس کے بعد بروس کے انتقال سے ایک آٹھ برس کا بچہ تخت اسکاٹلینڈ کا وارث ہو گیا، اور ملک کی اندرونی مشکلات کے باعث خانگی مناقشات برپا ہو گئے۔ سرحد کے دونوں جانب کے بڑے بیرنوں کو سابق کی صلح سے بہت نقصان پہنچا تھا، کیونکہ اسکاٹلینڈ کے بہت سے خاندانوں کی انگلستان میں بڑی بڑی جائدادیں تھیں اور اسی طرح انگریزی امرا کی جائدادیں اسکاٹلینڈ میں تھیں، اور اگرچہ معاہدے میں ان کے حقوق کا انتظام کیا گیا تھا

مگر واقعاً ان کا عملدرآمد معطل رہا۔ اس نئے بندوبست پر
بیرنوں کی اسی بے اطمینانی کی وجہ سے تخت اسکاٹلینڈ
پر قابض ہو جانے میں اڈورڈ بیلیل کو فوری کامیابی
حاصل ہو گئی۔ باوجود شاہ اڈورڈ کی ممانعت کے وہ امرا
کی ایک جماعت کو لیکر (جنہیں شمال میں جائداد کے
دعوے تھے) انگلستان سے روانہ ہوکر سواحل فائف پر
جا اترا اور پرتھ کے قریب حملہ آور فوج کو شدید نقصان
کے ساتھ پسپا کر کے اسکون میں تاج اپنے سر پر رکھا اور
۱۳۳۲ ڈیوڈ بروس بے یار و مددگار فرانس بھاگ گیا' اس دلیرانہ
کارروائی میں اڈورڈ نے علانیہ کسی قسم کی مدد نہیں کی
تھی مگر موقع کی نزاکت نے اس کی طمع کو بھڑکایا اور
اس نے بیلیل سے انگریزی اقتدار شاہی کے اعتراف کا
مطالبہ کیا۔ بیلیل نے بھی اسے قبول کرلیا' مگر یہ اعتراف
خود بیلیل کے حق میں مہلک ثابت ہوا' وہ اپنی مملکت
سے خارج کردیا گیا اور انگریزی حملے کو روکنے کے لئے بروک
میں (جسے اس نے اڈورڈ کے حوالہ کر دینے کا وعدہ کیا تھا)
ایک زبردست فوج متعین کردی گئی۔ بہت جلد اس شہر کا
۱۳۳۳ محاصرہ ہو گیا مگر مشیر مملکت یعنی مشہور جیمز ڈگلس کے بھائی
کے تحت میں شہر کی مدد کے لئے ایک اسکاچ فوج روانہ
ہوئی۔ ایک انگریزی محافظ فوج پہاڑی ہلیڈن کے مضبوط
موقع پر قائم تھی۔ اہل اسکاٹلینڈ نے اس فوج پر حملہ کردیا

گر انگریزی تیر اندازوں نے اپنی گذشتہ شہرت کو قائم رکھا
بھی تیر انداز تھے جن کی وجہ سے میدان کریسی انگریزوں
کے ہاتھ آیا تھا۔ اہل اسکاٹلینڈ انگریزی صف کے سامنے
کی دلدلوں میں پھنسکر رہ گئے۔ اور تیروں کی بوچھار نے
انہیں چھلنی کر دیا، اور وہ بالکل تباہ ہوکر منتشر ہو گئے۔ اِس
جنگ نے بروک کی قسمت کا فیصلہ کر دیا اور اس وقت سے
یہ شہر فتوحات اڈورڈ کے ایک جزو کے طور پر انگریزی
بادشاہوں کے تصرف میں رہا۔ یہ شہر اگرچہ ملک کا ایک
ٹکڑا تھا مگر قانوناً وہ ہمیشہ زمانہ سابق کی طرح پورے
ملک کا قائم مقام سمجھا جاتا رہا۔ اسکاٹلینڈ کی طرح
یہاں بھی ایک چانسلر (صاحب دیوان) چمبرلین (ناظر
تشریفات) اور سلطنت کے دوسرے عہدہ دار ہوا کرتے تھے۔
اور پارلیمنٹ کے بعض قوانین کا یہ مخصوص عنوان کہ "یہ قانون
انگلستان اور شہر بروک واقع ٹویڈ" کے لئے ہے، اب تک
اس کی مختص حیثیت کو یاد دلاتا ہے۔ فاتحین نے بیلیل کو
پھر تخت نشیں کر دیا اور اس نے ان کے معاوضہ امداد
کے طور پر لولینڈز کو با ضابطہ فاتحین کے حوالہ کر دیا۔
اڈورڈ نے جو طرز عمل اختیار کیا تھا اس پر وہ تین برس
تک قائم رہا، جنوبی اسکاٹلینڈ پر اس نے اپنا قبضہ قائم
رکھا اور خاندان بروس کے ہواخواہوں کی مسلسل جانبازانہ
کوششوں کے مقابلے میں اپنی فاتحیت، اڈورڈ بیلیل کے

مہمات میں برابر امداد دیتا رہا۔ اس کے استقلال کا نتیجہ کامیابی کی حد پر پہنچ چکا تھا کہ فرانس سے جنگ چھڑ جانے سے انگلستان کی قوت آبنائے کے دوسری جانب مصروف ہو گئی اور اسکاٹلینڈ کو بچ جانے کا موقع مل گیا۔ محب وطن جماعت پھر مجتمع ہو گئی۔ بیلیل کا کوئی معاون و مددگار نہیں رہا اور بالآخر وہ اڈورڈ کے دربار میں چلا گیا۔ ڈیوڈ بروس پھر اپنی سلطنت میں واپس آیا اور اس نے لولینڈز کے اہم قلعوں کو دوبارہ فتح کر لیا، فی الحقیقت اسکاٹلینڈ کی آزادی مستحکم ہو گئی تھی۔ فتح اور حب وطن کی جنگ کے بجائے اب یہ کشمکش دو کینہ توز ہمسایوں کے خفیف مناقشے کی صورت میں بدل گئی اور انگلستان و فرانس کی زیادہ وسیع معرکہ آرائی کا ایک معمولی جزو بن گئی۔

تمت